بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مُحَمَّدٌ ۔ اَحْمَدُ ۔ حَامِدٌ ۔ مَحْمُوْدٌ ۔ قَاسِمٌ

عَاقِبٌ ۔ فَاتِحٌ ۔ شَاهِدٌ ۔ حَاشِرٌ ۔ رَشِيْدٌ ۔ مَشْهُوْدٌ ۔ بَشِيْرٌ ۔ نَذِيْرٌ

دَاعٍ ۔ شَافٍ ۔ هَادٍ ۔ مَهْدِيٌّ ۔ مَاحٍ ۔ مُنْجٍ ۔ نَاهٍ ۔ رَسُوْلٌ

نَبِيٌّ ۔ اُمِّيٌّ ۔ تِهَامِيٌّ ۔ هَاشِمِيٌّ ۔ اَبْطَحِيٌّ ۔ عَزِيْزٌ ۔ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ ۔ رَءُوْفٌ

رَحِيْمٌ ۔ طٰهٰ ۔ مُجْتَبٰى ۔ طٰسٓ ۔ مُرْتَضٰى ۔ حٰمٓ ۔ مُصْطَفٰى ۔ يٰسٓ

اَوْلٰى ۔ مُزَمِّلٌ ۔ وَلِيٌّ ۔ مُدَّثِّرٌ ۔ مَتِيْنٌ ۔ مُصَدِّقٌ

مُحَمَّدٌ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم

طَيِّبٌ ۔ نَاصِرٌ ۔ مَنْصُوْرٌ ۔ مِصْبَاحٌ

اٰمِرٌ ۔ حِجَازِيٌّ ۔ نَزَارِيٌّ ۔ قُرَشِيٌّ

مُضَرِيٌّ ۔ نَبِيُّ التَّوْبَةِ ۔ حَافِظٌ ۔ كَامِلٌ

صَادِقٌ ۔ اَمِيْنٌ ۔ عَبْدُ اللّٰهِ ۔ كَلِيْمُ اللّٰهِ ۔ حَبِيْبُ اللّٰهِ ۔ نَجِيُّ اللّٰهِ

صَفِيُّ اللّٰهِ ۔ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ ۔ حَسِيْبٌ ۔ مُجِيْبٌ ۔ شَكُوْرٌ ۔ مُقْتَصِدٌ ۔ رَسُوْلُ الرَّحْمَةِ ۔ قَوِيٌّ

حَفِيٌّ ۔ مَامُوْنٌ ۔ مَعْلُوْمٌ ۔ حَقٌّ ۔ مُبِيْنٌ ۔ مُطِيْعٌ ۔ رَسُوْلُ الْمَلَاحِمِ ۔ اَوَّلٌ

اٰخِرٌ ۔ ظَاهِرٌ ۔ بَاطِنٌ ۔ نَبِيُّ الرَّحْمَةِ ۔ يَتِيْمٌ ۔ كَرِيْمٌ ۔ حَكِيْمٌ ۔ خَاتِمُ الرُّسُلِ

سَيِّدٌ ۔ سِرَاجٌ ۔ مُنِيْرٌ ۔ مُحَرَّمٌ ۔ مُكَرَّمٌ ۔ مُبَشِّرٌ ۔ مُذَكِّرٌ ۔ مُطَهِّرٌ

قَرِيْبٌ ۔ خَلِيْلٌ ۔ مَدْعُوٌّ ۔ جَوَّادٌ ۔ خَاتِمٌ ۔ عَادِلٌ ۔ شَهِيْرٌ ۔ شَهِيْدٌ

بسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

سیرت سرورکونین

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

جلد اول

انبیاء علیہم السلام قبل از بعثت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اور

ابتدائے نسل انسانی

تا

ظہور نبوی سرکار دو عالم ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

رانا محمد سرور خاں

رانا محمد سرور خاں پبلی کیشنز
103-A کینال ویو کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی-لاہور (پاکستان)

سیرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد ۱

اشاعت اول	----	27 رمضان المبارک 1428ھ (10 اکتوبر 2007ء)
مؤلف	----	رانا محمد سرور خاں
ناشر	----	رانا محمد سرور خاں پبلی کیشنز
تعداد	----	1100
مطبع	----	شرکت پرنٹنگ پریس لاہور
ہدیہ (مکمل سیٹ)	----	8800 روپے

ISBN 9789699116-03-2 Vol. 1

انتساب

سرکار دو عالم باعث تخلیق کائنات

سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین شفیع المذنبین

مُحَمَّد

رَسُول اللّٰہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّم

کی خدمت اقدس میں

ہدیۂ عقیدت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

قصیدہ بُردہ شریف

قصیدہ بُردہ شریف کی انتہائے تقدس اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ یہ قصیدہ مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عثمانیوں کے عہد کی تعمیر شدہ دیوار پر سبز رنگ کی تقریباً پونے دوفٹ چوڑی پٹی پر لکھا ہوا ہے جہاں کی خاک کو چومنا بھی ہمارے لیے باعث سعادت وبخشش ہے۔اس تقدس کی بناپر اس قصیدہ کو سیدالمرسلین رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہدیۂ عقیدت پیش کرنے اور سیرتِ سرورکونین ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شروع کرنے کا واسطہ اور وسیلہ بنایا گیا ہے۔حضرت امام شرف الدین محمد البوصیری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 695ھ بمقام فسطاط۔سکندریہ) نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت اقدس کے لیے یہ قصیدہ پیش کرکے عاشقان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دوامی اور بہت ہی عظیم مقام حاصل کرلیا اور آنے والی نسلوں کے لیے تاقیامت راستہ متعین کردیا ہے۔امام شرف الدین محمد البوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا تھا نصف جسم بالکل مفلوج ہوگیا تھا اور کسی علاج سے بھی شفا نہ پاسکے تو انتہائی مایوسی کے عالم میں رسول کریم نورمجسم شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں قصیدہ رقم کرنے کا تہیہ کرلیا تاکہ اس کے توسط سے بارگاہِ رب العزت میں صحت کے لیے دعا کی جاسکے۔اللہ تعالیٰ نے اس ارادہ کو پورا کرنے کی سعادت نصیب فرمائی اور امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ مکمل کرلیا۔تکمیل پر انہیں نیند آگئی خواب دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں۔آپ علیہ السلام نے امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو فوری طور پر صحت یاب ہوگئے۔جب نیند سے بیدار ہوئے تو مکمل طور پر صحت مند ہوچکے تھے۔جب وہ باہر نکلے تو ایک درویش سے ملاقات ہوئی۔اجنبی درویش نے قصیدہ سنانے کی خواہش کی حالانکہ ان کے اس قصیدہ کا ابھی کسی کو بھی علم نہیں تھا۔امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے حیرانی سے ان سے پوچھا کہ کون سا قصیدہ سننا چاہتے ہو تو اس بزرگ درویش نے اسی محرّرہ قصیدہ کو سنانے کے لیے کہا اور فرمایا کہ " کل شب میں نے تمہیں اس قصیدے کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار اقدس میں پڑھتے سنا ہے" امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قصیدہ اُن بزرگ درویش کو سنایا تو اس کا بہت چرچا ہوا حتّٰی کہ وقت کے حکمران تک یہ اطلاع پہنچی تو اُس نے اس قصیدے کو نقل کروایا اور عہد کیا کہ وہ ہمیشہ اس کو برہنہ پا، سرڈھانپ کر احتراماً کھڑے ہو کر سنا کرے گا چنانچہ اس عقیدت کا اثر تھا کہ اس کے خاندان نے ہمیشہ اس قصیدہ کی بدولت دینی اور دنیوی فیوض وبرکات سے استفادہ کیا۔

اس قصیدہ بُردہ شریف کا منظوم فارسی ترجمہ معروف عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محقق مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 898ھ) اور اردو ترجمہ محمد فیاض الدین نظامی دکنی کا سہولت کے لیے تحریر کردیا گیا ہے۔رسول

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلۂ جلیلہ اختیار کر لیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت قبول فرمائے۔ آمین۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ o

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادنیٰ غلام

رانا محمد سرور خاں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مُنْشِی الْخَلْقَ مِنْ عَدَمٖ
سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے بغیر وجود کو پیدا فرمایا

ثُمَّ الصَّلٰوۃُ عَلَی الْمُخْتَارِ فِی الْقِدَمٖ
پھر ان (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود ہو جو پہلے ہی منتخب شدہ ہیں

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَدًا
اے میرے مولا! درود و سلام بھیج ہمیشہ ہمیشہ تک

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ
اپنے حبیب ﷺ پر جو تمام مخلوق میں بہترین ہیں

قصیدہ بُردہ شریف

اَمِنْ تَذَکُّرِ جِیْرَانٍ بِذِیْ سَلَمٖ
مَزَجْتَ دَ مْعًا جَرٰی مِنْ مُّقْلَۃٍ بِدَمٖ

کیا تمہیں یاد آ گئے ہمسایگانِ ذی سلم
خون کے آنسو جو آنکھوں سے رواں ہیں دم بدم

اے زیادِ صحبت یا رانت اندر ذی سلم
اشکِ چشم آمیختی باخوں رواں گشتہ بہم

اَمْ هَبَّتِ الرِّیْحُ مِنْ تِلْقَآءِ کَاظِمَۃٍ
اَوْاَوْمَضَ الْبَرْقُ فِی الظَّلْمَآءِ مِنْ اِضَمٖ

یا صبالائی ہے سمتِ کاظمہ سے اک پیام
یا ہوا بجلی سے روشن رات میں کوہ اضم

یا مگر از کاظمہ بادے وزید از کوئے دوست
یا مگر درنیم شب برقے جہیدہ از اضم

فَمَا لِعَیْنَیْکَ اِنْ قُلْتَ اکْفُفَا هَمَتَا
وَمَا لِقَلْبِکَ اِنْ قُلْتَ اسْتَفِقْ یَهِمٖ

کیا آنکھوں کو تیری رورہی ہیں زار زار
کیا ہوا دل کو ترے کیوں اس قدر کھاتا ہے غم

چیست چشمت راچہ گوئی خشک شوگریاں شود
چیست دل گوئی بہوش آشفتہ گرد و زِغم

اَیَحْسَبُ الصَّبُّ اَنَّ الْحُبَّ مُنْکَتِمٌ
مَّا بَیْنَ مُنْسَجِمٍ مِّنْهُ وَ مُضْطَرِمٖ

ہے عبث تیرا گماں چھپتا نہیں ہے رازِ عشق
اسکو افشا کر رہے ہیں سوزِ دل اور چشم نم

اے تو پنداری کہ عشقِ عاشقاں پنہاں شود
باوجود آتشِ دل سوز و آبِ چشمِ نم

لَوْ لَا الْهَوٰی لَمْ تُرِقْ دَمْعًا عَلٰی طَلَلٍ
وَّلَا اَرِقْتَ لِذِکْرِ الْبَانِ وَالْعَلَمٖ

یوں نہ ویرانوں پہ روتا گر نہ ہوتا سوزِ عشق
مضطرب کرتے نہ تجھ کو قصۂ بان وعَلَم

گر نہ بودے عشق اشکت بر طلل ریختی
کئے بدی بے خواب چشمت از غمِ بان وعلم

فَکَیْفَ تُنْکِرُ حُبًّا بَعْدَ مَا شَهِدَتْ
بِهٖ عَلَیْکَ عُدُوْلُ الدَّمْعِ وَالسَّقَمٖ

عشق سے انکار کرنا تیرا ممکن ہی نہیں
ہیں گواہِ معتبر صورت تری اور چشمِ نم

چوں کنی انکارِ عشقش چوں گواہی میدہند
بر تو اشکِ چشم دیگر زردیٔ روئے سقم

وَاَثْبَتَ الْوَجْدُ خَطَّیْ عَبْرَۃٍ وَّضَنًی
مِّثْلَ الْبَهَارِ عَلٰی خَدَّیْکَ وَالْعَنَمٖ

خطِ اشک اور لاغری نے عشق ثابت کر دیا
زرد گل کی طرح رخساروں پہ مانندِ عنم

عشق ثابت کرد بررُو خطِ اشک و لاغری
چوں بہا رِ روئے یار و سرخی شاخِ عنم

نَعَمْ سَرٰی طَیْفُ مَنْ اَهْوٰی فَاَرَّقَنِیْ
وَالْحُبُّ یَعْتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِالْاَلَمٖ

ہاں خیالِ یار نے مجھکو جگایا رات بھر
لذتوں کو کر دیا ہے عشق نے رنج و الم

چوں خیالِ دلبرم آمد مرابے خواب کرد
عشق آرد درمیانِ خرمی رنج و الم

یَا لَائِمِیْ فِی الْهَوَی الْعُذْرِیِّ مَعْذِرَةً
مِنِّیْ اِلَیْکَ وَلَوْ اَنْصَفْتَ لَمْ تَلُمِ
ناصحا تو عشق میں کر معذرت میری قبول
ہے اگر انصاف تجھ میں کر نہ مجھ پر یہ ستم
اے کہ در عشقم ملامت می کنی معذور دار
گر ترا انصاف باشد عذر آری از کرم

عَدَتْکَ حَالِیْ وَلَا سِرِّیْ بِمُسْتَتِرٍ
عَنِ الْوُشَاةِ وَلَا دَائِیْ بِمُنْحَسِمِ
اب تو واقف ہو چکے اغیار بھی تیرے سوا
درد میرا ہو نہیں سکتا کسی صورت سے کم
حالِ من وز تو گذشتہ سرِّ من از دشمناں
نیست پنہاں دردِ من زائل نگشتہ از دلم

مَحَضْتَنِی النُّصْحَ لٰکِنْ لَّسْتُ اَسْمَعُهُ
اِنَّ الْمُحِبَّ عَنِ الْعُذَّالِ فِیْ صَمَمِ
تھی نصیحت خوب لیکن اسکو سنتا کس طرح
ناصحا عاشق کے حق میں ہے سماعت کالعدم
تو نصیحت می کُنی نیکو و من می نشنوم
عاشقاں باشند دائم از ملامت در صمم

اِنِّی اتَّهَمْتُ نَصِیْحَ الشَّیْبِ فِیْ عَذَلِیْ
وَالشَّیْبُ اَبْعَدُ فِیْ نُصْحٍ عَنِ التُّهَمِ
کی ضعیفی نے نصیحت میں نے جھٹلایا اُسے
گو نصیحت میں بڑھاپا ہے مبرّا از تہم
شیب پندم دادو من بُردم گمانِ بدبرو
ورچہ شیب اندر نصیحت دُور باشد ازتہم

فَاِنَّ اَمَّارَتِیْ بِالسُّوْءِ مَا اتَّعَظَتْ
مِنْ جَهْلِهَا بِنَذِیْرِ الشَّیْبِ وَالْهَرَمِ
نفس امّارہ نے لیکن جہل سے مانا نہیں
گرچہ پیری کی نصیحت تھی نہایت محترم
نفس فرماں دہ بہ بدہا میکند و نیم خراب
وز جہالت پند نپذیرد ز پیری و ہَرَم

وَلَا اَعَدَّتْ مِنَ الْفِعْلِ الْجَمِیْلِ قِرٰی
ضَیْفٍ اَلَمَّ بِرَاْسِیْ غَیْرَ مُحْتَشِمِ
اسکی مہمانی نہ کی کچھ میں نے کارِ خیر سے
آئی جب مہمان پیری سر پہ میرے ایک دم
ہم نکرد ا و کارِ نیکو بہر مہمانی او
بر سرم آمد فرود ازمن نگشتہ محتشم

لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ اَنِّیْ مَا اُوَقِّرُهُ
کَتَمْتُ سِرًّا بَدَا لِیْ مِنْهُ بِالْکَتَمِ
کاش میں پہچانتا توقیر اس مہمان کی
پس چھپا لیتا سفیدی سر کی از رنگِ کتم
گر بدانستم کہ مہمان رانمیدارم عزیز
کردمے تغیرا سفیدیِّ مویم از کتم

مَنْ لِّیْ بِرَدِّ جِمَاحٍ مِّنْ غَوَایَتِهَا
کَمَا یُرَدُّ جِمَاحُ الْخَیْلِ بِاللُّجُمِ
کون ہے جونفسِ سرکش کو مرے یوں پھیردے
روکتے ہیں جیسے گھوڑوں کی لگاموں سے بہم
نفسِ سرکش رازبے راہی کہ می آرد براہ
چوں لگامے اسپ سرکش آوارد از راہ ہم

فَلَا تَرُمْ بِالْمَعَاصِیْ کَسْرَ شَهْوَتِهَا
اِنَّ الطَّعَامَ یُقَوِّیْ شَهْوَةَ النَّهِمِ
نفس کی خواہش گناہوں سے نہیں ہوتی ہے دُور
جس طرح جوع البقر میں پُر نہیں ہوتا شکم
پس مجو برفعلِ عصیاں کسرِ شہوتہائے نفس
زانکہ قوّت میدہد شہوت طعام اندر شکم

وَالنَّفْسُ كَالطِّفْلِ اِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلٰى
حُبِّ الرَّضَاعِ وَاِنْ تَفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ

نفس کی ہیں عادتیں مانندِ طفلِ شیر خوار
دودھ پیتا جائے گا جب تک چھڑا دینگے نہ ہم

نفس چوں طفل ست گر شیرش دہی دائم خورد
ورنہ شیرش بازداری او نہ خواہد ہیچ دم

فَاصْرِفْ هَوَاهَاوَحَاذِرْاَنْ تُوَلِّيَهٗ
اِنَّ الْهَوٰى مَا تَوَلّٰى يُصْمِ اَوْيَصِمِ

خواہشوں کو روک ہرگز نفس کا تابع نہ ہو
ختم کر دے یا نہ تجھکو عیب والا کم سے کم

باز گیرش از ہوا برخود ہوا حاکم مکن
چوں ہوا حاکم شود و نیت بشد یا گشت کم

وَرَاعِهَا وَهْيَ فِي الْاَعْمَالِ سَائِمَةٌ
وَّاِنْ هِيَ اسْتَحْلَتِ الْمَرْعٰى فَلَا تُسِمِ

باز رکھ حسنِ عمل کو لذتِ تشہیر سے
اس چراگاہِ ہوس سے دور رکھ اپنا قدم

نفس را مقہور کن چوں در عمل جولاں کنی
وربچیزے اُنس گیرد باز دارش از ستم

كَمْ حَسَّنَتْ لَذَّةً لِّلْمَرْءِ قَاتِلَةً
مِّنْ حَيْثُ لَمْ يَدْرِاَنَّ السَّمَّ فِي الدَّسَمِ

لذّتیں چکنی غذا کی زہر قاتل تھیں مگر
کھانے والے نے نہ جانا اس میں پوشیدہ ہے سم

لذّتے کاں با مضرت باشد آرا ید بخلق
آنچناں کو درنیابد ایں کہ زہر اندر دسم

وَاخْشَ الدَّسَائِسَ مِنْ جُوْعٍ وَّ مِنْ شَبَعٍ
فَرُبَّ مَخْمَصَةٍ شَرٌّ مِّنَ التُّخَمِ

مکر سے کر خوف انکے شکم سیری ہو کہ بھوک
آفتیں خالی شکم کی کچھ نہیں سیری سے کم

تو بترس از حیلہ ہائے نفس چوں جوع وشبع
گاہ باشد گشنگی بد تر ز سیری و تخم

وَاسْتَفْرِغِ الدَّمْعَ مِنْ عَيْنٍ قَدِامْتَلَاتْ
مِنَ الْمَحَارِمِ وَالْزَمْ حِمْيَةَ النَّدَمِ

ان گناہوں میں جو آنکھوں میں بسے ہیں دُور کر
منفعل ہو کر بہا اشکِ ندامت دمبدم

پس بباراز دیدگاں اشکت کہ چشمت پر شدہ
از محارم پس لازم شو بدرگاہ ندم

وَخَالِفِ النَّفْسَ وَالشَّيْطَانَ وَاعْصِهِمَا
وَاِنْ هُمَا مَحَضَاكَ النُّصْحَ فَاتَّهِمِ

نفس و شیطاں کا مخالف بن نہ مان ان کا کہا
انکی سچی بھی نصیحت جھوٹ سے کیا کچھ ہے کم

برخلاف نفس و شیطان باش فرمانش مبر
ور نصیحت میکنندت قول شاں داں متہم

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمَا خَصْمًاوَّلَا حَكَمًا
فَاَنْتَ تَعْرِفُ كَيْدَالْخَصْمِ وَالْحَكَمِ

تو نہ کر ان کی اطاعت ہوں یہ حاکم یا عدو
جانتا ہے خوب تُو مکرِ عدو مکرِ حکم

ترک کُن فرمانِ ایشاں خصم باشند یا حکم
زانکہ میدانی تو مکرِ خصم و ہم مکرِ حکم

اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ مِنْ قَوْلٍ بِلَاعَمَلٍ
لَقَدْ نَسَبْتُ بِهٖ نَسْلًا لِّذِيْ عُقُمٍ

توبہ کرتا ہوں میں قولِ بے عمل کے واسطے
بانجھ عورت سے امیداولاد کی رکھتے ہیں ہم

می کنم استغفراللہ از کلامِ بے عمل
بچۂ میخواہم ازاں زن کوبود صاحب عُقم

اَمَرۡتُکَ الۡخَیۡرَ لٰکِنۡ مَّا ائۡتَمَرۡتُ بِہٖ
وَمَا اسۡتَقَمۡتُ فَمَا قَوۡلِیۡ لَکَ اسۡتَقِمِ
کی نصیحت دوسروں کو اور ہیں خود بے عمل
ہو نصیحت کا اثر کیا بے عمل جب خود ہیں ہم
امر کردم من بخیرت خود نکردم ہیچ چیز
راستی دردیں نکردم پس چہ سوداز گفتنم

وَلَا تَزَوَّدۡتُ قَبۡلَ الۡمَوۡتِ نَافِلَةً
وَلَمۡ اُصَلِّ سِوٰی فَرۡضٍ وَّلَمۡ اَصُمِ
اِک نفل کا بھی نہیں ہے زاد راہ آخرت
جز نمازِ فرض و روزہ کچھ نہیں رکھتے ہیں ہم
توشۂ ہر گز نہ کردم بہرِ زاد آخرت
وزنماز و روزۂ جز فرضی نیامد در تنم

ظَلَمۡتُ سُنَّةَ مَنۡ اَحۡیَی الظَّلَامَ اِلٰی
اَنِ اشۡتَکَتۡ قَدَمَاهُ الضُّرَّمِنۡ وَّرَمِ
اس نبیؐ کی پاک سنت پر کیا میں نے ستم
تھا قیامِ شب سے جن کے پائے نازک پر ورم
من ستم کردم بسے بر سنتِ خیر الرسل
آنکہ ازاحیائے شبہاپائے وے کردے ورم

وَشَدَّ مِنۡ سَغَبٍ اَحۡشَآءَهٗ وَطَوٰی
تَحۡتَ الۡحِجَارَةِ کَشۡحًا مُّتۡرَفَ الۡاَدَمِ
بھوک کی شدت کے باعث اورفاقوں کے سبب
آپؐ نے پتھر سے باندھا ناز پر وردہ شکم
سنگ بستے بر شکم آں نازنیں از گشنگی
صرف کر دے در رہِ حق جملہ دینار ودرم

وَرَاوَدَتۡهُ الۡجِبَالُ الشُّمُّ مِنۡ ذَهَبٍ
عَنۡ نَّفۡسِهٖ فَاَرَاهَا اَیَّمَاشَمَمِ
بن کے سونے کے پہاڑ آئے کہ مائل ہوں حضور
کچھ توجہ تک نہ کی، تھے آپ وہ عالی ہمم
کوہ از زر کرد خود راعرض تاگرد و قبول
روئے گرد انید ازاں زر مصطفیٰؐ خیر الشیم

وَاَکَّدَتۡ زُهۡدَهٗ فِیۡهَا ضَرُوۡرَتُهٗ
اِنَّ الضَّرُوۡرَةَ لَا تَعۡدُوۡعَلَی الۡعِصَمِ
ایسی حاجت پر بھی تقویٰ کو کیا مضبوط تر
سچ ہے حاجت غالب آ سکتی نہیں اوپر عصم
باضرورتہا کہ بودش میل بُرد نیاز کرد
از ضرورت خستہ نبود آنکہ دور است از حرم

وَ کَیۡفَ تَدۡعُوۡاِلَی الدُّنۡیَا ضَرُوۡرَةُ مَنۡ
لَوۡلَاهُ لَمۡ تَخۡرُجِ الدُّنۡیَا مِنَ الۡعَدَمِ
کیا کرے مائل ضرورت اُنکو دنیا کی طرف
گر نہ ہوتے آپ تو دُنیا بھی ہوتی کالعدم
چوں تو اند خواند بردُ نیا ضرورت زانکہ گر
نامدے، دنیا گہے بیروں نگشتے از عدم

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الۡکَوۡنَیۡنِ وَالثَّقَلَیۡنِ
وَالۡفَرِیۡقَیۡنِ مِنۡ عُرۡبٍ وَّمِنۡ عَجَمِ
یا محمدؐ دو جہاں کے آپ ہی سردار ہیں
شاہِ جن و انس بھی اورسیّد عرب و عجم
آں محمدؐ سیدِ کونین فخر انس و جاں
بہترِ اہلِ دوعالم سیّد عرب و عجم

نَبِیُّنَا الۡاٰمِرُالنَّاهِیۡ فَلَا اَحَدٌ
اَبَرَّفِیۡ قَوۡلِ لَامِنۡهُ وَلَا نَعَمِ
آمرونا ہی پیمبر ہیں نہیں اُن کا جواب
ہیں نہایت صاف گو وہ قول لا ہو یا نعم
آمرونا ہی پیمبرآں رسولِ راست گو
راست گو تر زونہ بُد درقول لاؤ در نعم

هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

وہ حبیب ایسے ہیں جن سے ہے شفاعت کی اُمید
وقت ہول وخوف میں پیش آئینگے جب رنج وغم

آں حبیبے کو بود اُمید گاہِ مردماں
درشفاعت نزد سختیہائے پیچیدہ بہم

دَعَا اِلَی اللّٰهِ فَالْمُسْتَمْسِكُوْنَ بِهٖ
مُسْتَمْسِكُوْنَ بِحَبْلٍ غَيْرِ مُنْفَصِمِ

دعوت حق آپؐ نے دی اور کیا جس نے قبول
ایسی رسّی اُس نے پکڑی جو نہ ہو گی منفصم

مروراخواندے بحق و ہر کہ دروے دست زد
دست زد در حبلِ محکم کاں بریدہ نشندم

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِیْ خَلْقٍ وَّ فِیْ خُلُقٍ
وَّلَمْ يُدَانُوْهُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمِ

سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے خَلق میں اور خُلق میں
انبیاء میں سب سے اکمل آپؐ کا علم و کرم

بہترِ پیغمبراں درخَلق و در خُلق آمدہ
کس چوا و نامد نہ درعلم و نہ در وصفِ کرم

وَكُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ
غُرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

انبیاء سب ملتمس ہیں تا کہ مِل جائے اُنہیں
ایک چُلّو بحر سے یا قطرہ ازابرِ کرم

ملتمس از وے ہمہ ازانبیاء و از رسل
یک کف ازدریائے علم و شربتے زابرِکرم

وَوَاقِفُوْنَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمِ
مِنْ نُّقْطَةِ الْعِلْمِ اَوْ مِنْ شَكْلَةِ الْحِكَمِ

اپنے حدِّ مرتبہ پر سب کھڑے ہیں رُوبرو
جیسے نقطہ حرف میں اعراب لفظوں میں بہم

نزدِ او استادہ جملہ ہر کسے در حدِ خویش
نقطۂ از علم دارد یا نصیبے ازحِکم

فَهُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهٗ
ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيْبًا بَارِئُ النَّسَمِ

صورت و سیرت میں ہیں سرکار عالی مرتبت
اس لیے ان کو کیا حق نے حبیبِ محترم

از خلائق او بود در صورت و معنٰی تمام
برگزیدش در محبت خالق روح و نسم

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِیْ مَحَاسِنِهٖ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمِ

کوئی عالم میں نہیں ان کا محاسن میں شریک
حُسن میں جو ہر ہے اُسؐ کا فرد کل لاینقسم

او منزہ از شریک اندر محاسن آمدہ
جوہر حسنِ محمدؐ پارہ نامد در قسم

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِيِّهِمِ
وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمِ

جو نصارٰی نے کہا عیسٰی کے حق میں تو نہ کہہ
اور جو ممکن ہو کر مدحِ نبیؐ محترم

آنچہ ترسایاں بگفتند درحق عیسٰی مگو
پس بگو درحق سید آنچہ خواہی از حکم

وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
وَّانْسُبْ اِلٰی قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمِ

جو شرف ہو ذاتِ اقدس کی طرف منسوب کر
جتنی عظمت چاہیے کر شانِ والا میں رقم

نسبت اندر ذاتِ او کن ہر چہ خواہی ازشرف
نسبت اندر قدر او کن ہر چہ خواہی از عظم

فَاِنَّ فَضلَ رَسُولِ اللّٰهِ لَیسَ لَهٗ ۔۔۔ حَدٌّ فَیُعرِبُ عَنهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

حد نہیں ہے کوئی رسول اللہ کے کمال و فضل کی ۔۔۔ ہو بیان کس منہ سے توصیفِ شہ خیر الامم

فضل و جاہ مصطفیٰ حدّے ندارد درکمال ۔۔۔ تا تواند کرد شخصے روشن آں رابیش و کم

لَو نَاسَبَت قَدرَهٗ اٰیَاتُهٗ عِظَمًا ۔۔۔ اَحیَی اسمُهٗ حِینَ یُدعٰی دَارِسَ الرِّمَمِ

ان کی عظمت کے مساوی معجزے ہوتے اگر ۔۔۔ نام انکا زندہ کرتے استخواں ہائے رمم

در خورِ قدرِ بزرگش گر نمودے معجز ست ۔۔۔ یاد نامش زندہ کردے استخواں ہائے رمم

لَم یَمتَحِنَّا بِمَا تَعیَی العُقُولُ بِهٖ ۔۔۔ حِرصًا عَلَینَا فَلَم نَرتَب وَلَم نَهِمِ

باز رکھا امتحاں سے جس سے عاجز فہم ہو ۔۔۔ مہربانی کی نہ بچتے یوں شک و حیرت سے ہم

آنچہ او فرمود عقل از فہم آں عاجز نہ شد ۔۔۔ بر صلاحِ ماحریص ست بے گمان و بے نہم

اَعیَی الوَرٰی فَهمُ مَعنَاهُ فَلَیسَ یُرٰی ۔۔۔ لِلقُربِ وَالبُعدِ فِیهِ غَیرُ مُنفَحِمِ

سرِّ باطن کی حقیقت نے کیا خلقت کو دنگ ۔۔۔ دور سے نزدیک سے ہر طرح ہے مجبور فہم

عاقلاں از فہم معنیٔ محمدؐ عاجزاند ۔۔۔ اہلِ عالم جملہ در وصفش کشید ستند دم

کَالشَّمسِ تَظهَرُ لِلعَینَینِ مِن بُعُدٍ ۔۔۔ صَغِیرَةً وَّ تُکِلُّ الطَّرفَ مِن اَمَمِ

وہ ہیں مثلِ شمس جو ظاہر ہو چھوٹا دور سے ۔۔۔ اور آنکھیں قرب سے ہوتی ہیں خیرہ ایک دم

مثلِ خورشید ست حالش کو بود کو چک زدُور ۔۔۔ در برابر چشمہائے مردم انداز دبہم

وَ کَیفَ یُدرِکُ فِی الدُّنیَا حَقِیقَتَهٗ ۔۔۔ قَومٌ نِیَامٌ تَسَلَّوا عَنهُ بِالحُلُمِ

اہل دنیا کس طرح اُن کی حقیقت پا سکیں ۔۔۔ خوابِ غفلت میں ہیں گویا قومِ خوابیدہ ہیں ہم

چوں بدانندش حقیقت اہل عالم چوں بود ۔۔۔ مست خواب و دیدنش در خواب داند مغتنم

فَمَبلَغُ العِلمِ فِیهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ ۔۔۔ وَّاَنَّهٗ خَیرُ خَلقِ اللّٰهِ کُلِّهِمِ

انتہائے علم کہتی ہے وہ ہیں خیر البشر ۔۔۔ جملہ مخلوقات میں رکھتے ہیں وہ شانِ اتم

مبلغ معلومِ مردم آں کہ سید آدمی ست ۔۔۔ بہترین مردمان باشد رسُولِ محتشم

وَکُلُّ اٰیٍ اَتَی الرُّسُلُ الکِرَامُ بِهَا ۔۔۔ فَاِنَّمَا اتَّصَلَت مِن نُّورِهٖ بِهِمِ

جو رسولانِ جلیل القدر کے تھے معجزے ۔۔۔ آپ ہی کے نُور سے پایا تھا سب نے یہ کرم

ہرچہ آوردند مجموع رُسل از معجزات ۔۔۔ آں ز نُورِ مصطفیٰ آمد بایشاں لا جرم

فَاِنَّهٗ شَمسُ فَضلٍ هُم کَوَاکِبُهَا ۔۔۔ یُظهِرنَ اَنوَارَهَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ

آفتابِ فضل ہیں وہ اور ستارے سب رسل ۔۔۔ کرتے ہیں ظلمت میں ظاہر سب پہ انوارِ کرم

او بود خورشید فضل و دیگراں سیارگاں ۔۔۔ روشنی سیارگان ظاہر کنند اندر ظُلَم

حَتّٰی اِذَا طَلَعَتْ فِی الْکَوْنِ عَمَّ هُدَا
هَاالْعَالَمِیْنَ وَ اَحْیَتْ سَائِرَالْاُمَمِ
ہو گیا خورشید طالع اور ہوا روشن جہاں
آپ کے نُورِ ہدایت سے ہوئیں زندہ اُمم
پیشوائے خلق عالم شد چو آمد درو جُود
چوں عدم پوشیدہ شد از نُوراوجملہ اُمم

اَکْرِمْ بِخَلْقِ نَبِیٍّ زَانَهٗ خُلُقٌ
بِالْحُسْنِ مُشْتَمِلٍ بِالْبِشْرِ مُتَّسِمِ
کیا عظیم الخلق ہے صورت مزیّن خُلق سے
حسن صورت مشتمل ہے خندہ روئی سے بہم
خَلقِ پیغمبر نکو برخُلقِ خوش آراستہ
مشتمل بر حسن باشد بر بشارت متّسم

کَالزَّهْرِ فِیْ تَرَفٍ وَالْبَدْرِ فِیْ شَرَفٍ
وَالْبَحْرِ فِیْ کَرَمٍ وَالدَّهْرِ فِیْ هِمَمِ
تازگی میں ہیں وہ غنچہ اور شرف میں مثلِ بدر
دہر ہیں ہمت میں اور بخشش میں دریائے کرم
چوں بہار از تازگی بد ہمچو بدر اندر شرف
ہمچو دریا در کرم چوں روزگار اندر ہمم

کَاَنَّهٗ وَهُوَ فَرْدٌ فِیْ جَلَالَتِهٖ
فِیْ عَسْکَرٍ حِیْنَ تَلْقَاهُ وَ فِیْ حَشَمِ
ہیں جلال و رعب میں سرکار عالی بے نظیر
جیسے گرد و پیش رکھتا ہے کوئی فوج و حشم
کر کسے دیدیش تنہا خود ہمی پنداشتے
کز بزرگی اوست اندر لشکر و خیل و حشم

کَاَنَّمَا اللُّؤْلُؤُ الْمَکْنُوْنُ فِیْ صَدَفٍ
مِنْ مَّعْدِنَیْ مَنْطِقٍ مِّنْهُ وَ مُبْتَسَمِ
ہیں وہ دندانِ مبارک مثلِ موتی سیپ میں
معدنِ نطق و تبسّم ہے وہ دہنِ محترم
درِّ مکنوں در صدف دندانِ او بُد گوئیا
واں دہن گویا کہ می افشاند مروارید ہم

لَا طِیْبَ یَعْدِلُ تُرْبًا ضَمَّ اَعْظُمَهٗ
طُوْبٰی لِمُنْتَشِقٍ مِّنْهُ وَمُلْتَثِمِ
ہے وہ خوش قسمت جوسونگھے اور بوسہ دے اسے
بے بدل خوشبو ہے خاکِ تربتِ شاہِ امم
ہیچ بوئے خوش چو بوئے خواب گاہ او نبود
نیک بخت آنکس کہ بوئید ست و بوسید ست ہم

اَبَانَ مَوْلِدُهٗ عَنْ طِیْبِ عُنْصُرِهٖ
یَا طِیْبَ مُبْتَدَاٍ مِّنْهُ وَ مُخْتَتَمِ
ہوگئیں ظاہر ولادت سے سب اُن کی خُوبیاں
پاک اُن کی ابتداء بھی پاک اُن کا مختتم
وقتِ زادن پاکی ذات شریفش شد پدید
پاک بودش مبتداء و پاک بودش مختتم

یَوْمٌ تَفَرَّسَ فِیْهِ الْفُرْسُ اَنَّهُمْ
قَدْ اُنْذِرُوْا بِحُلُوْلِ الْبُؤْسِ وَالنِّقَمِ
اہل فارس نے سُنی جوں ہی ولادت کی خبر
ہو گئے وحشت زدہ اور چھا گیا کرب و الم
اہل فرس آں روزد انستند کایشاں رانمود
بعد ازیں دردو ملال و خواری و رنج و نقم

وَبَاتَ اِیْوَانُ کِسْرٰی وَ هُوَ مُنْصَدِعٌ
کَشَمْلِ اَصْحَابِ کِسْرٰی غَیْرَ مُلْتَئِمِ
محلِ کسریٰ گر پڑا اور پارہ پارہ ہو گیا
منتشر سب ہو گئے کسریٰ کے ساتھی ایکدم
طاقِ کسریٰ شد خراب و کنگرِ کسریٰ شکست
در شکست احوالِ کفار و دگرنا مدبہم

وَالنَّارُ خَامِدَةُ الْاَنْفَاسِ مِنْ اَسَفٍ   عَلَیْهِ وَالنَّهْرُ سَاهِی الْعَیْنِ مِنْ سَدَمِ

آتشِ فارس نے ٹھنڈی سانس لی افسوس سے   نہر بھی چشموں کو بھولی ازرہِ اندوہ و غم

آتش گبراں بمرداز حزن و اندوہ و ملال   چشمۂ آبِ رواں شد خشک در جوئے سدم

وَسَاءَ سَاوَةَ اَنْ غَاضَتْ بُحَیْرَتُهَا   وَرُدَّ وَارِدُهَا بِالْغَیْظِ حِیْنَ ظَمِیْ

اہل ساوہ تھے پریشاں خشک چشمے دیکھ کر   لوٹتے تھے گھاٹ سے غصہ میں پیا سے پُر الم

ساوہ غمگیں شد چو گشتش آب در دریا چہ خشک   تشنگاں زوباز گشتند جملگے در دردوغم

كَاَنَّ بِالنَّارِ مَابِالْمَاءِ مِنْ بَلَلٍ   حُزْنًا وَّبِالْمَاءِ مَابِالنَّارِ مِنْ ضَرَمِ

پانی پانی ہو گئی تھی آگ مارے رنج کے   اور پانی ہو گیا تھا آتشیں از سوز و غم

گویا بر جائے آتش آب بودے سرد و تر   ازغم و بر جائے آب آتش بدے سوزان و گرم

وَالْجِنُّ تَهْتِفُ وَالْاَنْوَارُسَاطِعَةٌ"   وَالْحَقُّ یَظْهَرُ مِنْ مَّعْنًی وَّ مِنْ کَلِمِ

کی شیاطین نے فغاں انوار بھی چمکے وہاں   نُورِ حق روشن ہوا الفاظ و معنیٰ سے بہم

لشکر شیطاں فغاں کردہ زاندوہ تمام   نُورِ حق تاباں ز معنیٰ وَ کلم شد دمبدم

عَمُوْا وَ صَمُّوْافَاِعْلَانُ الْبَشَائِرِلَمْ   تُسْمَعْ وَ بَارِقَةُ الْاِنْذَارِ لَمْ تُشَمِ

اندھےاور بہرے تھے سنتے کس طرح خوشخبریاں   اور کیسے دیکھتے تخویفِ برق از رنج و غم

کورو کر گشتند نشنیدند بشارت از خدا   ہم ندیدند برقِ بیم از غایتِ رنج و الم

مِنْ بَعْدِ مَا اَخْبَرَالْاَقْوَامَ کَاهِنُهُمْ   بِاَنَّ دِیْنَهُمُ الْمُعْوَجَّ لَمْ یَقُمِ

دی خبر اقوام کے سب کاہنوں نے اسطرح   دین سب باطل ہوئے اور ہو گئے سب کالعدم

پس ازاں کا خبار ایشاں کردہ بُودند کاہناں   آنکہ دینِ شاں کژاست و نیست خواہد گشت ہم

وَبَعْدَ مَاعَا یَنُوْافِی الْاُفُقِ مِنْ شُهُبٍ   مُنْقَضَّةٍ وَفْقَ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ صَنَمِ

بعدازاں یُوں ٹوٹتے تاروں کو دیکھا چرخ سے   اور منہ کے بل گرے سب سرنگوں ہو کر صنم

دیدہ بودند ز آسماں آتش بزیر افتادہ بود   در زمیں ہم سرنگوں از خواری افتادہ صنم

حَتّٰی غَدَاعَنْ طَرِیْقِ الْوَحْیِ مُنْهَزِمٌ"   مِنَ الشَّیَاطِیْنِ یَقْفُوْااِثْرَمُنْهَزِمِ

بھاگتے تھے راستے سے وحی کے شیطان یُوں   ایک پیچھے دُوسرے کے سر پہ رکھ اپنا قدم

از طریق وحی دیواں جملہ آوارہ شدند   دل شکستہ ازپئے ہم میر سید نداز ہزم

کَاَنَّهُمْ هَرَبًا اَبْطَالُ اَبْرَهَةٍ   اَوْ عَسْکَر" بِالْحَصٰی مِنْ رَاحَتَیْهِ رُمِیْ

تھا وہ لشکر ابرہہ کا یا پراگندہ سی فوج   سنگریزے جن پہ پھینکے تھے یدِ شاہ امم

چوں دلیرانِ یمن بودند گویا در گریز   یا چوآں لشکر کہ از خاکِ کفش گشتند گم

نَبْذًا بِهٖ بَعْدَ تَسْبِیْحٍ بِبَطْنِهِمَا
نَبْذَالْمُسَبِّحِ مِنْ اَحْشَاءِ مُلْتَقِمٖ

لے کے نام اللہ کا پھینکا جو کنکر آپؐ نے
حضرت یونس کو اُگلے جیسے ماہی کا شکم

او فگندہ از پئے تسبیح دردستِ رسول
مثل تسبیحے کہ یونس را بیفگند از شکم

جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً
تَمْشِیْ اِلَیْهِ عَلٰی سَاقٍ بِلَا قَدَمٖ

ہو کے مسجود آپؐ کی دعوت پہ اشجار آگئے
پیڑ سے چلتے ہوئے رکھتے نہ تھے گو وہ قدم

ہم درخت آمد بفرمائش بہ نزد و سجدہ کرد
می دویدے سوئے او دائم بساق بے قدم

كَاَنَّمَا سَطَرَتْ سَطْرًا لِمَا كَتَبَتْ
فُرُوْعُهَا مِنْ بَدِيْعِ الْخَطِّ فِی اللَّقَمٖ

ان درختوں نے لکیریں خوب کھینچیں اور لکھا
ڈالیوں سے اپنی وسطِ راہ میں باپیچ و خم

گویا خطے کہ کردند شاخہا بر ہر درخت
می نوشتندے خطِ نیکو عجب اندر رقم

مِثْلُ الْغَمَامَةِ اَنّٰی سَارَ سَائِرَةً
تَقِيْهِ حَرَّ وَطِيْسٍ لِلْهَجِيْرِ حَمِیٖ

ابر کے مانند وہ سایہ فگن تھے آپؐ پر
تا بچائے گرم موسم کی حرارت سے بہم

ابر بودے بر سرش تا او برفتے ہر کجا
تانگاہش داشت از گرمائے تابستان کرم

اَقْسَمْتُ بِالْقَمَرِ الْمُنْشَقِّ اِنَّ لَهٗ
مِنْ قَلْبِهٖ نِسْبَةً مَّبْرُوْرَةَ الْقَسَمٖ

قلبِ پاک مصطفیٰؐ سے چاند کو نسبت ہے خاص
ماہ منشق کی قسم کھاتا ہوں میں سچی قسم

می خورم سوگند ہر ماہے کہ منشق شد ازو
نسبتے دارد ز قلبش زاں درست آمد قسم

وَمَا حَوَى الْغَارُ مِنْ خَيْرٍ وَّمِنْ كَرَمٍ
وَكُلُّ طَرْفٍ مِّنَ الْكُفَّارِ عَنْهُ عَمِیٖ

ہے قسم خیر و کرم کی جمع تھے جو غار میں
کیا نظر آتا نہیں کفار تھے سب کور چشم

جمع کردہ غارِ خیرات و کرامت ہا بسے
یا محمدؐ چشم کافر گشت زینشاں کور ہم

فَالصِّدْقُ فِی الْغَارِ وَالصِّدِّيْقُ لَمْ يَرِيَا
وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَابِالْغَارِ مِنْ اَرِمٖ

صدق اور صدیق اکبرؓ غار ہی میں تھے چھپے
غار میں کوئی نہیں کفار کہتے تھے بہم

صدق و صدیق اند در غار و کس ایشاں راندید
کافراں گفتند کس اینجانہ باشد منکتم

ظَنُّوا الْحَمَامَ وَظَنُّوا الْعَنْكَبُوْتَ عَلٰی
خَيْرِ الْبَرِيَّةِ لَمْ تَنْسُجْ وَلَمْ تَحُمٖ

دیکھ کر انڈے کبوتر کے اُدھر مکڑی کا جال
تھا گماں کفار کو واں تو نہیں شاہ اُمم

تخم بنہادہ کبوتر بُد بہ بفتِ عنکبوت
کافراں را شد گماں کانجا بنا سودہ نسم

وِقَايَةُ اللّٰهِ اَغْنَتْ عَنْ مُّضَاعَفَةٍ
مِّنَ الدُّرُوْعِ وَعَنْ عَالٍ مِّنَ الْاُطُمٖ

کی حفاظت آپؐ کی ایسی خدائے پاک نے
زرہ اور قلعوں سے مستغنی ہوئے شاہ اُمم

چوں خدا اور راز مکرِ دشمناں محفوظ داشت
برزرہ حاجت نبودش و بحصن قلعہ ہم

مَاسَامَنِی الدَّھْرُ ضَیْمًا وَّاسْتَجَرْتُ بِہٖ اِلَّاوَنِلْتُ جِوَارًامِّنْہُ لَمْ یُضَمِ

جب زمانے نے ستایا میں نے لی اُنکیؑ پناہ جب ملی اُنؑ کی مدد بس دُور تھا جوروستم

رنج اگر دیدم زدہر و خواستم از وے اماں در جوارِ او خلوص از ہر بلائے یا فتم

وَلاَ الْتَمَسْتُ غِنَی الدَّارَیْنِ مِنْ یَّدِہٖ اِلَّا اسْتَلَمْتُ النَّدٰی مِنْ خَیْرِ مُسْتَلِمِ

دست اقدس سے طلب کی دین و دُنیا جب کبھی سرفرازی۔ ہو گئی جب مل گیا دستِ کرم

ہر چہ کردم التماس از نعمتِ ہر دوسرا یافتم بروجہِ بہتر از آنچہ خواستم

لاَ تُنْکِرِ الْوَحْیَ مِنْ رُّؤْیَاہُ اِنَّ لَہٗ قَلْبًا اِذَا نَامَتِ الْعَیْنَانِ لَمْ یَنَمِ

اس وحی کا تُو نہ مُنکر ہو جو آئے خواب میں خواب میں بھی رکھتے تھے بیداردِل شاہِ اُمم

پس مکن انکارِ وحی از خوابِ پیغمبر از انک چشمش از در خواب رفتی دل بدشت بیدارہم

وَذَاکَ حِیْنَ بُلُوْغٍ مِّنْ نُّبُوَّتِہٖ فَلَیْسَ یُنْکَرُ فِیْہِ حَالُ مُحْتَلَمِ

تھا وہ معراج نبوت کا زمانہ آپؐ کے پس نہ کر انکار سچے خواب کا اے محترم

وحی در خوابِ اوّلِ پیغمبری بودے ورا خوابِ او منکرؔ کہ نبود مثل نوابِ محتلم

تَبَارَکَ اللّٰہُ مَا وَحْیٌ بِمُکْتَسَبٍ وَلاَ نَبِیٌّ عَلٰی غَیْبٍ بِمُتَّھَمِ

بارک اللہ سعی سے حاصل نہیں ہوتی وحی اور نہ علم غیب پر ہر گز نبی ہے متہم

پس بزرگ ست آں خدا و وحی او کسبی نبود ہم رسولِ او نہ بُد بر علم غیبش متہم

کَمْ اَبْرَأَتْ وَصِبًا بِاللَّمْسِ رَاحَتُہٗ وَاَطْلَقَتْ اَرِبًا مِّنْ رِّبْقَۃِ اللَّمَمِ

جب چُھوا دستِ مبارک ہو گئی کامل شفا اور شفا پائی جنوں سے اکثروں نے از کرم

بس کساں را او شفا دادے بمالیدن بدست وارہانیدے بسے دیوانگاں را از لمم

وَاَحْیَتِ السَّنَۃَ الشَّھْبَاءَ دَعْوَتُہٗ حَتّٰی حَکَتْ غُرَّۃً فِی الْاَعْصُرِ الدُّھُمِ

خشک سالی کی سفیدی ہو گئی کافور سب اک دُعا نے آپؐ کی برسادیا ابرِ کرم

دعوتِ او قحط و تنگی از جہاں برداشتہ تا چورو اسپید بودے در سیاہی و نسم

بِعَارِضٍ جَادَ اَوْخِلْتَ الْبِطَاحَ بِھَا سَیْبًا مِّنَ الْیَمِّ اَوْسَیْلاً مِّنَ الْعَرِمِ

ہو گئی کثرت سے بارش ندیاں بہنے لگیں لوٹ دریا کی نظر آتی تھی سیلابِ عرم

بُردعائش آمدے باران ووادی پُر شدے گوئیا دریا بُدے یا گوئیا سیلِ عرم

دَعْنِیْ وَوَصْفِیَ اٰیَاتٍ لَّہٗ ظَھَرَتْ ظُھُوْرَنَارِ الْقِرٰی لَیْلاً عَلٰی عَلَمِ

چھوڑ دے مجھ کو بیاں کرنے نبی کے معجزات جو ہے شب میں مثل مہمانی کی آگ اوپر علم

گوش کن تا معجزش گویم کہ آن روشن بود ہمچو آتش در شبِ تاریک بَر فرقِ علم

فَالدُّرُّ یَزْدَادُ حُسْنًا وَّھُوَ مُنْتَظِمٌ ۔ وَلَیْسَ یَنْقُصُ قَدْرًا غَیْرَ مُنْتَظِمٖ

موتیوں کا حسن ہوتا ہے دوبالا ہار میں ۔ یا لڑی سے بھی جدا کردو نہ ہو گی قدر کم

دُر اگر دررشتہ باشد حسنِ او زاید بود ۔ ورنہ در رشتہ بود قدرش نگر دو ہیچ کم

فَمَا تَطَاوَلَ اٰمَالُ الْمَدِیْحِ اِلٰی ۔ مَا فِیْهِ مِنْ کَرَمِ الْاَخْلَاقِ وَالشِّیَمٖ

اس لیے مداح ہیں توصیف میں عاجز تمام ۔ فہم انساں سے ہیں باہر اُنؐ کے اخلاق وشیم

ہر چہ کاں گوید مدح مصطفٰی بسیار نیست ۔ کو مزّیں بد بہ خلق نیک و احسان شیم

اٰیَاتُ حَقٍّ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثَةٌ ۔ قَدِیْمَةٌ صِفَةُ الْمَوْصُوْفِ بِالْقِدَمٖ

ہیں کلام اللہ کی آیات جملہ لاجواب ۔ ہے صفت اسکی قدیم اور ہے وہ موصوفِ قِدَم

آیہ ہائے حق کہ از رحمٰن فرود آمد بہ تو ۔ آں قدیم ست و بودوصفش بموصوفِ قِدَم

لَمْ تَقْتَرِنْ بِزَمَانٍ وَّھِیَ تُخْبِرُنَا ۔ عَنِ الْمَعَادِ وَعَنْ عَادٍ وَّعَنْ اِرَمٖ

ہر زمانے سے بری ہیں اور سناتی ہیں ہمیں ۔ عاقبت کا حال بھی اور قصۂ عادوارم

مقترن نا مد بوقتی دائماً ثابت بداں ۔ او خبرداد از معادو حشر و زعاد و ارم

دَامَتْ لَدَیْنَا فَفَاقَتْ کُلَّ مُعْجِزَةٍ ۔ مِنَ النَّبِیِّیْنَ اِذْجَاءَتْ وَلَمْ تَدُمٖ

معجزہ قرآن کا برتر رہے گا تا ابد ۔ اس کے آگے معجزاتِ انبیاء ہیں کالعدم

نزد ما باقی بماند بہتر از ہر معجزات ۔ معجزِ پیغمبراں باقی نماندہ در امم

مُحَکَّمَاتٌ فَمَا یُبْقِیْنَ مِنْ شُبَهٍ ۔ لِذِیْ شِقَاقٍ وَّلَا یَبْغِیْنَ مِنْ حَکَمٖ

ہیں وہ مستحکم مخالف کو نہیں اس میں جگہ ۔ شبہ و شک کی، اس لیے ہیں وہ بجائے خودحکم

محکم ست آیات قرآن شبہۂ کس رانماند ۔ وزہمہ الفاظ ازو تاباں بود نور حکم

مَا حُوْرِبَتْ قَطُّ اِلَّا عَادَ مِنْ حَرَبٍ ۔ اَعْدَی الْاَعَادِیْ اِلَیْهَا مُلْقِیَ السَّلَمٖ

جس نے قرآں سے بغاوت کی وہ عاجز آ گیا ۔ کر دیا دشمن نے بھی آخر سرِ تسلیم خم

ہر کہ با قرآں بجنگ آمد بآخر بازگشت ۔ آنکہ دشمن تر بدے نزدش بیفگندے سلم

رَدَّتْ بَلَاغَتُهَا دَعْوٰی مُعَارِضِهَا ۔ رَدَّ الْغَیُوْرِ یَدَالْجَانِیْ عَنِ الْحُرَمٖ

سارے دعوے ہو گئے اسکی بلاغت سے غلط ۔ جیسے ہوں محفوظ غیرت مند کے اہلِ حرم

از بلاغت دعوئے جملہ معارض کرد رد ۔ چوں غیورے کو کند رد دست جانی از حرم

لَهَا مَعَانٍ کَمَوْجِ الْبَحْرِ فِیْ مَدَدٍ ۔ وَفَوْقَ جَوْهَرِهٖ فِی الْحُسْنِ وَالْقِیَمٖ

ہیں معانی آیتوں کے مثلِ دریا موجزن ۔ گوہر دریا سے برتر اُن کا ہے حسنِ قیم

معنی بسیار ہمچوں موج دریا داردآں ۔ بہتر است از دُرِّ دریا جملہ دُرِّ حسن و قیم

فَلَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰی عَجَائِبُهَا — وَلَا تُسَامُ عَلَی الْاِکْثَارِ بِالسَّأَمِ

جو عجائب اُن میں پوشیدہ ہیں اُن کا کیا شمار — خواہ کثرت سے پڑھو ہوگا نہ اس کا شوق کم

پس عجائب اندران و کس نہ بتو اند شمرد — ورچہ بسیارے بخواند کس نیرز و شوق کم

قَرَّتْ بِهَا عَیْنُ قَارِیْهَا فَقُلْتُ لَهٗ — لَقَدْ ظَفِرْتَ بِحَبْلِ اللّٰهِ فَاعْتَصِمِ

ہو گئیں آنکھیں جو ٹھنڈی میں نے قاری سے کہا — تھام حبل اللہ کو ہے فتح تیری معتصم

چشم خوانندہ بداں روشن شود من گفتمش — یافتی حبلِ خداؔ محکم بگیر اے معتصم

اِنْ تَتْلُهَا خِیْفَةً مِّنْ حَرِّ نَارِ لَظٰی — اَطْفَاْتَ حَرَّ لَظٰی مِنْ وِّرْدِهَا الشِّبَمِ

آتشِ دوزخ کے ڈر سے تُو اگر ان کو پڑھے — شعلۂ نارِ جہنّم اس سے ہو جائے گا کم

گر بخوینیش زترس آتشِ دوزخ کنی — سرد بر خود گرمیٔ آتش برآں من ضامنم

کَاَنَّهَا الْحَوْضُ تَبْیَضُّ الْوُجُوْهُ بِهٖ — مِنَ الْعُصَاةِ وَقَدْ جَآءُوْهُ کَالْحُمَمِ

ہیں وہ مثلِ حوضِ کوثر جس سے ہوتے ہیں سفید — عاصیوں کے چہرے جو دکھلائی دیں مثلِ حُمم

آں چو حوضی داں کہ وارو روئے خوانندہ سفید — گرچہ عاصی آمد ست و روسیہ ہمچوں حُمم

وَکَالصِّرَاطِ وَکَالْمِیْزَانِ مَعْدِلَةً — فَالْقِسْطُ مِنْ غَیْرِهَا فِی النَّاسِ لَمْ یَقُمِ

ہیں ترازو عدل کی اور راستی کے ہیں صراط — ہے بغیر اُن کے قیامِ انصاف کا بس کالعدم

چوں صراط ست آن و چوں میزاں بود در راستی — راستی از غیر آنہا کس ندیدہ بیش و کم

لَا تَعْجَبَنْ لِحَسُوْدٍ رَاحَ یُنْکِرُهَا — تَجَاهُلًا وَّهُوَ عَیْنُ الْحَاذِقِ الْفَهِمِ

مت تعجب کر تو حاسد پر جو ہے انکار اُسے — ہے تجاہل اس کا گرچہ ہے وہ پکّا ذی فہم

گر حسود انکارِ آں کردہ مدارآں را عجب — کو تجاہل کردہ ورنہ نیک کر دست آں فہم

قَدْ تُنْکِرُ الْعَیْنُ ضَوْءَ الشَّمْسِ مِنْ رَّمَدٍ — وَیُنْکِرُ الْفَمُ طَعْمَ الْمَاءِ مِنْ سَقَمِ

روشنی سورج کی کیا دیکھے جو ہو آشوبِ چشم — ذائقہ کیا آب شیریں کا ملے، جب ہو سقم

گہ گہے چشم از رمد منکر شود خورشید را — ہم دہن منکر شود طعمِ خوشِ آب از سقم

یَا خَیْرَ مَنْ یَّمَّمَ الْعَافُوْنَ سَاحَتَهٗ — سَعْیًا وَّفَوْقَ مُتُوْنِ الْاَیْنُقِ الرُّسُمِ

اے شہِ والا ترے دربار میں آتے ہیں سب — پا پیادہ او سوارِ اشترانِ باد دم

اے مہین آنکہ مردم قصد درگاہش کنند — پا پیادہ یا بہ پشتِ اشترانِ باد دم

وَمَنْ هُوَ الْاٰیَةُ الْکُبْرٰی لِمُعْتَبِرٍ — وَمَنْ هُوَ النِّعْمَةُ الْعُظْمٰی لِمُغْتَنِمٍ

معتبر کے واسطے ہیں آیت کبریٰ حضور — اور ہے اک نعمتِ عظمیٰ برائے مغتنم

اے کہ ہستی آیت کبریٰ کہ باشد معتبر — اے کہ ہستی نعمتِ عظمیٰ کہ باشد مغتنم

سَرَیْتَ مِنْ حَرَمٍ لَیْلاً اِلٰی حَرَمٍ
کَمَا سَرَی الْبَدْرُفِیْ دَاجٍ مِّنَ الظُّلَمِ

بدر کامل جس طرح سے رات میں کرتا ہے سیر
مکّے سے اقصٰی گئے معراج میں شاہِ اُمم

درشبے رفتے ز مکہّ تا باقصاء شریف
چوں کہ ماہِ چار دہ گردوراں اندر ظلم

وَ بِتَّ تَرْقٰی اِلٰی اَنْ نِّلْتَ مَنْزِلَۃً
مِنْ قَابَ قَوْسَیْنِ لَمْ تُدْرَکْ وَلَمْ تُرَمٖ

طے کئے سارے مدارج اور ملا ایسا مقام
ہے پرے ادراک کے اور قاب قوسین سے نہ کم

بر شدی بالا و گشتہ قابَ قوسینت مقام
واں ندید ست و نہ بیند ہیچ کس در ہیچ دم

وَقَدَّ مَتکَ جَمِیْعُ الْاَنْبِیَاءِ بِھَا
وَالرُّسُلِ تَقْدِیْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰی خَدَمٖ

مسجدِ اقصٰی میں بن کر انبیاء کے پیشوا
آپ تھے مخدوم باقی انبیاء سب تھے خدم

انبیاء و مرسلینت پیشوا کر دند در آں
ہمچو مخدومی کہ گردو پیشوا اندر خدم

وَاَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِھِمْ
فِیْ مَوْکِبٍ کُنْتَ فِیْہِ صَاحِبَ الْعَلَمٖ

طے کیا سات آسمانوں کا سفر با انبیاء
آپ افواجِ ملائک میں تھے باشاں وعَلَم

زاسما نہا بر گذشتی بر جمیع انبیاء
در گروہے کا ندر یشاں تو بُدی صاحب علَم

حَتّٰی اِذَا لَمْ تَدَعْ شَاْوًا لِمُسْتَبِقٍ
مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرْقًی لِمُسْتَنِمٖ

مرتبہ باقی نہ رکھا بڑھنے والوں کے لیے
ہر بلند و پست پر تھا آپ کا فیضِ قدم

زینتے از قرب بہرِ ہیچ کس نگذاشتی
جائے بالاتر بہشتی دیگرے رادررقم

خَفَضْتَ کُلَّ مَقَامٍ بِالْاِضَافَۃِ اِذْ
نُوْدِیْتَ بِالرَّفْعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمٖ

کردیئے پست آپؐ نے سب کے مدارج اور مقام
جب ہوئے مدعو بلندی پر یگانہ با حشم

پست کردی پیشِ قربت ہر مقامِ دیگراں
چوں تر ا بردند بالا و ندراں گشتی علَم

کَیْمَا تَفُوْزَ بِوَصْلٍ اَیِّ مُسْتَتِرٍ
عَنِ الْعُیُوْنِ وَ سِرٍّ اَیِّ مُکْتَتَمٖ

تا کہ ہوں اسرارِ پوشیدہ سے واقف بعد وصل
حق نے ظاہر کر دیئے سب راز از فضل و کرم

تا مقامِ وصل پنہاں یافتی ازچشمِ خلق
سرِ پنہانی بدانستی زاو صافِ قدم

فَحُزْتَ کُلَّ فَخَارٍ غَیْرِ مُشْتَرَکٍ
وَجُزْتَ کُلَّ مَقَامٍ غَیْرِ مُزْدَحِمٖ

غیرِ شرکت سب فضائل آپؐ میں موجود ہیں
طے کیا سب مرتبوں کو آپؐ نے بے مزدحم

جمع کر دی ہر بزرگی کاں نبودہ مشترک
برشدی از ہر مقامے کاں نبودی مزدحم

وَ جَلَّ مِقْدَارُمَا وُلِّیْتَ مِنْ رُتَبٍ
وَعَذَّاِدْرَاکُ مَا اُوْلِیْتَ مِنْ نِّعَمٖ

ہیں عظیم الشان رُتبے جو ملے سرکار کو
ہیں پرے ادراک سے جو کچھ ہوئے حاصل نعم

بس بزرگ ست آنچہ داد ندت زفضل مرتبت
بس عزیز ست آنچہ بخشیدت خداوند از نعم

بُشْرٰی لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمِ
اے مسلمانو یہ خوشخبری ہے اپنے واسطے اک ستوں ایسا ملا مضبوط از فضل و کرم
مژ دگانی باد مارا اے مسلماناں کہ ماں از عنایت ہست رکنی کاں بود دو راز ہدم

لَمَّا دَعَى اللّٰهُ دَاعِيْنَا لِطَاعَتِهٖ بِاَكْرَمِ الرُّسْلِ كُنَّا اَكْرَمَ الْاُمَمِ
جب کہ اُنکو حق نے خود خیرالرسل فرمادیا طاعتِ حق کے سبب ہم ہو گئے خیر الامم
چوں خدا مارا بطاعت خواند بفرستاداد بہترِ پیغمبراں گشتیم ما خیر الامم

رَاعَتْ قُلُوْبَ الْعِدٰى اَنْبَاءُ بِعْثَتِهٖ كَنَبْاَةٍ اَجْفَلَتْ غُفْلًا مِّنَ الْغَنَمِ
سن کے بعثت کی خبر تھّرا گئے اعدا کے دِل شیر کی آواز سے جیسے ڈرے غافل غنم
دشمناں را دل بتر سانید اخبارِ رسول ہمچوں آوازے کہ ناگاہ برجہانیدے غنم

مَا زَالَ يَلْقَاهُمْ فِيْ كُلِّ مُعْتَرَكٍ حَتّٰى حَكَوْا بِالْقَنَا لَحْمًا عَلٰى وَضَمِ
جنگ کے میدان میں کُفّار کی حالت نہ پُوچھ جسم تھے نیزوں پہ اُنکے جیسے کندوں پر لحم
چوں بجنگِ دشمناں رفتے بُدے در جنگ گاہ آن بدنہا برسرِ نیزہ چُو لحم اندرو ضم

وَدُّوا الْفِرَارَ فَكَادُوْا يَغْبِطُوْنَ بِهٖ اَشْلَاءَ شَالَتْ مَعَ الْعِقْبَانِ وَالرَّخَمِ
جنگ کی دہشت سے اُن کو بھاگنا منظور تھا آرزو رکھتے تھے کھالیں چیل و گدھ ان کا لحم
آرزو شاں بدگریز و غبطہ بردندے برآں عضو ہائے شاں پریدے با عقاب بارخم

تَمْضِي اللَّيَالِيْ وَلَا يَدْرُوْنَ عِدَّتَهَا مَا لَمْ تَكُنْ مِنْ لَيَالِي الْاَشْهُرِ الْحُرُمِ
ڈر کے مارے یُوں گذر جاتی تھیں راتیں بیشمار ہاں سواراتوں کے جن کے ہیں مہینے محترم
پس شبے بگزشت و آنرا کس ندانستے عدد در غزاہا چون نبودی از شبِ ماہِ حرم

كَاَنَّمَا الدِّيْنُ ضَيْفٌ حَلَّ سَاحَتَهُمْ بِكُلِّ قَرْمٍ اِلٰى لَحْمِ الْعِدٰى قَرِمِ
لشکرِ اسلام تھا مہمان اُن کے صحن میں چاہتا تھا ہر نفس مل جائے دشمن کا لحم
گوئیا دیں بود مہمانے کہ او آمد فرود بر سرائے آنکہ بد مشتاق لحمِ دشمنم

يَجُرُّ بَحْرَ خَمِيْسٍ فَوْقَ سَابِحَةٍ تَرْمِيْ بِمَوْجٍ مِّنَ الْاَبْطَالِ مُلْتَطِمِ
تیز رو گھوڑوں پہ تھا وہ لشکرِ دریا مثال جنگ کے میدان میں موجیں لگاتا دمبدم
میکشیدی بحرِ لشکر جملہ براسپاں سوار موج میزداز دلیرانے کہ رفتندے بہم

مِنْ كُلِّ مُنْتَدِبٍ لِلّٰهِ مُحْتَسِبٍ يَسْطُوْ بِمُسْتَاْصِلٍ لِلْكُفْرِ مُصْطَلِمِ
اجر کی امید والے دعوت حق کے مرید کفر کی بنیاد کو کرتے تھے بالکل کالعدم
جملہ از بہر خدا در گار بودند و غزا بیخ کفر از بُن بکند ندنیست کردند آں شیم

حَتّٰی غَدَتْ مِلَّۃُ الْاِسْلَامِ وَھِیَ بِھِمْ
مِنْ بَعْدِ غُرْبَتِھَا مَوْصُوْلَۃَ الرَّحِمِ

دینِ حق یوں اُن کے دم سے آخرش ظاہر ہوا
مِل گئے بچھڑے ہوئے اور ہوگئی غربت بھی کم

تاقوی شد ملتِ اسلام از سعیِ ہمہ
دیں در اوّل بُد غریب و شددرآخر محترم

مَکْفُوْلَۃً اَبَدًا مِّنْھُمْ بِخَیْرِ اَبٍ
وَخَیْرِ بَعْلٍ فَلَمْ تَیْتَمْ وَلَمْ تَئِمِ

جیسے مِل جائے کسی کو نیک شوہر اور پدر
بیوگی کا اور یتیمی کا اُسے پھر کیا ہو غم

ویں ازایشاں یافت بہتر شوہر و بہتر پدر
زاں نہ شد در بیوگی و ہم نماند اندر یتم

ھُمُ الْجِبَالُ فَسَلْ عَنْھُمْ مُصَادِمَھُمْ
مَاذَارَاَوْا مِنْھُمْ فِیْ کُلِّ مُصْطَدَمِ

تھے وہ مثلِ کوہ پوچھو دشمنوں سے اُن کا حال
کچھ اگر دیکھا ہے ان کو شاملِ جنگ و صدم

کوہ ہا بودند ازاں کو در نبرد آمد سرش
تابگو یند آنچہ دید ستند ازایشاں در صدم

فَسَلْ حُنَیْنًا وَسَلْ بَدْرًا وَسَلْ اُحُدًا
فُصُوْلُ حَتْفٍ لَھُمْ اَدْھٰی مِنَ الْوَخَمِ

پوچھ لو بدروحُنین و اُحد سے بھی ان کا حال
موت کے اقسام ہرگز تھے وبا سے کچھ نہ کم

از حُنین و بدر دیگر از اُحد می کن سوال
تا بخواند فصل ہائے مرگ ادھیٰ از وخم

اَلْمُصْدِرِی الْبِیْضِ حُمْرًا بَعْدَ مَاوَرَدَتْ
مِنَ الْعِدٰی کُلَّ مُسْوَدٍّ مِّنَ اللِّمَمِ

ہاں سپیدی سرخروئی سے بدل جاتی تھی جب
کالے لمبے بال والے سر کو پہنچا کر زخم

سرخ کر دندے بخونِ دشمناں شمشیر را
چوں فروشد در سیاہی ہر سرِ موازلم

وَالْکَاتِبِیْنَ بِسُمْرِ الْخَطِّ مَاتَرَکَتْ
اَقْلَامُھُمْ حَرْفَ جِسْمٍ غَیْرَ مُنْعَجِمِ

وہ لکھا کرتے تھے نیزوں کے قلم سے حرفِ غیض
اور نہ چھوڑے دشمنوں کے جسم غیر منعجم

می نوشتندے بہ نیزہ خطِ سرخی بربدن
حرف جسمے بے نقط نوشتہ بودے از قلم

شَاکِی السِّلَاحِ لَھُمْ سِیْمَا تُمَیِّزُھُمْ
وَالْوَرْدُ یَمْتَازُ بِالسِّیْمَا مِنَ السَّلَمِ

گو مسلح تھے مگر رکھتے تھے سجدے کے نشان
تھے صحابہؓ مثلِ گل، کفار مانند سلم

آں گماں سنجاں کہ سیماشاں بریں ممتاز بود
گل برنگ و بوئے خود ممتاز گرد و ازسلم

تُھْدِیْ اِلَیْکَ رِیَاحُ النَّصْرِ نَشْرَھُمْ
فَتَحْسَبُ الزَّھْرَ فِی الْاَکْمَامِ کُلَّ کَمِ

اُن کی نصرت کی خبر بھیجے تو یہ سمجھے گا تو
مثل غنچوں کے غلافوں میں تھے وہ عالی ہمم

می رساند بادِ نصرت بر تو بوئے سعیِ شاں
چوں بہار اندر سرِ غنچہ بود ثابت قدم

کَاَنَّھُمْ فِیْ ظُھُوْرِ الْخَیْلِ نَبْتُ رُبًی
مِنْ شِدَّۃِ الْحَزْمِ لَامِنْ شِدَّۃِ الْحُزُمِ

تھے وہ گھوڑوں پرسوار ایسے کہ ٹیلوں پر درخت
زین کی پرواہ نہ تھی ان شہسواروں کو بہم

گوئیا برپشتِ اسپاں چوں درختِ پشتہ کوہ
زاستواری بود در دین نہ ز کثرت درنسیم

طَارَتْ قُلُوْبُ الْعِدٰی مِنْ بَاْسِهِمْ فَرَقًا فَمَا تُفَرِّقُ بَيْنَ الْبَهْمِ وَالْبُهَمِ
ہوش غائب تھے عدو کے سختیوں سے جنگ کی فرق کر سکتے نہیں تھے آدمی ہے یا غنم
لرزہ بر دلہائے کفار او فتاد از ترسِ شاں چار پائے و آدمی نشنا ختند از ترس و غم

وَ مَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهٗ اِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِيْ اٰجَامِهَا تَجِمِ
ہو مدد جس کو رسولِ سیدِ لولاک کی شیر بھی ان کو ملے جنگل میں گر، مارے نہ دم
ہر کہ او را از رسول اللہ نصرت آمدہ شیر اگر بروے رسد از ترس او آید بہم

وَلَنْ تَرٰی مِنْ وَّلِيٍّ غَيْرَ مُنْتَصِرٍ بِهٖ وَلَا مِنْ عَدُوٍّ غَيْرَ مُنْقَصِمِ
دوست ان کا ہو نہیں سکتا ہے محرومِ مدد اور ذلیل و خوار ہو گا دشمن شاہِ اُمم
دوستانش را نہ بینی غیر منصور و عزیز ہم نہ بینی دشمنش جز خار بکستہ بہم

اَحَلَّ اُمَّتَهٗ فِيْ حِرْزِ مِلَّتِهٖ كَاللَّيْثِ حَلَّ مَعَ الْاَشْبَالِ فِيْ اَجَمِ
اپنی ملّت سے کیا محفوظ اُمت کو تمام جس طرح جنگل میں رکھے شیر بچوں کو بہم
اُمتِ خود رانشاندہ در حصارِ ملتش ہمچو شیرے کو بود با بچگاں اندر اجم

كَمْ جَدَّلَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ مِنْ جَدَلٍ فِيْهِ وَكَمْ خَصَّمَ الْبُرْهَانُ مِنْ خَصِمِ
بار ہا قرآن نے دشمن کو نیچا کر دیا او ر دلیلوں نے بھی سرکو کر دیا دشمن کے خم
ہر کہ باقرآں بجنگ آمد بیفکندش بخاک گفتگو ئے منکر ازبرہان او گشت ست کم

كَفَاكَ بِالْعِلْمِ فِي الْاُمِّيِّ مُعْجِزَةً فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالتَّادِيْبِ فِي الْيُتُمِ
ہو کے اُمی تھے وہ عالم، ہے یہ کافی معجزہ جاہلیت اور یتیمی میں ادیبِ ذی حکم
ایں قدر از معجزہ کافی کہ پیش از وحی او اُمّی پُر علم بود و پُر ہنر اندر یتیم

خَدَمْتُهٗ بِمَدِيْحٍ اَسْتَقِيْلُ بِهٖ ذُنُوْبَ عُمْرٍ مَّضٰی فِي الشِّعْرِ وَالْخِدَمِ
نعت گوئی کی کہ میرا خاتمہ بالخیر ہو ہو گناہیں عفو سارے از رہ فضل و کرم
عمر بھر اشعار لکھے دنیا داروں کے لیے کی بہت تعریف بے جا اور خوشامد کچھ نہ کم
خدمتش کردم بمدحی تا بہ بخشندم گناہ زانکہ عمرم صرف شد در گفتنِ شعر و خدم

اِذْ قَلَّدَانِيَ مَا تُخْشٰی عَوَاقِبُهٗ كَاَنَّنِيْ بِهِمَا هَدْیٌ مِّنَ النَّعَمِ
ہے یہ ڈر دونوں نے ڈالا طوق گردن میں مرے ہوں میں گویا اُونٹ قربانی کا از قسم نعم
کردہ غل در گردنم عصیاں و می ترسم ازاں گوئیا با شعرو خدمت مثل ہدیم از نعم

اَطَعْتُ غَیَّ الصِّبَافِی الْحَالَتَیْنِ وَمَا
حَصَّلْتُ اِلَّاعَلَی الْاٰثَامِ وَالنَّدَمِ

ہر دو حالت میں شکارِ گمرہِ طفلی ہوا
کچھ نہ حاصل ہو سکا مجھ کو بجز جرم و ندم

بردہ ام فرمان غیّ کو دکی در ہر دوحال
ہیچ ازاں حاصل ندارم جز گناہان و ندم

فَیَاخَسَارَۃَ نَفْسِیْ فِیْ تِجَارَتِہَا
لَمْ تَشْتَرِالدِّیْنَ بِالدُّنْیَا وَلَمْ تَسُمِ

حیف میرے نفس نے سودا کیا نقصان سے
یعنی عقبٰی کے عوض دُنیا خریدا کج فہم

پس زیانہاۓ کہ نفس اندر تجارت یافتہ
کاں بدنیا دین نہ بخرید و نگفتہ می خبرم

وَمَنْ یَّبِعْ اٰجِلاً مِّنْہُ بِعَاجِلِہٖ
یَبِنْ لَہُ الْغَبْنُ فِیْ بَیْعٍ وَّفِیْ سَلَمٖ

آخرت کو جس نے بیچا صرف دُنیا کے لیے
ہے بڑا نقصان اسکے حق میں یہ بیع وسلم

ہر کہ عقبٰی رابد نیائی فروشد خاسراست
غبن او روشن شود البتہ در بیع و سلم

اِنْ اٰتِ ذَنْبًا فَمَا عَھْدِیْ بِمُنْتَقِضٍ
مِنَ النَّبِیِّ وَلَاحَبْلِیْ بِمُنْصَرِمٖ

ہوں تو عاصی پرنہیں ٹوٹا ہے پیاں آپؐ سے
دین کی رسّی نہ ہو گی منقطع شاہِ اُمم

گر گنہ کردم بسے من عہد رانشکستہ ام
با پیمبر حبلِ دینِ مصطفیٰ نبریدہ ام

فَاِنَّ لِیْ ذِمَّۃً مِّنْہُ بِتَسْمِیَتِیْ
مُحَمَّدًا وَّھُوَاَوْفَی الْخَلْقِ بِالذِّمَمِ

ہے شفاعت کی مجھے امید میرے نام سے
ہے محمدؐ اس میں اور ہیں آپؐ مشفق محترم

عہد او دارم کہ نام بن محمدؐ کردہ اند
کس وفا چوں اونکردہ در ہمہ عہد و ذمم

اِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْ مَعَادِیْ اٰخِذًا بِیَدِیْ
فَضْلًا وَّاِلَّا فَقُلْ یَازَلَّۃَ الْقَدَمِ

حشر میں گر دستگیری کی نہ میری آپؐ نے
پھر تو میری شومئی تقدیر سے پھسلا قدم

گرز فضلم در قیامت دستگیر و خرمم
ورنگیر دوائے برمن چوں بلغزانم قدم

حَاشَاہُ اَنْ یُّحْرَمَ الرَّاجِیْ مَکَارِمَہٗ
اَوْیَرْجِعُ الْجَارُمِنْہُ غَیْرَ مُحْتَرَمٖ

ہے بعید از شان گر محروم مجھ کو کر دیا
اور لوٹوں آپؐ کی شفقت سے غیر محترم

دور باد اگر کند نومید ہر امیدوار
یا کہ از وے بازگردد جار غیرِ محترم

وَمُنْذُاَلْزَمْتُ اَفْکَارِیْ مَدَائِحَہٗ
وَجَدْتُّہٗ لِخَلَاصِیْ غَیْرَ مُلْتَزِمٖ

وقف جب سے ہوگیا ہوں مدح میں سرکارؐ کی
پا لیا اپنی رہائی کا مدد گار اتم

زانکہ من مشغول کردم فکر خود در مدحِ او
برخلاصِ خود ورا خوش یافتم من ملتزم

وَلَنْ یَّفُوْتَ الْغِنٰی مِنْہُ یَدًاتَرِبَتْ
اِنَّ الْحَیَایُنْبِتُ الْاَزْھَارَفِی الْاَکَمِ

آپؐ کے دستِ کرم سے پائینگے محتاج فیض
جس طرح گلزار ٹیلوں کو کرے ابرِ کرم

دستِ درویش از غنا ہا نعمتش خالی نہ شد
زانکہ از باراں بر وید گل بہ بالائے اکم

وَلَمْ اُرِدْ زَهْرَةَ الدُّنْيَا الَّتِيْ اقْتَطَفَتْ
یَدَا زُهَیرٍ بِمَا اَثْنٰی عَلٰی هَرِمِ
مجھ کو دولت کی نہیں خواہش کبھی مثل زہیر
جس نے حاصل کی تھی دولت بن کے مداحِ ہرم
من نمی خواہم متاعِ مال و دُنیا چوں زہیر
کو نچیدہ دست او چوں گفت او مدحِ ہرم

یَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُبِهٖ
سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ
اے مکرم تر جہاں سے جز ترے میرا ہے کون.
حادثاتِ عام میں جب گھیر لیں رنج و الم
اے گرامی تر ز خلقاں من ندارم ملجاء
جُز تو چوں آید قیامت یا بود مرگِ تنم

وَلَنْ یَّضِیْقَ رَسُوْلَ اللّٰهِ جَاهُکَ بِیْ
اِذَالْکَرِیْمُ تَجَلّٰی بِاِسْمِ مُنْتَقِمِ
کم نہ ہو گا آپ کا رتبہ شفاعت سے مری
جلوہ گر جب ہو باسمِ مُنتقم وہ ذی کرم
یا رسول اللہ جاہت تنگ می ناید بمن
چوں کریم انتقام آرد بار بابِ نقم

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَ ضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ
کیونکہ دُنیا اور عقبیٰ آپؐ کی بخشش سے ہیں
اور علوم باطنی سے آپؐ کے لوح و قلم
شمۂ از جودِ تو دُنیا بود با آخرت
وز علومت در دوعالم علمِ لوح ست و قلم

یَا نَفْسُ لَا تَقْنَطِیْ مِنْ زَلَّةٍ عَظُمَتْ
اِنَّ الْکَبَائِرَ فِی الْغُفْرَانِ کَاللَّمَمِ
یوُں تو عصیاں ہیں بڑے اے نفس مت مایوس ہو
سامنے بخشش کے بیشک ہیں یہ ادنیٰ اور کم
اے دل از رحمت مشونومید با جرمِ بزرگ
چوں کبائر نزدِ غفرانِ خدا شد چوں لمم

لَعَلَّ رَحْمَةَ رَبِّیْ حِیْنَ یَقْسِمُهَا
تَاْتِیْ عَلٰی حَسَبِ الْعِصْیَانِ فِی الْقِسَمِ
رحمتِ رب ہوگی جب تقسیم، مجھ کو ہے اُمید
میرے عصیاں سے سوا ہوگا مرے ربّ کا کرم
رحمتِ رحماں مگر آں دم کہ قسمت میکند
برمن آید در خورِجرم و گناہ اندر رقم

یَا رَبِّ وَاجْعَلْ رَجَائِیْ غَیْرَ مُنْعَکِسٍ
لَدَیْکَ وَاجْعَلْ حِسَابِیْ غَیْرَ مُنْخَرِمِ
میرے رب امید کو میری نہ رد فرمایئے
تیری رحمت پر بھروسہ ہے نہ کر اسکو ختم
یا رب امیدم بر آور و امگرداں بازگوں
در قیامت نزدِ توآں کہ حساب آساں کنم

وَالْطُفْ بِعَبْدِکَ فِی الدَّارَیْنِ اِنَّ لَهٗ
صَبْرًا مَّتٰی تَدْعُهُ الْاَهْوَالُ یَنْهَزِمِ
لُطف فرما دو جہاں میں اپنے بندہ پر کریم
سختیوں میں ہے بہت بے صبر بارنج و الم
لُطف کن بابندہ خود ہم بدنیاہم بدیں
زانکہ صبرش نزد سختیہا گریز از سأم

وَاْذَنْ لِسُحُبِ صَلٰوةٍ مِّنْکَ دَائِمَةً
عَلَی النَّبِیِّ بِمُنْهَلٍ وَّ مُنْسَجِمِ
ابرِ رحمت کو ترے دے حکم تا برسائے وہ
تا ابد اپنے نبی پر رحم و فضل و کرم
پس درود بے کراں بارانِ ابرِ رحمت
تا شود ریزان و پاشان از نعیم و از نعم

وَالْاٰلِ وَالصَّحْبِ ثُمَّ التَّابِعِیْنَ لَهُمْ　　اَهْلِ التُّقٰی وَالنُّقٰی وَالْحِلْمِ وَالْکَرَمِ

آل پر اصحابِ پر اور تابعینِ پاک پر　　صاحب تقویٰ پہ اور جو ہیں حلیم و ذی کرم

بعد ازاں بر آل و اصحابِ کرام و تابعین　　اہلِ علم وحلم و عقل و فضل و تقویٰ وکرم

مَارَنَّحَتْ عَذَبَاتِ الْبَانِ رِیْحُ صَبَا　　وَاَطْرَبَ الْعِیْسَ حَادِی الْعِیْسِ بِالنَّغَمِ

جب تلک باد صبا چلتی رہے گلزار میں　　اور اونٹوں کو طرب میں ساربانِ پر نغم

تا بجنباند صبا اندر چمن شاخِ درخت　　و براند اشتراں رابندگانش در نغم

فہرست ابواب

وجہ تالیف

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھ ناچیز کو اپنے حبیب پاک، صاحب لولاک، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی امت میں پیدا فرما کر جماعت حق اہل سنت والجماعت میں شامل فرمایا۔
اس ناچیز نے جب سے سن بلوغت میں قدم رکھا ہے اس وقت سے لے کر آج تک علماء و بزرگان دین سے گہرا تعلق و رابطہ قائم چلا آرہا ہے۔ میری دل کی گہرائیوں سے یہ دیرینہ آرزو تھی کہ اپنی عقل وفہم، مالی حالت اور جسمانی قوت کے مطابق جو اللہ کریم نے مجھے عطا فرما رکھی ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے وسیلہ جلیلہ اور نظر فیض وکرم کے سہارے تاجدار عرب وعجم، فخر موجودات، احمد مختار، نور مجسّم، شہنشاہ دو عالم، سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی سیرت پاک کو مفصل قرآن وسنت، اقوال صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، فرامین تابعین، تبع تابعین کے فرمودات، محدثین، مفسرین ومحققین کرام اور ائمہ وعلماء کرام کی تحریرات، اصحاب سیر اور تاریخ عالم کی روشنی میں کماحقہٗ بیان کرسکوں، عرصہ اسی ذہنی کشمکش میں ہی گزر گیا کہ کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زندگی مبارک کو تحریر کرنا اور کہاں مجھ جیسا تہی دامن، کم علم، ناچیز بندہ فانی مگر قربان جائیں اس شفیق ورحیم ہستی کے، جنہوں نے مجھ ناچیز پر نظر کرم فرماتے ہوئے خواب میں زیارت کا شرف عطا فرمایا جس سے میری ہمت بندھی۔ اس نوید جاں فزاء نے مجھ ناچیز کی دیرینہ تمنا کو پورا کرنے کا سامان پیدا کر دیا اور یوں اس ناچیز نے ابتدائی تیاریاں مکمل کر کے یکم رمضان المبارک 1410ھ بمطابق 28 مارچ 1990ء کو مصمّم ارادے کیساتھ خالق کائنات کے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت مقدسہ تحریر کرنے کا عملی کام شروع کر دیا۔
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت مقدسہ لکھتے وقت چند نہایت اہم پہلو مدنظر رہے جن کی مختصراً وضاحت تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ یہ پہلو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت مقدسہ کے وہ اہم گوشے ہیں جن کا خصوصی مطالعہ کرنے کے بعد عام عقل وفہم رکھنے والا انسان بھی فخر کونین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی سیرت مبارکہ سے علم وعرفان، محبت واخوت اور صداقت وعمل کے وہ گراں قدر موتی حاصل کرے گا جو اس کی دینی ودنیاوی زندگی کو اوج ثریا پر فائز کر دیں گے۔ انشاء اللہ۔
یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضور اکرم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دور مبارک میں فاتح مصر عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ زہد وتقوٰی میں مشہور تھے۔ انہوں نے رسول

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے ایک مجموعہ احادیث باقاعدہ قلمبند کیا تھا جسے وہ صحیفہ صادقہ کہتے تھے۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک تحریر شدہ مجموعہ احادیث تھا جس کے متعلق وہ فرماتے تھے کہ انہوں نے وہ احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کر کے ان کی منظوری حاصل کی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے شاگرد ہمام بن منبہ کے لئے مجموعہ احادیث تحریر کیا تھا اور عروہ رحمۃ اللہ علیہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ (23 تا 94ھ) نے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحریر کی تھی جسے وہ مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے پکارتے تھے۔ خلیفہ سوم سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ابان رحمۃ اللہ علیہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (25 تا 100ھ) پہلے نقاشِ سیرت رسول تھے شرجیل بن سعید (متوفی 123ھ) وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ (34 تا 110ھ) عاصم بن عمرو بن قتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب قرشی زہری (51 تا 124ھ) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (60 تا 101ھ) کے عہد خلافت (99 تا 101ھ) میں عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن عزم (متوفی 125ھ) معرسی بن عقبہ (55 تا 141 ھ) واقدی (135 تا 207ھ) اس فن کے امام مانے جاتے ہیں محمد ابن اسحاق (85 تا 151ھ) کی فنِ سیرت پہ قدیم کتاب ہے جو بعد میں ابن ہشام (متوفی 213ھ) کی تالیف السیرۃ النبی الکامل کے نام سے اہلِ علم کی نگاہوں میں آئی اور آج بھی اسکی اولیت اور امامت سے کسی کو انکار نہیں۔ عدانہ بن حکم (متوفی 147ھ) ابو مخنف (متوفی 157ھ) سیف بن عمر (متوفی 185ھ) مدائنی (متوفی 225ھ)۔ یعقوبی (متوفی 292ھ) بلاذری (متوفی 279ھ) ابن قتیبہ (متوفی 292ھ) طبری (متوفی 310ھ) جیسے قد آور مؤرخین دنیائے تاریخ میں جلوہ گر ہوئے۔

محدثین کرام اور تصنیفاتِ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تہذیب التہذیب میں گراں قدر معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں جن کتب اور مؤلفین و مصنفین نے نذرانہ ہائے عقیدت پیش گئے ہین ان میں سے مختصراً فہرست پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

نمبر شمار	نام کتاب	محدث، مصنف و مؤلف	سن وفات	کیفیت
1.	مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ	94ھ	حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے تھے۔ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر (1ھ-73ھ) تھے جو عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے عمر میں بیس برس بڑے تھے اور

				رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے کئی سال (61ھ تا 73ھ) مسند خلافت پر جلوہ افروز رہے مصر اور شام کے علاوہ باقی عالم اسلام پر ایک عرصے تک ان کا علمِ اقتدار لہراتا رہا بالآخر 73ھ میں بنو امیہ کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرما گئے۔ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ 19ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آغوش تربیت میں پرورش پائی۔
2.		شعبی	109ھ	فن مغازی و سیر میں ان کو کمال درجہ معلومات تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے کہ گو میں ان غزوات میں بذات خود شریک تھا مگر یہ مجھ سے زیادہ ان حالات کو جانتے تھے۔ مشہور محدث تھے۔ خلافت دمشق کی طرف سے سفیر بن کر قسطنطنیہ (استنبول-ترکی) گئے تھے۔
3.		وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ	114ھ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کتب عہد قدیم کی بشارات اور پیشین گوئیاں کثرت سے انہوں نے روایت کی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ حدیثیں سنی تھیں۔ آپ یمن کے عجمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ (پیدائش 34ھ)

.4		عاصم بن عمرو بن قتادہ انصاری	121ھ	خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے مسجد دمشق میں بیٹھ کر درس دیتے تھے۔ حضرت عاصم رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ عمرو بن قتادہ انصاری سے روایت کرتے تھے۔
.5	کتاب المغازی	محمد بن مسلم بن شہاب زہری	124ھ	وہ نسباً قریشی تھے۔50ھ میں پیدا ہوئے اور بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو دیکھا80ھ میں عبدالملک کے دربار گئے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کتاب المغازی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے موافق لکھی۔
.6		یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن الاخنس بن شریق الثقفی	128ھ	فقہائے مدینہ میں شمار اور میراث نبوی کے عالم تھے۔
.7	مغازی	موسیٰ بن عقبہ الاسدی	141ھ	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تھا۔ فن حدیث میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کے شاگرد ہیں۔
.8		ہشام بن عروہ بن زبیر	150ھ	سیرت کے ذخیرہ روایات میں ان کا بہت بڑا حصہ شامل ہے جن کو وہ اپنے باپ کے واسطہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔
.9	کتاب فقہ اکبر	امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ابن زوتی رحمۃ اللہ علیہ	150ھ	پیدائش کوفہ 80ھ وفات بغداد 150ھ۔
.10	کتاب المغازی (فتح الغریب فی سیرت الحبیب)	محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی	150ھ	اسی کتاب کو ابن ہشام نے مزید اضافہ کر کے مرتب کیا جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے(ولادت مدینہ منورہ 85ھ وفات بغداد 151ھ)۔

.11	کتاب المغازی	عمر بن راشد الازدی	154ھ	امام زہری کے شاگرد اور حدیث کے عالم تھے۔
.12		محمد صالح بن دینار التمار	168ھ	سیرت و مغازی کے عالم تھے۔ زہری کے شاگرد اور واقدی کے استاد تھے۔
.13		عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمن المخزومی	170ھ	حدیث کے عالم تھے۔ مشہور صحابی مسور (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بن مخرمہ کے پڑپوتے تھے۔
.14	کتاب المغازی	ابومعشر نجیح المدنی	170ھ	ہشام بن عروہ بن زبیر کے شاگرد تھے۔ امام احمد بن حنبل ان کو سیرت و مغازی میں صاحب نظر تسلیم کرتے ہیں۔
.15	کتاب المغازی	عبدالملک بن محمد بن ابی بکر بن عمرو بن حزم الانصاری	176ھ	خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے سب سے پہلے فن حدیث کی تدوین کی۔ ان کی رشتہ کی دادی عمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تربیت یافتہ تھیں خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا۔
.16	موطا امام مالک	امام ابوعبداللہ مالک بن انس اصبحی رحمۃ اللہ علیہ	179ھ	ولادت 103ھ وفات مدینہ منورہ 179ھ۔
.17		علی بن مجاہد الرازی الکندی	180ھ	امام احمد ابن حنبل نے ان سے روایت کی ہے۔
.18	کتاب السیرۃ	زیاد بن عبداللہ بن الطفیل البکائی	183ھ	ابن اسحاق کے شاگرد اور ابن ہشام کے استاد تھے۔
.19	سیرۃ النبوی	سلمہ بن الفضل الابرش الانصاری	191ھ	طبری میں ان کے واسطہ سے اکثر روایتیں مروی ہیں۔ ابن اسحاق کے شاگرد تھے۔

.20	مغازی	ابو محمد یحییٰ بن سعید بن ابان الاموی	194ھ	ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے۔
.21	کتاب المغازی	ولید بن محمد القرشی	195ھ	مغازی و تاریخ میں ان کا بڑا درجہ تھا اور شام کے مشہور محدث تھے۔
.22		امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی	204ھ	ولادت 180ھ وفات ترافہ مصر 204ھ۔
.23	الاکتفاء فی مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	سلیمان بن موسیٰ الکلاعی الاندلسی	634ھ	
.24	المصنف (عبدالرزاق)	امام ابوبکر عبدالرزاق	211ھ	حضرت امام بخاری کے استاد تھے۔
.25		یعقوب بن ابراہیم الزہری رحمۃ اللہ علیہ	208ھ	حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عوف کی اولاد سے تھے۔
.26	شرف المصطفیٰ	حافظ عبدالسعید عبدالملک نیشاپوری	213ھ	
.27	سیرۃ النبی کامل	عبدالملک ابن ہشام الحمیری رحمۃ اللہ علیہ	218ھ	مولد بصرہ وفات فسطاط یعنی قاہرہ 218ھ (833ء) بعض کے نزدیک 213ھ پورا نام ابو محمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب الحمیری المعافری ہے۔ کیونکہ ان کا تعلق قبیلہ حمیر کی شاخ معافر سے تھا جو معافر بن یعفر سے منسوب تھی یہ لوگ مصر میں آباد ہوگئے تھے وہ ابتدائی ایام میں ہی بصرہ سے مصر چلے گئے تھے۔
.28	طبقات ابن سعد	علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد البصری رحمۃ اللہ علیہ	230ھ	168ھ - 230ھ
.29	مسند امام احمد	امام احمد ابن محمد ابن حنبل ابن ادریس رحمۃ اللہ علیہ	241ھ	ولادت بغداد 164ھ وفات بغداد 241ھ۔

30.	اخبار مکہ	علامہ ابوالولید ارزقی	245ھ	
31.	دارمی شریف	امام عبداللہ ابن عبدالرحمن ابن افضل ابن بہرام دارمی رحمۃ اللہ علیہ	250ھ	ولادت سمرقند 181ھ وفات 250ھ (امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں)۔
32.	مسلم شریف	ابوالحسن مسلم رحمۃ اللہ علیہ ابن حجاج قشیری نیشاپوری	261ھ	ولادت 204ھ وفات نیشاپور 261ھ
33.	سنن ابن ماجہ	علامہ ابوعبداللہ محمد ابن یزید ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ	273ھ	ولادت قزوین 209ھ وفات 273ھ۔
34.	ترمذی شریف	امام ابوعیسیٰ محمد ابن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ	279ھ	ولادت نہر بلخ کے کنارے جیحوں مقام ترمذ 229ھ وفات ترمذ 279ھ۔
35.	فتوح البلدان	احمد بن یحییٰ بن جابر البشیر باذری	279ھ	892ھ
36.	کتاب المغازی و مسند صحابہ	ابراہیم بن اسحاق بن ابراھیم	285ھ	محدث
37.	بخاری شریف (الاوسط التاریخ آداب مفرد وغیرہ)	ابومحمد عبداللہ ابن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ	296ھ	ولادت بخارا 194ھ وفات مقام فرتنگ 296ھ
38.	سیرت نبوی تاریخ کبیر	ابو بکر احمد بن ابی خثیمہ البغدادی	299ھ	حدیث شریف میں امام احمد ابن حنبل اور ابن معین کے شاگرد تھے۔
39.	مغازی	محمد بن عائذ دمشقی		حافظ ابن حجر وغیرہ اکثر ان کی مغازی کے حوالے دیتے ہیں۔
40.	نسائی شریف	علامہ ابوعبدالرحمن ابن احمد ابن شعیب ابن بحر ابن سنان نسائی	303ھ	ولادت خراسان میں ایک بستی نسا 215ھ وفات بعض کے مطابق مکہ مکرمہ 303ھ۔
41.	تفسیر طبری	علامہ محمد بن جعفر طبری	310ھ	

.42	کتاب دار قطنی	ابوالحسن علی ابن عمر دار قطنی	385ھ	ولادت بغداد 305ھ وفات بغداد 385ھ۔
.43	سیرۃ النبویہ	حافظ الحدیث ابو حاتم محمد بن حباب ابن التیمی البُسی	354ھ	
.44	دلائل النبوۃ	حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبحانی	430ھ	
.45	اعلام النبوۃ	قاضی ابوالحسن ماوردی	450ھ	
.46	دلائل النبوۃ	حضرت ابو بکر احمد حسین بیہقی	458ھ	ولادت نیشاپور کے علاقہ بیہق 384ھ وفات نیشاپور 458ھ۔
.47	کتاب الشفاء	ابوالفضل قاضی عیاض	544ھ	
.48	الوفاء باحوال مصطفیٰ	امام عبدالرحمن جوزی	597ھ	
.49	روض الانف	علامہ عبدالرحمن سہیلی	581ھ	
.50	تفسیر کبیر	امام فخرالدین رازی	606ھ	
.51	معجم البلدان	علامہ شہاب الدین بن یاقوت حموی	626ھ	
.52	سیرت ابن ابی طے	یحییٰ بن حمیدہ	630ھ	
.53	اکتفاء	حافظ ابوالربیع سلیمان بن موسیٰ	634ھ	
.54	فتوحات مکیہ	شیخ اکبر محی الدین بن عربی	638ھ	
.55	مثنوی مولانا روم	مولانا جلال الدین رومی	672ھ	5 جمادی الثانی 672ھ
.56	سیرت گازرونی	شیخ ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی	694ھ	
.57	سیرت ومیاطی	حافظ عبدالمومن ومیاطی	705ھ	

.58	سیرت خلاطی	علاء الدین علی بن محمد خلاطی حنفی	708ھ	
.59	السیرۃ النبویہ	علاؤالدین المعلطائی (689ھ-761ھ)		
.60	کتاب المغازی	علامہ الواقدی	207ھ	
.61	بہجۃ المحافل فی السیرت والمعجزات والشمائل	علامہ یحیٰ بن ابی بکر العامری	893ھ	
.62	عیون الاثر	علامہ ابن سید الناس اندلسی	774ھ	
.63	السیرت نبویہ	علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی	774ھ	
.64	فتح الباری	علامہ ابن حجر عسقلانی	852ھ	
.65	شواہد النبوۃ	مولانا عبدالرحمٰن جامی	898ھ (1492ء)	
.66	معارج النبوت	ملا معین واعظ الکاشفی الہروی	907ھ	
.67	خصائص الکبریٰ	علامہ عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی	911ھ	
.68	وفاء الوفاء	حضرت علامہ سمہودی	991ھ	
.69	السیرۃ الحلبیہ	علامہ علی ابن برہان الدین	1044ھ	(975ھ - 1044ھ)
.70	سرور دو عالم	محمد طاہر فاروقی	1933ء	
.71	مدارج النبوت	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	1052ھ	
.72	شرح المواہب الدنیہ	امام محمد بن عبدالباقی الزرقانی	1172ھ	

.73	سیرت النبی	علامہ شبلی نعمانی	1333ھ (1914ء)	
.74		علامہ سید سلیمان ندوی	1339ھ (اشاعت)	
.75	رحمت اللعالمین	قاضی سلیمان منصور پوری		
.76	سیرت رسول عربی	علامہ نور بخش توکلی	1401ھ	
.77	جمال مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	عبدالعزیز مرفی		اشاعت 1397ھ (1977ء)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر مسلمان اور مومن کے لئے اپنی ذات کو جاننا اس قدر ضروری نہیں جتنا کہ فخر دو عالم نور مجسم تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات والاصفات کو جاننا ضروری ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی بھی صاحب ایمان انکار نہیں کر سکتا کیونکہ حقیقی معنوں میں یہی بات تو ہمارے ایمان کا جزولاینفک ہے۔ جو شخص اپنے عقیدہ، ایمان اور اسلام کو پہچانتا اور مانتا ہے وہ پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات اقدس کو مانے اور پہچانے گا تب ہی اپنے ایمان کو مان اور پہچان سکتا ہے بصورت دیگر نہ ہی اسے اپنے ایمان واسلام کا یقین ہو گا اور نہ ہی پہچان۔ علم معرفت کی رو سے یہ امر حقیقت پر مبنی ہے کہ ایک مومن اپنے وجود ایمانی میں سراسر حضور پرنور شافع یوم نشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وجود مسعود کا محتاج ہے۔ اگر کوئی بھی مومن ومسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وجود مبارک سے ایک لمحہ کے لئے بھی قطع نظر کر لے تو اُسی آن اس کا اپنا ایمان بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ ہمارے اس دعوٰی کا ثبوت خود خالق کائنات نے سورۃ الاحزاب کی آیت 6 میں یوں ارشاد فرما کر دیا ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ

ترجمہ: ''یہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے''۔

سورۃ الحجرات (آیت 2) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ادب کی تاکید فرمائی۔ فرمایا ''آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھو۔ چلا کر بلند آواز سے بات نہ کرو۔ مبادا تمہارے سارے اعمال پر پانی پھر جائے اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔'' اسی سورۃ (آیت 3) میں مزید فرمایا کہ ''عزت کا معیار تقویٰ ہے اور تقویٰ کا معیار جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ادب ہے۔'' گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت کا معیار تقویٰ ہے اور تقویٰ کا معیار حضور اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ادب ہے۔ سورہ التوبہ (آیات 65،66) میں فرمایا ''ان سے کہیں کیا تم اللہ تعالیٰ اور اسکی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے استہزاء (ہنسی) کرتے

ہواب معذرت پیش نہ کرو تم ایمان لانے کے بعد واقعی کافر ہو گئے۔"

گویا اللہ تعالیٰ قرآن پاک یا رسول کریم ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بارے میں استہزاء کی باتیں ارتداد و کفر تک پہنچا دیتی ہیں یعنی وہ مرتدین ہیں اور جیسے ارتداد کی سزا قتل ہے اسی طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شان میں گستاخی کی سزا بھی قتل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (سورۃ النساء آیت 80) یہ بھی فرمایا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، جس طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ادب اللہ تعالیٰ کا ادب ہے۔

اس ارشاد ربانی کی تشریح میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ مومن کا ایمانی وجود حقیقت میں نبوت کے آفتاب کا نہایت ہی معمولی سا عکس و پرتو ہے۔ فلسفے کی رو سے عکس یا پرتو کا جو تعلق اور قرب اپنے اصل کے ساتھ ہے وہ کسی دوسری چیز کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا مثلاً آفتاب اور آئینے میں نظر آنے والے اس آفتاب کا عکس یہ دونوں حقیقت کے اعتبار سے ایک نہیں ہو سکتے۔ آفتاب کا اصل عکس اور پرتو تو خود آفتاب کے براہ راست آمنے سامنے ہے اور پہچاننے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مومن کو جو ایمان ملتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے واسطے سے براہ راست ہی ملتا ہے۔ اس طرح ثابت ہوا کہ حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ایمان کے ساتھ بالذات یعنی ذاتی طور پر متصف ہیں جبکہ مومن ایمان کے ساتھ بالذات یعنی ذاتی طور پر نہیں بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے واسطے سے متصف ہے۔

مذکورہ نکتے کی تشریح سے ثابت ہوا کہ مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود کو جاننے سے پہلے حبیب خدا، فخر موجودات، تاجدار مدینہ، سرورِ سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ کے ہر ہر پہلو کا مطالعہ کرے، اسے اچھی طرح جانے اور خود اس صراط مستقیم پر چلتے ہوئے دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی دعوت دے۔ یاد رہے کہ حضور سرور کونین نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ کی اشاعت اور اس پیغام حق کو گھر گھر پہنچانے کے لئے اپنے ہر قسم کے عملی، اخلاقی اور جسمانی و مالی تعاون اور ایثار و قربانی سے اس مقصد کی نشر و اشاعت کرنا ہی اصل میں انسانی زندگی کا مقصد حیات اور بقاء کی ضمانت ہے۔ بعض لوگوں نے مجھ سے سوال کیا کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ پر دنیا کی قریباً ہر زبان میں لاتعداد کتب تحریر کی جا چکی ہیں تو پھر آپ کی اس کتاب کی کیا ضرورت ہے۔ اگر ضرورت ہے تو پھر آپ اس کتاب میں کونسی نئی بات یا کن نئی معلومات کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔

بظاہر تو یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب دینا میرے موضوع سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتا مگر میں اس سوال کا جواب دینا اس لئے ضروری خیال کرتا ہوں کہ اگر کتاب کی طباعت کے وقت یا بعد میں کسی مہربان کے دماغ میں یہ سوال آئے تو اس کا جواب پہلے ہی موجود ہو۔ میں سوال کرنے والے مہربانوں کا شکر گزار ہوں کہ ان کے اس سوال نے میرے لئے علم و تحقیق کے مزید مواقع پیدا کر دیئے جن کی روشنی میں یہ ناچیز اپنے نکتہ نظر کی مزید وضاحت کرنے

کے قابل ہوا ہے۔

اس سوال کے جواب میں سب سے پہلے تو میری گزارش یہ ہے کہ سیرت مقدسہ بیان کرنا میرے اور میرے جملہ احباب کے لئے سامان بخشش اور صدقہ جاریہ ہے۔ ایسا جاری صدقہ جس کا نعم البدل کوئی دوسرا کام ہو ہی نہیں سکتا۔

سیرت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا نقطۂ عروج دیکھیں کہ خود خالق کائنات اپنے حبیب پاک، صاحب لولاک، رحمت عالم، نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت پاک کے ہر ہر پہلو اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی ہر ہر ادا اور تمام اوصاف کریمہ کو کیسے کیسے حسین انداز سے بیان فرما رہا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ میرا حبیب وہ ہے:۔

جس کا چہرہ	والضحٰی
جس کی زلف	والیل اذا سجٰی
جس کا بولنا	ما ینطق عن الھوٰی
جس کا دیکھنا	مازاغ البصر و ماطغٰی
جس کا سننا	فاوحٰی الی عبدہ ما اوحٰی
جس کا چلنا	یمشون علی الارض ھونا
جس کا ہاتھ	ید اللہ
جس کا سفر	الی المسجد الاقصٰی
جس کے عروج کی ابتداء	سدرۃ المنتھٰی
جس کا معراج کی انتہاء	قاب قوسین او ادنٰی
جس کے علم کی انتہاء	رب زدنی علما
جس کی خوشی و رضا	ولسوف یعطیک ربک فترضٰی
جس کی صفات	یٰسین و طٰہٰ
جس کی فتح و نصرت	اذا جاء نصر اللہ

خالق کائنات نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اپنی صفات کے ساتھ اس انداز سے متصف فرمایا ہے جس کی مثال نہ پہلے تھی اور نہ ہی بعد میں کبھی ہوگی۔ سرکار دو عالم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ہستی اپنے مالک حقیقی کی صفات کا پرتو ہے جیسے:۔

خالق کائنات حکیم ہے تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اسکی حکمت ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ شفیق ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اس کی شفقت ہیں۔

رب العالمین قدیر ہے۔ تاجدار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی قدرت ہیں۔
اللہ تعالیٰ قوی ہے۔ تاجدارِ مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی قوت ہیں۔
رب کائنات رفیع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی رفعت ہیں۔
مالک دوجہاں منعم ہے۔ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی نعمت عظمیٰ ہیں۔
خداوندِ قدوس رحیم ہے۔ بے کسوں کے کس ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی رحمت ہیں۔
مالک کون ومکان عادل ہے۔ رحمت دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی عدالت ہیں۔
وہ رب العالمین ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت اللعالمین ہیں۔
وہ لا الہ اللہ ہے۔ آپ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔
اللہ تعالیٰ کریم ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی کرامت ہیں۔
مالک کائنات عظیم ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی عظمت کا نشان ہیں۔

سورہ یٰسین کے پہلے رکوع میں اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے کہ ''بے شک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچے رسول ہیں۔'' اسی طرح سورہ الاحزاب میں ارشاد فرمایا ''اور جب ہم نے انبیاء سے ان کا عہد لیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم (علیہم السلام) (سے خاص طور پر عہد لیا) اور ہم نے ان سے پکا عہد لیا (کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے میں اپنی پوری کوشش صرف کردیں گے)''۔ (آیات 7، 8)۔ اس آیہ مبارکہ میں یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام میں سے پانچ انبیاء کو مخصوص کیا گویا یہ پانچ درجہ میں باقی سب انبیاء میں افضل ہیں۔ اس آیت مبارکہ کی دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ ان پانچ افضل رسل میں سے چار اسی ترتیب سے لائے گئے جس کے مطابق وہ دنیا میں مبعوث ہوئے۔ لیکن ہمارے آقا ومولا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک سب سے پہلے لیا گیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سب سے بعد میں ہوئی۔ اس طرح اولوالعزم رسل پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فوقیت کا اظہار فرمایا۔ تیسری قابل غور بات یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لفظ ''من'' علیحدہ ہے اور باقی چاروں انبیاء حضرات علیہم السلام کے لئے علیحدہ۔ اس سے اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کام سرانجام دیں گے وہ خاص اور ممتاز ہوگا بہ الفاظ دیگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ انبیاء کے مقدس فریضہ کی تکمیل فرمائیں گے گویا انبیاء علیہم السلام کا جو مقدس فریضہ ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے انجام کو پہنچے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو جس حکیمانہ انداز سے بیان فرمایا ہے اسکی حکمت کو سمجھ لینا انسانی عقل وادراک سے باہر ہے۔ اس حکمت کو اللہ جل شانہٗ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے انبیاء علیہم السلام نے بھی تاجدار

مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اپنے اپنے زمانوں میں صفت وثنا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی آمد کی خوشخبری سناتے ہوئے سیرت مقدسہ بیان کرنے کا حق ادا فرمایا۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدتوں پہلے قوم سے یوں ارشاد فرمایا۔

''اے قوم، انبیاء علیہم السلام کے پاک گروہ میں سب سے آخر میں آنے والی وہ مبارک ہستی ہو گی جس کی زبان اقدس سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا۔''

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خالق کائنات سے یوں دعا فرمائی۔

''اے میرے خالق میری ذریت میں سے ایک ایسی شخصیت پیدا فرما جو لوگوں کو تیری آیتیں سنائے اور انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور یوں انہیں خوب ستھرا فرمائے۔''

سیدنا حضرت یحیٰی علیہ السلام نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لباس مبارک پر شہنشاہوں کا شہنشاہ لکھا دیکھا اور اسکا اپنی قوم سے ذکر فرمایا۔

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی آمد اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حسن وجمال کا ذکر بڑے دلکش انداز میں فرمایا۔

صاحب مکاشفات حضرت یحیٰی علیہ السلام نے سید المرسلین خاتم النبیین فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پیچھے آسمانی فوجوں کا چلنا دیکھ کر اس کا نہایت خوبصورت انداز میں ذکر فرمایا۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے یوں ارشاد فرمایا۔

''اے قوم سن لو میرے بعد وہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تشریف لائیں گے جو روح الحق ہوں گے۔ میں ان کی مبارک جوتیوں کا تسمہ بند کرنا اپنے لئے وجہ افتخار خیال کرتا ہوں۔''

انبیاء علیہم السلام کے مذکورہ ارشادات حقیقت میں فخر کونین، سردار رسل، صاحب جودوکرم، حضور پرنور، شافع یوم نشور، تاجدار عرب وعجم، بے کسوں، لاچاروں اور غلاموں کے مولا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ کا بیان ہے۔ مجھ جیسا کم علم وعمل ناچیز بندہ اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ لکھ کر اصل میں سنت الہیٰہ اور سنت انبیاء علیہم السلام کی پیروی کر رہا ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تمام انبیاء علیہم السلام کی جملہ صفات کے حامل ہیں۔ خالق کائنات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وجود مسعود میں تمام انبیاء علیہم السلام کی جملہ صفات جمع فرما دی ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات مقدسہ میں:۔

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کا عجز

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کا جہد
سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایقان
سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسی تسلیم ورضا
سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا مشاہدہ وجلوہ طور
سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام سے بڑھ کر صبر
سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام سے کہیں زیادہ حسن وجمال
سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام سے بڑھ کر لحن مبارک
سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام سے زیادہ طاقت اور کہیں بڑی حکومت
سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہیں زیادہ عفو ودرگزر

الغرض فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام مذکورہ صفات سے کہیں بڑھ کر دیگر صفات کے حامل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات مسیحا نفسی کے اس عروج پر فائز ہے جس کے صدقے کروڑوں اندھوں کو بصارت، مُردوں کو حیات دنیاوی واخروی، وحشیوں کو مدنیت اور درندوں کو شرافت کی نعمت عظمیٰ نصیب ہوئی۔

جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تمام زیبائیوں اور رعنائیوں کے ساتھ تشریف لائے نیابت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوئی، رسالت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوئی۔ معرفت کی انتہاء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوئی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیابت، رسالت، معرفت سب کا حق ادا کر دیا۔ سب کو اوج کمال پر پہنچا دیا۔ آپ خالق کائنات کا شاہکار عظیم ہیں۔ حسن مجسم، حسن مکمل، خلق عظیم، خزینۂ رحمت، مخزنِ حکمت، گنجینۂ معرفت، فصاحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نثار تھی، بلاغت آپ کے قدم چومتی تھی سخاوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زیور تھی، شجاعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باندی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسم حسن، مجسم رعنائی اور مجسم توانائی تھے۔ قیامت کے روز جب کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہوگا، بڑے بڑے جلیل القدر پیغمبر دم نہیں مار سکیں گے۔ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے دامن شفقت میں ہم سب کو پناہ ملے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے وسیلہ جلیلہ سے عاصیوں کی شفاعت ہوگی۔

میرا دل کی گہرائیوں سے تمام اہل ایمان کو یہ پیغام ودرخواست ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اپنی زندگیوں کا لازمی حصہ بنالیں۔ آپ حضرات دیکھیں گے کہ بڑے ہی قلیل عرصہ میں اس نعمت لازوال کی برکت سے دین ودنیا کی تمام ترترقیاں، رفعتیں اور سربلندیاں آپ کے قدموں میں ہوں گی۔ انشاء اللہ۔

قرآن مجید بھی عربی زبان میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک بھی عربی۔ مستند محدثین و محققین کرام کا تحریری ذخیرہ بھی عربی زبان میں۔ لہٰذا پاکستان کی قومی زبان بھی عربی ہونا چاہیے تھی بلکہ ایسا ہونا بہت

بڑی سعادت کا باعث ہوتا۔ اگر جزیرۃ العرب کے ملحقہ زیادہ تر افریقی ممالک کی قومی زبان عربی ہو سکتی ہے تو پاکستان کی قومی زبان عربی ہونے میں کوئی امر مانع نہیں ہے جبکہ پاکستان کی سرحدیں اومان و مسقط سے چند میل ہی کے فاصلے پر ہیں بلکہ پاکستان کے کچھ علاقے بشمول گوادر تو سلطنت اومان کا حصہ تھے۔ اگر پاکستان کی قومی زبان اب بھی عربی قرار دے دی جائے تو آنے والے چند عشروں میں ہی عربی سے لسانی فاصلہ ختم ہو جائے گا اور آئندہ نسلوں کے لیے نہ صرف قرآن کریم اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے لیے مزید روحانی اور دل کی قربت کا باعث ہوگی بلکہ ذہنی اور لسانی ہم آہنگی سے زندگی کے تمام تر معمولات یک جہتی کا باعث بنیں گے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ کا مطالعہ اہل اسلام کی علمی و عملی میدان میں جس طرح راہنمائی کرتا ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہ پہلے موجود تھی اور نہ ہی قیامت تک ہوگی۔ اس محسن انسانیت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے زندگی کے ہر شعبہ میں جس طرح عملی طور پر ہماری راہبری فرمائی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ہم میں سے جو خطابت کے میدان میں واعظ شیریں بیان کا نطق دیکھنا چاہتا ہو تو عکاظ کے میلے میں فخر کونین ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مسحور کن آواز خطابت سے سکون پائے۔

تسلیم و رضا کے بحر بے پایاں کا اندازہ کرنا ہو تو عزیز از جان شفیق چچا سیدنا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش مبارکہ پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو مہر بلب کھڑا دیکھیں۔

عفو و درگزر کی انتہا دیکھنی ہو تو ہر روز گلی سے گزرنے والی عظیم ہستی کے سر اقدس پر کوڑا کرکٹ پھینکنے والی کے عمل کے جواب میں ہمارے کریم آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا نہ صرف خاموش رہنا بلکہ اس عورت کی بیماری میں اس کی خیریت دریافت کرنے تشریف لے جانے کا عمل مبارک دیکھو۔

صبر و استقامت کا سبق سیکھنا چاہو تو استقلال کی آہنی چٹان کے عمل مقدسہ کا نظارہ کرو جو اُحد و حنین کے خون بار میدانوں میں دشمن کے سامنے سینہ سپر رہے اور پایہ استقلال میں جنبش تک نہ آنے دی۔

صداقت کے نکتہ عروج کا مطالعہ کرنا مقصود ہو تو فخر موجودات ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قرب کو سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر سے دیکھو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیضان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے صدقے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن گئے۔

عدل و انصاف کی معراج دیکھنی ہے تو سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک نظر سے رحمت عالم، نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے عدل و انصاف کا مطالعہ کیجئے جس کی برکت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاروق اعظم بن گئے۔ سخاوت اور شرم و حیا کے فلک بوس پہاڑ کی شرم و حیا کا مقام دیکھنا چاہتے ہو تو سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چشم مبارکہ سے تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ کو بغور پڑھو۔ اس وصف عظیم کے تمام پہلو خود بخود روشن ہوتے جائیں گے جن کے طفیل حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرم و حیا کے پیکر اور غنی بن گئے۔

شجاعت اور بہادری کے ستون کو دیکھنا چاہتے ہو تو سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک نگاہ سے فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا اُحد وحنین کے خون آشام میدانوں میں صبر واستقلال کے ساتھ کھڑا ہونا دیکھو جس عظیم ہستی کی بدولت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیدر کرار اور اسد اللہ بنے۔

قرآن مجید کی تلاوت ومطالعہ کے بعد دین ودنیا کی عظمتیں اور سربلندیاں حاصل کرنے کا مجرب ترین نسخہ حبیبِ خدا، خاتم المرسلین، فخر کونین، رحمت عالم، تاجدار عرب وعجم، سرکارِ مدینہ، سرورِ سینہ، بے کسوں کے کس سرورکونین، سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین، سدرۃ المنتہٰی کے مکین، قاب قوسین اوادنیٰ کی معراج پر فائز، والضحٰی کے چہرے والے، واللیل اذا سجٰی کی زلف عنبریں کے حامل، یداللہ کی صفت والے، یٰسین وطٰہٰ، سراجاً منیراً، پسینہ مبارک خوشبو سے معطر، شہنشاہوں کے شہنشاہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ کا مطالعہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مبارک زندگی کا مطالعہ اہل ایمان کو عملی میدان میں صراط مستقیم پر چلنے کا وہ راستہ دکھاتا ہے کہ جس پر چل کر ہم وہی مومن بن سکتے ہیں جس کا ذکر مفکر اسلام حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس شعر میں کیا ہے۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

سیرت مقدسہ کا مطالعہ ہمیں طریقہ جہاں بانی کے تمام عملی اصول کھول کھول کر بتاتا ہے۔ یہ اس کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حیات مبارکہ کا ذکر ہے جو اخلاقیات وسیر کے ان بلند مدارج عظمٰی پر فائز ہیں جہاں سے دنیا کے تمام فلاسفر اخلاق کے لیے حجت کے طلبگار رہتے ہیں۔ رسول عربی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم عظمت وسربلندی کے اس مقام پر متمکن ہیں جس کی گدائی دنیا کے تمام معلمین اخلاق کے لیے وجہ سعادت ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے علم مبارک کا صرف ایک قطرہ پوری کائنات کے معلموں کو علم کی روشنی عطا فرماتا ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وجود مسعود نے دلوں کو پاک، روحوں کو روشن، دماغوں کو ساطع اور طبع کو ہموار بنایا۔ آپ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تعلیمات نے امن عامہ کو مستحکم اور عروج انسانی کے لیے تاقیامت راستہ ہموار کیا۔ آپ ختم الرسل سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

غریبوں کے محبّ	دردمندوں کی دوا
خاکساری کا نمونہ	رحمت ربانی کے پیکر
بے چاروں کے چارہ گر	یتیموں کے سہارا
اخوت کے بانی	مسکینوں کے ساتھی
مساوات کے داعی	صدق وسخا کے منبع

اخلاص کے مشتری	صبر کے مخزن
بے آسروں کے	آسرا
یتیموں کے دلبند	مسکینوں کے آقا
غلاموں کے مولا	غریبوں کے ملجا

مرادیں غریبوں کی بر لانے والے
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والے

مذکورہ مختصراً بیان کردہ صفات کی حامل اکمل ومکمل ذات مقدسہ کی سیرت پاک لکھنے سے بڑھ کر اور کوئی کام ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ کو ہر دور اور ہر زمانہ میں تحریر کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت اور مومن کے ایمان کا لازمی حصہ ہونا چاہئے۔ کائنات ارض وسما میں حضور پر نور شافع یوم نشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ہستی مبارکہ وہ واحد ذات مقدسہ ہے جن کی سیرت طیبہ پر دنیا کی قریباً ہر زبان میں لاتعداد کتب تحریر کی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ قیامت تک اس ذات کریم کے بارے میں کتنی مزید کتب تحریر کی جائیں گی اس کا علم اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو ہی ہے۔

یہ بات ایک ایسی حقیقت ہے جس میں مبالغہ کا شائبہ تک نہیں کہ اگر دنیا کے تمام درختوں کی شاخوں اور تنوں کو کاٹ کر ان کی قلمیں بنالی جائیں، سمندروں، دریاؤں اور ندی نالوں کے سارے پانی کو سیاہی میں تبدیل کر دیا جائے، کرہ ارض پر بسنے والے سب انسان عمر بھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ لکھنا شروع کر دیں، لکھنے والوں کی عمریں بیت جائیں گی، لکھتے لکھتے قلمیں گھس کر ختم ہو جائیں گی، سمندروں دریاؤں اور ندی نالوں کے پانی سے بنی ہوئی سیاہی ختم ہو جائے گی مگر پھر بھی فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ کا بیان ختم نہیں ہو گا۔ یہ اس ذات والا صفات کی حیات طیبہ کا بیان ہے جن کی ہستی مبارکہ قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے۔ جن کا خلق کلام پاک ہے۔ جن کی تعریف وتوصیف خود خالق کائنات کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔ خالق کائنات کے بعد اس کی تخلیق شدہ ہر چیز سے افضل واعلیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات مقدسہ ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ لاکھوں کروڑوں نہیں بلکہ حد وحساب سے باہر حکمتوں، برکتوں، رفعتوں اور عظمتوں کی جامع ہے۔ اس عظیم ہستی کی سیرت مقدسہ کا لکھنا اور مطالعہ کرنا دین ودنیا کی لازوال دولت کا موجب ہے۔ حضور نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس میں ہمارے آقا ومولا ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی 63 سالہ ظاہری حیات مبارکہ کے شب وروز بسر کرنے کے مکمل حالات موجود ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شخصیت وعظمت کا وہ منہ بولتا ثبوت ہے جس سے دنیا کے کسی مذہب،

قوم یا عقیدے کا شخص انکار نہیں کر سکتا۔ حضور اکرم ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے پہلے گزرنے والی امتوں نے بھی اپنے اپنے نبیوں اور ہادیوں کے حالات زندگی قلم بند کرنے کی پوری کوششیں کی ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی طرف سے شب و روز سخت محنت کے بعد جو کچھ لکھا وہ نہ تو مکمل ہی ہے اور نہ محفوظ۔ ان لوگوں نے محض اپنے اندازوں اور ایک دوسرے سے سنے سنائے واقعات کی روشنی میں ہی کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج عیسائی، یہودی اور دنیا کے دیگر تمام مذاہب کی پیروی کرنے والے کروڑوں انسان اپنے اپنے مذہب کے بانیوں اور ہادیوں میں سے کسی ایک راہنما کی بھی پوری سیرت اور اس کی زندگی کے حالات و واقعات تو کیا ان کا ایک کلمہ یا لفظ بھی ایسا پیش نہیں کر سکتے جس کی صحیح سند ان کے راہنما یا پیشوا تک براہِ راست پہنچتی ہو۔ یہ فخر و اعجاز صرف اور صرف رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی امت کے غلاموں کو ہی حاصل ہے کہ وہ اپنے آقا و مولا فخر رسل ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہر مبارک قول و فعل، نشست و برخاست، دینی اور دنیاوی معمولات سب کو متصل اسناد کے ساتھ پیش کرتے چلے آ رہے ہیں اور تا قیامت پیش کرتے رہیں گے انشاء اللہ۔ ایسے کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت مقدسہ ہر وقت اور ہر حال میں اپنی ہمت و طاقت کے مطابق تفصیل کے ساتھ بیان و تحریر کرنا ہمارا فرض اور وقت کا اہم تقاضا ہے۔

ہم میں سے ہر صاحب علم یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ علوم عصریہ میں سے کسی ایک علم پر ہی مختلف ادوار میں الگ الگ لوگوں نے اپنی عقل و فہم کے مطابق کئی کئی جلدوں میں بہت سی کتب تحریر کی ہیں جن میں مؤرخین کی اکثریت نے اپنے تجربے اور علم کی بنا پر اس فن کو بیان کیا ہے۔ ان لکھنے والے حضرات کے فن اور علم کا منبع اور اصل ان کی فنا ہونے والی عقل و تجربہ ہے۔ ان کتب کی بار بار اشاعت جاری ہے۔ لوگ ان کتب کا برابر مطالعہ کرتے ہیں اور بڑی بڑی دنیاوی اسناد حاصل کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنی اپنی عقل اور فہم و فراست کے مطابق لکھنے والے کے علم کی تعریف کرتے ہیں۔ لکھنے والے ایک فنا ہونے والی چیز پر اس قدر ناز اور فخر کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں نکتہ حل کر دیا، فلاں پیچیدہ مسئلے کا کیسا آسان حل بتا دیا ہے، کیسی کیسی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھا دی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس مٹ جانے والے علم پر لکھی جانے والی مختلف مورخین کی ایک موضوع پر بہت سی کتب دیکھ اور پڑھ کر کوئی اعتراض نہیں کرتا کہ جب اس موضوع پر پہلے ہی کتب موجود ہیں تو پھر کسی نئی کتاب کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح تاریخ عالم کو ہی لے لیجیے اس موضوع پر کس قدر کتب تحریر کی جا چکی ہیں اور برابر لکھی جا رہی ہیں مگر کوئی اعتراض نہیں کرتا کہ صاحب پہلے ہی تاریخ کے موضوع پر لاتعداد کتب موجود ہیں پھر اس نئی کتاب کو لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان فنا ہونے والے علوم کی بار بار اشاعت جاری ہے مگر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں تو پھر سیرت مقدسہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر تحریر کی جانے والی نئی کتب یا کتاب پر سوال اٹھانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ ظاہر ہے اس سوال کا جواب تو سوال کرنے والے ہی بتا سکتے ہیں، جبکہ یہ حقیقت ہے کہ سرکار دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حیات مبارکہ کے علم و بیان کا تو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ علم و بیان تو لافانی ہے اس ہستی کی تعریف خود خالق کائنات اور اس کے برگزیدہ انبیاء علیہم

السلام کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ہر ہر فعل وقول اور عمل صدیاں گزر جانے کے بعد بھی متصل ہے۔ حدیث میں آتا ہے کسی نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ ہمیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اخلاق کے بارے میں بتائیے انہوں نے فرمایا کہ ''پورا قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا خلق ہے''، یعنی فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا خلق (اخلاق حمیدہ) قرآن مجید کی عملی صورت میں موجود ہے۔ پورا کلام الٰہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نعت شریف ہے۔ اللہ کی یہ پاک اور آخری کتاب وہ ہے جس میں نزول سے لے کر قیامت تک کسی حرف کی تبدیلی تک کا تصور دائرہ اسلام سے اخراج ہے کیونکہ خالق کائنات خود ارشاد فرماتا ہے۔ سورۃ الحجر آیت 9۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٩﴾

ترجمہ۔ ''ہم نے اس کتاب قرآن کریم کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔''

جس مقدس ہستی کی سیرت قرآن مجید کی عملی تفسیر ہو، جس آقا ومولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات والاصفات پر خود اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ہر وقت درود بھیجتے ہوں، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

ترجمہ: ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر درود بھیجتے ہیں اس لیے اے ایمان والو تم بھی ان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) پر خوب درود وسلام بھیجو۔ (سورہ الاحزاب۔56)

درود پاک کا بار بار اور ہر وقت پڑھنا باعثِ اجر عظیم ہو، جس کے ہر ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیاں پڑھنے والوں کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہوں، جو قاری کی عظمت، شان اور دین ودنیا کی سربلندی کا ضامن ہو، جس مقدس ہستی کا خلق یہ پاک کلام ہو اس کی شان عظمت اور رفعتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ وہ صرف خالق ومالک دوجہاں کی ذات ہی ہے۔ ہر عقل رکھنے والے کو یہ بات اچھی طرح یاد کر لینی چاہیئے کہ کلام الٰہی کے بعد سرکارِ مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ کا مطالعہ ہی اصل میں ہمارا زادراہ ہے۔ سیرت طیبہ کے ہر ہر لفظ کو پڑھنے کے صلے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمارا دامن دین ودنیا کی ان برکتوں، نعمتوں، بلندیوں اور اجر سے بھر دے گا، جس کا اندازہ ہماری فانی عقل اور علم وادراک کر ہی نہیں سکتے۔ میں پھر اپنے تمام اہل اسلام کی خدمت میں درخواست کروں گا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی ہمت، عقل، وسائل اور اثر ورسوخ کے مطابق فخر رسل، تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ کا مطالعہ کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مبارکہ تحریر کرے اگر پوری سیرت شریفہ تحریر کرنے کی ہمت و طاقت نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زندگی مبارکہ کے کسی نہ کسی پہلو پر ہی لکھ دے۔ اگر ایسا کرنے کی بھی ہمت و

طاقت نہ ہوتو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پیغام حق کو گھر گھر پہنچانے کی پوری کوشش کرے ہر سو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے عشق کے چراغ جلادیں جن کی روشنی سے پوری دنیا بقعہ نور بن جائے۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے

دہر میں اسمِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) سے اجالا کردے

ہمارے آقا و مولا فخر کونین ختم رسل تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات والا صفات وہ مکمل و کامل ہستی ہیں جن کی سیرت مقدسہ کا مطالعہ کرنے کے بعد دین و دنیا کی بھلائی کے تمام راستے کھل کر ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا عمل مبارک ہمارے لیے مشعل راہ نہ ہو۔

غریبی وامیری	جوانی وپیری
امن وجنگ	امید وترنگ
گدائی وپادشاہی	ہستی وپارسائی
رنج والم	راحت ومسرت
عدل وانصاف	علم وعرفان
اخوت وبھائی چارہ	مساوات وراہنمائی
رضاورغبت	معاشرتی اصول
گھریلوتعلقات ومعمولات	ازدواجی زندگی کے طریقے
سیاست وسیاحت	قانونی ضوابط
عہدوپیان	سفروحضر
لین دین وتجارت	صبرواستقامت
عبادت وریاضت	خشوع وخضوع
زہدوتقویٰ	صبرورضا
تدبروحکمت	غوروفکر
شجاعت وجوانمردی	قرابت داروں سے سلوک
دشمنوں سے برتاؤ	مہمان نوازی اوراسکے آداب
جنگی قیدیوں سے سلوک	جنگی حکمت عملی
بچوں پرشفقت ورحمت	کمزوروں اورناداروں کی خبرگیری

ہمسایہ سے تعلقات خارجہ روابط

الغرض جہاں بانی کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں جو سرکارِ دوعالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مبارک زندگی کا عملی نمونہ نہ ہو۔ آیئے آج مصمم ارادہ کرلیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حیات مبارکہ کے ہر ہر پہلو کو اپنی پوری توانائیاں خرچ کر کے اپنی زندگیوں کا لازمی حصہ بنائیں گے انشاءاللہ۔

خالقِ کائنات نے دنیا میں مبعوث کیے جانے والے انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات اور واقعات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کے حالات اور واقعات کا ذکر کیوں کیا ہے اس میں کیا حکمت و رموز ہیں۔ ان رموز کو بیان فرما کر انسانی ذہن میں آنے ہر سوال کا جواب ارشاد فرمادیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ ٱلرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِى هَٰذِهِ ٱلْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾

ترجمہ:۔ ''اور ہم تمہارے سامنے انبیاء کے واقعات بیان کرتے ہیں جس سے تمہارے قلب کو قوت اور سکون ملے اور ان واقعات کے ضمن میں ایمان والوں کے لیے حق اور حقیقت اور عظمت اور نصیحت اور تذکیر اور یاددہانی سامنے آجائے۔'' (سورہ ہود۔ آیت 120)

اللہ رب العزت کے اس کلام کی روشنی میں ہر ذی عقل اس بات کا آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کو اللہ کریم نے اس لیے بیان فرمایا کہ ان کو پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قلب مبارک کو اطمینان اور سکون کا درجہ حاصل ہو اور اُمت ان حالات و واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہوئے حق و نصیحت کا راستہ اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے پاک کلام میں بعض سورتیں ہی انبیاء علیہم السلام کے ناموں سے منسوب فرمادی ہیں جیسے۔

سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم)، سورہ یونس، سورہ ہود، سورہ ابراہیم، سورہ یوسف اور سورہ نوح (علیہم السلام)

ان سورتوں کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام، علما کرام، صلحا اور بزرگان دین کی سیرت، حالات و واقعات اور تاریخ لکھنا کس قدر اہم اور ضروری ہے۔ پھر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ کے بیان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مبارک سیرت پڑھ کر ہم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حتی المقدور تمام فضائل، معجزات و کمالات ہی معلوم نہیں کرسکتے بلکہ ایسا کرنے سے ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے فضائل و کمالات بھی معلوم ہوں گے اور ہمارے ایمان میں وہ قوت پیدا ہوگی جو احاطہ قلم سے باہر ہے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ کو پڑھ کر ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مبارک کلام یعنی حدیث شریف کے معانی اور تشریح کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ پھر غور کیجئے کہ وہ لوگ جو اہل ایمان نہیں ہیں اگر ان

لوگوں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مقدسہ کا مطالعہ کیا تو کیا معلوم اُن میں کتنے ایسے خوش قسمت ہوں جو رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ حق کو پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور یوں ان کی دین ودنیا کی زندگیاں رفعتوں اور برکتوں سے بھر جائیں۔ یہ سب اس وقت ہی ممکن ہوسکتا ہے جب اہل ایمان اپنی ہمت وطاقت کے اعتبار سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی پر زیادہ سے زیادہ لکھ کر اسے عام کریں۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر آج تک لاتعداد کتب تحریر ہوچکی ہیں اور انشاء اللہ یہ سلسلہ قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا۔ دورِ حاضر میں گو سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چھوٹی بڑی بہت سی کتب تحریر کی گئی ہیں مگر مصنفین میں زیادہ تعداد ایسی بھی ہے جو موجودہ سائنس اور فلسفہ جدید کی روشنی میں یورپ کے فلاسفروں سے یا تو خوف زدہ ہے یا پھر بہت مرعوب ہے کیونکہ ان حضرات نے آیاتِ قرآنی اور احادیث مبارکہ کو توڑ مروڑ کر کسی نہ کسی طریقے سے سائنس اور فلسفہ جدید کے مطابق کرنے کی اس لیے کوشش کی ہے کہ وہ موجودہ خود ساختہ ترقی یافتہ نسل انسانی کہلانے والوں پر یہ ثابت کرسکیں کہ نعوذ باللہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی قول وفعل ان کی تہذیب، سائنس اور فلسفہ جدید کے خلاف نہیں تھا۔ ایسے مصنفین کی اس ناکام کوشش پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ انہوں نے کس قدر علمی خیانت اور حالات کو غلط طریقے سے پیش کرنے کا واقعاتی ظلم کیا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ سائنس ہو یا جدید فلسفہ یا پھر دور جدید کا کوئی بھی علم یہ سب کچھ ہمارے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مقدسہ کا نہایت معمولی سا پرتو ہے۔ ہمارے مفسرین، محدثین، محققین، آئمہ، مجتہدین، علماء کرام اور بزرگان دین نے علمی میدان میں حضور ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہء جلیلہ سے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی۔ ان بزرگوں نے علوم وفنون کی دنیا میں لازوال کارنامے چھوڑے ہیں۔ کسی بھی علم کو لے لیجئے ان لوگوں نے اس پر دفتر کے دفتر لکھ چھوڑے ہیں۔ انسانی زندگی کو پیش آنے والے معمولی سے معمولی نکتہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جس پر سیر حاصل بحث اور کلام نہ کیا ہو۔ سائنس کے موجودہ شعبہ میں کیمسٹری (علم کیمیا)، فزکس (طبیعات) دوسرے بیالوجی (حیاتیات) ہو یا ریاضی، فلسفہ، منطق، علم طب، علم قانون، علم معاشیات، علم جفر، علم اخلاقیات، علم نسواں، علم اسماء الرجال، فن کتابت، علم ہندسہ، انجینئرنگ (تعمیری وکل سازی)، علم نفسیات، غرض دنیا کو کوئی بھی علم وفن ہو ہمارے اسلاف نے اس کے بارے میں مکمل آگاہی کے تمام اصول وضوابط کھول کھول کر بیان کردیئے ہیں۔ ان علوم وفنون پر اکابرین نے کئی کئی جلدوں پر مشتمل بے شمار کتب تحریر کی ہیں۔ یہ سب کچھ سرکار دوعالم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک صحبت اور فیضان نظر کا ہی صدقہ ہے۔ آج کے اس گئے گزرے دور میں بھی جبکہ مادہ پرستی کا عفریت قریباً پوری انسانیت کو اپنے اشاروں پر چلا رہا ہے۔ بہت سے اہل علم، علماء کرام وبزرگان دین ایسے بھی موجود ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ دنیا کو درپیش مسائل اگر ان کے سامنے پیش کیے جائیں

تو اللہ کے فضل و کرم، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وسیلہ و فیضان اور بزرگوں کی عطا سے کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کا حل قرآن مجید، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور اقوال اکابرین سے حل نہیں ہوسکتا۔ ہماری بدقسمتی صرف یہ ہے کہ علم و عرفان کے ان سربلند پہاڑوں کی تحریر شدہ کتب صرف لائبریریوں اور کتب خانوں کی زینت بن کر رہ گئی ہیں۔ اگر آج ہمارے اہل ایمان، صاحبان ثروت محض اللہ کی رضا کے لئے یہ فیصلہ کرلیں کہ وہ اپنے تمام وسائل ان کتب کا ترجمہ کرانے اور ان کی اشاعت کے لئے وقف کر دیں گے تو میرا یہ دعویٰ ہے کہ بڑے ہی قلیل عرصے میں علم و عرفان کے یہ نایاب موتی گھر گھر پہنچ کر کامیابی و کامرانی کی وہ شمع فروزاں کر دیں گے جس کی روشنی میں بھٹکی ہوئی انسانیت پھر سے راہ راست پر آجائے گی اور یوں ہر سو علم، امن اور بھائی چارے کا راج ہوگا۔

دورِ حاضر کے جن بعض مصنّفین کا میں اوپر ذکر کر رہا تھا ان کی لکھی ہوئی کتب سیر کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان حضرات نے جہاں جہاں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے معجزات یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے غلاموں کی کرامات کا ذکر آیا ہے پہلے تو انہوں نے پوری کوشش کی ہے کہ اس عظیم اعجاز نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ذکر ہی نہ کیا جائے اور اگر کہیں ان کا ذکر کرتے بھی ہیں تو نہایت ہی ہلکے انداز سے، پھر راویوں کے بیان کردہ معجزات، کرامات کو اپنے خودساختہ محدثانہ رنگ میں ناقابل اعتبار بنانے کے لیے عجیب و غریب قسم کی جرح اور تاویلات پیش کرتے ہیں۔ اسماء الرجال کی کتب میں سے جرح کے اقوال نقل کر دیتے ہیں، مگر توثیق و تعدیل کے اقوال چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کا یہ فعل سراسر علمی و اخلاقی زیادتی ہے جو امانت و دیانت کے قطعی خلاف ہے۔

موجودہ صدی میں لکھنے والے کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جو اپنے فانی علم اور زورِ قلم کو صرف اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح حق کو یا تو چھپا دیا جائے یا پھر اسکی ایسی تاویل کی جائے کہ لوگ حق جاننے کی طرف ہی نہ جائیں۔ میں اپنی اس بات کو ثابت کرنے کیلئے مثال عرض کرتا ہوں۔ خالقِ کائنات کے باغیوں، گمراہوں اور کفر و شرک کی دلدل میں غرق لوگوں کے ساتھ حق کی سربلندی کے لیے جب جہاد و قتال کا ذکر آتا ہے تو یہ لوگ بہت پیچ و تاب کھاتے ہیں۔ ان لوگوں کو کسی طرح چین نہیں آتا اور کہنے لگتے ہیں کہ جہاد و قتال تو اسلام کے چہرہ پر ایک داغ ہے۔ جہاد کے ذریعے اتنی قیمتی جانوں کو ختم کر دینا کہاں کی عقل مندی ہے وغیرہ وغیرہ۔ تعجب کا مقام ہے کہ ان حضرات سے یہ تو نہ ہوسکا کہ اپنے زورِ قلم اور خطابت کو جہاد کی فرضیت کے حق میں استعمال کرتے ہوئے اہل ایمان کو وقت پڑنے پر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دیتے۔ جہاد کے سلسلے میں حاصل ہونے والی دین و دنیا کی نعمتوں کے بارے میں بتاتے بلکہ الٹا جہاد کی فرضیت کی الٹی سیدھی تاویلات کا راستہ اختیار کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے پر زورِ قلم لگا دیا کہ غزوات و سرایا اللہ تعالیٰ کے نام کی سربلندی اور اس کی حاکمیت کو قائم کرنے اور خالقِ کائنات کے قانون کو دنیا میں جاری کرنے اور رکھنے کے لیے نہیں لڑے گئے تھے بلکہ یہ تو محض مسلمانوں نے اپنی حفاظت اور دشمنوں سے اپنی جانیں بچانے کے لیے لڑے تھے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ان من گھڑت اور خودساختہ تاویل کرنے والے

لوگوں نے اہل علم کہلاتے ہوئے سورہ آل عمران کی آیت 167 کو کیوں نہیں پڑھا۔ ضرور پڑھا ہوگا مگر بغض وعناد کی بنا پر اس کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے دنیاوی آقاؤں کو خوش کرنے کی غرض سے مسلمانوں کو جہاد سے متنفر کرنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ مسلمان منافقین سے یوں کہتے تھے۔ سورۃ آل عمران آیت 167۔

تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ترجمہ:۔ ''آؤ اللہ کی راہ میں جہاد وقتال کرو یا دشمنوں کی مدافعت کے لیے لڑو۔'' (آلِ عمران آیت 167)

اس آیت کریمہ کا غور سے مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے جان جیسی متاع عزیز کو قربان کرنا اور چیز ہے اور اپنے جانی دشمنوں کی مدافعت کے لیے لڑنا اور چیز ہے۔ گو جنگ کے اس طریقے میں مومن اور منافق سب برابر ہیں مگر مومن کا لڑنا خالصتاً اللہ کی رضا اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے ہوتا ہے جبکہ منافق محض اپنی حفاظت اور دشمن کی مدافعت کی خاطر لڑتا ہے۔ دشمن سے مدافعت کی خاطر لڑنا عقلی اور فطری تقاضے کے عین مطابق ہے اور اس بات سے کوئی بھی عقل مند اختلاف نہیں کرسکتا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر جہاد کی حقیقت فقط مدافعت ہی ہوتی تو پوری انسانیت کو عقل وفطرت بخشنے والی ذات کریمہ سے یہ بات مخفی رہ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر اس ذات کو کیا ضرورت تھی کہ وہ اپنے کلام پاک میں اور اس کے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حدیث مقدسہ میں تواتر سے اور بار بار اہل ایمان کو جہاد کرنے کی ترغیب دیتے اور اسلام کے دشمنوں کا سر کچلنے کے لیے اسے فرض فرماتے۔

پس ثابت ہوا کہ جہاد کو محض اپنی مدافعت کے لیے ستعمال کرنے کا عقیدہ رکھنے والے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے یا تو بے خبر ہیں یا پھر کسی خاص گروہ یا طبقہ کے اشارے پر ایسا کررہے ہیں تاکہ اہل ایمان کے دلوں سے جذبہ جہاد ختم کردیا جائے جو غیر مسلم طبقہ کی بقاء کے لیے ضروری ہے۔ یہ نظریہ رکھنے والے لوگ جتنا زور لگا سکتے ہیں لگالیں مگر اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے انشاء اللہ۔ میرا یہاں فلسفہ جہاد بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان پر یہ بات عیاں ہوجائے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور دین اسلام کی سربلندی کیلئے کفار اور مشرکین سے لڑنا ہی اصل ایمان کی روح ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود عمل فرمایا اور قیامت تک بوقت ضرورت ایسا کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اب مخالفین جہاد جتنی چاہے توجیہات پیش کریں یا تاویلات لائیں سب غلط اور دین اسلام کے اس اہم رکن سے انکار وانحراف ہوگا۔

میں اپنے اس موضوع کو سمیٹتے ہوئے ان حضرات سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں جو ان کے خود ساختہ نظریہ کو باطل ثابت کرنے کے لئے نہایت ہی ضروری ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس سوال کا ان لوگوں کے پاس کوئی مناسب جواب ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ تو بین الاقوامی تاریخی حقیقت ہے، جس سے یہ نظریہ رکھنے والے حضرات تو کیا ان کے سرپرست غیر مذاہب کے فلاسفر، محقق، دانشور یا اور کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ سوال یہ ہے کہ کیا خلفاء راشدین رضوان

اللہ تعالیٰ اجمعین نے جس قدر جہاد کئے وہ تمام دفاعی تھے؟ ان میں سے کوئی جہاد بھی اقدامی نہ تھا؟ قیصر وکسریٰ جیسی اس زمانے کی عظیم طاقتوں اور مملکتوں کے تاج شاہی اہل ایمان نے اپنے پاؤں تلے روندڈالے۔ کیا یہ جہاد بھی دفاعی ہی تھے؟ بنوامیہ، بنوعباس اور دیگر خلفاء وسلاطین اسلام نے جس قدر فتوحات حاصل کیں دنیا کے جن جن علاقوں میں ایمان کی شمع فروزاں کی وہ سب کے سب دفاعی جہاد تھے؟ برصغیر پاک وہند پر محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری رحمہما اللہ علیہما نے حملے کئے کیا وہ بھی دفاعی تھے یا پھر بعد میں سلاطین دہلی میں خاندان غلاماں، خاندان خلجی، خاندان تغلق، خاندان لودھی اور مغلیہ خاندان نے ہزار سال بڑی شان وشوکت سے حکومت کی۔ کیا یہ سب کچھ بھی دفاعی جہاد کا نتیجہ تھا؟ جواب یقیناً یہ ہے کہ سب کچھ دفاعی جہاد کا ثمرہ نہیں تھا بلکہ دین کی سربلندی کے لئے اقدامی جہاد کا نتیجہ تھا۔ یہ صرف میرا ذاتی خیال ہی نہیں بلکہ علمِ تاریخ کی وہ کھلی حقیقت ہے جس سے کوئی بھی ذی عقل انکار نہیں کرسکتا۔ اے اہل ایمان! یہ نہایت ہی غور کا مقام ہے کہ پہلے ہمارے اکابرین ایسے ایسے کارہائے نمایاں کیسے سرانجام دے لیتے تھے جن کو پڑھ کر اور سن کر ہماری عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ اس کا جواب نہایت ہی آسان ہے۔ وہ لوگ جن بھوت یا کوئی دوسری مخلوق نہ تھے بلکہ ہماری طرح کے گوشت پوست کے انسان تھے۔ فرق یہ ہے کہ وہ عظیم ہستیاں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت مقدسہ کی قاری اور چلتی پھرتی عملی شخصیات تھیں۔ جن کا اٹھنا بیٹھنا، شب وروز غرض زندگی کا ہر لمحہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سنت مقدسہ کی پیروی کرنے میں بسر ہوتا تھا۔

آج بھی اگر ہم سچے دل سے توبہ کرکے اپنے تمام گناہوں کی معافی مانگ کر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سنت اور سیرت مقدسہ کو اپنی زندگیوں کا محور بنا کر اس پر عمل کرنا شروع کردیں تو یقین جانیئے بڑے ہی قلیل وقت میں اپنا کھویا ہوا مقام ہی واپس نہیں لے سکتے بلکہ اس سے بڑھ کر عظمتیں، رفعتیں اور شان وشوکت ہمارے دامن میں ہوں گی۔

اس خاک پائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس سیرت مقدسہ کی کتاب لکھتے ہوئے اپنی عقل وفہم کے مطابق پوری کوشش کی ہے کہ غیر مستند اور غیر معتبر روایات سے اجتناب کیا جائے۔ میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب رہا ہوں اس کا جواب قارئین محترم کتاب کے مطالعہ کے بعد ہی دے سکتے ہیں۔ میری اس کوشش میں جو کمی اور کوتاہی رہ گئی ہو اس کی نشاندہی فرماتے ہوئے اس ناچیز کی معذرت قبول فرمایئے گا۔ آئندہ ان کوتاہیوں اور کمی کو پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ (انشاءاللہ)

میں نے اپنی عقل وطاقت کے مطابق حضور علیہ السلام کے وسیلہ جلیلہ نیز بزرگان دین کے فیضان سے فخر کونین، تاجدار عرب وعجم، ختم الرسل، بے کسوں کے کس، اپنے آقا ومولا رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حیات مقدسہ کے ہر پہلو کو اپنی نجات کا ذریعہ بناتے ہوئے تفصیل کے ساتھ تحریر کرنے کی کوشش کی ہے اور میری یہی کوشش اصل میں میرے وسیلہ بخشش اور زادِ راہ ہے اللہ جل شانہٗ قبول فرمائے۔

سرکارِ دو عالم، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت مقدسہ پر ہزاروں لوگ قریباً دنیا کی ہر زبان میں کتب لکھ چکے ہیں لکھ رہے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ اس طرح لاتعداد لوگ اس سعادت عظمیٰ سے سرفراز ہوتے رہیں گے۔ ان خوش بخت اہل ایمان میں سے بہت سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مبارک سیرت کے ہر پہلو پر سیر حاصل تفاصیل قلم بند کی ہیں۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت طیبہ پر ہمارے ان آئمہ، علماء اور اکابرین نے کئی کئی جلدوں پر مشتمل کتب سیرت تحریر کی ہیں۔ یہ شخصیات علم و عرفان کے سربلند پہاڑ تھے مگر ان میں سے کوئی ایک یہ دعویٰ نہیں کر سکا کہ اس نے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت مقدسہ لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے کیونکہ فخر کونین ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت پاک کا موضوع وہ سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ ہی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت شریفہ اور شخصیت مبارکہ کا احاطہ صرف خالق کائنات کی ذات مقدسہ ہی کر سکتی ہے پھر مجھ جیسا کم علم و ناچیز بندہ کس گنتی و شمار میں ہے۔ میں نے تو محض اپنا نام سیرت پاک کے مصنّفین و مؤلفین کی فہرست میں لکھوانے کے لیے یہ کوشش کی ہے۔ اللہ کریم اپنے حبیب پاک، صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے صدقے میری یہ کوشش قبول فرما کر اسے میرے لیے توشہ آخرت بناتے ہوئے میرا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ اور روز محشر حضور علیہ السلام کی شفاعت نصیب فرمائے اور بخشش فرما کر جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین۔

اس سیرت مقدسہ کی کتاب میں آپ حضرات جو بھی علمی و تحقیقی سرمایہ دیکھیں گے وہ سب ہمارے آئمہ، مجتہدین، محدثین مفسرین، محققین اور اکابرین علماء کی محنت کا ہی ثمر ہے۔ یہ ناچیز تو ان کے غلاموں کا غلام اور نہایت ہی ادنیٰ خادم ہے۔ میرا کام تو بس اتنا ہے کہ میں نے ان کے جواہرات اور لافانی علم کے موتیوں کو اپنی عقل و فہم کے مطابق سلیقہ سے عنوانات کے مطابق ترتیب دے کر متلاشیان علم اور عشاق کے لئے تحریر کر دیا ہے۔ اب یہ ان لوگوں کا کام ہے کہ وہ اس ذخیرہ خیر و برکت سے کس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس ناچیز نے قرآن مجید اور جن اکابرین کی تحریر شدہ کتب سیر و تاریخ اور احادیث مبارکہ سے استفادہ کرتے ہوئے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے۔ چمنستان سیرت مقدسہ کے گلہائے رنگارنگ جہاں جہاں سے اکٹھے کر کے یہ حسین و جمیل گلدستہ ترتیب دے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت اقدس میں پیش کرنے کی سعادت لازوال حاصل کی ہے ان کے اسمائے گرامی ہر باب کے آخر میں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اس ناچیز نے اپنی اس تالیف و تصنیف میں دورِ حاضر کی جواں نسل، طلباء و طالبات اور خاص طور سے وہ طلباء اور طالبات جو تاریخ اسلام اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت مقدسہ کے موضوع پر اعلیٰ اسناد حاصل کرنے کے لیے شب و روز کوشاں ہیں ان کے لیے آسانی پیدا کرنے کی غرض سے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مبارک زندگی کے قریباً ہر پہلو کو جلی سرخیوں کے ساتھ ترتیب سے رقم کیا ہے۔ یوں یہ حضرات نہایت ہی قلیل وقت میں

آسانی کے ساتھ اپنے مطلوبہ عنوان کو تلاش کر کے پورا پورا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ زبان نہایت آسان اور سلیس ہو تا کہ معمولی تعلیم والا بھی فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت مقدسہ کے مطالعہ سے فیوض و برکات کا لازوال خزانہ حاصل کر سکے۔

اس بندہ ناچیز نے فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت مقدسہ کی اس کتاب کی پہلی جلد انبیاء علیہم السلام تا ظہور نبوی علیہ السلام اور ابتدائے نسل انسانی کے عنوان سے شروع کی ہے تا کہ قاری کرہ ارض پر آباد ہونے والے پہلے انسان سے لے کر ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تک انسانی زندگی کے حالات و واقعات سے کماحقہٗ آگاہ ہو سکے۔ سیرت طیبہ کی یہ کتاب گیارہ جلدوں پر مشتمل ہوگی اور غالباً سیرت مقدسہ پر اس وقت تک لکھی گئی کتب میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرین قیاس ہے کہ سب سے ضخیم ہونے کے ساتھ ساتھ تبرکات اور مقدس مقامات کی تصاویر سے مزین ہوگی۔ انشاء اللہ ۔ اور کوشش کی ہے کہ قیامت تک آنے والے انسان فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت مقدسہ پر عمل کرتے ہوئے اپنی دین و دنیا کی زندگیاں سنوار لیں۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ خالق کائنات نے انسانی زندگی پیدا فرما کر اصل میں اپنے محبوب بندے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تشریف آوری کے لیے یہ کارخانہ قدرت قائم کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کریم نے جن وانس، زمین وآسمان، چاند ستارے، سورج، عرش و کرسی، نباتات و جمادات، حشرات الارض، شجر و حجر، جنت و دوزخ اور مکین و مکاں غرض ہر چیز کو اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے ہی پیدا فرمایا ہے۔ ہماری اس بات کی تصدیق حدیث قدسی کے ان مبارک الفاظ سے ہو جاتی ہے جس میں خالق کائنات ارشاد فرماتا ہے کہ ”اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں نے ہر چیز کو صرف تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔ اگر میں تمہیں پیدا نہ کرتا تو کائنات کی کسی چیز کو پیدا نہ کرتا“۔ (لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتَ الْاَفْلَاکَ)

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت مقدسہ تحریر کرنے کا سلسلہ جاری تھا وصال شریف تک تحریر مکمل ہو چکی تھی معجزات مقدسہ کا بیان شروع کیا تھا کہ 3 ذیقعد 1421ھ بمطابق 29 جنوری 2001ء بروز پیر علی الصبح 2.30 بجے رات فخر کونین تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے کمالِ شفقت و کرم فرماتے ہوئے زندگی میں تیسری دفعہ خواب میں زیارت عظمیٰ کی دولت سے مشرف فرمایا۔ خواب کی مختصراً کیفیت کچھ یوں تھی کہ بکری کا ایک بچہ جو نہایت ہی لاغر حالت میں تھا کم از کم چھ ماہ سے مسجد نبوی کے بیرونی کھلے میدانی احاطے میں پانی کے ایک بھرے ہوئے لوہے کے حمام کے پاس بیٹھا ہوا تھا بکری کے اُس بچے کی جسمانی کیفیت یہ تھی کہ اُسکے لئے اُٹھنا تو کجا اُس کے تو زندہ بچنے کی اُمید بھی باقی نہیں تھی۔ بکری کے اُس بچے کی کیفیت سے عام لوگ یعنی نمازی بھی اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ میں نے اُس بچے کے قریب سے گزرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اسم مبارک کے ساتھ بکری کے بچے کو ہاتھ لگا کر اُٹھانے کی کوشش کی تو وہ فوراً ایسے کھڑا ہو گیا جیسے کبھی بیمار ہی نہ تھا۔ پھر میں نے اُس بکری کے بچے پر ہاتھ رکھ کر چلنا شروع کیا تو اس نے میرے ساتھ ہلکا ہلکا دوڑنا شروع کر دیا۔ نتیجتاً میں اُسے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کرنے کے لئے جا رہا تھا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک سرسبز و شاداب درختوں کے جھرمٹ میں پہنچ گیا کیا دیکھتا ہوں کہ فخر موجودات تاجدار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے جلو میں گھوڑے پر سوار تشریف فرما ہیں۔ میں نے حضور پاک صاحب لولاک علیہ السلام کے گھوڑے کے قریب پہنچ کر سلام عرض کیا اور بکری کے بچے کو خدمت اقدس میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکری کا یہ بچہ آپ علیہ السلام کی نظر کرم اور اسم مبارک کی برکت سے اچھا ہو گیا ہے اب جو حکم فرمائیں اسکی تعمیل ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک انگلی آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا "یہ سب اللہ کی رحمت ہے"۔ میں نے بکری کے بچے کے متعلق منادی کرانے کی اجازت طلب کی اور حسب الحکم آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمل کرنے کا عزم کیا۔ میں نے نہایت ادب سے عرض کیا میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ علیہ السلام کی مجھ ناچیز پر شفقت اور مجھے سرپرستی حاصل رہے گی۔ میری اس عرض کو شرف قبولیت فرماتے ہوئے۔ حبیب رب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توجہ فرمائی اور تبسم فرماتے ہوئے گوہر فشاں ہوئے "ہاں ہماری سرپرستی حاصل رہے گی"۔ میں بکری کے بچے کو ہمراہ لے کر بارگاہ بے کس پناہ سے مڑا ہی تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ میں نے اسی وقت سیرت مقدسہ کو جلد از جلد تحریر کر کے طباعت کا عہد کیا تاکہ یہ تحفہ لے کر مدینہ منورہ روضۂ اقدس پر حاضری کی سعادت لازوال حاصل کروں انشاء اللہ ۔ میں نے اُسی وقت کیف و سرور کی حالت میں درود پاک پڑھتے ہوئے خواب کی اس کیفیت کو ڈائری (سال 2001) میں تحریر کر لیا اور یوں درود شریف کا ورد کرتے ہوئے 3 بجے رات میری آنکھ پھر لگ گئی۔ پھر خواب دیکھتا ہوں کہ مسجد نبوی میں حاضر ہوں۔ مسجد کے ساتھ امام صاحب کے حجرے میں ان سے ملاقات کا موقع ملا۔ امام صاحب کے پاس بہت سی قلمیں و نبیں ہیں امام صاحب نے وہ قلمیں اور نبیں مجھے دکھاتے ہوئے کہا کہ ان میں آپ کا ذاتی قلم یعنی پارکر جو آپ کو بڑی عزیز ہے اور نایاب بھی اُس سے ملتی جلتی قلم بھی ہے جبکہ دوسری قلمیں و نبیں مختلف ہیں۔ امام صاحب سے گفتگو جاری تھی کہ جمعہ کی اذان ہو گئی۔ امام صاحب نے فرمایا کہ چلیں پہلے نماز جمعہ ادا کر لیں پھر جتنی قلمیں آپ چاہیں لے لیجئے گا۔ میں نے وضو کیا اور نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے مسجد میں چلا گیا نماز ادا کی اور آنکھ کھل گئی۔

احقر العباد

رانا محمد سرور خاں

سفرِ سعادت

اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں مجھ جیسے گنہگار اور عاجز بندے کو عنایت فرمائی ہیں ان کا شکر ادا کرنا واقعی ممکن نہیں اور شکر ادا بھی ہو کیسے؟ نعمتیں ہی ان گنت ہیں لیکن جو سعادتیں حاضری کعبۃ اللہ اور روضۂ اقدس (علیہ السلام) پر سلام و حاضری کی صورت میں حاصل ہوئیں انہیں احاطۂ تحریر میں لانا اور انہیں الفاظ کا جامہ پہنانا قطعاً ناممکن ہے۔

بحمداللہ حج بیت اللہ اور روضۂ اقدس پہ پہلی حاضری کی سعادت تو 1974ء میں نصیب ہوئی اور بعد ازاں تین مرتبہ حج اور متعدد مرتبہ عمرہ اور روضۂ اقدس پہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ مگر 1984ء کا وہ واقعہ منفرد تھا جب راقم کو سرور کون و مکان ہادیٔ برحق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی تعالیٰ عنہا کی قبر شریف واقع مقامِ ابواء پر حاضری کا موقع نصیب ہوا۔

واقعہ یوں ہے کہ پاکستان میں علماءِ کرام سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی والدہ ماجدہ کی قبر شریف ابواء میں ہے جو کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانیوالے راستے سے جو کہ براستہ بدر جاتا ہے سے قدرے ہٹ کر پہاڑوں میں ایک پُرانی آبادی ہے (اب نئی سڑک کی تعمیر کے بعد مقام بدر راستے میں نہیں آتا)۔

9 مارچ 1984ء مطابق 6 جمادی الثّانی 1404ھ بروز جمعۃ المبارک علی الصبح بذریعہ فلائٹ پی کے 747 لاہور سے روانہ ہوا یہ فلائٹ جدّہ 10:35 پر پہنچی تو راقم کے قریبی عزیز جو کہ تقسیم ہند سے قبل کے ہمارے ہی گاؤں بیگووال (کپورتھلہ) مشرقی پنجاب کے رہنے والے ہیں، ائیر پورٹ لینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کے ساتھ جدّہ میں چند لمحات رُک کر سیدھے بیت اللہ شریف پہنچے اور اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے جمعۃ المبارک بیت اللہ شریف میں ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد عمرہ کی ادائیگی کی سعادت حاصل کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک ابواء خریبہ میں ہے اور یہ جگہ مستورہ سے تقریباً 15 کلومیٹر ریگستان گزر کر پہاڑی سلسلے میں ہے۔ چنانچہ ہم 13 مارچ کو صُبح صُبح مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔

ابواء خریبہ کا قصبہ جو کہ قدیم قصبہ ہے اور جہاں پر ایک مسجد کے متعلق روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایک نماز جمعہ یہاں پہ ادا فرمائی۔ قبر انور ابواء کے قصبے سے کافی پہلے ہی ایک چھوٹی پہاڑی کی چوٹی پر ہے۔ قصبہ ابواء یہاں سے تقریباً پانچ کلومیٹر مزید آگے پہاڑوں میں ہے اور گائیڈ (رہبر) نے بتایا کہ ابواء کے قرب وجوار میں کھجوروں کے باغ بھی ہیں اور میٹھا پانی بھی میسر ہے۔

چنانچہ گاڑی نیچے کھڑی کرتے ہی ہم فوراً پہاڑی کی چوٹی پر گئے جو کہ تقریباً 100 میٹر بلند ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی

شانِ کبریائی کا عجیب نظارہ دیکھا کہ پہاڑی سلسلہ انتہائی خشک اور پہاڑی بھی انتہائی خشک مگر چوٹی پر ببول یعنی کیکر کا ایک درخت حضور ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی والدہ ماجدہ کی قبر شریف کے سرہانے کی طرف قبر شریف کی بیرونی پتھر کی دیوار سے تقریباً چار فٹ کے فاصلے پر ہرا بھرا یوں لہلہا رہا تھا جیسے اُسے حضور علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر شریف اور قبر اطہر پہ سائے کیے رہنے کے لئے متعیّن کیا گیا ہو اور اگر کوئی زائر حاضری کے لئے آجائے تو اس کے لئے آرام وسکون کا باعث بنے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر شریف پتھر کے غیر تر شیدہ ٹکڑوں اور بغیر رسمی معماری کام کے بنی ہوئی ہے اور چار دیواری بھی پتھر کے ٹکڑوں سے بنائی گئی ہے جس کی اونچائی تقریباً چار فٹ ہوگی۔ قبر اطہر بہت معطّر تھی اور خوشبوئیں مہک رہی تھیں۔ چنانچہ نوافل بھی وہیں ادا کیے اور ظہر کی نماز بھی وہیں ادا کی۔ دو عدد جائے نماز بھی قبر شریف کے قریب رکھ دیئے کہ زائر کو نوافل یا نماز کی ادائیگی کی سہولت رہے۔ چنانچہ دُعائیں پڑھیں۔ اور گائیڈ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے واپس ہوئے۔ گائیڈ (رہبر) نے بتایا کہ ابواء میں کافی پاکستانی ہیں، زیادہ تر مزدور یا معمار ہیں اور اس نے بتایا پاکستانی عموماً جمعرات کو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر اطہر پر حاضری دیتے رہتے ہیں۔

حضُور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ننھیال مدینہ منورہ میں تھے۔ اور روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مدینہ منورہ سے اپنے والد محترم حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر حاضری کے بعد واپس مکّہ مکرمہ تشریف لا رہے تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا ابواء کے مقام پر انتقال ہوگیا۔ یہ حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بچپن کا واقعہ ہے جب آپ کی عُمر تقریباً آٹھ سال تھی۔ چنانچہ حضرت آمنہ کو ابواء میں ہی دفن کر دیا گیا۔ نیز حضرت عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی قبر مبارک مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے قریب ہی گلی کے ایک مکان کے کونے میں تھی۔ راقم نے 1984ء کی حاضری کے دوران یا اس سے قبل قبر کی خود زیارت کی۔ مگر اب مسجد نبوی کی توسیع کے موقع پر تمام محلّہ بھی گرا دیا گیا ہے اور قبریں بھی مسمار کر دی ہیں۔ یہ قبر مسجد نبوی کے باب عمر سے باہر نکل کر کچھ فاصلہ پر ایک گلی کے مکان میں تھی پھر پرانا قلعہ تھا اور مسجد فاطمہ تھی مگر اب سب کُچھ صاف کر دیا ہوا ہے اور یہ علاقہ مسجد نبوی میں حاضری کے لیے جب باب مجیدیہ سے داخل ہوں تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے روضۂ اقدس کی طرف رُخ ہو تو دائیں طرف پڑتا تھا جہاں اب توسیع ہو چکی ہے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر اطہر کی زیارت کے بعد ہم نے شہداء بدر (غزوۂ بدر) کے مزارات پہ حاضری دی اور عصر کی نماز مقامِ بدر ہی میں مشہد کے قریب ہی حضور علیہ السلام کے خیمہ گاہ کی جگہ پہ واقع مسجد میں ادا کی۔ مقامِ بدر کے اس مقام پہ خصوصی دُعائیں کیں جہاں پہ زیادہ تر شہدائے بدر مدفون ہیں اور جہاں پر احاطہ کے گرد اگرد چھوٹی چھوٹی چار دیواری بنا دی گئی ہوئی ہے۔ یہاں سے جلدی روانہ ہونے کی کوشش کی کہ جلد از جلد روضۂ اقدس پہ حاضر ہوں اور بحضور اقدس علیہ السلام سلامِ عاجزانہ پیش کریں اور مغرب کی نماز کی مسجدِ نبوی میں ادائیگی کی سعادت

حاصل کریں۔ چنانچہ یہ بہت خوش قسمتی کی بات تھی کہ عین مغرب کے وقت جب اذان ہو رہی تھی مسجدِ نبوی پہنچ گئے اور نمازِ مغرب مسجد نبوی میں ہی ادا کرنے کی سعادت حاصل ہو گئی لیکن وہ منظر کتنا دیدنی تھا جب مدینہ منورہ سے چند کلومیٹر پہلے گنبد خضراء پہ نگاہ پڑی اور دل چاہا کہ کاش گنبد خضراء سے یہیں سے لپٹ جاؤں یوں آہستہ آہستہ یہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور مسجد نبوی میں حاضری کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک اب نئی سڑک تعمیر کر دی گئی ہے جو کہ تقریباً 1987ء سے سفر کے لئے استعمال ہو رہی ہے اس کا سڑک نام طریق الہجرۃ ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ سڑک تقریباً اُسی راستے پر بنائی گئی ہے۔ جس راستے سے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ ہجرت فرمائی۔ اسی لئے اس کا نام طریق الہجرۃ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اب مستورہ اور بدر والی سڑک زائرین کے لئے بند کر دی ہوئی ہے۔ کیسا ہی اچھا ہوا گر نئی سڑک سے ابواء، بدر اور دیگر مقاماتِ مُقدسہ کی زیارت کے لئے سڑکیں نکال کر زیارت کی سہولت مہیا کر دی جائے۔

16 مارچ (1984ء) کو نماز تہجد اور پانچوں نمازیں مسجد نبوی میں ادا کیں۔ عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں حضور کے قدمین شریفین (پائے مُبارک) کی طرف جالی سے ملحقہ ادا کرنے کی سَعادت نصیب ہوئی روحانی تشفی نصیب ہوئی جالیوں کو خُوب بوسے دیئے۔ جالیوں کے ساتھ ساتھ نیچے ترکوں کے وقت کے بنے ہوئے جنگلہ سے ٹیک لگا کر جب حضور علیہ السلام کے پائے اقدس کی طرف بیٹھا تھا تو محسوس ہوتا تھا کہ دنیا کی تمام تر دولت میسر آ گئی خوش قسمتی کی انتہا اور خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ یہاں یعنی قدمین شریفین (پائے مبارک) کی طرف بیٹھنے کی ترغیب بلکہ سعادت حاصل کرنے کیلئے تاکید تقریباً 31 مارچ 1980ء کو ایک پاکستانی نے کی۔ وہ شخص تقریباً 20 سال سے مدینہ منورہ میں مقیم تھا اس کی ہمراہی میں زیارتِ مقامات مقدسہ کے لیے صبح روانہ ہو کر جب ہم پیدل واپس آئے تو ظہر کا وقت ہو چکا تھا۔ اور روضۂ اقدس سے لیکر جنت البقیع تک نماز کیلئے صفیں بن چکی تھیں۔ اور لوگ بیٹھ چکے تھے لیکن ابھی لوگ آ بھی رہے تھے کہ نماز میں ابھی کچھ وقت باقی تھا۔ کافی صفیں گزر کر مسجد نبوی کے باہر بابِ جبریل علیہ السلام کے بالکل قریب (بلکہ پاکستان ہاؤس جو کہ اب مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلے میں گرا دیا گیا ہے) (اور بابِ جبریل کے درمیان) بیٹھنے کی کوشش کی کہ آگے جانا مشکل ہو رہا تھا۔ تو اس شخص نے کہا کہ آپ میرے پیچھے پیچھے چلے آئیں جن (علیہ السلام) کے ہم مہمان ہیں ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قدموں میں بیٹھیں گے آپ علیہ السلام بہت عظیم مہمان نواز ہیں جگہ خود عطا فرما دیں گے تو میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔ وہ شخص مسجد نبوی کے اندر روضۂ اقدس کی جالیوں کے بالکل قریب اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پائے مبارک کی سیدھ والی صف میں بیٹھ گیا اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی کرم نوازی کہ مجھے بھی اس کے قریب ہی جگہ مل گئی۔ ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد وہیں بیٹھے ہوئے اس شخص نے کہا کہ آج میں نے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں

پیش کرنے کی سعادت حاصل کرلی ہے اور یاد رکھیں حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مرضی کے بغیر میں پیش نہ کر سکتا تھا۔ اب آپ کو اگر روحانی لذّت محسوس ہو تو یہیں زیادہ تر حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں میں ہی وقت گزارا کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس روز واقعی حضُور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں میں انتہائی روحانی سکون ملا اور جالیوں کا قرب ولمس تو کبھی بھلایا ہی نہیں جا سکے گا۔ چنانچہ اس دن کے بعد جب کبھی بھی روضۂ اقدس پہ حاضری کی سعادت نصیب ہو تو اپنا ٹھکانہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدمین شریفین میں ہی ہوتا ہے۔ اسکے بعد لندن سے واپس آتے ہوئے 27 نومبر 1988ء کو عمرہ ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور 29 نومبر کو صبح صبح مکّہ مکرمہ سے روانہ ہو کر عصر کی نماز کی ادائیگی کی سعادت مسجدِ نبوی میں نصیب ہوئی اور 7 دسمبر تک مدینہ منورہ میں قیام کا موقع ملا اور چالیس نمازیں مدینہ منورہ مسجدِ نبوی میں ادا کرنے کی سعادت حاصل کی۔

ان زیارتوں کا ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا جو مجھے اس (مذکورہ بالا) شخص نے غالباً 31 مارچ 1980ء کو پیدل کرائی تھیں۔ ہم علی الصبح نمازِ فجر کے بعد روانہ ہوئے تو قبر شریفہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور قبر شریف حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کرتے ہوئے مقامِ خاکِ شفا پہنچے کچھ وقت پہلے تک تو زائرین خاکِ شفا تبرک کے طور پر لایا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس خاکِ شفا کو کسی صحابی کے زخموں کے علاج کے لئے استعمال فرمایا تھا جس سے صحابی کو شفا نصیب ہوئی اسکے بعد بیرِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے۔ تقریباً 1970ء تک یہ کنواں چالو تھا۔ اور لوگ تبرّک کے طور پر پانی لایا کرتے تھے۔ مگر اب اس میں پتھر ڈال دیئے گئے ہیں اور پانی نہیں ہے۔ یہ کنواں انتہائی تاریخی اہمیت اور تقدس کا حامل ہے۔

روایت ہے کہ حضور علیہ السلام مع صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کسی غزوہ سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا آپ نے نماز کی ادائیگی کے لئے یہاں قیام فرمایا۔ حضور علیہ السلام وضو فرما رہے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بھی۔ سفر کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو سخت پیاس محسوس ہو رہی تھی پانی پینے کو دِل چاہتا تھا مگر پانی سخت نمکین تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے ماں باپ آپ علیہ السلام پہ قربان سخت پیاس لگی ہوئی ہے مگر پانی نمکین ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہی پانی جو کلّی کرنے کے لئے مُنہ میں ڈالا ہوا تھا وہی پانی اس کنویں میں کلّی فرما دیا اور دُعا فرمائی تو اس کنویں کا پانی اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی سے میٹھا ہو گیا۔ اسی طرح یہ پانی اب تک بھی میٹھا چلا آ رہا تھا اور لوگ تبرّک کے طور پر لایا کرتے تھے کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصی نسبت تھی اور لوگ کُلی کے پانی کی نسبت کی بناء پر اسے متبرّک سمجھتے تھے۔ اسکے بعد ہم باغ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں ہی مسجد شمس پڑتی ہے۔ بغیر چھت کے چار دیواری ہے۔ اس کے متعلق روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں سر رکھ کر آرام فرما

رہے تھے کہ عصر کا وقت تنگ ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کو بیدار کرنا مناسب خیال نہ کیا مگر اسی غم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز ضائع ہو رہی تھی کہ آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے، حضور علیہ السلام بیدار ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقت کی تنگی کا عرض کیا۔ حضور علیہ السلام نے اشارہ فرمایا تو سورج واپس اسی سطح پر آ گیا جہاں نماز ادا کی جاسکتی تھی۔ اسکے بعد باغ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے۔ یہاں پر کھجوروں کے مشہور ترین اور قدیم ترین باغ ہیں۔ اسی باغِ سلمان فارسی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دستِ مبارک سے لگے ہوئے کھجوروں کے دو درخت 1980ء تک موجود تھے۔ باقی تمام کھجور کے درختوں سے کوئی تقریباً تین گنا زیادہ بلند تھے۔ اہل سیر کا کہنا ہے کہ وہ درخت قدرتاً اسی جگہ نسل در نسل چلے آ رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ ان کھجوروں کا پھل عام کھجوروں کی نسبت کافی بڑا ہوتا تھا۔ لوگ عقیدۃً کھجور کے ڈنٹھل تبرّک کے طور پر لاتے تھے اور میں بھی لایا۔ عقیدۃً کھجور کے درخت کے ساتھ معانقہ بھی کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کھجور کے درخت کی خوشبو دنیا کی کسی بھی بہترین خوشبو سے بہتر تھی بلکہ اس خوشبو کو کسی خوشبو سے نسبت دی ہی نہیں جاسکتی۔ مگر 1984ء کے بعد عمرہ کے لئے حاضری نصیب ہوئی تو پتہ چلا کہ یہ کھجوریں کاٹ دی گئی ہیں تو بہت دکھ ہوا۔

سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنے ملک فارس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تلاش میں مدینہ منورہ پہنچے کہ انہیں عالموں نے بتایا تھا اور ان کا علم بھی یہی کہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دُنیا میں تشریف لاچکے ہیں تو حضرت سلمان فارسی حضور علیہ السلام کی تلاش میں مدینہ منورہ پہنچے تو ایک یہودی کی ملازمت اختیار کر لی اور باغ میں مالی کے طور پر کام کرنے لگے۔ دن کا زیادہ تر وقت باغ کی نذر ہو جاتا تھا اور رات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جب سلمان فارسی نے اپنا گوہر مقصود تلاش کر لیا تو زیادہ سے زیادہ وقت حضور علیہ السلام کی خدمت میں گزارنے کے لئے یہودی سے کہا کہ وہ انہیں آزاد کر دے۔ مگر یہودی نے کہا کہ آپ کو نیا باغ لگانا ہے۔ چنانچہ نیا کھجوروں کا باغ لگاؤ، باغ پھل دے گا تو اس کا پھل کھاؤں گا تو آپ کو آزاد کر دوں گا۔ یہ اتنی لمبی بات تھی کہ شاید باقی عُمر بھی اسی میں گزر جائے مگر اب یہاں تو ایک لمحہ بھی حضور (علیہ السلام) کے بغیر گزارنا ممکن نہ رہا تھا۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ گزارش حضور علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں پیش کی جب حضور علیہ السلام نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک رات وجہِ پریشانی دریافت فرمائی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کل باغ لگائیں گے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد باغ کی آبیاری کا سلسلہ ہوا۔ اسی لئے وہاں پر بھی ایک کنواں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے منسوب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کھجور کی گٹھلیاں اکٹھی کرالیں اور بعض روایات کے مطابق پودے اور دُوسرے دن صبح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی معیّت میں سب صحابہ کرام نے مل کر باغ لگا دیا۔ ظہر کے وقت تک باغ مکمل ہوا، پانی دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایک سال میں ہی اسکو پھل آ گیا تو سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلّم نے فرمایا کہ یہودی سے کہو کہ اب پھل کھالے اور آپ کو آزاد کرے۔ جب یہودی کو اس حقیقت کا پتہ چلا تو وہ تائب ہو کر مُسلمان ہو گیا اور حضرت سلمان فارسی کو آزاد کر دیا۔

باغ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بھی اس وقت کے مذکورہ بالا دو کھجور کے درخت تھے جواب کاٹ دیئے ہیں۔ یہیں پر بغیر گٹھلی کے کھجوروں کے باغ ہیں۔ باغ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ہم مسجد قباء پہنچے۔ مسجد قباء مدینہ منورہ کی پہلی مسجد ہے اور اسکے بہت سے فضائل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے فرمان کے مطابق یہاں پر دونفلوں کا ثواب عمرے کے برابر ہے۔ انتہائی مقدس مسجد ہے جو حضور علیہ السلام نے مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد سب سے پہلے تعمیر فرمائی۔ یہاں سے واپسی کا رُخ کیا تا کہ ظہر تک مسجد نبوی پہنچ سکیں۔ مسجد قباء سے مسجد نبوی کی طرف چلیں تو راستے میں بڑی سڑک کے قریب ہی ایک گلی میں (محلّہ قدیم قبیلہ بنو سالم بن عوف) مسجد جمعہ ہے۔ روایت ہے کہ جمعہ کی فرضیت کے بعد حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے سب سے پہلے اس مسجد میں جمعہ پڑھایا۔ چنانچہ دو نفل ادا کیے اور ظہر کی نماز کے لئے مسجد نبوی پہنچ گئے۔

مدینہ منورہ میں جن مقاماتِ مقدسہ کی بار بار زیارت کی سعادت نصیب ہوئی اُن میں سے چند مشہور یہ ہیں۔

1۔ جبل اُحد:

یہیں پر اس مقام کی بھی زیارت کی جہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے۔

2۔ شہدائے اُحد:

پہلے یہاں ترکوں کے عہد حکومت کے بنائے ہوئے مزارات تھے۔ جواب شہید کر دیئے گئے ہیں۔ ان مزارات میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ پہلے تو کھلا میدان ہی تھا اور پتھر سے معمولی نشانات بنائے ہوئے تھے اب چار دیواری بنادی گئی ہے۔

3۔ بیرِ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

یہی وہ کنواں ہے جسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں سے نصف خرید کر مُسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا اور بعد میں مکمل کنواں خرید کر وقف کر دیا۔

4۔ مسجدِ قبلتین:

جبل بنی مغیث (بنوسلمہ) پر واقع اسی مسجد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نمازِ عصر پڑھا رہے تھے تو بیت المقدس کی بجائے تحویل کعبہ کا حکم ہوا تھا اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے رُخ مبارکہ کعبۃ اللہ کی طرف پھیر دیا تھا۔

5۔ ستّہ مساجد:

یہ مساجد غزوۂ خندق کے مقام پر ہیں اور جبل سلع کے دامن میں غزوۂ خندق (غزوۂ احزاب) کی یاد دلاتی ہیں اور غزوۂ خندق سے منسوب ہیں:۔

1۔ مسجد سیّدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ 2۔ مسجد سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

3۔ مسجد سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ 4۔ مسجد سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

5۔ مسجد سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ 6۔ اور مسجد الفتح

یہیں پر کچھ فاصلے پر جبل سلع وہ غار سلع ہے جہاں حضور عبادت فرمایا کرتے تھے۔ مجھے بھی یہاں نوافل کی ادائیگی کی سعادت نصیب ہوئی۔

7۔ جنت البقیع:

یہاں پر مندرجہ ذیل مشہور صحابہ کرام اور اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے مزارات تھے مگر اب گرا دیئے گئے ہوئے ہیں۔ صرف پتھروں کے نشانات باقی ہیں۔ جن اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے مزارات تھے ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ، ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صاحبزادیاں رضی اللہ تعالیٰ عنہن

حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام نافع رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دائی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی پھوپھیاں، رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

حضرت اسماعیل بن جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی قبر شریف اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت اسد اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر شریف احاطہ جنت البقیع سے باہر ہیں۔

اسی طرح مکّہ مکرّمہ کی مشہور زیارتیں جہاں پر حاضری کا موقع ملا، مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ بیت اللہ شریف:

بیت اللہ شریف میں آبِ زم زم کا مقام عام سطح سے کافی نیچے ہے۔ کنویں کی طرح تقریباً تین فٹ اونچائی میں کنویں کی طرز کا گھیرا (گمٹی) بنایا ہوا ہے، قطر 6 فٹ کے قریب ہوگا کئی موٹریں لگی ہوئی ہیں۔ دُنیا کا متبرک ترین اور مصفّا پانی ہے۔ کنویں کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا کہ ایک موٹر چل رہی ہو یا دو تین، پانی کی سطح وہیں رہتی ہے۔ موٹریں بند بھی ہوں تو بھی پانی گمٹی سے مستقلاً چند انچ نیچے رہتا ہے، یعنی جتنا بھی استعمال ہو سطح وہیں رہتی ہے۔

2: جائے ولادت رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم (مولد النبی)

یہ جگہ بیت اللہ شریف سے جنّت المعلّیٰ کی طرف جائیں تو قریب ہی واقع ہے مگر اَب اُسے لائبریری میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

3: جنّت المعلّٰی:

قدیم ترین قبرستان ہے۔ حضرت عبد المطلب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بہت سے اہل بیت اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی قبور ہیں۔

4: مسجد ھلال:

یہ بیت اللہ شریف کے قریب ہی جبل جیاد پہاڑی کی چوٹی پر تھی۔ یہیں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوا تھا، زیارت اور نوافل کی ادائیگی کی سعادت نصیب ہوئی۔ مگر اب شاہی محل کی تعمیر کی وجہ سے صاف نشان نہیں ملتے۔

5: مقام منٰی:

یہیں پر مسجد خیف اور مسجد کوثر ہے اور یہیں پر جمرے ہیں۔ جہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

6: میدان عرفات:

یہیں پر مقام جبل رحمت ہے جہاں پر حضرت آدم علیہ السلام کی دُعا قبول ہوئی اور امّاں حوّا علیہا السلام سے ملاقات ہوئی۔ حج کے اہم ترین ارکان میں وقوفِ عرفات بھی ہے۔ نہر زبیدہ بھی جو کہ حضرت زبیدہ زوجہ خلیفہ ہارون الرشید (170ھ۔193ھ) نے نکالی تھی اور جو کہ بذاتِ خود ایک عجوبہ ہے اور طائف سے پانی مکہ مکرمہ کو سپلائی ہوتا ہے، میدانِ عرفات کے ساتھ ساتھ ہی جاتی ہے اور کہیں کہیں نظر آتی ہے مگر پتھروں سے ڈھکی ہوئی۔

احقر العباد

انا محمد سرور خاں

ابتدائے نسل انسانی

حضرت آدم علیہ السلام تا ظہورِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

خالقِ کائنات نے انسان کی پیدائش سے پہلے لوح و قلم، جنت و دوزخ، ملائکہ، جن، افلاک، چاند و ستارے، زمین، حجر و شجر، نباتات، حیوانات، چرند، پرند، حشرات الارض غرض ہر چیز کی تخلیق مکمل کر دی اور ارشاد فرمایا:۔ سورۃ الاعراف آیت 54

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ

ترجمہ: ''بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔ پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ رات دن کو ایک دوسرے سے ڈھانپتا ہے کہ جلد اس کے پیچھے لگا آتا ہے اور سورج اور چاند اور ستاروں کو بنایا سب اس کے حکم کے دبے ہوئے سن لو اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ رب سارے جہان کا'' (سورۃ الاعراف آیت 54)

بنی نوع انسان کا یہ اصول چلا آ رہا ہے کہ جب کسی مہمان کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی جاتی ہے تو اس کی شان کے مطابق جگہ کو سجایا جاتا ہے۔ ہر قسم کے انتظامات مکمل کئے جاتے ہیں۔ انتظامات کو دیکھ کر ہی آنے والے کی شخصیت و حیثیت کا علم ہو جاتا ہے۔ اللہ کریم نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اسی لئے اس کی آمد یعنی پیدائش و تخلیق سے پہلے ساری کائنات کو پیدا فرما کر استقبال کے لئے تیار کر دیا۔ جب تمام انتظامات مکمل ہو چکے تو ملائکہ سے ارشاد فرمایا:۔ سورۃ البقرہ آیت 30۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً

(1) ''میں زمین پر (آدم علیہ السلام) کو اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔'' (سورہ البقرہ آیت 30)

سورۃ الحجر آیات 28 تا 31 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾

(2) ''اور (اے حبیب علیہ السلام) جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ میں خمیر اٹھے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں تو جب اسے ٹھیک کرلوں اور اس میں اپنی طرف کی خاص معزز روح پھونک دوں تو اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا تو جتنے فرشتے تھے سب کے سب سجدے میں گرے۔ سوا ابلیس کے اس نے سجدہ والوں کا ساتھ نہ دیا'' (سورۃ الحجر آیات 28 تا 31)

پھر جب اللہ کریم نے حضرت آدم علیہ السلام کے جسد خاکی میں روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم فرمایا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ سب نے حکم کی تعمیل کی مگر ابلیس نے حکم ماننے سے انکار کر دیا اور یوں حکم عدولی کی وجہ سے قیامت تک کافر ہو کر لعنت کا طوق اپنے گلے میں ڈالے زندہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جب سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے جسم خاکی میں روح پھونک کر نسل انسانی کی ابتداء فرمائی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے کا حکم دیا۔ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام تنہا تھے۔ اللہ کریم نے آپ علیہ السلام کی تنہائی دور کرنے کے لئے حضرت حواء کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا اور ارشاد ہوا (سورۃ البقرہ آیت 35) ''اے آدم یہ تمہاری زوجہ ہے تم دونوں جس طرح چاہو جنت میں رہتے ہوئے آرام و سکون سے زندگی بسر کرو۔ مگر اس درخت کے علاوہ ہر چیز سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔'' حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء سلام اللہ علیہا عرصہ تک جنت میں سکون کی زندگی بسر فرماتے رہے۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈال دیا کہ اس ممنوعہ درخت کا پھل اگر تم کھا لو گے تو تمہیں قرب الٰہی حاصل ہو جائے گا۔ شیطان نے بار بار قسمیں اٹھا کر حضرت آدم علیہ السلام کو اس درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کر لیا (سورۃ الاعراف آیات 20،21)۔ آپ علیہ السلام نے جیسے ہی اس درخت کا پھل تناول فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء دونوں کو جنت کے لباس سے محروم فرما کر زمین پر اُتار دیا (سورۃ اعراف آیات 24،25)۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء سلام اللہ علیہا کو زمین پر الگ الگ مقامات پر اُتارا گیا۔ دونوں بزرگ ہستیاں عرصہ تک اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتی رہیں۔ آخر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اسم گرامی کے صدقے ان کی توبہ قبول ہوئی اور دونوں کی حکم الٰہی سے میدان عرفات میں ملاقات ہوئی۔ یوں دونوں اکٹھے زمین پر رہنے لگے۔ پھر دونوں کے ملاپ سے ان کے ہاں اولاد پیدا ہونا شروع ہوئی۔ جس کے بعد انسانی پیدائش کا سلسلہ شروع ہو گیا جو قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا۔

قرآن کریم (سورۃ المائدہ آیت 27) میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی نیاز پیش کرنے کا ذکر موجود ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کی نیاز اللہ کے ہاں قبول ہوئی جبکہ دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ تورات میں ان دونوں بیٹوں کے نام ہابیل اور قابیل مذکور ہیں۔ جو ہر اہل سیر کے ہاں تحریر ہوتے چلے آرہے ہیں۔ جب ہابیل بڑے بھائی کی نیاز اللہ کے ہاں قبول ہوگئی تو چھوٹے بھائی قابیل نے حسد و جلن کی وجہ سے بڑے بھائی کو قتل کر دیا جو زمین پر

پہلا انسانی قتل تھا۔

جب سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے تیسرے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت فرمائی۔ ان کو رات دن کی ساعتوں اور اُن ساعتوں میں عبادت کرنے نیز آنے والے طوفان کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا جب وصال ہو چکا تو جنت سے فرشتے کفن ہمراہ لائے۔ آپ علیہ السلام کے جسم مبارک کو غسل دیا پھر قبر کھود کر جسم مبارک کو سپردِ خاک کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ علیہ السلام کے تیسرے بڑے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام نے بحیثیت خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اس فرزند کو خلافت عطا فرماتے ہوئے ان کو جو نصیحتیں ارشاد فرمائیں، حضرت شیث علیہ السلام ان پر سختی سے کاربند رہے۔ حضرت شیث علیہ السلام کا جب وقت وصال قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے انوش کو اپنا جانشین مقرر فرماتے ہوئے انہیں بہت سی وصیتیں فرمائیں۔ اسی طرح انوش کے بعد حسب وصیت ان کا بیٹا قینن جانشین مقرر ہوا۔ قینن کے بعد ان کا بیٹا ملابیل جانشین مقرر ہوا، جو نہایت ہی بہادر، دور اندیش اور پر عزم شخص تھا۔ اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد بہت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ ان سب کو ایک مرکز پر اکٹھا کرنے کے لیے ملابیل نے نہایت ہی تدبر اور محنت سے شب و روز صرف کیے۔ جنگلوں کو کٹوا کر شہروں کی بنیاد رکھی اور بہت سے مضبوط قلعے تعمیر کرائے۔ یوں ملابیل دنیا کے پہلے آباد کار تھے۔ عرصہ تک حکومت کرنے کے بعد انتقال سے پہلے اپنے بیٹے خنوخ کو اپنا جانشین بنایا اور ان کو وصیت فرمائی یہی خنوخ حضرت ادریس علیہ السلام کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام بڑی عظمت، رفعت اور شان کے مالک تھے۔ آپ علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے پیغمبر ہیں جنہوں نے بھٹکی ہوئی قوم کو راہ راست پر لانے کے لئے شب و روز تبلیغ حق کے فرائض سرانجام دیئے۔ آپ علیہ السلام کو اللہ کریم نے علم و حکمت کے لازوال خزانے عطا فرمائے۔ آپ علیہ السلام کے زمانے میں قوم بہتر (72) قبیلوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ ہر قبیلے کی اپنی اپنی الگ زبان تھی۔ آپ علیہ السلام ہر قبیلے کو اس کی زبان میں ہی درس دیا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام وہ پہلی شخصیت ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی ترکیب، ستاروں کا علم اور ان کی باہمی کشش کے تمام رموز سے آگاہ فرمایا۔ آپ علیہ السلام خط رمل کے بانی ہیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے 82 سال کی عمر شریفہ میں وصال فرمایا۔ قرآن کریم میں حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر سورۃ مریم آیت 56، سورۃ الانبیاء آیت 85 میں آیا ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز فرمایا ان کا اسم گرامی حضرت نوح علیہ السلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بنوراسب کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ بنوراسب توحید کو چھوڑ کر بت پرستی کی لعنت میں مبتلا ہو چکے تھے۔ کوئی برائی ایسی نہ تھی جو اس قوم نے چھوڑی ہو۔ ہر طرف کفر و شرک اور ظلم و بربریت کا بازار گرم تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام صبح و شام اس قوم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حق کی تبلیغ فرماتے رہتے۔ مگر اس قوم پر کچھ اثر نہ ہوا یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے اس قوم کو نو سو پچاس (950) سال تک تبلیغ فرمائی مگر چند لوگ ہی دائرہ

اسلام میں داخل ہوئے۔ بنو راسب نے حضرت نوح علیہ السلام کی توہین کا کوئی طریقہ ایسا نہ چھوڑا جس کو آپ علیہ السلام پر نہ آزمایا ہو۔ آخر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کی:۔ سورۃ نوح آیات 27،26۔

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾

إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾

ترجمہ: ''اور نوح نے عرض کی اے پروردگار تو کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ اگر تو یونہی چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور ان کی نسل بھی انہی کی طرح نافرمان پیدا ہو گی۔'' (سورۃ نوح۔ آیت۔27،26)

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا (سورۃ ہود آیت 37) ''اے نوح (علیہ السلام) تم ایک کشتی بناؤ۔''

حسب حکم الٰہی حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی تیار کی۔ اللہ نے فرمایا (سورۃ ہود آیت 40) ''اس کشتی میں ہر جاندار کا ایک ایک جوڑا اور اپنے مسلمان ساتھیوں کو سوار کر لو۔'' آپ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا پھر حکم الٰہی سے پانی کا وہ عظیم طوفان آیا جس نے ہر چیز کو غرق کر دیا صرف وہی جاندار باقی بچے جو کشتی میں سوار تھے۔ جب طوفان ختم ہو گیا، سیلاب کا پانی اتر گیا۔ تو حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنے ساتھیوں اور دیگر جانداروں کے ہمراہ کشتی سے زمین پر اترے۔ قرآن کریم کی سورۃ ہُود آیت 44 میں ہے کہ کشتی کوہ جودی پر ٹھہری۔ حضرت نوح علیہ السلام کے انہی راکب (ساتھیوں) سے پھر دنیا میں نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ''آدم ثانی'' کہا جاتا ہے۔

طوفان نوح کے بعد دنیا میں نسل انسانی کا جو سلسلہ دوبارہ شروع ہوا وہ آپ علیہ السلام کے تین بیٹوں یعنی یافث، حام اور سام کی نسل سے ہوا۔ پھر یہ نسل وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کرہ ارض پر پھیل گئی۔ پھیلتی رہی ہے اور قیامت تک پھیلتی رہے گی۔

دنیا میں جس قدر علم الاقوام اور علم السنہ (زمانوں کا علم) رکھنے والے صاحب فن گزرے ہیں وہ کرہ ارض پر زندگی گزارنے والے بنی نوع انسان کو ان کے اخلاق، اعتقادات، عادات، زبان، اعضائے جسمانی وغیرہ کی مماثلت کے اعتبار سے تین اقسام یا خاندانوں میں تقسیم کرتے ہیں، جن کی مختصراً تشریح و بیان یہ ہے۔

تقسیم خاندان اوّل

1۔ سامی، عرب، آرامی، عبرانی، سریانی، اور کلدانی وغیرہ۔
2۔ اریانی، آریہ یعنی ہندوستان، ایران اور یورپ وغیرہ۔
3۔ تورانی، ٹیرنیس یعنی ترکستانی، چین اور منگولیا وغیرہ۔

تقسیم خاندان دوم

علماء و محققین کا دوسرا گروہ کرہ ارض پر بسنے والے انسانوں کو رنگ کے فرق کی بناپر تین اقسام میں تقسیم کرتا ہے، جسے دوسری تقسیم کہا جاتا ہے،اس کا مختصر حال وبیان کچھ یوں ہے۔

1۔ جنس ابیض۔ (سفید رنگت) اُمم سامیہ کی عام قسم اوراہل یورپ۔

2۔ جنس اسود۔ (سیاہ رنگت) سیاہ رنگت والے اہل افریقہ۔

3۔ جنس اصفر۔ (زرد رنگت) یعنی امم تورانیہ، جاپان چین وروی وغیرہ۔

تقسیم خاندان سوم

طوفان نوح علیہ السلام کے بعد جونفوس زندہ بچ گئے وہ تین خاندانوں میں تقسیم ہو گئے، یہ تقسیم تورات کے مطابق ہے۔اور جمہور اسی تقسیم پر متفق ہیں، حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے جن سے یہ خاندان دنیا میں پھیلے، اس طرح کرہ ارض پر بسنے والے تمام انسان انہی کی اولاد ہیں۔حضرت نوح علیہ السلام کے تینوں بیٹوں کے نام یہ تھے۔

1۔ یافث

2۔ حام

3۔ سام

نسل یافث

قدرت نے حضرت نوح علیہ السلام کے اس بیٹے یافث کو سات بیٹوں سے نوازا۔جن کے نام یہ ہیں۔

(1) غامر (2) ماجوج (3) یادان (4) توبال (5) مادی (6) موشوخ (7) تیرس

تورات کے بیان کے مطابق یہ سات(7) اولادیں جزائر میں آباد ہوئیں اور یہاں بسنے والی اقوام کا تعلق یافث کے خاندان سے ہی ہے۔

نسل حام

قدرت نے حام بن نوح علیہ السلام کو چار بیٹے عطا فرمائے جن کے نام یہ تھے۔

(1) کوش۔یہ حبش کا جداعلیٰ تھا۔اس کی اولاد 5 بیٹے تھے۔حویلہ۔ستباہ۔رگماہ۔سبااورسبکیاہ۔
کوش نسل بابل کے مقام پر رہائش پذیر ہوئی۔بابل کا پہلا بادشاہ اسی خاندان میں سے تھا۔

(2) مصرائیم۔مصرائیم مصریوں کا جداعلیٰ تھا۔اس کے سات بیٹے تھے۔

(1) نافوتی (2) لیبی (3) لودی (4) انامی (5) فطروسی (6) کفتوری

(7) اوکسلوہی۔

اس نسل سے خاندان فلسطین پیدا ہوا جو اسی علاقے میں آباد تھا۔

(3) کنعان۔ اہل شام کا جداعلیٰ تھا۔ قدرت نے اس کو گیارہ بیٹے عطا فرمائے۔

(1) صیدا (2) حستی (3) یابوسی (4) جرجاشی (5) عموری (6) سینی (7) ارودی (8) ہوی (9) ارکی (10) سیماری (11) رحماتی۔

نسل سام

یہ سب ملک شام میں رہائش پذیر تھے اور یہی شامی کہلاتے تھے سام حضرت نوح علیہ السلام کا تیسرا بیٹا تھا۔ قدرت نے اس کو پانچ بیٹوں کی دولت سے نوازا جن کے نام یہ ہیں۔

(1) ارفخشند (2) عیلام (3) لود (4) اشود (5) ارم۔

تورات میں بنوسام کے متعلق ہی ذکر کیا گیا ہے باقی بیٹوں اور خاندانوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔ پھر بنوسام کی ساری اولاد کا ذکر بھی نہیں ملتا بس صرف دو بیٹوں یعنی ارم اور ارفخشند کی اولادوں کا ہی حال معلوم ہوتا ہے۔ تورات میں انہی کا ذکر آتا ہے۔

ارم

قدرت نے ارم کو چار بیٹوں سے نوازا یعنی۔

(1) عوض (2) حسں (3) حول (4) حبشر

ارفخشند

ارفخشند کا صرف ایک بیٹا تھا جس کا نام سلح تھا۔ پھر اس سلح کے گھر عبر پیدا ہوا۔

عبر

سلح کا ایک ہی عبر نامی بیٹا تھا جو بنوقحطان۔ بنوابراہیم۔ بنواسماعیل اور بنواسرائیل کا باپ تھا۔ پھر قدرت نے عبر کو دو بیٹے عطا کیے جن میں سے یقطان عربوں کا جداعلیٰ تھا اور فلج کی چھٹی پشت سے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین فرزند ارجمند تھے یعنی۔

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام۔

سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام۔

سیدنا حضرت بنو قطورا ان کا بیٹا مدیان (یعنی مدین) بحر احمر کے ساحل پر آباد ہوا۔

مذکورہ تفصیل کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ امم سامیہ کی تین اقسام ہیں جو کہ زندگی کی ہر نوعیت کے اعتبار سے ایک ہی جماعت ہے۔ یعنی تورات امم سامیہ کو سام۔ حام اور یافث میں تقسیم کرتی ہے جبکہ ماہر السنہ (تاریخ کے ماہر) امم سامیہ کو ایرانی۔ تورانی۔ اور سامی ناموں سے تقسیم کرتے ہیں علمائے اقوام امم سامیہ کو ابیض۔ احمر۔ اور اصفر کے ناموں سے تقسیم کرتے ہیں۔ بہر حال ہم تورات کی روشنی میں ان کو بنو سام یا امم سامیہ دونوں کہہ سکتے ہیں۔ مگر ان دونوں میں ایک فرق ضرور ہے یعنی۔

بنو سام صرف وہ قبائل کہلاتے ہیں جن کو تورات سام کی اولاد بتاتی ہے۔ جبکہ امم سامیہ وہ اقوام اور قبائل کہلاتے ہیں جو سام کی اولاد تو نہیں مگر وہ سامی زبان بولتے تھے۔

امم سامیہ کا پہلا مسکن

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ امم سامیہ الگ الگ کنبوں میں آباد تھی۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ الگ الگ کنبے کہاں اور کس خطے میں آباد تھے کیونکہ اس امر پر ہر مورخ کا اتفاق ہے کہ کرہ ارض پر بسنے والے تمام انسان حضرت نوح علیہ السلام کے تینوں بیٹوں کی ہی اولاد ہیں۔ امم سامیہ کی جائے رہائش اور آبادی کے بارے میں اگر اہل عرب اور اکثر اہل یورپ کی رائے لی جائے تو ان کا جواب یہ ہے کہ امم سامیہ عرب میں آباد تھی۔ یعنی اس قوم کا مسکن اول جزیرہ نما عرب تھا۔ گو اس کے علاوہ بھی اہل علم وفن تین مختلف اور نظریئے بھی رکھتے ہیں۔ جن میں ایک نظریہ یہ ہے کہ اس قوم کا اصل مسکن افریقہ تھا۔ جہاں سے یہ نقل مکانی کر کے عرب میں آباد ہوئی۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ بنو سام کا پہلا مسکن آرمینیہ اور کردستان تھا۔ جبکہ تیسرے نظریئے کے حامی کہتے ہیں کہ قوم سام کا پہلا مسکن دریائے فرات کا زیریں حصہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ امم سامیہ کا اصل مسکن جزیرہ نما عرب تھا۔ جہاں سے نقل مکانی کر کے یہ قوم دیگر علاقوں میں پھیلی۔ چوتھے نظریئے کے حامی جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ وزنی اور قابل اعتبار ہیں۔ ان دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔

(1) تاریخ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ قومیں جزیرہ نما عرب سے نکل کر ادھر اُدھر پھیلی تھیں۔

(2) عربی زبان قدیم سامی زبان کے نزدیک تر ہے۔

(3) عربوں کی جسمانی ساخت خالص سامی ساخت سے ملتی ہے۔

(4) عربوں کی معاشرتی واجتماعی زندگی صحیح معنوں میں سامیوں کی یادگار ہے۔

مختصراً اہل یورپ اور امریکہ کے اکثر مورخین کا یہی خیال ہے کہ امم سامیہ کا مسکن اول جزیرہ نما عرب ہی

تھا۔ان میں یہ مشہور مورخین شامل ہیں۔

امریکی مورخین	یورپی مورخین
(1) ونکلر	(1) روبرٹس اسمتھ
(2) ڈی خوئی	(2) سموال
(3) شریڈر	(3) کیئن (Keene)
(4) میئر (Meyer)	(4) ولیم راہٹ
(5) ٹیل	(5) راجرس وغیرہ
(6) نولدکی وغیرہ	

(1) مسلمان مورخ یعقوبی جس کا سال وصال 280ھ ہے لکھتا ہے۔

ترجمہ۔ سام کی اولاد کے قبضہ میں حجاز۔یمن اور باقی ملک تھا۔

(2) اسی طرح مورخ ابن قتیبہ جو292ھ میں فوت ہوا لکھتا ہے۔

ترجمہ۔ سام بن نوح نے مکہ کی زمین اور اطراف مکہ مثلاً یمن۔حضرموت۔عمان۔بحرین۔سیرین۔دبار۔ دواور دہنا تک کا علاقہ آباد کیا۔

تاریخی حوالہ

اوپر ہم طبعی دلائل۔علماء ومورخین کے نظریات۔زبان۔آثا قدیمہ وغیرہ کی روشنی میں امم سامیہ کے پہلے مسکن کے بارے میں گفتگو کر چکے ہیں۔یہاں آخر میں تاریخ کے حوالے سے سامیہ قوم کے پہلے مسکن کو ثابت کرتے ہیں کیونکہ تاریخ ہی وہ اصل ماخذ ہوتا ہے جو کسی قوم وملک کے بارے میں تفصیلی معلومات مہیا کرتا ہے۔امم سامیہ یا سامی قوم کی قدیم ترین اور پہلی تاریخ توراۃ ہے۔توراۃ میں سامی قوم کے بارے میں جو الفاظ درج ہیں یہاں ان کو تحریر کیا جاتا ہے۔تاکہ اس قدیم ترین ماخذ کو سمجھ کر سامی قوم کے پہلے مسکن کا علم ہو سکے۔

عبارت ،ازتکوین۔باب۔الاعداد۔9۔میں یہ الفاظ درج ہیں۔

''اور تمام روئے زمین میں ایک ہی بولی تھی۔اور جب وہ پورب سے نکلے (یا روانہ ہوئے) تو انہوں نے صنعاء(بابل) میں ایک میدان پایا اور وہاں ،ہائش اختیار کر لی۔پھر خدا نے ان کو ساری زمین پر پراگندہ کیا۔اس لئے اس جگہ کا نام بابل ہوا۔''

مذکورہ عبارت میں لفظ پورب استعمال ہوا ہے۔پورب سے کیا مراد ہے یہ مسئلہ غور طلب ہے۔اکثر یہ خیال کیا جاتا ہے اس سے مراد سرزمین آرمینیہ ہے۔جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ''اراراط'' نامی پہاڑ پر آکر رکی تھی۔دنیا کے جغرافیہ پر ایک نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ آرمینیہ نہ تو بابل کے پورب میں ہے اور نہ ہی فلسطین کے

پورب میں تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پورب سے کیا مراد ہے۔ یاد رہے یہاں پورب سے مراد فلسطین ہے جو توراۃ کی جائے تالیف ہے۔ توراۃ میں پورب سے مراد عام طور پر دو ملک لئے جاتے ہیں بابل اور عرب۔ مگر مذکورہ فقرے پر اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ قوم سام بابل میں پورب کے ملک سے آئی تھی پس ثابت ہوا کہ توراۃ میں پورب سے مراد ملک عرب ہی ہے۔ اور یہی بات حقیقت کے مطابق ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ امم سامیہ کا مسکن اول جزیرہ نما عرب تھا۔ تاریخ عالم و تاریخ عرب میں ان لوگوں کی چار ہجرتوں کا ذکر ملتا ہے۔

امم سامیہ کی پہلی ہجرت

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں امم سامیہ کا اصل مسکن جزیرہ نما عرب تھا اور یہ لوگ یہاں سے ہی ہجرت کرنے کے بعد مختلف اوقات میں دوسرے علاقوں میں جا کر آباد ہوئے بابل۔ حبشہ۔ کنعان اور مصر وغیرہ تک سکونت اختیار کی۔ اس خطے میں چار بار تبدیلی رونما ہوئی جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

(1) پہلی ہجرت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ڈھائی یا تین ہزار سال پہلے عرب میں مقیم سامی قوم ہجرت کر کے مصر۔ کنعان۔ بابل۔ سیریا قدیم مملکت عراق وغیرہ میں جا کر آباد ہوگئی۔

(2) دوسری ہجرت

سامی قوم کا سیلاب بے کراں کچھ کم ہوا تو 500 ق م میں آدومی۔ موابی۔ اور مدیانی قبائل کا سیلاب اٹھا اور آس پاس کے ملکوں میں پھیل گیا۔ اس سیلاب کا دائرہ سامی سیلاب کی نسبت کم زور تھا۔

(3) تیسری ہجرت

تیسری بار اس سرزمین نے معینی اور سبائی طوفان کو اٹھتے ہوئے دیکھا جو اطراف میں پھیل گیا۔

(4) آخری ہجرت

آخری ہجرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قریباً چھ سو چالیس برس بعد ہوئی۔ اس وقت سرکار دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور مقدس دنیا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی نورانی کرنوں سے منور فرما کر ظاہری طور پر پردہ فرما چکا تھا اس عظیم ہجرت نے کرہ ارض پر تلاطم برپا کر دیا اور یوں اسلامی مجاہدین کا یہ تند و تیز سیل رواں ایک طرف تو گنگا کے دہانے سے مل گیا جبکہ دوسری طرف بحرلوط (بحرمیت) تک کو اپنی آغوش میں لے چکا تھا۔

(1)
(2)

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق بھی اسی سامی نسل سے تھا۔آپ علیہ السلام جس قوم میں تبلیغ فرماتے ہوئے مصر، سیریا (قدیم مملکت عراق) اور فلسطین سے ہوتے ہوئے عرب پہنچے ان سب اقوام کا تعلق بھی سامی نسل سے ہی تھا۔ کچھ تاریخ دان لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عرب میں آمد سے قبل نواح وادی مکہ میں بنوجرہم کا جو قبیلہ آباد تھا وہ قحطانی نسل سے تعلق رکھتا تھا اور یوں اس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی خونی یا نسلی رشتہ نہیں تھا۔ ان تاریخ نویسوں کا یہ خیال غلط ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بنوجرہم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کا سامی نسل سے ہی تعلق تھا۔ تاریخ دانوں کا مذکورہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ان دونوں کا نسلی تعلق سمجھنے کے لئے تورات میں مذکورہ شجرہ نسب کا مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے۔ توراۃ میں قوم سام کے آپس میں درج ذیل نسبی رشتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کے پانچ فرزند تھے۔

سام کی اولاد

(1) عیلام
(2) اشور
(3) ارفکسد (ارفخشند)
(4) لود
(5) ارم

پھر ارم کے آگے 4 بیٹے تھے۔(1) مس (2) حبشر (3) عوض (4) حول۔ارفکسد یا ارفخشند کے بیٹے کا نام سلح تھا۔سلح کے بیٹے کا نام عبر تھا۔ پھر عبر کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔

(1) قحطان (2) فلج

اولاد قحطان

(1) المداد (2) سلف (3) حضرموت (4) ہدورم (5) یارح
(6) عائل (7) وقلا (8) اوزال (9) ابی مائل (10) سباہ
(11) اوفر (12) حویلاہ (13) اوباب۔

ان سب کی اولاد جنوب مغرب میں یمن وغیرہ کے علاقوں میں آباد ہے۔

اولادِ فلج

(1) فلج پدر رعو
(2) رعو پدر سروج

(3) سروج پدر نحور

(4) نحور پدر آزر (تارخ ان کا لقب تھا) اور یہی آزر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حاران کا باپ تھا۔

یہ خاندان بابل میں آباد تھا۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے برادر زادہ حضرت لوط علیہ السلام کے ہمراہ کنعان تشریف لائے۔ اس وقت کے کنعان کو فلسطین کہا جانے لگا اور اب وسعت کے اعتبار سے یہ علاقہ شام کہلاتا ہے۔

اولاد حاران

سیدنا حضرت لوط علیہ السلام حاران کے فرزند تھے۔ پھر قدرت نے حضرت لوط علیہ السلام کو دو بیٹوں یعنی عمون اور مواب کی دولت سے نوازا۔ عمون کا علاقہ اب عمان کہلاتا ہے جبکہ مواب نے شمالی عرب میں سیفا کے پاس ایک حکومت کی داغ بیل ڈالی۔

اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قدرت نے متعدد بیٹے عطا فرمائے ان میں سے سیدنا حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام مقام کنعان یعنی فلسطین وشام کے بادشاہ تھے۔ جبکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جن کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی ہاجرہ تھا فاران (مکہ مکرمہ) میں آکر آباد ہوئے۔

اولادِ حضرت اسحاق علیہ السلام

حضرت اسحاق علیہ السلام کے دو بیٹے تھے حضرت یعقوب علیہ السلام اور عیشاؤ جن کا لقب اورم تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا اور آپ ہی بنی اسرائیل کے مورث اعلیٰ تھے۔ جس کا پہلے بیان گزر چکا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان میں نبی اور حاکم تھے پھر اپنے فرزند ارجمند حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر تشریف لے گئے۔ یوں انکی اولاد سو برس وہاں غلامی کی زندگی بسر کرنے کے بعد سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں واپس کنعان لوٹ آئی۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کا دوسرا بیٹا عیشاؤ شمالی عرب کے کوہ سروات میں آباد ہونے والے قبائل کا مورث اعلیٰ تھا۔

اولادِ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

قدرت نے سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بارہ بیٹے عطا فرمائے۔ تورات میں ان کا ذکر موجود ہے۔ یہ بارہ بیٹے خاندان کے رئیس تھے ان کے نام یہ ہیں۔

(1)	قدمہ	(2)	جطور	(3)	نفیش	(4)	بنایوط
(5)	قیدار	(6)	مبشام	(7)	ارب ایل	(8)	مشمع
(9)	مسا	(10)	دومہ	(11)	حدور	(12)	تیما

مذکورہ بارہ خاندان یمن سے لے کر شام تک کے علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ تورات میں ان ہم نسب اقوام وقبائل کا باہمی رشتہ اور تعلق کی وضاحت کے لئے شجرہ نسب موجود ہے جو یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

سامی قبائل کی زبان

اس حقیقت میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بنو جرہم دونوں کا تعلق امم سامیہ سے تھا۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بنو جرہم کی زبانیں مختلف تھیں۔ یہ کوئی شک وشبہ یا اعتراض کی بات بھی نہیں ہے۔ ہمارے اپنے ملک پاکستان میں آپ دیکھ لیں ایک ہی نسل و قبیلے کے لوگ اُلگ الگ مقامات پر رہائش پذیر ہیں اس لئے ان کی عام بول چال کی زبانوں میں بڑا واضح فرق پایا جاتا ہے۔ زبان مختلف ہو جانے کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ قوم یا نسل بھی مختلف ہوگئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان آرامی تھی اور بنی جرہم کی زبان عربی تھی۔ بنی جرہم کی عربی زبان ظہور اسلام کے وقت بولی جانے والی عربی زبان سے مختلف تھی۔ جرہم اور قریش کے ہاں بولی جانے والی عربی زبانوں میں دوری اور حالات کی وجہ سے فرق پیدا ہو گیا تھا مگر یہ فرق کچھ زیادہ نہ تھا۔ کیونکہ ان دونوں زبانوں کے مخارج ایک ہی تھے۔ ان دونوں زبانوں کی اصل سامی زبان ہی تھی۔ سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اہل جرہم سے ہی عربی زبان سیکھی تھی۔ اہل یورپ کے وہ علما جو ماہر آثار قدیمہ ہیں وہ اقوام عرب کے الگ الگ نام بتاتے ہوئے ان سب کو سامی ہی لکھتے ہیں۔ اہل عرب ان قدیم ہم وطن اقوام کے نام یوں بتاتے ہیں۔

(1) قوم وقبیلہ عاد

(2) قوم وقبیلہ ثمود

(3) قوم وقبیلہ جرہم

(4) قوم وقبیلہ لحیان

(5) قوم وقبیلہ طسم

(6) قوم وقبیلہ جدلیس وغیرہ

ان تمام قبائل میں سب سے بڑا قبیلہ عاد کا تھا جو آبادی میں سب سے زیادہ اور وسیع علاقے پر حکمران تھا۔ یہ قبیلہ عرب اور عرب سے باہر یعنی بابل اور مصر جیسی عظیم الشان حکومتوں کا بانی تھا۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ عبرانی زبان امم سامیہ کی قدیم ترین زبان ہے۔ مگر یہ خیال سخت غلط فہمی پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امم سامیہ کی قدیم زبان آرامی تھی۔ اس طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بائدہ۔ ثمود اور دیگر قبائل کی زبان بھی آرامی ہی تھی۔ اس

وقت کی تمام تحریریں اور کتبات آرامی زبان میں ہی تحریر شدہ ملتے ہیں۔ ماہرین لسانیات (زبان) لکھتے ہیں کہ یہی آرامی زبان اصل میں ابتدائی عربی زبان تھی۔ یہاں ہم مزید وضاحت کے لئے سامی زبانوں کے حلقے کو کچھ تفصیلاً درج ذیل خاکے کی مدد سے بیان کر رہے ہیں۔

حلقہ لسان سامی

حلقہ لسان سامی	شامی
بابلی	عبرانی
آرامی، ثمودی، مدیانی، نبطی، عدیانی، سبائی، حمیری، حبشی	فینیقی
سریانی کلدانی آرامی	آرامی

ہمارا اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اگر عربی سامیہ زبان کی اصل نہیں تو اصل سے قریب تر ضرور ہے۔ عبرانی زبان میں عربی کو غربا یعنی ویرانی و بیابان میدان وصحرا کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم (سورۃ ابراہیم آیت 37) میں ''وَادِیٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ'' کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ عربی زبان کے لفظ ''عرب'' کا ہی ترجمہ ہیں۔ لفظ عرب کے استعمال سے اس لفظ کو مدبار کہا جاتا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وطن کو اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ مدبار کے معنی غیر آباد۔ ویران کے ہیں۔

اقوام عرب واقسام

یہاں ہم اقوام عرب کا قدرے تفصیلی ذکر پیش کر رہے ہیں۔ اقوام عرب کو اگر تفصیل سے بیان نہ کیا جائے تو تاریخ عرب کا بیان نامکمل رہے گا کیونکہ اقوام کے شب و روز، طرز زندگی۔ طرز بود و باش۔ سیاسی۔ اقتصادی اور معاشی حالات وغیرہ ہی تو تاریخ کہلاتے ہیں۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اقوام کا حال تو قدرے تفصیل سے تحریر کریں گے جبکہ ان اقوام کی شاخوں کا حال مختصر بیان کریں گے تاکہ تاریخ کا کوئی بھی پہلو تشنہ تکمیل نہ رہ جائے۔ ماہرین تاریخ جن کو عام زبان میں مورخین کہا جاتا ہے نسلی اعتبار سے اقوام عرب کی تین اقسام بیان کرتے ہیں اور اسی پر اجماع مورخین عالم ہے۔ وہ تین اقسام یہ تھیں۔

(1) عرب بائدہ (2) عرب عاربہ (3) عرب مستعربہ

(1) عرب بائدہ

عرب بائدہ سے مراد وہ قدیم سامی قبائل ہیں جو عرب کے سب سے پہلے باشندے تھے۔ یہ قدیم باشندے مختلف اغراض ومقاصد کے لئے عرب سے نکل کر مصر شام اور بابل وغیرہ میں آباد ہوئے جہاں انہوں نے عالی شان حکومتیں قائم کیں مگر بعد میں یہ قبائل واقوام بالکل ناپید ہوگئیں۔

عرب بائدہ۔ برباد ہو جانے والے قبائل اور اقوام کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ سرزمین عرب سے جوان کا اصل وطن تھا نقل مکانی کر کے دوسری جگہوں پر آباد ہو گئے اور پھر ان کا نام ونشان ہی مٹ گیا۔ عرب بائدہ کے مشہور قبائل واقوام یہ تھے۔

(1) قوم عاد

(2) قوم ثمود

(3) قوم عمالقہ

(4) قوم طسم

(5) قوم جدلیس

قوم عاد

عرب بائدہ میں قوم عاد سب سے بڑا اور وسیع قبیلہ تھا۔ اسی قوم کو عرب کی سرزمین پر سب سے زیادہ طاقت۔ شان وشوکت اور عظمت حاصل تھی۔ بقول اہل عرب انہی لوگوں نے گو سرزمین عرب سے نقل مکانی کرنے کے بعد بابل۔ مصر اور شام میں عظیم الشان حکومتیں قائم کیں مگر زمانہ گزر جانے پر اب ان کا نام ونشان باقی نہیں رہا۔ اس قوم کا سلسلہ نسب عام طور پر ارم بن سام اور اس کی مختلف شاخوں سے ملایا جاتا ہے۔ قوم عاد کا کونسا قبیلہ سام کی کس شاخ سے تعلق رکھتا تھا اس سلسلے میں مورخین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ عاد کو عرب کا قدیم ترین قبیلہ اور پہلی حکومت کا بانی ماننے میں سب کو اتفاق ہے۔ رہا یہ سوال جس کے بارے میں کچھ علماء انساب اختلاف رکھتے ہیں کہ آیا حقیقت میں عاد کا تعلق ارم سے ہی تھا یا نہیں تو اس سلسلے میں دنیا کی سچی کتاب قرآن کریم کا بیان حرف آخر ہے۔ اور یاد رہے کائنات میں قرآن کریم ہی وہ واحد اللہ کا کلام ہے جسے کتاب کہا جاتا ہے اس کے علاوہ لغوی اور حقیقی معنوں میں لفظ کتاب کا اطلاق کسی اور پر ہوتا ہی نہیں۔ ارشاد خداوند کریم ہے۔ (سورۃ الفجر آیات 7،6)

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝

ترجمہ۔ ''کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے (قوم) عاد کے ساتھ کیسا کیا۔ وہ ارم حد سے زیادہ طول والے۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ (سورۃ الاعراف آیت 69)

وَاذْكُرُوٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ

ترجمہ: ''اور (اے قوم عاد) یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قوم نوح کا جانشین کیا''۔

لفظ عاد کے معنی

سال اور نام جاننے کا قدیم ماخذ عبرانی زبان ہے۔ قدیم ترین الفاظ کی حقیقت اور اصلیت اسی زبان میں

محفوظ ہے۔اس کے علاوہ عربی زبان میں استعمال ہونے والے الفاظ عبرانی زبان کی نسبت جدید اور اصلیت کے اعتبار سے عبرانی کے بعد ہیں۔عربی لغت میں عاد کے کوئی معنی نہیں ملتے۔جبکہ عبرانی زبان میں عاد کے معنی بلند و مشہور کے ہیں۔اس طرح ارم کے معنی بھی یہی ہیں۔آسمانی کتاب تورات (توریت) میں مرد کے لئے لفظ عاد اور عورت کے لئے لفظ عادہ بہت سے مقامات پر استعمال ہوا ہے۔

قوم عاد کا زمانہ

مورخین کے ہاں لفظ عاد کے معنوں کی طرح اس قوم کے زمانے کی نسبت بھی بحث ملتی ہے۔اہل عرب کے ہاں ظہور اسلام سے پہلے کوئی تاریخ رائج ہی نہ تھی اس لئے قدیم کتب میں عرب بائدہ کا کوئی زمانہ مذکور نہیں ہے۔مگر اہل عرب کیونکہ عاد کو ارم بن سام کا فرزند لکھتے ہیں اس لئے ہمارے اندازہ کے مطابق عاد کا زمانہ تقریباً 3000 ق م سے بھی پہلے کا ہونا چاہئے۔ہمارے اس خیال کا قوی ثبوت قرآن کریم سے ملتا ہے۔جہاں فرمایا گیا عاد حضرت نوح علیہ السلام کے خلفاء میں سے تھے۔پھر جدید تحقیق کے مطابق قوم سام نے مصر و بابل پر تقریباً 2200 ق م حملہ کیا۔ اس لئے اس قوم کا زمانہ 3000-2200 ق م ہی بنتا ہے۔پھر قوم عاد کا ذکر ہمیشہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے آتا ہے کہ قوم عاد ان سے پہلے مکمل تباہ ہو چکی تھی۔اس طرح یونانیوں کے ہاں بھی قوم عاد کا ذکر اسی زمانہ کے اعتبار سے ملتا ہے وہ ان کو عاد ارم کے نام سے لکھتے ہیں۔جنہوں نے حضر موت اور یمن پر حکومت کی۔مختصراً عاد کی ترقی کا زمانہ 1700 ق م سے لے کر تقریباً 2200 ق م ہی قرار پاتا ہے۔

عاد کی مرکزی آبادی

تاریخی شواہد اور محققین عرب کے مطابق قوم عاد کی مرکزی آبادی سرزمین عرب کے اہم ترین حصہ یمن و حضر موت میں خلیج فارس کے ساحل سے لے کر عراق کی حدود تک تھی۔مرکزی مقام یمن تھا۔یہاں سے یہ لوگ آسانی کے ساتھ دیگر ممالک میں پھیل گئے۔

عاد کی حکومتیں

اس میں شک نہیں کہ سرزمین عرب کا بڑا حصہ بے آب و گیاہ صحرا ہے۔ایسے علاقے میں حوصلہ مند اور ترقی حاصل کرنے کی خواہشمند اقوام زیادہ دیر رہائش پذیر نہیں رہ سکتی تھیں۔اس لئے قوم عاد جو مذکورہ اوصاف کی مالکہ تھی اس سرزمین کو چھوڑ کر باہر نکلی اور یوں اس قوم نے مصر، بابل اور شام کو فتح کرنے کے بعد وہاں عظیم الشان حکومتیں قائم کیں۔

مختصراً عاد کوئی محدود دیا چھوٹی سی قوم یا قبیلہ نہیں تھا بلکہ وہ ایک عظیم الشان قوم تھی جو کرہ ارض پر بسنے والی قدیم ترین تہذیب کی بانی تھی۔مصر، بابل، شام، ایشیا اور افریقہ کا اکثر حصہ اس نے بزورِ قوت فتح کیا وہاں عظیم عمارتیں تعمیر

کیں مگر بد مذہب ہونے کی وجہ سے اس قدر عروج حاصل کرنے کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا نام ونشان ہی مٹ گیا۔ اہل عرب اور دیگر اقوام عالم کے لئے ان کی تباہی و بربادی سے بڑھ کر کوئی دوسرا نمونہ عبرت نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس قوم کے واقعات کا بار بار یعنی تیئس (23) بار ذکر فرمایا ہے تا کہ لوگ اس سے عبرت حاصل کر سکیں۔ اقوام عرب کے سلسلے میں ہم نے اسی لئے اس قوم کا حال تفصیل سے بیان کیا۔

قرآن کریم میں عاد کا ذکر

1 سورۃ الاعراف آیات 65، 74
2 سورۃ التوبہ آیت 70
3 سورۃ ہود آیات 50، 59، 60
4 سورۃ ابراہیم آیت 9
5 سورۃ الحج آیت 42
6 سورۃ الفرقان آیت 38
7 الشعراء آیت 123
8 سورۃ العنکبوت آیت 38
9 سورۃ ص آیت 13
10 سورۃ المومن آیت 31
11 سورۃ حم سجدہ آیت 13، 15
12 سورۃ الاحقاف آیت 21
13 سورۃ ق آیت 13
14 سورۃ الذاریٰت آیت 41
15 سورۃ النجم آیت 50
16 سورۃ القمر آیت 18
17 سورۃ الحاقہ آیت 4، 6
18 سورۃ الفجر آیت 6

عاد کا مذہب

اب تک ہم نے قوم عاد کی تاریخ، حکومتوں، زمانہ اور اس کے لغوی معنوں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں ہم چند سطور میں اس قوم کے مذہب کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس کے بعد قرآن کریم میں جو اس قوم کا ذکر آیا ہے اس سے چیدہ چیدہ آیات بیان کریں گے۔

قوم عاد خدا تعالیٰ کی بجائے اوثان واصنام (بتوں) کی پرستش کیا کرتی تھی۔ خداوند قدوس نے اس قوم کی اصلاح کے لئے حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا۔ مگر یہ بد بخت قوم ان کی تعلیمات و ہدایات پر کسی طور عمل کرنے پر رضامند نہ ہوئی۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ طوالت کے ڈر سے بیان نہیں کر رہا۔ قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا جا سکتا ہے۔ جب یہ قوم کسی طرح راہ راست پر نہ آئی تو قدرت نے ان پر یصرب بن قحطان کو غالب کر دیا اور یوں یہ قوم سمٹتے سمٹتے کوہستان حضرموت میں پناہ گزین ہوگئی۔ اور پھر آہستہ آہستہ قدرت نے اس قوم کا نام ونشان مٹا دیا اور یوں یہ دنیا سے ہی ناپید ہو گئے۔

سورہ حم، احقاف، ہود، الشعراء اور اعراف میں حضرت ہود علیہ السلام کی زبان سے اللہ کریم نے اس قوم کو جو ہدایت وروشنی کے احکام پہنچائے اور اس قوم نے جس طرح ان احکامات کو ماننے سے انکار کیا اور پھر ان پر عذاب الٰہی نازل کیا گیا تفصیلاً موجود ہے۔ مزید علمی پیاس بجھانے اور اس قوم کے حالات جاننے کے آرزومند ان آیات قرآنی سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

(2) قوم ثمود

قوم عاد کے بعد سرزمین عرب اور اطراف میں جس قوم کو سب سے زیادہ شہرت اور عظمت نصیب ہوئی وہ قوم ثمود تھی۔ بالفاظ دیگر قوم ثمود اصل میں قوم عاد کی سیاسی جانشین تھی۔ قرآن کریم میں اس قوم کے لئے جانشین کے الفاظ موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (سورۃ الاعراف آیت 74)

وَاذْكُرُوٓا۟ إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعْدِ عَادٍ

ترجمہ:۔ اور یاد کرو (اے قوم ثمود) جب تم کو عاد کا جانشین کیا۔۔۔۔

قوم ثمود بھی جب مادی ترقی کے عروج پر پہنچ گئی تو اس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا تاکہ ان لوگوں کو شرک سے نکال کر راہ حق پر گامزن فرمائیں مگر اس قوم نے بھی عاد کی طرح حق سے انحراف کیا اور نتیجہ کے طور پر دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دی گئی۔

لفظ ثمود کے معنی

عربی زبان میں لفظ ثمود کے معنی لغوی اعتبار سے صحیح نہیں مل سکتے اہل عرب ثمود کو عربی میں ثمد سے بتاتے ہیں۔ ثمد کے معنی کم یا قلیل پانی کے ہیں۔ یہاں ثمود کے لئے یہ معنی اخذ کرنا کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ البتہ عربی زبان میں تامید کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی دائم اور خالد کے ہیں یوں جو الفاظ عربی زبان میں ث سے ہیں عبرانی میں ت سے ہیں۔ اس اصول کے مطابق لفظ ثمود کے سامی زبان میں وہی معنی ہوں گے جو عربی میں خالد کے ہیں۔ میں نے اپنی تحقیق اور کتب جدید و قدیم زبان کو پیش نظر رکھتے ہوئے ثمود کے معنی تحریر کئے ہیں۔

قوم ثمود کا زمانہ

قوم ثمود کا زمانہ تاریخی شواہد اور خاص طور پر قرآن کریم کے مطابق 1800 ق م سے لے کر 1600 ق م تک کا بنتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے اس قوم کا ذکر ملتا ہے۔ پھر جس علاقے پر قوم ثمود قابض تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسی علاقہ پر قوم مدین کا قبضہ موجود تھا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ مذکورہ دور ہی قوم ثمود کی ترقی و زوال کا زمانہ تھا۔

قوم ثمود کی مرکزی آبادی

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ عاد کی قوم عرب کے جنوبی و مشرقی سواحل پر خلیج فارس کے ساتھ ساتھ عراق کی حدود تک آباد تھی۔ مگر قوم ثمود قوم عاد کے مقابل میں عرب کے شمالی و مغربی حصوں پر قابض تھی۔ اس زمانے میں ان

حصوں کا نام وادی القریٰ تھا۔ وادی القریٰ کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ یہاں چھوٹی چھوٹی لاتعداد آبادیاں موجود تھیں۔ یہ پتھروں اور چٹانوں کو کاٹ کر آباد کی گئی تھیں۔ قرآن کریم سورہ فجر میں جس وادی کا ذکر کرتا ہے۔ اس سے مراد یہی وادی القریٰ ہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ (سورۃ الفجر آیت 9)

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾

ترجمہ:۔ ''اور ثمود جنہوں نے وادی (القریٰ) میں پتھر کی چٹانیں کاٹیں''۔

قوم ثمود کی حکومت

قوم ثمود کی حکومت بھی کافی وسیع علاقہ پر تھی مگر یہ علاقہ قوم عاد کی نسبت بہت کم تھا۔ اس قوم کا دارالحکومت حجر تھا۔ یہ مقام حجر یعنی شہر اس قدیم راستے پر واقع ہے جو حجاز سے شام کو جاتا ہے۔ اسی راستے پر ثمود کا دوسرا اہم شہر بھی ہے جس کا نام ''فج الناقہ'' ہے۔ بعد میں اس شہر کو مداین صالح (علیہ السلام) کہا جاتا تھا۔

قوم ثمود کا مخصوص پیشہ

شمالی عرب کی اس زبردست قوم کا مخصوص پیشہ جس میں اس کو فن کمال حاصل تھا پہاڑ کاٹ کر مکانات، عمارات اور مقبرے بنانا تھا۔ ان کی عظمت تعمیر کا قرآن کریم نے بھی ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ (سورۃ الفجر آیت 9)

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾

ترجمہ:۔ ''اور ثمود جنہوں نے وادی میں پتھر کی چٹانیں کاٹیں''۔

(یہاں پتھروں کا تراشنا تعمیر کی غرض سے تھا)۔

دوسری جگہ سورہ اعراف میں تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے۔ (سورۃ الاعراف آیت 74)

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا

ترجمہ:۔ ''اور (حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا اے لوگو) یاد کرو جب خدا نے تمہیں عاد کا جانشین کیا اور زمین پر جگہ دی جس کے میدانوں میں تم قصر و محلات اور پہاڑوں کو کاٹ کر گھر بناتے ہو اور پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو''۔

بہر حال قوم ثمود مذکورہ فن میں اوج ثریا تک پہنچ چکی تھی۔ ان کی تعمیر کردہ عمارات کی نشانیوں میں سے کچھ اب تک موجود ہیں۔ اس قوم کے حالات کا ذکر قوم عاد کے بعد اسیریا اور یونان میں تفصیل کے ساتھ ملتا ہے۔

قوم ثمود کا مذہب

قوم ثمود جب ترقی کی انتہاء کو پہنچ گئی تو اس میں بھی پرانی مرض یعنی شرک نے پورا غلبہ حاصل کر لیا۔ قوم عاد کی

طرح یہ لوگ بھی اس بیماری سے خود کو نہ بچا سکے۔ اس قوم نے وحدہٗ لاشریک کی عبادت چھوڑ کر ستاروں کے مادی ہیکلوں کے سامنے سر جھکانے شروع کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی اصلاح کے لئے سیدنا حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ خدا کے اس برگزیدہ پیغمبر نے ان کو خدا کی عبادت کی دعوت دی مگر اس قوم نے اپنی بدبختی کی بنا پر اس دعوت حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلانے لگی۔ آخر حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنی قوم سے فرمایا میری یہ اونٹنی ایک نشانی ہے۔ اس کو زمین پر چرنے دو۔ اور اس چشمے کا پانی ایک دن تم استعمال کرنا اور ایک دن یہ اونٹنی پیئے گی۔ یاد رکھو اگر تم لوگوں نے اونٹنی کو صدمہ پہنچایا تو وہ اللہ کے عذاب کا دن ہوگا۔ اس قوم میں مومنین اور کفار کی دو جماعتیں تھیں۔ مومن تو اس حکم کے پابند رہے مگر کفار میں سے نو آدمیوں کی جماعت نے ایک سازش کے تحت اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تاکہ وہ مر جائے۔ اس عمل کے بعد ثمود پر زلزلے۔ آسمانی چیخ اور کڑک کی شکل میں عذاب نازل ہوا اور مومنین کے علاوہ ساری قوم تباہ و برباد کر دی گئی۔ قرآن کریم میں اس قصے کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ متلاشیان علم درج ذیل سورتوں سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

قرآن کریم میں قومِ ثمود کا ذکر

سورہ اعراف 73	مومن، 31	سورہ نمل 45 تا 53	سورہ نجم 51
سورہ شمس 11	سورہ ھود 61 تا 68، 95	الذاریات 43 تا 45	الفجر 9
القمر 23 تا 28	التوبہ 70	ابراہیم 9	بنی اسرائیل 59
الحج 42	الفرقان 38	الشعراء 141	العنکبوت 38
ص 13	حم سجدہ 13، 18	ق 12	الحاقہ 4، 5
البروج 18			

(قرآن کریم میں قوم ثمود کا ذکر چھبیس (26) مرتبہ آیا ہے اس کا بیاں ہم انشاءاللہ حضرت صالح علیہ السلام کے بیان میں کریں گے۔)

قوم عمالقہ (قوم جالوت)

قوم عمالقہ یعنی قوم جالوت عملیق بن لاوز بن سام کی نسل سے ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے یہ ایک مشہور قبیلہ تھا۔ اس کا ذکر تورات میں اکثر مقامات پر آتا ہے۔ قرآن کریم میں (سورۃ البقرہ آیات 246 تا 251) بھی قوم عمالقہ کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اس قوم کے افراد نہایت طول قامت اور طاقت ور تھے۔ اس زمانے میں عمالقہ قوم کی طاقت ضرب المثل تھی۔ یہ لوگ سرزمین عرب پر کسی ایک جگہ مستقل آباد نہیں ہوئے بلکہ ان کی زندگیاں بدوؤں کی طرح پراگندہ (خانہ بدوش) تھیں۔ جالوت ان کا قومی سردار تھا۔ مگر یہود بادشاہ طالوت کے ہاتھوں شکست

کھا کر مارا گیا اور یوں بعض اسباب کی بنا پر یہ قوم عرب کے شمال میں جا کر آباد ہوگئی اور یوں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کرہ ارض سے یہ قوم نابود ہوگئی۔

قوم عمالقہ کی حکومت

قوم عمالقہ کی عاد و ثمود کی طرح کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی۔ یہ قوم سرزمین عرب پر جا بجا منتشر ہی رہی۔ اس قوم کا پیشہ چرواہوں کا تھا۔ یعنی ایک جگہ جب سبزہ ختم ہو جاتا تو دوسری سرسبز زمین کی تلاش کے لئے نکل کھڑے ہوتے۔ اس قوم نے کسی قسم کی تعمیر، عمارات یا محلات وغیرہ بطور نشانی نہیں چھوڑے۔ قوم عمالقہ نے 1200 ق م میں شام کے بدویوں کے ساتھ مل کر مصر پر چڑھائی کی اور یوں مصر میں چرواہوں کا شاہی خاندان قائم کیا۔ اس خاندان نے کئی صدیوں تک وہاں حکومت کی۔

قوم عمالقہ کا انجام

قوم عمالقہ عرب بائدہ کی ہی ایک نسل تھی۔ اس قوم نے چند ناگزیر حالات کی وجہ سے شمالی عرب میں سکونت اختیار کی۔ اور مجبوراً بنوادوم۔ بنو ماب اور بنو عمون جنہیں ادومی، موابی اور عمونی بھی کہا جاتا ہے کے ساتھ مل کر عرب کے شمال میں صحرائی بود و باش اختیار کی۔ یہ قبائل ہمیشہ عبرانیوں کے ساتھ دست و گریبان رہے۔ اور عرصہ دراز تک عبرانیوں کو کنعان پہنچنے سے روکے رکھا۔ آخرکار یہود کے بادشاہ طالوت نے اس قوم کو شکست فاش دے کر اپنے زیر اثر کر لیا۔ قوم عمالقہ کے پاس تاریخی متبرک تابوت سکینہ تھا جس میں گزشتہ تمام انبیاء علیہم السلام کی چیدہ چیدہ نشانیاں تبرکات کی شکل میں تھیں۔

طالوت کے بعد سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام نے جن کی حکومت کا دائرہ بحر مردار سے خلیج ایلاسینی (خلیج ایلہ) تک وسیع تھا اس قوم کو اپنے تابع رکھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام (یورپی مورخین کے مطابق 1012 ق م -972 ق م) کے بعد آپ کے بیٹے سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام (986 تا 932 ق م) بادشاہ ہوئے جن کی حکومت بحر احمر پر ہی ختم نہیں ہوتی تھی بلکہ ان کے جہاز اطراف عالم میں جاتے تھے اور یوں ان کی قوم سندھ اور ہندوستان سے بھی تجارت کیا کرتی تھی۔ 932 ق م میں سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہوا تو بنو یہود کی بنی اسرائیل کے دیگر قبائل سے علیحدگی ہوگئی۔ عربوں نے جزیہ دینے سے انکار کر دیا اس طرح یہ قوم عمالقہ، ایدومی اور موابی یہودیوں کی حکومت سے آزاد ہو کر خود مختار ہوگئی۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ قوم صفحہ ہستی سے ہی مٹ گئی۔ قوم عمالقہ کی تاریخ کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ملتا۔ جو ہم حاصل کر سکے تحریر کر دیا ہے۔

اقوام طسم و جدیس

طسم اور جدیس دونوں ہی قدیم قبائل ہیں۔ ان کا مسکن یمامہ تھا۔ تاریخ نویس ان دونوں کے بارے میں

گفتگو کرتے ہوئے اختلاف رکھتے ہیں۔ بہر حال یہاں دونوں صورتوں کو بیان کر رہا ہوں۔ بنی طسم لاوز بن سام کی اولاد ہیں اور یہ لوگ بحرین کے علاقہ میں رہائش پذیر تھے۔ جبکہ بنی جدلیس ارم بن سام کی نسل سے تھے اور یہ قوم یمامہ میں آباد تھی۔ یہ تاریخ دانوں کے ایک گروہ کا خیال ہے۔ جبکہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ طسم و جدلیس دونوں لاوز بن سام کی ہی اولاد ہیں۔ اور یہ دونوں دیار یمامہ میں رہا کرتے تھے۔ گو تاریخ نویس اختلاف رکھتے ہیں مگر ان دونوں کے حالات زندگی کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

مشہور مورخ کلبی طسم اور جدلیس کو یمامہ کے باشندے قرار دیتا ہے۔ جبکہ مشہور زمانہ تاریخ دان ابن خلدون (1332- 1406ء) ان دونوں کو بحرین کے باشندے قرار دیتا ہے۔ مگر پہلی روایت ہی زیادہ مشہور ہے۔ اگر باریک تاریخی نظر سے دیکھا جائے تو یہ صرف لفظی اختلاف ہے۔ کیونکہ قدیم زمانہ میں یہ دونوں شہر یعنی یمامہ اور بحرین ''حجر'' کے نام سے موسوم تھے۔ خلیج فارس کے شہر یمامہ، بحرین اور عمان ان دونوں قوموں کے قبضہ میں تھے اور ان شہروں کی بستیاں طسم و جدلیس سے ہی آباد تھیں۔

قوم طسم اور جدلیس کا انجام

طسم اور جدلیس اصل میں قوم عاد کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے جو ان علاقوں میں آباد تھے۔ ابتداء میں ساری سیاسی قوت قوم طسم کے پاس تھی۔ زندگی کے دوسرے شعبوں میں جدلیس قوم طسم کے شانہ بشانہ شامل تھی۔ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد عملوق نامی ایک ظالم و جابر بادشاہ تخت نشین ہوا جس نے قوم جدلیس کو اپنے شرمناک اور غیر انسانی قواعد کی وجہ سے سخت برہم کر دیا۔ یہ قوم عملوق کی جانی دشمن ہوگئی۔ عملوق کا تعلق قوم طسم سے تھا اور یہ شخص ہر طرح جدلیس کو تنگ کرتا رہتا تھا۔ آخر کار جدلیس کی ایک غیرت مند خاتون عروس نے اہل قبیلہ کو عملوق کی حرکات کے خلاف جوش دلایا۔ اس عورت کی گفتگو نے قبیلہ جدلیس کے اندر انتقام کی وہ آگ بھڑکا دی کہ پورا قبیلہ ہی طسم کے خلاف صف آرا ہو گیا۔ قوم طسم نے جب دیکھا کہ قبیلہ جدلیس ان کو تباہ و برباد کرنے پر کمر بستہ ہو گیا ہے تو طسم نے شاہ یمن سے مدد طلب کی۔ اس نے قوم طسم کی مدد کرتے ہوئے قوم جدلیس کو عبرتناک شکست دی۔ اس طرح باہمی اختلاف کی وجہ سے قوم جدلیس کو شاہ یمن نے تباہ کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ قوم طسم کی طاقت بھی ختم ہوگئی۔ ان کے اختلافات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان دونوں کی بستیوں پر غیر قابض ہو گئے اور یوں یہ دونوں قومیں اپنی ذاتی دشمنیوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئیں۔

اگر ہم یونانی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ان کے ہاں قبائل عرب کے حالات میں ایک قبیلہ کا نام جولبسی ملتا ہے۔ عین ممکن ہے اس سے مراد جدلیس ہی ہو۔ قوم طسم کا نام بربادی اور ہلاکت کی وجہ سے اس قدر مشہور ہے کہ عربی زبان میں طسم کے معنی ہی بربادی کے ہو گئے ہیں۔

لفظ یمامہ اور ''جو'' کی تشریح

یمامہ جو کہ جگہ کا نام ہے۔ اس کا اصل اور قدیم نام ''جو'' تھا۔ یہ علاقہ اپنے دارالحکومت کے نام کی وجہ سے زیادہ مشہور ہے۔ اس قصبے کا نام حجر اور قریہ تھا۔ گو حجر اور قریہ دو الگ الگ لفظ ہیں مگر ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے یعنی ''آبادی'' قدیم عربی زبان میں آبادی کو حجر کہا جاتا تھا۔ مگر بعد میں یہ لفظ عربی زبان میں قریہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ گویا اس طرح قریہ حجر کا ترجمہ ہے۔

قوم طسم کی عمارات

قوم طسم شاندار عمارات بنانے میں بہت ماہر تھی۔ اس قوم کی تعمیر شدہ عمارات کے نشان اسلامی عہد تک باقی تھے۔ نجران اور بحرین کے درمیان ایک پہاڑی پر ایک قلعہ ہے جس کو مشقر کہا جاتا ہے۔ اہل عرب، تاریخ دان اور جغرافیہ نویس بیان کرتے ہیں کہ یہ قلعہ قوم طسم نے تعمیر کیا تھا جو کہ اس قدر عمدہ طریقے سے تعمیر کیا گیا کہ دیکھنے والا قوم طسم کے فن کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی جگہ ایک بلند ٹیلے پر ایک اور شاندار عمارت واقع ہے جس کو معنق کہتے ہیں۔ یہ عمارت بھی قوم طسم کے فن تعمیر کا شاہکار اور ان کی اچھی یادگاروں میں سے ایک ہے۔ شموس نامی عمارت بھی اہل طسم نے ہی تعمیر کی تھی جس کے نشان عہد اسلام تک باقی تھے۔

یمامہ کے قریہ بنی سدوس میں ایک جگہ پر قوم طسم نے اپنے تعمیری فن کا نمونہ چھوڑا ہے۔ یہاں ایک ایسی عمارت تعمیر کی گئی جو بنیاد سے لے کر چھت تک صرف ایک پتھر کو تراش کر ہی تعمیر کی گئی تھی۔

''بیت الحجر'' نامی ایک عمارت بھی قوم طسم کا لازوال تعمیری شاہکار ہے۔ اس عمارت کی خاص بات یہ ہے کہ اس کا زیریں حصہ مربع شکل کا ہے جبکہ عمارت کی بلندی تقریباً 120 فٹ ہے معلوم نہیں کہ مذکورہ عمارات اب کس حال میں ہیں یا ان کا کوئی حصہ ابھی تک محفوظ بھی ہے یا نہیں۔ مگر یہ بات اپنی جگہ پر حقیقت ہے کہ قوم طسم وجدلیس کی یہ تعمیری مصنوعات ان کی عظمت، تمدن اور فن تعمیر کا لاجواب ثبوت تھیں۔

یمامہ بعد از اسلام

یمامہ اور اس کے گردونواح کے مقامات پر رہائش پذیر لوگ آج بھی اپنی قدیم عربی خصوصیات کے ساتھ رہتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں ان مقامات پر رومیوں اور یونانیوں نے کبھی حملے نہیں کئے البتہ سکندر اعظم کے بعد سلوقی خاندان نے صرف ایک بار 205 ق م میں تھوڑی سی فوج کے ساتھ یہاں حملہ کرنے کی کوشش کی مگر جلد ہی واپس چلا گیا۔ یمامہ و بحرین کے ان قدیم قبائل طسم وجدلیس کی بربادی کے بعد عرصہ تک یہ مقامات ویران اور برباد ہی رہے۔ آخر اسماعیلی وقحطانی عربوں نے ادھر کا رخ کیا اور یوں ربیعہ اسمٰعیل کی ایک شاخ غزہ بن اسد اور قحطانی قوم کی بعض

اولادوں نے بحرین پر قبضہ کر لیا۔

ظہورِ اسلام کے وقت بحرین اہل فارس (ایران) کے قبضہ میں تھا جہاں انہوں نے اپنی طرف سے ایک عرب خاندان کو نائب مقرر کر رکھا تھا۔ مگر یمامہ بدستور بنو حنیفہ کے قبضہ میں ہی تھا۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری زمانہ اقدس میں اہل بحرین اپنی مرضی سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہی حال اہل یمامہ کا تھا مگر بدقسمتی سے ان کے ہاں ایک خبیث مسیلمہ کذاب پیدا ہوا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور یوں اس کا قبیلہ اس جھوٹے شخص کی نبوت کے چکر میں آ کر مرتد ہو گیا۔ سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں یمامہ پر لشکر کشی کی گئی اور ایک نہایت ہی خونریز جنگ کے بعد مسیلمہ کذاب واصل جہنم ہوا۔ اہل یمامہ کی اکثریت اس جنگ میں کام آئی۔ جنگ کے بعد باقی لوگ دوبارہ توبہ کرنے کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

عرب عاربہ

عرب عاربہ سے مراد عرب قبائل واقوام ہیں جو یصرب بن یشجب بن قحطان کی نسل سے ہیں۔ ان قبائل کو قحطانی عرب بھی کہا جاتا ہے۔ ان قبائل کا اصل گہوارہ یا مسکن یمن تھا۔ اس جگہ یہ نسل مختلف خاندانوں اور قبائل میں منقسم تھی۔ پھر ان قبائل کی آگے مختلف شاخیں تھیں۔ تمام شاخوں کا ذکر کرنا ممکن نہیں ہے۔ ان میں سے دو مشہور قبیلوں کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ یعنی وہ دو قبیلے تھے جو بنو قحطان میں بڑی شہرت کے مالک تھے۔ ان قبیلوں کا ذکر کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ان کے جد امجد کی مختصراً تاریخ بیان کر دی جائے تاکہ پڑھنے والے کے سامنے مکمل تاریخی نقشہ اور جد امجد کا مقام اس کی نسل کے اعتبار سے عیاں ہو جائے۔

قحطان

قحطان یمن میں رہائش پذیر قبائل کا جد اعلیٰ تھا۔ یہ قبائل سرزمین عرب پر 2500 ق م میں آباد تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان قبائل کے مقامات رہائش اور نسل میں اضافہ ہوتا گیا۔ قحطان جو بنو قحطان کا جد اعلیٰ تھا عبرانی تورات میں اسکا نام یقطان مذکور ہے۔ جب تورات مقدسہ کا یونانی زبان میں ترجمہ کیا گیا تو یونانیوں نے اپنی زبان کے مطابق لفظ ''یا'' کو بدل کر ''جیم'' میں تبدیل کر دیا اور یوں یہ نام ''جسقطان'' بولا جانے لگا۔ بہر حال قحطان، یقطان اور جسقطان یہ تینوں ایک ہی نام ہیں مگر باعتبار زبان ان کا تلفظ مختلف ہے۔ ان تینوں ناموں میں سے قحطان ہی ہمیشہ استعمال ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اس لیے ہم بھی آئندہ قحطان نام ہی استعمال کریں گے۔ جدید تحقیق کے مطابق تورات کے جو مشرقی تراجم دستیاب ہیں ان میں یقطان کی بجائے عموماً قحطان ہی تحریر کیا جاتا ہے۔

بنو قحطان کا وطن

تورات میں بنو قحطان کا مسکن یمن ہی مذکور ہے۔ تورات اس قوم کی جائے سکونت مسا سے یورپ کے

پہاڑوں تک ثابت کرتی ہے۔مسا اور صنعاء دونوں مقام بطور نام استعمال ہوتے ہیں۔عام طور پر صنعاء سے مراد ملک یمن لیا جاتا ہے۔پھر تاریخ کا مطالعہ کرنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسا سے مراد حجاز بھی لیا جاتا ہے۔ یاد رہے سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام مسا تھا اس طرح نتیجہ یہ نکلا کہ حجاز سے لے کر یمن تک کے علاقے میں بھی بنو قحطان ہی آباد تھے۔ہماری یہ بحث تاریخ عرب کے عین مطابق اجماع سے ثابت ہے۔

اولاد قحطان

یہاں ہم قحطان کی اولاد کا مختصر ذکر کر رہے ہیں۔اس اولاد کے حالات تورات میں مذکور ہیں۔ایک عجیب بات یہ ہے کہ قحطان کی اولاد جس کے تعداد میں تیرہ بیٹے تھے ان میں سے صرف تین کے بارے میں اہل عرب کے ہاں روایات اور حالات ملتے ہیں باقی اولاد کے بارے میں اہل عرب خاموش ہیں۔ان تینوں کے نام یہ تھے یارخ، حضار (حضر موت) اور سبا۔قحطان کے تیرہ بیٹوں کے نام یہ تھے۔

1۔ سبا　2۔ حضار (حضر)　3۔ موت
4۔ یارخ　5۔ الموداد　6۔ یدودارم
7۔ شلف　8۔ وقلاے　9۔ اوزال
10۔ حویلہ　11۔ اوفر　12۔ ابی مائل
13۔ عوبال

یورپین مورخین بڑی جدوجہد سے مذکورہ اولاد قحطان کا مسکن سرزمین عرب پر ہی ثابت کرنے کے لیے شب و روز مصروف رہے۔ان لوگوں کی تحقیق کے مطابق ہم اولاد قحطان کے بارے میں مختصراً کچھ عرض کر رہے ہیں۔یورپی مورخین کی یہ تحقیق قطعی قابل اعتبار تو نہیں بہر حال اس تحقیق کے حوالے سے ہم اپنے علم میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور کر سکتے ہیں۔

1. قوم سباء

تورات میں مذکور ہے کہ سبا ام قحطانیہ کی سب سے مشہور شاخ ہے۔اصل میں اس قبیلے کا نام عمر یا عبد شمس تھا جبکہ سباء اس کا لقب تھا۔اور یوں یہ قبیلہ اپنے لقب کے اعتبار سے ہی مشہور رہا۔لغوی اعتبار سے یہ نام ''سبی'' سے مشتق ہے۔جس کے معنی غلام بنانے کے ہیں۔عبد شمس بہت بڑا فاتح تھا اس نے بے شمار لوگوں کو اپنا غلام بنایا اس لیے اس کا لقب ہی سباء مشہور ہو گیا۔اس قبیلے کے بارے میں روایات عرب، یونانی حکایات اور آثار قدیمہ میں بہت کچھ موجود ہے۔اس کے علاوہ مقدس کتب قرآن کریم، تورات، زبور اور انجیل میں اس قوم کی عظمت ترقی اور شہرت کے بے شمار واقعات و داستانیں موجود ہیں۔قرآن کریم کی سورہ سباء آیت 15 اور سورۃ النمل آیت 22 میں قوم سباء کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

زمانہ حکومت

قوم سباء کا مرکز جنوبی وشمالی عرب تھا جو تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھا۔ مگر قوم سباء کو اصل معنوں میں وسعت، طاقت اور ترقی عرب کے جنوبی حصہ یمن میں حاصل ہوئی۔ یہاں چاروں طرف اس قوم نے بنو معین کے زوال پذیر معاشرہ میں اپنے مضبوط قلعے تعمیر کئے۔ اس قوم کے عروج کا زمانہ تقریباً 1100ق م تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں اس قوم کا صریح حال مذکور ہے۔ (یورپی مورخین نے زمانہ حکومت 930ق م تا 115ق م بیان کیا ہے)۔

علاقہ حکومت

قوم سباء کا حقیقی مرکز سلطنت جنوب عرب میں علاقہ یمن کا مشرقی حصہ تھا۔ دارالحکومت مآرب شہر تھا۔ رفتہ رفتہ زمانہ گزرنے اور ترقی کی منازل طے کرتے کرتے اس قوم کی حکومت مغرب میں حضرموت تک پھیل گئی۔ قوم سباء ایک تاجر قوم تھی اس لئے اکثر بحری اور بری تجارتی راستوں پر اس کا قبضہ تھا۔ دنیا کا نقشہ دیکھنے سے شمالی عرب کے علاقے پر بھی انہی کی حکومت نظر آتی تھی۔ یہاں تک کہ افریقہ میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں۔ ملک حبشہ میں اذنیہ کا ضلو (علاقہ) بھی سبا کے ماتحت تھا۔ یمن سے براہ حجاز وشام تک جو قدیم تجارتی راستہ تھا وہ بھی اسی قوم کے زیر اثر تھا۔ مختصراً قوم سبا بہت ہی وسیع علاقے کی مختار کل قوم تھی۔ اگر اس سلسلے میں تفصیل سے ذکر کیا جائے تو اس کے لیے دفتر درکار ہیں۔ پھر موضوع بہت طویل ہو جائے گا اس لیے جو کچھ عرض کر دیا گیا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

3،2۔ حضار یا حضرموت

حضار، قحطان کے تیرہ بیٹوں میں سے ایک تھا۔ عبری زبان میں حرف ''ض'' نہیں ہے اس لیے ضرورت کے مطابق اس نام میں الف کا اضافہ کرنے کے بعد اس کو حضرموت یا حضارموت کہا جاتا ہے۔ حضرموت وہ خوش قسمت قوم ہے جس کا ذکر تورات میں موجود۔ تورات میں اس قوم کا نام صرف ایک بار ہی اس جگہ آیا ہے جہاں قحطان کی اولاد کا ذکر آتا ہے۔ اسی طرح اہل یونان کے ہاں بھی اس قوم کا ذکر ملتا ہے۔ یونانی تاریخ میں تجارت اور بیوپار کا جہاں ذکر آتا ہے وہاں اس قوم کا تذکرہ موجود ہے۔ ایک مشہور یونانی اہل قلم اراٹوستینیسین جس کی وفات 196ق م میں واقع ہوئی اس نے لکھا ہے کہ حضرموت یمن کے آخر میں مشرق کی طرف آباد تھی اور اس قوم کے دارالحکومت کا نام ''شبوۃ'' ہے۔ یہ شہر اب تک حضرموت کی ایک مشہور ترین بستی ہے۔ حضرموت سے ملک سبا کی مسافت تقریباً 40روز کی ہے۔ اس شہر میں ہر قسم کے میوہ جات پیدا ہوتے ہیں۔ نہایت عالی شان عمارات پائی جاتی ہیں۔ یہاں بخورات کی کثرت ہے۔ نہایت ہی دولت مند شہر ہے۔

زمانہ حکومت

حضرموت کے بارے میں قدیم تاریخ عرب اور آثار قدیمہ کی تحقیق کے مطابق بہت کم معلومات دستیاب

ہیں۔جدید تحقیق کے مطابق اس شہر شبوہ سے بہت سے کتبات دستیاب ہوئے ہیں مگر افسوس انہیں کوئی پڑھنے والا باقی نہیں ہے۔بہر حال ان آثار قدیمہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ یہ قوم نہایت قدیم ہے۔یہ قوم سبا کے ماتحت تھی قوم سبا کا زمانہ 155 ق م سے لے کر نو یا دس ق م تک فرض کیا جاتا ہے اس اعتبار سے حضر موت کی قوم کا زمانہ بھی قریباً قریباً یہی بنتا ہے۔کیونکہ جہاں سبا قوم کے شاہوں کا ذکر آتا ہے وہاں شاہ حضر موت کا ذکر بھی مذکور ہے۔بہر حال قدیم قوموں میں سے ایک قوم یہ بھی تھی۔

علاقہ حکمرانی

حضر موت جس علاقے میں آباد تھے سرزمین عرب کے اس قطعہ کا نام ہی حضر موت مشہور ہو گیا۔حضر موت جزیرہ نما عرب کے انتہائی جنوب میں بحر عرب کے سواحل پر یمن کے مشرق میں واقع ہے۔یہاں ان کی ایک مستقل حکومت قائم تھی۔حضر موت بحر عرب کے ساحل پر آباد تھے اور یہ ساحل جنوبی عرب، پاکستان اور ہندوستان کے تقریباً سامنے ہے۔یہ قوم ہندوستان کی بحری تجارت پر زمانہ قدیم سے قابض تھی۔یہ قوم جہاز رانی میں خاص مہارت رکھتی تھی۔اسلام قبول کرنے کے بعد جہاز رانی کی یہ قوت بہت زیادہ چمکی۔ان لوگوں نے جزائر ہند، جاوہ، سماٹرہ، اور قریباً سارے ساحل ہند پر اپنی نو آبادیات قائم کیں۔ان جزائر میں شمع اسلام انہی لوگوں کے ہاتھوں روشن ہوئی۔حضر موت پر سالوں تک انکے بادشاہ حکمران رہے۔یونانی تحقیق کے مطابق اس قوم میں بادشاہت وراثت میں نہیں ملتی تھی بلکہ اس قوم کے اعلیٰ اور شریف گھرانوں میں بادشاہ کے انتخاب کے وقت جو بیٹا پیدا ہوتا آئندہ کے لیے وہی بادشاہ قرار پاتا تھا۔واللہ اعلم یہ کہاں تک حقیقت ہے بہر حال یونانی اہل قلم کی تحقیق ہم نے پیش کی ہے۔

(4) یارح

(5) الموداد

المودادکی اولاد عرب کے مشرقی ساحل پر بحر فارس کے کنارے آباد تھی۔اہل عرب اور یونانیوں کے ہاں بھی اس قبیلہ کا مذکورہ علاقہ رہائش پذیر ہونا ثابت ہے۔

(6) یدودارم

یدودارم کی اولاد ہدرمہ میں آباد تھی۔یہ ایک آبادی کا نام ہے۔اصل میں اس آبادی کا نام حضرمہ تھا مگر بعض مورخین نے انگریزی لفظ ڈی سے باعتبار تلفظ دھوکہ کھایا اور حجرمہ کو ہدرمہ تحریر کر دیا۔

(7) شلف

اولاد بنو شلف حجاز مقدس میں مدینہ منورہ جس کا اس وقت نام یثرب تھا اور کوہ ذامس کے درمیان آباد تھی۔

(8) وقلاہ

وقلاہ یا وقلاۃ یمن میں ایک جگہ کا نام ہے یہ دارالحکومت ہے ممکن ہے دارالحکومت عبرانی زبان میں وقلاہ کی عربی صورت ہو۔

(9) اوزال

یمن کے وسط میں جہاں اب صنعاء آباد ہے زمانہ قدیم میں یہ قوم اس جگہ آباد تھی۔ یمن میں اس قبیلہ کے نام کی نسبت سے اوزال نام کا شہر مشہور تھا۔ یہ شہر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے چھ سات سو برس پہلے بہت بڑی تجارتی منڈی تھی۔ اس منڈی میں فولاد، تیزاب اور مسالہ (مسالحہ) جات کا کاروبار ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی اب بھی صنعاء کو جو تقریباً چھٹی صدی میں آباد ہوا تھا اسی پرانے نام اوزال سے ہی پکارتے ہیں۔

(10) حویلہ

حویلہ کی اولاد یمن کے شمالی حصہ میں آباد تھی۔ اور اس جگہ ایک آبادی کا نام ہی حویلہ مشہور ہو گیا یعنی وہ مقام جہاں قبیلہ حویلہ آباد تھا۔

(11) اوفر یا اوفیر

یہ قوم یمن کے سواحل پر آباد ہوئی۔ یمن کے اس مقام کو اس قوم کی نسبت سے اوفر کہا جاتا تھا۔ یہ مقام یمن کی قدیم ترین بندرگاہ تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے جہاز اسی بندرگاہ سے سونا لاد کر لے جایا کرتے تھے۔ تورات میں جس سونے کا کثرت سے ذکر آتا ہے وہ سونا اوفر ہی کا ہے۔

(12) ابی مائل

چند تاریخ دان ثابت کرتے ہیں کہ بنی سالف اور صوبہ حجاز کے درمیان قوم ابی مائل سکونت پذیر تھی۔ اس مقام کا نام کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔

(13) عوبال

عوبال قحطان کا بیٹا تھا۔ اس کی اولاد کس جگہ آباد ہوئی تاریخ اس سلسلے میں خاموش ہے۔ البتہ یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ شاید یہ خاندان افریقہ میں حبشہ (ایتھوپیا) کے مقام پر جا کر آباد ہو گیا ہو۔

عرب عاربہ کے مشہور قبیلے

اہل عرب کی دوسری قسم عرب عاربہ کی تشریح کرتے وقت ہم نے ابتداء میں بیان کیا ہے کہ عرب عاربہ کے ویسے تو بہت سے قبائل تھے سب کا حال تحریر کرنا تو ممکن نہیں اس طرح ہمارا موضوع بہت پھیل جائے گا البتہ دو مشہور قبیلوں یعنی قبیلہ حمیر اور قبیلہ کہلان کا ذکر کر دینا ضروری ہے۔ اس لئے قدرے تفصیل کے ساتھ یہاں ان کا ذکر کر رہا ہوں۔ اس سے پہلے حمیر اور کہلان کے جد اعلیٰ قحطان کی تاریخ اور اولاد کے حالات بیان کر دیئے ہیں۔

(1) حمیر

یمن کا ملک دو حصوں میں تقسیم ہے۔ یمن کے نقشہ پر یہ تقسیم واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ دو حصے مغربی و مشرقی یمن ہیں۔ انتہائی مشرقی حصہ پر جو کہ ملک کا اندرونی حصہ ہے سباء کی حکومت قائم تھی جبکہ انتہائی مغربی حصے میں جو ایک طرف سے بحر عرب اور دوسری سمت سے بحر احمر کو لگتا ہے قوم حمیر کی حکومت قائم تھی۔ ملک یمن کا نقشہ دیکھ کر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید قوم حمیر نے قوم سباء کو ختم کر کے اپنی حکومت کو مزید وسعت دی، جس کی دلیل حکومت یمن کا مشرق سے منتقل ہو کر مغرب کی طرف چلے آنا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یمن کی مشرقی اور مغربی حکومتیں اصل میں ایک ہی نسل سے تعلق رکھتی تھیں۔ خاندانوں کے نام مختلف ضرور ہیں ورنہ ان دونوں کی زبان، طرز زندگی، تہذیب و تمدن تمام چیزیں ایک ہی ہیں۔ ابتدائی کتبات جو دستیاب شدہ ہیں ان میں حمیر کی بجائے سباء ہی درج ہے۔ یہ تو یونانی مورخین نے 20 ق م میں اور اہل حبشہ نے چوتھی صدی عیسوی میں اپنے کتبوں اور تحریروں میں اس قوم کو حمیر کے نام سے لکھنا شروع کیا۔ یہ بات درست ہے کہ قوم حمیر نے جب زبردست طاقت حاصل کر لی تو مشرقی قبائل مجبوری کی حالت میں نقل مکانی کر کے رزق اور محفوظ جائے رہائش کے لئے یمامہ، بحرین، حجاز اور عراق و شام میں آباد ہو گئے۔ جبکہ ان قبائل میں سے کچھ یمن کے مغرب میں آباد ہوئے۔

لفظ حمیر کے معنی

میرے خیال میں علمی اعتبار سے یہ بہتر ہو گا کہ لفظ حمیر کے معنی اور اس کی مختصر تاریخ بیان کر دی جائے۔ لفظ حمیر عربی اور حبشی زبان میں ''حمر'' سے مشتق ہے، جس کے معنی سرخ کے ہیں۔ اسی طرح عام محاورہ میں اس سے مراد گورا رنگ ہے۔ ہمارے ہاں تو گورے و سیاہ رنگ کو اگر ملا کر بولنا ہو تو سیاہ و سفید (سپید) بولا جاتا ہے جبکہ اہل عرب اس کو ملا کر ''اسود الاحمر'' بولتے ہیں۔ اہل عرب اسی وجہ سے اہل حبش کو اسود (سیاہ) اور اہل حبشہ عربوں کو حمیر (گورا) کے نام یا الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ اہل حمیر کے بادشاہ کو ''ملک سباء وذوریدان'' کہا جاتا تھا۔ اہل حمیر کے زیر حکومت جتنا علاقہ تھا وہاں اس کا خاندان ذوامیر حکمران تھا۔ قلعہ ریدان ان کا دارالحکومت تھا۔

زمانہ حکومت

قوم حمیر کے زمانہ حکومت کی ابتداء 115 ق م میں ہوئی۔ اہل عرب، کتبات، مبھود اور بالولے کی تحقیق یہی ہے جو کہ ہر جگہ مذکور ہے۔ اس طرح قوم حمیر کی ابتداء پہلی صدی ق م سے شروع ہو کر ذونواس آخری حکمران حمیر پر 525ء میں ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح قوم حمیر کی کل مدت حکومت تقریباً 550 برس پر محیط ہے (مغربی مورخین 115 ق م تا 525 عیسوی)۔ دوسرا ثبوت یہ ہے کہ یونانی مورخین نے لفظ حمیر 20 ق م میں پہلی بار اپنی تحریروں میں استعمال کیا۔ خاندان حمیری نے 550 برس متواتر حکومت نہیں کی بلکہ اس میں سے 40 برس کا وہ زمانہ جب قوم حبشہ ان پر مسلط ہو گئی اور اس کے علاوہ اور چند سال نکالنے پڑیں گے۔ اس طرح پہلی صدی ق م سے لے کر تیسری صدی ق م تک قوم حمیر کا طبقہ اول حکمران رہا جس کو تبع اول حمیری کہتے ہیں۔ اس کے بعد اسی قوم کا طبقہ ثالث تیسری صدی کے آخر میں حکمران ہوا۔ اس خاندان کے صرف چند حکمران ہی حکومت کی بہاریں لوٹ سکے تھے کہ اچانک اکسومی حبشی چوتھی صدی کے درمیان میں یمن پر حملہ آور ہوئے اور اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ تقریباً چالیس سال بعد حمیری خاندان نے پھر بزور شمشیر اکسومی حبشیوں پر فتح حاصل کی اور یوں 525 عیسوی تک خاندان حمیری یمن پر حکمران رہا۔

حدود حکومت

مذکورہ حالات پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ سباء حمیر کے ان دونوں طبقات یعنی طبقہ اول اور طبقہ ثالث میں حدود حکومت کے اعتبار سے کافی فرق تھا۔ دور اول کے حمیری حکمران اپنا لقب یوں تحریر کرتے تھے۔ ملک سباء وزوریدان جبکہ دور ثانی کے حاکم یہ لقب استعمال کیا کرتے تھے ملک سباء وزوریدان وحضر موت۔ ان دونوں القاب کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ حمیری حکمران جو جو علاقہ فتح کرتے جاتے تھے اس علاقے کا نام اپنے لقب کے ساتھ شامل کرتے جاتے تھے۔ اس طرح قوم حمیر ابتدائی ایام میں یمن پر ہی حکمرانی کرتی تھی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دور ثانی میں ان کی حکومت حضر موت تک وسیع ہو چکی تھی۔

حمیر کا مذہب

یہ بات خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ حمیری خاندان کا طبقہ اول اور طبقہ ثالث مذہبی اعتبار سے ایک ہی مذہب کا پیروکار نہیں تھا۔ ان دونوں طبقوں میں ایک عیاں اور واضح فرق تھا۔ پہلا طبقہ عام طور پر ستارہ پرست تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے قدیم کتبوں میں ستاروں، دیوتاؤں اور ہیکلوں کے نام اور ان ناموں کے بے شمار ثمرات وفوائد وغیرہ تحریری شکل میں ملتے ہیں۔ قوم حمیر ثانیہ کے دور میں اس قوم کے بعض لوگ عیسائی مذہب کے پیروکار ہو گئے جبکہ اکثریت نے یہودی مذہب اختیار کر لیا یہی وجہ ہے کہ اس دور کے ملنے والے کتبات پر ستاروں، دیوتاؤں اور ہیکلوں

وغیرہ کی بجائے رحمان کا لفظ درج ہے جو کہ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کا ہی نام ہے۔

حمیر کی مشہور شاخیں

بنو حمیر کی اصل اور ان کی تاریخ ہم نے کسی قدر وضاحت کے ساتھ تحریر کر دی ہے۔ تاریخ عرب اس بات کی گواہ ہے کہ اس سرزمین پر بسنے والے حکمران قبائل بہت سی شاخوں میں منقسم تھے اس لئے ہر ایک شاخ کا ذکر اور حال بیان کرنا ممکن نہیں پھر ایسا کرنا ہمارے موضوع سے بھی شاید مطابقت نہ رکھے اس لئے یہاں حمیر کی مشہور شاخوں کے صرف نام لکھنے پر ہی اکتفا کر رہا ہوں۔

(1) زید الجمہور (2) قضاعہ (3) سکاسک

یہ تینوں حمیر کی مشہور شاخیں تھیں جو سرزمین عرب پر آباد تھیں۔

کہلان

عرب عاربہ یعنی قحطانیوں کا دوسرا مشہور ترین قبیلہ کہلان تھا۔ اس قبیلے کی بہت سی مشہور شاخیں تھیں جن میں سے چند ایک بہت مشہور تھیں تمام شاخوں کے نام یہاں درج کر رہا ہوں۔ اس کے بعد بنو کہلان کے جن قبائل نے اصل وطن سے نقل مکانی کی ان کا حال قدرے تفصیل سے عرض کروں گا۔ کہلان کی شاخوں نے ملک شام اور اس کے اطراف میں اپنی حکومتیں قائم کر رکھی تھیں۔

کہلان کی مشہور شاخیں

(1) ہمدان (2) طی (3) انمار (4) مذحج (5) کندہ
(6) لخم (7) جذام (8) ازد اوس (9) خزرج (10) اولاد جفنہ وغیرہ۔

کہلان کی ان شاخوں نے یمن اور حضرموت سے نکل کر ملک شام اور اس کے اطراف میں اپنی بادشاہت قائم کی۔ یہ لوگ وہاں آل غسان کے نام سے مشہور ہوئے۔ عام کہلانی قبائل یمن سے ترک وطن کرنے کے بعد سرزمین عرب کے مختلف حصوں میں اس لئے پھیل گئے کہ رومیوں نے مصر و شام کے بحری تجارتی راستوں پر قبضہ کرنے کے بعد اہل یمن کی تجارت کو تقریباً بند کر دیا تھا۔ کہلان جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں تجارت پیشہ قوم تھی جب تجارت کے تمام راستے ہی بند ہو گئے تو مجبوراً ان لوگوں کو یمن سے ترک سکونت کرنی پڑی۔

قدیم تاریخ عرب کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاید حمیری اور کہلانی قبائل ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان رہے آخر قبائل حمیر کہلانیوں پر غالب آئے اور یوں کہلانیوں کو اپنا مسکن چھوڑنا پڑا۔ اس بات کی قوی دلیل یہ ہے کہ قرب وجوار میں رہنے والے ان دونوں قبیلوں میں سے کہلانیوں نے ہی ترک وطن کیا جبکہ حمیری بدستور

اپنے مقامات پر ہی سکونت پذیر رہے۔ بہرحال کہلانیوں کی ان شاخوں کے ترک وطن کرنے کی مذکورہ وجوہات میں سے ایک وجہ یا پھر شاید دونوں ہی وجوہات ضرور تھیں۔

اسی موضوع کی کچھ مزید تشریح کرتے ہوئے ہم ان کہلانی قبائل کے مختصر حالات کا ذکر کریں گے جنہوں نے ترک وطن کیا۔ ان قبائل کی چار قسمیں کی جاسکتی ہیں یعنی۔

(1) ازد۔ حارثہ بن عمرو۔ ثعلبہ بن عمرو۔ عمران بن عمرو۔ نصر بن ازد۔ جفنہ بن عمرو۔
(2) لخم وجذام
(3) بنوطی۔
(4) کندہ۔

(1) ازد

عمران بن عمرو مزیقا اس شاخ یعنی ازد کا سردار تھا۔ یہ لوگ علاقہ یمن میں رہائش رکھتے تھے۔ چند ناگزیر حالات کی وجہ سے ان لوگوں نے اپنے سردار کے حکم پر ترک سکونت کی ابتداء میں ملک یمن کے اندر ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہے۔ مگر کہیں بھی جم کر نہ بیٹھ سکے آخرکار اس قبیلہ نے عرب کے شمال کا رخ کیا اور پھر مختلف شاخوں میں تقسیم ہوکر ہمیشہ کے لئے اسی علاقہ میں الگ الگ مقامات پر سکونت اختیار کر لی۔ قبیلہ ازد شمالی عرب میں کئی شاخوں میں تقسیم ہوکر آباد ہوا ان شاخوں کا مختصر حال یہ ہے۔

(i) حارثہ بن عمرو

حارثہ بن عمرو بنی خزاعہ اور اس کی اولاد کو کہتے ہیں۔ ابتداء میں یہ لوگ صوبہ حجاز میں کبھی کہیں اور کبھی کہیں گھومتے پھرتے زندگیاں بسر کرتے رہے پھر مقام "مرالظھران" میں خیمہ زن ہوگئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد ان لوگوں نے حرم کعبہ پر ہی حملہ کردیا اور وہاں پہلے سے مقیم اولاد جرہم کو نکال کر خود مکہ مکرمہ پر قبضہ کر کے وہاں اپنی رہائش اختیار کر لی۔ یہ شاخ جرہم کے ساتھ شدید خون ریز لڑائی کے بعد مکہ مکرمہ پر قابض ہوئی تھی۔ مگر کچھ عرصہ گزر جانے پر جب ان لوگوں نے دیکھا کہ یہاں وسائل معیشت کی تنگی ہے تو یہ لوگ نقل مکانی کر کے یثرب (مدینہ منورہ) چلے گئے۔

(ii) ثعلبہ بن عمرو

ثعلبہ بن عمرو اپنی اولاد کے ہمراہ ابتداء میں حجاز کی طرف نکل گیا اور ثعلبیہ اور ذی قار کے درمیان سکونت پذیر ہوگیا۔ کچھ عرصہ گزر جانے پر جب اس کی اولاد تعداد میں بڑھ گئی اور یہ لوگ طاقت ور اور مضبوط ہوگئے تو ان لوگوں نے یثرب (مدینہ منورہ) کا رخ کیا اور پھر اس مقدس شہر کو اپنا وطن بنالیا۔ یہود کے مشہور قبیلے بنو اوس اور بنو خزرج اسی ثعلبہ

کی نسل سے تھے۔ثعلبہ کے بیٹے حارثہ کے اوس اور خزرج حقیقی بیٹے تھے۔اس طرح یہ دونوں قبائل طویل عرصہ یہاں تک کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ہجرت مقدسہ کے وقت بھی مدینہ منورہ میں ہی آباد تھے۔مدینہ منورہ سے انہیں دو قبیلوں یعنی اوس وخزرج کے 12 آدمی حج کے لئے مکہ مکرمہ گئے اور حضور ختم الرسل علیہ السلام کے دست حق پر اسلام قبول کیا۔دوسرے سال 70 آدمی مسلمان ہوئے۔ہجرت کے بعد یہی انصار مدینہ کہلائے۔

(iii) عمران بن عمرو

عمران بن عمرو کہلان قوم کی ایک شاخ کا سردار تھا۔یہ اپنی اولاد کے ہمراہ نقل مکانی کر کے عمان میں سکونت پذیر ہوا۔وہاں اس شاخ نے خوب ترقی کی اور یوں ان لوگوں کو ازدعمان کہا جانے لگا۔

(iv) نصر بن ازد

نصر بن ازد بھی قبیلہ کہلان کی ایک شاخ کا سردار تھا۔جب اس شاخ کی آبادی کافی بڑھ گئی تو یہ لوگ اپنے سردار کی سربراہی میں نقل مکانی کر کے مقام تہامہ پر جا کر آباد ہوئے۔ان لوگوں کو ازدشنوۃ کہا جانے لگا۔

(v) جفنہ بن عمرو

جفنہ بن عمرو بھی قبیلہ یا قوم کہلان کی ایک شاخ کا سردار تھا۔اس شاخ کی آبادی میں روز بروز اضافہ ہونے لگا اور یوں معاش کی مزید ضرورت محسوس کرتے ہوئے یہ شاخ ملک شام کی طرف ہجرت کر گئی۔دوران ہجرت یہ لوگ راستے میں ایک چشمے پر کچھ عرصہ قیام پذیر ہوئے۔اس چشمے کا نام غسان تھا۔بعد میں یہ لوگ وہاں سے ہجرت کر کے ملک شام پہنچ گئے۔اس چشمہ کی نسبت سے ان لوگوں کا نام ہی آل غسان مشہور ہو گیا۔یہی جفنہ بن عمرو غسانی بادشاہوں کا جداعلیٰ تھا۔

(2) لخم وجذام

لخم کی اولاد کو اولاد لخمیوں بھی کہا جاتا ہے۔اس قبیلہ لخم میں نصر بن ربیعہ ان کا سردار تھا۔بعد میں ان لوگوں نے خوب ترقی کی اور یوں یہی نصر بن ربیعہ شاہان آل منذر کا جداعلیٰ بنا۔

(3) بنوطی

کہلانی قبائل کی جن چار قسموں کا ہم حال بیان کر رہے ہیں ان میں یہ قبیلہ بنوطی تاریخ عرب میں بہت مشہور ہے۔اس کی تاریخ نہایت دلچسپ اور حیران کن واقعات سے لبریز ہے۔جب بنوازد اپنے مسکن کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے تو یہ قبیلہ بھی ترک سکونت کرنے کے بعد جزیرہ عرب کے شمال کی طرف چلا گیا۔وہاں ان لوگوں نے اجاء اور سلمیٰ

نامی دو پہاڑیوں کے ارد گرد سکونت اختیار کر لی۔ اس قبیلے کی یہاں مستقل سکونت کی وجہ سے یہ دونوں پہاڑیاں اپنے پرانے ناموں کی بجائے قبیلہ بنوطی کی نسبت سے مشہور ہو گئیں اور آج تک اسی نام سے مشہور ہیں۔

(4) کندہ

قوم کہلان کے چار مشہور قبیلوں یا چار مختلف اقسام میں سے پہلی قسم بنواز د نے ترک وطن کیا تو یہ چوتھی شاخ کندہ بھی اپنی قدیم جائے رہائش کو خیر باد کہتے ہوئے پہلے بحرین میں خیمہ زن ہوئی۔ مگر کچھ ناگزیر حالات کی وجہ سے بحرین میں وہ مستقل قیام نہ کر سکے اور اس جگہ کو چھوڑ کر حضرموت میں ڈیرے ڈال دیئے۔ مگر بدقسمتی سے دیگر جابر اقوام کی وجہ سے یہ لوگ حضرموت میں بھی سکونت اختیار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر میں اس جگہ کو چھوڑ کر نجد میں مستقل آباد ہو گئے اور وہاں ایک عظیم الشان حکومت کی بنیاد رکھی۔

جب تک سرداری اور قبیلے کی باگ ڈور قابل، دور اندیش اور وقت شناس لوگوں کے ہاتھوں میں رہی یہ قبیلہ بڑی شان سے نجد کا حکمران رہا مگر جب قبیلے کا نظم ونسق نااہل جانشینوں کے ہاتھ آیا تو یہ قبیلہ آہستہ آہستہ اپنی قدر و منزلت اور وقار کھوتا گیا پھر ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ اس قبیلے کا نام ونشان ہی مٹ گیا۔

عرب مستعربہ

عرب مستعربہ سے مراد وہ قبائل ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ ان قبائل کو عدنانی عرب بھی کہا جاتا ہے۔ گو ہم عرب عاربہ اور عرب بائدہ کو گزشتہ صفحات میں زیر بحث لا چکے ہیں۔ مگر عرب مستعربہ کے بارے میں ہم قدرے مفصل تحریر کرنے کی کوشش کریں گے وہ اس لئے کہ اہل عرب کی اس نسلی تقسیم کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور مذکورہ قسم تو نہایت ہی اہم ہے۔ اسی نسل میں ہمارے آقا و مولا خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے۔ پھر اس نسل کے جد اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلسلہ ابراہیمی یا آل ابراہیم کہا جاتا ہے۔ اہل ایمان کے لئے اس نسل میں پاکیزہ اور کائنات میں افضل ترین ہستی کا ذکر خیر عین عبادت ہے۔ صحیح بخاری شریف میں آتا ہے کہ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بنوجرہم سے عربی زبان سیکھی یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی اولاد کو عرب مستعربہ کہا جاتا ہے۔ تاریخ عرب اور تاریخ عالم میں جس نسل کو عرب مستعربہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے گو یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل ہے مگر ان کے جد اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قدرت نے دو عظیم الشان بیٹوں یعنی حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کی دولت عطا فرمائی۔ بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام سرزمین عرب پر آباد ہوئے اور آپ علیہ السلام کی اولاد اسی جگہ آباد ہوئی جسے عرب مستعربہ کہا جاتا ہے۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے والد گرامی سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے ایک شہر ''ار'' کے

رہنے والے تھے۔ یہ شہر دریائے فرات کے مغربی کنارے پر شہر ''کوفہ'' کے قریب واقع تھا۔ شہر ''ار'' کی کھدائی کے دوران اس وقت کے جو کتبات دستیاب ہوئے ان کی مدد سے اس شہر کے بارے میں نہایت ہی قیمتی اور اہم دینی، سیاسی اور اجتماعی حالات کے بارے میں معلومات کا پتہ چلا ہے۔ اس شہر ''ار'' کو تاریخ عالم میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

تاریخ عرب کا طالب علم یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر ''ار'' سے ہجرت فرما کر حران نامی شہر میں تشریف فرما ہوئے پھر کچھ عرصہ بعد اس شہر کو بھی خیر باد کہہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سونپی گئی پیغمبرانہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے آپ علیہ السلام نے سرزمین فلسطین میں سکونت اختیار فرمائی۔ اس مرکزی جگہ سے اشاعت حق کے لئے اندرون اور بیرون فلسطین تشریف لے جایا کرتے تھے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں۔

(1) حضرت سارہ سلام اللہ علیہا (2) حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا (3) حضرت قطورا سلام اللہ علیہا

یہاں ان عظیم ازواج کے مختصر حالات بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

حضرت سارہ سلام اللہ علیہا

حضرت سارہ سلام اللہ علیہا سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی ہیں۔ ان کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر ان کے دو بیٹے ہوئے جن کو قدرت نے بڑی شان اور رفعت عطا فرمائی۔ بڑے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جو بنی اسرائیل کے جد امجد ہیں جبکہ دوسرے بیٹے عیسو تھے جن کا لقب ادوم تھا۔ ادوم حضرت یعقوب علیہ السلام سے الگ ہو کر اپنے چچا سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس سرزمین عرب میں رہائش پذیر ہوئے جبکہ دوسرے صاحب زادے مصر اور شام میں ہی مقیم رہے۔

حضرت ادوم ہجرت فرما کر اپنے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس چلے گئے جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے وہاں انہوں نے اپنی چچا زاد سے عقد فرمالیا۔ تورات میں ان کا نام یاسمہ یا محلات ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ادوم نے اور بہت سی شادیاں کیں اور یوں کثیر اولادیں ہوئیں جن میں عمالیق اور عوض وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام عوض بن ادوم کی نسل سے ہیں اور پھر یہ سلسلہ اور قوم مزید پھیلتی گئی۔ یہاں ایک خصوصی امر کی وضاحت کر دینا ضروری ہے وہ یہ کہ ادوم کا اصل نام عیسو تھا مگر عرف عام میں ان کو ادوم اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس لفظ کے معنی سرخ کے ہیں شاید ان کا رنگ سرخ تھا۔ (واللہ اعلم)

حدود حکومت

بنو ادوم سرزمین عرب میں جس جگہ آباد تھے۔ اس کا نقشہ یہ ہے۔ وہ مقام بحر میت (بحر مردار) اور خلیج عقبہ کے درمیان واقع ہے۔ اس کے شمال میں بحر میت اور فلسطین جنوب میں شمالی خلیج عقبہ اور مدین، مغرب میں جزیرہ نمائے سینا اور مشرق میں ارض مواب اور جوف جبکہ کوہ سعیر یا کوہ سراۃ طولاً شمال سے جنوب تک وسیع ہے۔ توراۃ میں

ادوم کا مقام سکونت سعیر مذکور ہے۔

1700ق م میں یہ نسل عظیم الشان حکومت کی مالک تھی عرصہ دراز تک یہ نسل اسی شان سے حکمران رہی پھر بنی اسرائیل کے ساتھ ان کا جنگی سلسلہ چل نکلا کبھی بنی اسرائیل غالب آجاتے کبھی ادوم آخر حضرت داؤد علیہ السلام نے ادوم کو فتح کر کے حکومت اسرائیل میں شامل کر لیا۔ آپ علیہ السلام کے وصال کے بعد بنی ادوم نے کئی ایک پرزور بغاوتیں کیں مگر انجام کار شاہ یہود موصیا نے بحرمیت کے ساحل پر ادوم پر حملہ کر دیا اور ان کے تقریباً دس ہزار آدمی مارے گئے شاہ یہود نے ادوم کے پایہ تخت پر قبضہ کر لیا اور اس جگہ کا نام تبدیل کر کے یقنائیل رکھ دیا۔ اسی مقام پر اسیریا کا دور شروع ہوا۔

قطورا

قطورا سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی تھیں ان کے بطن سے اہل مدین اور اہل دوان جن کو اصحاب الایکہ بھی کہا جاتا ہے پیدا ہوئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اسی نسل سے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ قطورا کے بطن سے کئی بیٹے پیدا ہوئے جن کی تعداد تقریباً 8 تھی مگر توراۃ میں صرف دو کی تفصیلی زندگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی بنومدین اور بنو دوان۔

بنو قطورا مدین

مدین جو سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیٹا تھا قطورا کہلایا۔ یہ اپنے اصل وطن سے ہجرت کرنے کے بعد اپنے بھائی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پہلو میں سرزمین عرب میں آکر آباد ہوا۔ توراۃ کے مطابق اس خاندان کا ذکر حضرت یعقوب علیہ السلام کے عہد 2000ق م میں تاجروں کے روپ میں آتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب ان کے بھائی کنویں میں پھینک گئے تو جس تجارتی قافلے نے ان کو کنویں سے نکالا تھا وہ یہی بنومدین تھے۔ ان کو بنومدین یا اسماعیلی عرب بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قبائل مدین ایک منظم طریقے سے زندگیاں بسر کرتے تھے۔ قطورا کی اس اولاد نے عرصہ دراز تک حکمرانی کی بہاریں دیکھیں۔

حدود حکومت

اہل مدین کا ملک طولاً خلیج عقبہ کے سواحل پر اس کے دھانہ یعنی خلیج سے ساحل بحر احمر وارض ثمود وحجاز تک جہاں قوم ثمود و جرہم وعرب اسماعیلی آباد تھے واقع تھا۔ مدین کی شمالی حد پیٹرا یا رقیم اور ملک شام کے قریب بحرمیت اور خلیج عقبہ کے درمیان واقع ہے۔ اور اس خاندان کی حدود شمال میں یہیں تک وسیع تھیں۔ مدین کی تاریخ کا آغاز 2000ق م کرنا چاہئے کیونکہ اس نسل کے جداعلیٰ کا زمانہ 2100ق م تا 2200ق م بنتا ہے۔ اب ظاہر ہے اولاد کا زمانہ والد کے بعد ہی ہوگا۔

(1) مختصر حالات مدین

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مدین کا زمانہ 2000 ق م سے شروع ہوتا ہے۔ یہ قوم نہایت منظم زندگی بسر کرتی تھی۔ شہر میں مذہبی رسومات کا انتظام چلانے کے لئے کاہن (مذہبی عہدہ دار) مقرر تھے۔ اکثر یہی عہدہ دار شہر کے حکمران بھی ہوتے تھے۔ توراۃ میں مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہجرت فرما کر مصر سے مدین تشریف لائے تو اس وقت یہ مذہبی عہدہ راعویل، یثرد یا جو باب کے پاس تھا۔ یہ تینوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں۔ مسلمان مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے اسماء گرامی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں مہمان ٹھہرے اور بکریاں چرانے پر مامور ہوئے بعد میں حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجیت میں دی۔

قرآن کریم میں بنو مدین کا دو وجوہات کی بناء پر ذکر آیا ہے۔ ایک حضرت شعیب علیہ السلام کی وجہ سے اور دوسرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ یا نسبت سے۔ جن آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر مدین کے حوالے سے آیا ہے یہ ہیں۔

(1) سورۃ الاعراف آیات 85، 111
(2) سورۃ توبہ آیت 70
(3) سورۃ ھود آیات 84، 95
(4) سورۃ طٰہٰ آیت 40
(5) سورۃ الحج آیت 44
(6) سورۃ القصص آیات 22، 23، 45
(7) سورۃ العنکبوت آیت 36۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سورۃ طٰہٰ آیت 40۔

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۥ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿٤٠﴾

ترجمہ۔ تو، تو کئی برس مدین والوں میں رہا۔ پھر تو ایک ٹھہرائے وعدہ پر حاضر ہوا اے موسیٰ (علیہ السلام)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: سورۃ القصص آیات 22، 23۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿٢٢﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۥ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ ۫ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿٢٣﴾

ترجمہ۔ اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوا (حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین کی طرف چلے) کہا قریب ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ بتائے۔ اور جب وہ مدین کے پانی پر آیا (کنوئیں پر پہنچا) تو وہاں لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔ اور ان سے اس طرف دو عورتیں دیکھیں کہ اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں۔ موسیٰ نے فرمایا تم دونوں کا کیا حال ہے وہ بولیں ہم پانی نہیں پلاتے جب تک سب چرواہے پھیر کر نہ لے جائیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں۔''

حضرت شعیب علیہ السلام نے اس قوم کو دین حق کی تبلیغ فرمائی مگر یہ لوگ بت پرستی اور شرک پر قائم رہے آخر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا اور یوں یہ قوم تباہ و برباد ہوگئی۔ یہ قوم بعل، فعور وغیرہ دیوتاؤں کی پوجا کرتی تھی۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ الاعراف آیت 85۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ

ترجمہ۔ اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا۔ (الاعراف 85)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا تعلق اسی مدین قوم سے تھا جس کا ذکر فرمایا گیا۔ اہل مدین کو ہدایت کے لئے جن آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام کی معرفت الٰہی کا ذکر ہے ان سب کو یہاں بیان کرنا ممکن نہیں صرف ایک دو کو بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں مزید تفصیل کے لئے قرآن کریم کی درج ذیل سورتوں سے مراجعت کرنی چاہیے۔

(1) سورۃ الشعراء (2) سورۃ طٰہٰ (3) سورۃ الاعراف (4) سورہ ہود (5) سورۃ عنکبوت۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ الاعراف آیت 85۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

ترجمہ۔ (حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا) اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ (الاعراف 85)

اہل مدین حضرت شعیب علیہ السلام کو جواب میں یہ کہا کرتے تھے۔ سورۃ ہود آیت 87۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝

ترجمہ۔ ''بولے اے شعیب (علیہ السلام) کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے خداؤں کو چھوڑ دیں۔ یا اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں ہاں جی تم بڑے عقلمند اور نیک چلن ہو''۔

آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو خطاب فرمایا وہ یہ تھا۔ سورۃ الاعراف آیت 93

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ۔ ''تو شعیب (علیہ السلام) نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم میں تمہیں اپنے ربّ کی رسالت پہنچا چکا اور تمہارے بھلے کو نصیحت کی، تو کیوں کر غم کروں کافروں کا''۔

اللہ کریم نے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر صدق دل سے ایمان لانے والوں کو بخش دیا اور باقی قوم پر عذاب نازل فرما کر اس کو برباد کر دیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ ہود آیت 94۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

ترجمہ۔ ''اور جب ہمارا حکم آیا ہم نے شعیب (علیہ السلام) اور اس کے ساتھ کے مسلمانوں کو اپنی رحمت فرما کر بچا لیا اور ظالموں کو چنگاڑ نے آلیا۔ تو صبح اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے''۔

تورات میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل نے اہل مدین سے جنگ کی اور ان پر غالب رہے تمام مردوں کو قتل کر دیا گیا جبکہ تقریباً 32 ہزار لڑکیاں لونڈیاں بنا لی گئیں اس طرح اہل مدین کی زندگیوں کا یہی آخر ہوا اور یہ ان کی آخری تاریخ تھی۔

قرآن کریم میں ذکر مدین

1. سورۃ الاعراف آیات 85، 111
2. سورۃ الحج آیت 44
3. سورۃ التوبہ آیت 70
4. سورۃ القصص آیات 22، 23، 45
5. سورۃ ہود آیات 84، 95
6. سورۃ العنکبوت آیت 36
7. سورۃ طٰہٰ آیت 40

(2) دوان یا اہل الایکہ

حضرت قطورا کے بطن سے پیدا ہونے والا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا بیٹا جس نے بہت شہرت حاصل کی دوان تھا جس کو اہل الایکہ بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں دوان کا ذکر اصحاب الایکہ کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس قوم کے پیغمبر بھی حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ چند مفسرین کے نزدیک مدین اور الایکہ ایک ہی قوم کے نام ہیں۔ مگر قرآن کریم نے مدین اور الایکہ کا الگ الگ ذکر فرما کر ان لوگوں کے خیال کو باطل ثابت کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ مدین اور الایکہ قوم الگ الگ طریقے سے برباد ہوئیں اس لئے ان دونوں کو ایک ہی قوم خیال کرنا سخت غلط فہمی اور بالکل بے بنیاد ہے۔ جو مفسرین ان دونوں قوموں کو ایک ہی خیال کرتے ہیں وہ سرزمین عرب کے جغرافیہ سے

بھی مکمل واقفیت نہیں رکھتے اس لئے وہ ایک ہی قوم خیال کرتے ہیں۔

ایکہ کے لغوی معنی جنگل کے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں یعنی الایکہ کے پیغمبر بھی حضرت شعیب علیہ السلام ہی تھے اس لئے مفسرین کو دھوکہ لگ گیا۔

حدودِ حکومت

اصل میں بنو دوان سواحل مدین کے قریب آباد تھے تورات میں اسی طرح مذکور ہے۔ تورات میں آتا ہے کہ تیما، دوان اور بوض عرب کے بادشاہ تھے۔ تیما اور دوان کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے اس لئے دوان بھی تیما کی طرح شمالی عرب میں حجاز سے شام جانے والے راستہ پر آباد تھے۔ یمن سے بحر احمر کے ساحل کے کنارے کنارے مدین وحجاز سے گزر کر خلیج عقبہ کے کنارے سے تیما وغیرہ کو قطع کرتی ہوئی یہ نہایت ہی قدیم تجارتی سڑک ہے۔ یہی سڑک زمانہ قدیم میں یمن، مصر اور شام کے تجارتی قافلوں کی واحد گزرگاہ تھی۔ وادی القریٰ، مسکن ثمود، مدین کی جائے رہائش، قوم لوط، تبوک، تیما اور رقیم اسی سڑک پر حجاز وشام کے درمیان واقع ہیں۔ تورات کے مطابق اسی جگہ دوان کی نسل آباد تھی اور حکمران تھی۔ پھر سب سے قوی ثبوت قرآن کریم سے ملتا ہے ارشاد ہوتا ہے ''اصحاب الایکہ'' بھی اسی سڑک کے کنارے آباد تھے۔

مختصر حالات دوان یا الایکہ

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اہل الایکہ اس مشہور تجارتی سڑک پر آباد تھے جو تیما وغیرہ کو قطع کرتی ہوئی ثمود اور مدین کی جائے رہائش وغیرہ سے گزرتی تھی۔ الایکہ کے لغوی معنی کا بیان بھی گزر چکا ہے۔ پھر ان معنوں کو مزید تقویت قرآن کریم کے ارشاد سے ملتی ہے فرمایا۔ سورۃ الحجر آیات 78، 79۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ۝٧٩

وَإِنْ كَانَ أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ لَظٰلِمِينَ ۝٧٨

ترجمہ۔ ''اور بے شک جھاڑی (جنگل) والے ضرور ظالم تھے۔ تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور بے شک یہ دونوں بستیاں کھلے راستہ پر پڑتی ہیں''۔ (سورۃ الحجر آیات 78، 79)

قرآن کریم کے اس ارشاد اور تورات دونوں کے مطابق یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ دوان یا اصحاب الایکہ کا اصل مسکن یہی شاہراہ تھی۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے اصحاب الایکہ کو جنگل والا کیوں کہا ہے۔ کیا ان کا اصل وطن جنگل تھا۔ قرآن کریم کے اس فرمان میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اصحاب الایکہ کا اصل وطن واقعی جنگل تھا۔ اور پھر تقریباً 800 برس بعد تک بھی ان کا مسکن جنگل ہی رہا۔ ایک یونانی جغرافیہ دان برٹن کہتا ہے۔

''خلیج عیلانہ (عقبہ) جس کے پیچھے نبطی عرب آباد ہیں ارض مدین ہے۔ یہ وسیع اور مسطح جگہ ہے۔ یہاں پانی کثرت سے پایا جاتا ہے۔اور ہر طرف درختوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ یہ درخت قد آدم سے بھی زیادہ بلند ہیں۔جنکی وجہ سے جنگلی اونٹ، ہرن، بارہ سنگے گلوں میں رہتے ہیں۔اس کے علاوہ مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کے گلوں کی کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔مگر اس کے ساتھ وہاں شیر اور بھیڑیوں کا وجود بھی ملتا ہے۔جس کی وجہ سے یہاں کے باشندے قدرتی سہولتوں کے ساتھ ان درندوں کی وجہ سے بدقسمت بھی ہیں''۔قوم دوان اہل مدین کی طرح ایک تاجر قوم تھی اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔قرآن حکیم میں قوم دوان یا الایکہ کا ذکر چار سورتوں میں موجود ہے۔تفصیل کے لئے قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے یہاں صرف سورتوں کے نام تحریر کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

(1) سورۃ الحجر آیت 78 (2) سورۃ ص آیت 13

(3) سورۃ ق آیت 14 (4) سورۃ الشعراء آیت 176

گوان سورتوں میں اس قوم پر عذاب کا ذکر موجود ہے لیکن ان پر کلی عذاب مسلط نہیں کیا گیا تھا۔ کیونکہ اگر کلی عذاب مسلط کیا جاتا تو اس قوم کا نام ونشان ہی مٹ جاتا جبکہ اس قوم کا بعد میں 600ق م میں بھی بخت نصر (605ق م-562ق م) کے عہد تک ذکر موجود ہے۔ بخت نصر نے اس قوم کو اپنی تلوار کے زور پر ختم کر دیا تھا۔ قوم دوان یا الایکہ کا جس قدر ذکر مقصود تھا یہاں تحریر کر دیا گیا ہے۔

(3) بنو ہاجرہ سلام اللہ علیہا

حضرت ہاجرہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی تھیں۔ عمر میں یہ حضرت سارہ اور حضرت قطورا سے چھوٹی تھیں اور آخری بیوی تھیں۔ انہی کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے جبکہ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے جو بنی اسرائیل کے جداعلیٰ تھے۔ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا فرعون مصر کی بیٹی تھیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ سلام اللہ علیہا مصر تشریف لے گئے تو اس وقت کے فرعون مصر نے اپنی بیٹی حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو سیدنا حضر ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کو بخش دیا۔خود حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نے حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقد میں بطور زوجہ دے دیا۔

حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا فرعون مصر کی بیٹی تھیں فرعون نے اپنی اس بیٹی کو ہی نہیں بلکہ اور بہت سا انعام واکرام دے کر حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کے سپرد کر دیا۔ بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کی لونڈی تھیں۔اس لئے بنی اسماعیل بنی اسرائیل کے برابر

نہیں۔ بنی اسرائیل کا خود کو اس وجہ سے بنی اسمٰعیل سے مقدم خیال کرنا اصولی طور پر ہی غلط ہے۔ دوسرا حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو لونڈی کہنا بالکل غلط ہے کیونکہ وہ تو فرعون مصر کی بیٹی ہونے کے رشتے سے شہزادی تھیں۔ پھر تاریخ شاہد ہے کہ اس وقت مصر پر حکمران خاندان عرب کی ہی ایک قوم سام تھی جن کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نسبی تعلقات تھے۔ اسی وجہ سے فرعون نے اپنی بیٹی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تاکہ ازدواجی نسبت قائم ہو جانے کی وجہ سے نسبی تعلقات مزید مستحکم ہوسکیں۔ امید ہے ہمارے یہ دلائل بنی اسرائیل کے خود ساختہ اعتراض کا مکمل رد اور جواب ثابت ہوں گے۔

حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کا عقد

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک مرتبہ اپنی پہلی زوجہ محترمہ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کے ہمراہ مصر تشریف لے گئے۔ فرعون مصر بد عادات کا مالک تھا اس نے جب حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کے حسن و جمال کے بارے میں سنا تو ان کو بری نیت سے اپنے دربار میں طلب کیا۔ اس موقعہ پر حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نے اللہ کریم سے دعا مانگی جو فوری قبول ہوئی اور نتیجہ میں فرعون کی ایسی غیبی گرفت ہوئی کہ وہ ہاتھ پاؤں مارنے لگا اور شدید ترین مصیبت میں پھنس گیا اس طرح فرعون کی بری نیت اس کے لئے عذاب بن گئی۔ فرعون اپنی اس حالت کی نوعیت کو فوراً سمجھ گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ خاتون اللہ تعالیٰ کی مقرب خاتون ہیں۔ فرعون نے فوراً توبہ کی اور حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کی کرامت سے متاثر ہو کر ان کو نہ صرف کثیر مال و زر ہی دیا بلکہ یہاں تک کہ اپنی بیٹی یعنی شہزادی حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو بھی حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کی خدمت کے لئے پیش کر دیا۔ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نے خود حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی دونوں بیویوں کے ہمراہ واپس فلسطین تشریف لائے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت مبارکہ

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں پہلی زوجہ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا سے کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا مانگی۔ دعا قبول ہوئی اور یوں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی بیوی حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہ السلام عطا فرمایا۔ یہ نام اسماعیل علیہ السلام حسب حکم الٰہی رکھا گیا۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارکہ 86 سال تھی۔

اسماعیل علیہ السلام عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ خالص عبرانی میں شماع ایل ہے۔ یعنی شماع (سماع) سننا اور ایل (اللہ) اس کے لفظی معنی "خدا کا سننا ہے" اللہ تعالیٰ نے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سنی اس لئے بچے کا نام ہی اسماعیل رکھا گیا۔

جلاوطنی

حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کے ہاں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو حضرت سارہ سلام اللہ علیہا جو بے اولاد تھیں ان کو بڑی غیرت آئی۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کیا کہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا اور ان کے نوزائیدہ بیٹے کو الگ کردیں۔ حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کی بات ماننا پڑی اور یوں آپ علیہ السلام حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ہمراہ لے کر عرب کی طرف تشریف لے گئے۔ حجاز کے مقام پر پہنچ کر ان دونوں کو ایک بے آب و گیاہ وادی میں ٹھہرایا جو بیت اللہ شریف کے قریب تھی۔ اس وقت بیت اللہ شریف تو نہ تھا البتہ صرف ایک ٹیلے کی طرح ابھری ہوئی زمین تھی جب سیلاب آتا تو پانی ادھر ادھر سے بہہ کر گزر جاتا تھا۔

قرآن کریم (سورۃ ابراہیم آیت 37) نے اس مقام کا نام وادی غیر ذی زرع (ناقابل کاشت) بتایا ہے۔ یہ وادی کعبہ مکرمہ کے قریب واقع ہے۔ اس کو وادی فاران بھی کہا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل اس وادی کو مدین کہتے ہیں جبکہ مسلمان اس علاقہ کو حجاز کہتے ہیں۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ اس وقت عربی زبان نہ تھی اس لئے تورات نے اس جگہ کا نام "مدبار" یعنی بادیہ بتایا ہے جبکہ قرآن کریم اس وادی کو "وادی غیر ذی زرع" یعنی اسی جگہ جہاں کھیتی باڑی نہیں ہوتی کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اس طرح "مدبار، بادیہ اور وادی غیر ذی زرع" دونوں معنی کے اعتبار سے ہم پلہ اور ہم معنی ہیں۔

وادی غیر ذی زرع میں ہر طرف ھُو کا عالم تھا وہاں نہ پانی تھا نہ ہی سبزہ اور دور دور تک کسی آدم زاد کا نام و نشان تک نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کو وہاں چھوڑ کر واپس فلسطین تشریف لے آئے چند دنوں کیلئے کھانے پینے کا کچھ سامان ان کے پاس چھوڑ دیا۔ آپ علیہ السلام نے جو کھجوریں اور پانی چھوڑا تھا وہ چند ایام کے بعد ختم ہو گیا اور حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سخت مشکل پیش آئی۔ اس وقت قدرت نے زمزم کا چشمہ پیدا فرمایا۔ اس واقعہ کی یہاں تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ واقعہ ہر مسلمان کو اچھی طرح معلوم ہے۔ آب زمزم کی وجہ سے سامان حیات پیدا ہو گیا۔ اور یوں قدرت نے ان دونوں ہستیوں کو تکلیف سے کافی حد تک نجات عطا فرمائی۔

بنی جرہم کی آمد

حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا اور سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کچھ عرصہ مذکورہ جگہ پر رہتے ہوئے گزر گیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت کم عمر ہی تھے۔ یمن سے ایک قبیلہ اس مقام مذکورہ پر آکر ٹھہرا۔ اہل قبیلہ نے جب اس ویران جگہ پر قدرت کا عظیم عطیہ آب زمزم دیکھا تو سیدہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا سے وہاں رہنے کی

اجازت طلب کی۔ اجازت مل جانے پر وہ قبیلہ وہیں مقیم ہو گیا۔ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا نے اہل قبیلہ کو صرف رہنے کی اجازت دی تھی۔ وہ آب زمزم کو استعمال کر سکتے تھے مگر ان کا آب زمزم پر کوئی حق نہیں تھا۔ قبیلہ بنی جرہم پہلے مکہ مکرمہ کے اطراف وادیوں میں سکونت پذیر تھا یہ قبیلہ اس سے پہلے بھی اس وادی سے گزر چکا تھا مگر پہلے یہ ویران اور غیر آباد جگہ تھی اس لیے قبیلے والے یہاں کبھی نہ ٹھہرے۔ صحیح بخاری شریف کتاب الانبیا صفحہ 474-475 پر اس کا ذکر موجود ہے۔

ذبیحہ عظیم

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی زوجہ محترمہ اور فرزند ارجمند کے پاس وقتاً فوقتاً تشریف لایا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام کتنی بار اس جگہ تشریف لائے اس سلسلے میں حتمی تعداد کا تو معلوم نہیں البتہ تاریخی ماخذ کا مطالعہ کیا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس جگہ چار مرتبہ تشریف لانا ثابت ہے۔ یہاں ہم اس کو کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کر رہے ہیں۔

1۔ سورۃ صافات (الصّٰفّٰت) آیات 103 تا 111 کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حکم فرمایا کہ وہ اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں ذبح کریں۔ گو بظاہر یہ خواب تھا مگر حقیقت میں یہ حکم الٰہی تھا۔ اس حکم کے بعد سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے روانہ ہو کر مکہ تشریف لائے اور اپنے جگر گوشہ کو حکم الٰہی سے آگاہ فرمایا۔ تابع فرمان بیٹے نے حکم الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور یوں دونوں برگزیدہ باپ بیٹا اس حکم کی تکمیل کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیشانی کے بل لٹایا اور چھری سے ذبح کا عمل شروع کیا مگر حکم الٰہی سے چھری نے اپنا کام نہ کیا اور اسی وقت وحی نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ''اے ابراہیم (علیہ السلام) آپ نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں''۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کا یہ فعل یقیناً ایک عظیم آزمائش تھی جس پر وہ پورے اترے۔ بدلے میں اللہ کریم نے جنت سے ایک مینڈھا (دنبہ) نازل فرمایا جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح فرمایا۔ اور یوں قیامت تک اہل حق و ایمان کے لئے سنت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام پر عمل کرنا واجب ٹھہرا۔

بائبل میں کتاب پیدائش کے باب میں مذکور ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تیرہ سال چھوٹے تھے۔ اس بات کا دوسرا ثبوت قرآن کریم میں موجود ہے۔ کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کے واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر و بشارت کے بارے میں فرمایا ہے۔ اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جوانی سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے۔

(2) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پہلی شادی

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ بنی جرہم جو وہاں آباد ہو چکا تھا اس میں رہتے ہوئے ان لوگوں سے عربی زبان سیکھی۔ آپ علیہ السلام کی عادات، حسن سلوک اس قدر اعلیٰ اور متاثر کن تھا کہ اہل جرہم نے اپنی ایک خاتون کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کر دی۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کا وصال ہو گیا۔ ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اہل وعیال سے ملاقات کئے ہوئے عرصہ گزر گیا تھا۔ ملاقات کے لئے آپ علیہ السلام فلسطین سے چل کر مکہ مکرمہ تشریف لائے حسن اتفاق سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کسی مصروفیت کی بنا پر گھر سے باہر تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پتہ پوچھ کر بیٹے کے گھر تشریف لے گئے وہاں بہو سے ملاقات ہوئی۔ بہو کا سلوک سسر کے ساتھ اچھا نہ تھا حال احوال دریافت کئے تو اس نے تنگ دستی کی شکایت کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہو کو وصیت فرمائی کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر تشریف لائیں تو ان سے کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں۔ یہ وصیت فرمائی اور واپس تشریف لے گئے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر واپس تشریف لائے تو بیوی نے والد گرامی کی تشریف آوری اور وصیت کے بارے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو خبر دی۔ آپ علیہ السلام وصیت کا مطلب فوراً سمجھ گئے اور بیوی کو طلاق دے دی۔ ہم نے یہ روایت صحیح بخاری شریف سے نقل کی ہے جو سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے۔

از صحیح بخاری جلد اوّل صفحہ 474-475

(3) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دوسری شادی

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بنی جرہم کے سردار مضاض کی بیٹی سے دوسری شادی کی۔ بنی جرہم کی پہلی خاتون جس سے شادی کی تھی اسکو طلاق دے دی تھی۔ تاریخ عرب میں آتا ہے کہ تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر بیٹے سے ملاقات کے لئے فلسطین سے چل کر مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ اس دفعہ بھی حسن اتفاق سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ملاقات نہ ہو سکی مگر آپ علیہ السلام کی بہو نے سسر کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کے ساتھ ملاقات کے بغیر واپس تشریف لے گئے اور بہو کو وصیت فرمائی کہ جب بیٹا گھر آئے تو اس کو کہنا کہ دروازے کی چوکھٹ بدستور رہنے دے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب گھر تشریف لائے تو بیوی نے والد گرامی کا پیغام دیا۔ اس مرتبہ بھی ملاقات نہ ہونے کا از حد افسوس ہوا مگر چوکھٹ برقرار رکھنے کا سن کر بڑی مسرت حاصل ہوئی۔

روایت از تاریخ عرب وقلب جزیرۃ العرب صفحہ 230 وغیرہ

(4) تعمیر کعبہ مکرمہ

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے مکہ مکرمہ اہل خانہ سے ملاقات کی غرض سے تین بار پہلے بھی تشریف لائے صرف ایک بار بیوی اور بیٹے سے ملاقات ہو سکی۔ اب چوتھی بار پھر تشریف لائے۔ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام آب زمزم کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھے تیر تیار کر رہے تھے۔ جوں ہی والد مکرم پر نظر پڑی فوراً ان کی طرف لپکے ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ اتنے طویل عرصہ کے بعد یہ ملاپ کیسا تھا دونوں بزرگوں کی قلبی کیفیت کیا تھی اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کیفیت کو ہر صاحب دل اچھی طرح جانتا اور محسوس کر سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم خداوندی کے مطابق بیٹے کے ساتھ مل کر خانۂ خدا کی بنیاد رکھی اور پھر اس کی تکمیل فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس پتھر پر تشریف فرما ہو کر تعمیر کعبہ مکمل کی وہ جگہ قیامت تک ''مقام ابراہیم'' (البقرہ 125، آل عمران 97) کے نام سے اہل ایمان کے لئے زیارت گاہ رہے گی۔ اس طرح ان برگزیدہ ہستیوں نے نہ صرف خانہ کعبہ ہی تعمیر کیا بلکہ مکہ مکرمہ کا شہر بھی آباد کیا۔ تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو حج کی دعوت دی۔ بنی جرہم سمیت گردونواح کے قبائل نے اس دعوت پر لبیک کہا اور یوں ہر سال ہزاروں انسان طواف کعبہ کے لئے جوق در جوق بیت اللہ میں آنے لگے۔

میقات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میقاتوں کا جو تعیّن بنفس نفیس فرمایا ان کی مسافت مکہ مکرمہ سے مندرجہ ذیل ہے:۔

ذوالحلیفہ یعنی مسجد شجرہ (ابیار علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) باشندگانِ مدینہ اور اس سمت سے مکہ مکرمہ جانے والوں کی میقات ہے جو کہ مکہ مکرمہ کی شمال کی جانب 410 کلومیٹر اور مسجد نبوی سے 10 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ شام والوں کے لئے مکہ مکرمہ سے 182 کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع جحفہ، اہل نجد کے لئے مکہ مکرمہ سے 80 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع قرن منازل، یمن والوں کے لئے مکہ مکرمہ سے 130 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع یلملم اور اہل عراق کے لئے مکہ مکرمہ سے 90 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ذات عرق کو میقات مقرر فرمایا۔

از:

(1) سورۃ الحج۔ آیات 27۔28۔29۔

(2) طبقات ابن سعد جلد اوّل

(3) سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 111

(4) سورۃ البقرہ آیت 125، آل عمران 97

اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاں بنت مضاض سے اللہ تعالیٰ نے بارہ صاحبزادے عطا فرمائے جن کے نام یہ تھے۔

(1) بنایوط
(2) قیدار
(3) اوبائیل
(4) مبشام
(5) مشماع
(6) دوما
(7) میثا
(8) حدد
(9) تیماء
(10) یطور
(11) نافیش
(12) قیدماہ

اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارہ بیٹے بارہ خاندانوں کے رئیس ہوئے۔ ان بیٹوں میں سب سے بڑا بیٹا بنایوط تھا جبکہ سب سے چھوٹے بیٹے کا نام قیدار تھا۔ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے یہ تمام بیٹے اپنے والد گرامی کی عمر میں اور بہت عرصہ بعد تک حجاز مقدس میں ہی آباد رہے۔ یہ سب اپنے چچازاد بھائیوں یعنی فرزندان مدین کے ساتھ مل کر یمن وحجاز سے شام ومصر تک تجارتی قافلوں کے ہمراہ خوشبودار اشیاء کی تجارت کیا کرتے تھے۔ شام اور یمن کے درمیان شہر مکہ مکرمہ تھا اس لئے بنو اسماعیل بہت جلد تجارتی میدان میں ترقی پا گئے۔ بنی اسرائیل اسماعیلیوں کو کبھی اسماعیلی اور کبھی والدہ کی نسبت سے ہاجری کہتے ہیں۔ توراۃ میں انہی ناموں سے ان کا ذکر ملتا ہے۔ توراۃ میں سب سے پہلے بحیثیت تاجر قوم 2000 ق م میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں بنو اسماعیل کا ذکر آتا ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو کنویں میں ڈال دیا تو جس کارواں نے ان کو کنویں سے نکال کر امیر (عزیز) مصر کے ہاتھوں فروخت کیا تھا وہ لوگ اسماعیلی اور مدیانی ہی تھے۔ بنی اسماعیل کا شمار نہایت دولت مند قوموں میں ہوتا تھا۔ اس قوم کے مرد کانوں میں سونے کے زیور پہنتے اور اونٹوں کے گلے میں سونے کے قلاوے ڈالتے تھے۔ تقریباً 1050 ق م کے قریب جب حجاز میں قوم اسماعیل تعداد میں بہت زیادہ ہوگئی تو یہ نقل مکانی کرتے کرتے نجد و حدود عراق تک پھیل گئی۔ اہل یہود بھی اس روایت کی تائید کرتے ہیں۔ یہاں ذیل میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے

ان بارہ بیٹوں کے خاندان کا مختصراً الگ الگ اہمیت کے اعتبار سے حال بیان کرر ہا ہوں۔

(1) مشماع

مورخین عرب لکھتے ہیں کہ نجد میں ایک خاندان آباد تھا جس کا نام مسما تھا۔شاید اس سے ان کی مراد یہی خاندان مشماع ہو۔کیونکہ اکثر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اصل نام اپنی ہیئت کھو کر کچھ نہ کچھ ردو بدل وتبدیلی کے ساتھ ہی بولے اور لکھے جاتے ہیں۔

(2) مبشام

مبشا کا خاندان کہاں آباد ہوا اس کے بارے میں تاریخ عالم، تاریخ عرب اور دیگر کتب خاموش ہیں۔

(3) اوبائیل

اس خاندان کے بارے میں بھی تاریخ عرب اور خاص طور پر تورات تک میں کوئی ذکر نہیں ملتا البتہ ایک یہودی مورخ یوسیفوس لکھتا ہے کہ یہ خاندان اسماعیلی نیل وفرات کے درمیان آباد تھا۔اس یہودی مورخ کی تحقیق کس حد تک درست اور کس تاریخی کتاب سے ماخوذ ہے اس سلسلے میں کوئی ذکر موجود نہیں۔

(4) میشا

یونانی وعرب جغرافیہ دان شہادت دیتے ہیں کہ حدود عراق میں اس خاندان کے آثار ملتے ہیں۔یاقوت حموی جغرافیہ دان کے بقول بصرہ وواسط کے درمیان میسان نامی ایک شہر آباد تھا یہودی اس شہر کا بڑا احترام کرتے تھے۔ یہودیوں کے نزدیک اس شہر میں حضرت عزیر علیہ السلام دفن ہیں اور داؤد علیہ السلام بھی۔اس شہر کے اکثر باسی یہودی ہی تھے۔پھر سفر الایام نے جن اسماعیلیوں کا بادیہ عراق میں آباد ہونا لکھا ہے شاید اس کی مراد اسی خاندان سے ہو۔

(5) حدد

املا کے اعتبار سے اس لفظ کو دو طریقوں سے لکھا اور بولا گیا ہے یعنی حدد یا حدر بہر حال جزیرۃ العرب میں حدد نام کے مختلف جگہوں پر آثار پائے جاتے ہیں۔تیماء کے قریب ایک پہاڑی ہے جس کا نام حدد ہے۔اسی طرح نجد میں ایک قطعہ زمین ہے جس کو حدد کہا جاتا ہے۔ایک یورپی سیاح نیو بہر کے مطابق یمن کی حد پر ایک شہر حدیدہ واقع ہے۔اس کے خیال میں یہ شہر خاندان حدد یا حدر کا مسکن تھا۔بہر حال قطعی طور پر کسی نے بھی اس خاندان کی جائے رہائش کا وثوق سے ذکر نہیں کیا۔

(6) یطور

خاندان یطور ساؤل کے زمانہ میں یعنی 1050 ق م کے قریب حدود شام کے صوبہ حوران میں آباد تھا۔ اس خاندان نے بنی اسرائیل کے ساتھ سخت معرکہ آرائی کی مگر آخر میں بنی اسرائیل ان پر غالب آئے اور یوں بعد میں اس خاندان کے حالات تقریباً ناپید ہی ہو گئے۔

(7) دوما

مدینہ منورہ اور شام کے درمیان ایک مشہور مقام ہے جو اب تک اسی نام سے مشہور ہے۔ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس بیٹے دوما کا خاندان حجاز سے نقل مکانی کرنے کے بعد اسی جگہ آباد ہوا تھا۔ شمالی عرب میں واقع اس مقام کو دومتہ الجندل کے نام سے پکارا جاتا ہے اور آجکل سعودی عرب کے شمالی صوبہ الجوف کا اہم تاریخی مقام ہے۔ زمانہ قدیم میں یہی خاندان دوما یا دومہ یہاں آباد تھا۔ ان کا زیادہ تر پیشہ تجارت تھی۔

(8) نافیش

جیسا کہ اوپر خاندان یطور کے بارے میں ذکر گزر چکا ہے کہ وہ خاندان شام کے صوبہ حوران میں آباد تھے۔ یطور کے ہمراہ اس کے بھائی نافیش کا خاندان بھی اسی علاقہ میں آباد تھا۔ معجم البلدان میں تحریر ہے کہ اس خاندان نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ مل کر بنی اسرائیل کے خلاف جنگ میں شرکت کی تھی۔ اور شکست کے بعد یہ دونوں خاندان کہاں آباد ہوئے ان کا کیا بنا تاریخ اس سلسلے میں خاموش ہے۔

(9) تیماء

جزیرۃ العرب اور شام میں اس خاندان تیماء کی ایک قدیم آبادی موجود تھی۔ توراۃ میں حضرت ایوب علیہ السلام کے زمانہ میں اس خاندان کی فوجی قدر و منزلت اور اہمیت کا ذکر آتا ہے۔ ظہور اسلام کے وقت اس علاقہ میں یہودی آباد تھے۔ 800 ق م کی تاریخ میں سرزمین تیماء کا ذکر موجود ہے۔

(10) قیدماہ

قیدماہ کا خاندان خلیج فارس کے قریب آباد تھا۔ قرآن کریم میں اصحاب الرس قبیلہ کا ذکر آتا ہے۔ بعض مورخین اسی اصحاب الرس سے قیدماہ خاندان مراد لیتے ہیں۔ قیدماہ اور اصحاب الرس کی بحث میں مفسرین کا شدید اختلاف ہے۔ مشہور زمانہ اسلامی مورخ و محقق ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ان مفسرین کی تین الگ الگ روایات کا

ذکر کیا ہے جس میں لفظ الرس کی تشریح موجود ہے۔ یعنی

(1) لفظ راس کا معنی ''کنواں'' ہے۔ ایک قوم نے اپنے پیغمبر کو کنویں میں ڈال دیا تھا اس لئے اس قوم کا نام ہی اصحاب الرس مشہور ہو گیا۔

(2) آذر بائیجان کے اس پار الرس نام کا ایک ملک آباد ہے۔ وہاں کے باشندوں کو اصحاب الرس کہا جاتا ہے۔ (تاریخ کا ہر طالب علم اچھی طرح جانتا ہے کہ آذر بائیجان ایران کا صوبہ تھا جس پر روس نے قبضہ کر لیا تھا۔ اب یہ آزاد اسلامی ریاست ہے۔ ایران کے شمال مغرب میں بھی آذر بائیجان کا صوبہ موجود ہے۔ جس کے مشہور شہروں میں موقان، تامین اور اردبیل شامل ہیں)۔ ہوسکتا ہے یہ ناموں کی مماثلت ہو یا یہی اصل جگہ ہو اور اس طرف سے آگے روس کا ملک شروع ہو جاتا ہے اس اعتبار سے شاید یہاں رس سے مراد ملک روس ہو۔ (واللہ اعلم)

(3) الرس کو غار کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے جس سے مراد اصحاب الاخدود ہیں۔ طبری نے تو مفسرین کی اصحاب الرس کے بارے میں روایات کا ذکر مذکورہ الفاظ سے کیا ہے جو شاید اس کے نزدیک سب کی سب درست ہیں یا پھر ان میں کوئی ایک درست ہوگی۔ مگر ایک اور مشہور تاریخ نویس مسعودی بڑے وثوق کے ساتھ اصحاب الرس یا قیدماہ کی تاریخ کچھ اس طرح بیان کرتا ہے۔

''اصحاب الرس سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اس اولاد کے پھر دو مشہور قبیلے بن گئے۔ قیدمان اور یامین یہ دونوں قبیلے یمن میں آباد تھے۔ مختصراً قیدمانی شاید قیدماہ کی ہی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ کیونکہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اکثر نام تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے لاہور کا نام ''لاھو'' تھا مگر زمانہ گزرنے کے بعد ''لاہور'' بن گیا۔ اسی طرح ''قصو'' ابتدائی نام تھا مگر بگڑتے بگڑتے ''قصور'' بن گیا۔ قوم قیدماہ کی اس سے زیادہ تاریخ کا حال نہیں ملتا۔ قرآن کریم میں بھی اصحاب الرس کا دو جگہ (سورۃ فرقان آیت 38۔ سورۃ ق آیت 12) پر ذکر آیا ہے لیکن تفصیل سے نہیں فرمایا گیا۔ قرآن کریم نے جہاں قوم عاد اور ثمود کا گنہگاروں کی فہرست میں ذکر کیا ہے وہاں اصحاب الرس کو بھی گنہگاروں کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ سورۃ فرقان آیت 38

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾

ترجمہ۔ اور عاد اور ثمود اور کنویں والوں کو (ہلاک کیا گیا) اور ان کے بیچ میں بہت سی سنگتیں (امتیں)۔

(11) بنایوط یا نبط

لفظ نبط کی عربی زبان میں جمع ''ابناط'' ہے۔ بنایوط حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے کا نام تھا اور بعض اس کو نبط بھی کہتے ہیں۔ اہل عرب اس کو عام طور پر نابت کہتے ہیں۔ عرب مورخین کے مطابق خانہ کعبہ

کی اول تولیت سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد آپ علیہ السلام کے اسی بیٹے کے پاس تھی۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ بنونبط حجاز مقدس میں ہی آباد تھے۔ یہودی مورخین بیان کرتے ہیں کہ اہل بنایوط عراق میں آباد تھے۔ حقیقت یہ ہے جو قدیم تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ اہل بنایوط ابتداء میں حجاز میں ہی آباد ہوئے۔ کعبہ کے متولی تھے پھر وقت گزر جانے کے ساتھ جب ان کی آبادی میں متواتر اضافہ ہوتا گیا تو ان میں سے بعض نقل مکانی کر کے عراق تک آباد ہو گئے۔ یہ لوگ خانہ بدوشانہ زندگیاں بسر کرتے تھے۔ بنایوط کا تحریری حیثیت سے نام ساتویں صدی ق م (قبل مسیح) میں نظر آتا ہے۔ حزقیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''بنایوط کی بھیڑیں نذر میں لی جائیں گی۔'' اسی زمانہ میں جب اہل روم نے شام پر قبضہ کرنا چاہا تو ان کی سب سے پہلی جنگ انہی اہل بنایوط کے ساتھ ہوئی تھی۔ شام اور عرب کی سرحد کے ساتھ ساتھ ان بنایوط کی ایک عظیم الشان حکومت قائم تھی۔

اہل عرب اور خاص طور پر عرب مورخین اس قوم بنایوط سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے یہ لوگ ابناط کے نام سے واقف ہیں۔ اسی لئے بعض اوقات ابناط کو بھی آرامی کے نام سے لکھتے ہیں۔ پھران کے بقول اس قوم کا مسکن ملک شام اور عراق تھا۔ اس امر کی ہم اوپر وضاحت کر چکے ہیں۔ بہر حال ابن خلدون لکھتا ہے کہ ''جہاں تک مجھے معلوم ہے عربوں کی سب سے پہلی حکومت عمالقہ کی تھی پھر ارم بن سام جو ارمانی کے نام سے مشہور تھے۔''

یہاں ارمانی سے ابن خلدون کی مراد ابناط یا بنایوط قوم ہی ہے۔

اسی طرح یاقوت لکھتا ہے۔ ''اہل عرب کے نزدیک ہر وہ شخص جو چرواہا یا سپاہی نہ ہو وہ نبط ہے'' (از یاقوت 23 عربہ)۔

اہل عرب عام طور پر اہل نبط یا بنایوط کو غیر عرب خیال کرتے ہیں۔ ان کے ہاں جیسے عرب اور عجم دو الگ الگ نام ہیں بالکل اسی طرح عربی اور نبط بھی دونوں الگ الگ نام ہیں۔ اہل عرب کے اس نظریہ کی وجہ دونوں میں معاشرت، طرز زندگی اور زبان کا اختلاف ہے۔ بنایوط بدوی اور خانہ بدوشانہ زندگیاں بسر کرنے کی وجہ سے اپنا نسب ہی محفوظ نہ رکھ سکے۔

فرمان حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے۔

''لوگو نسب نامہ سیکھو۔ عراق کے نبط کی طرح نہ بن جاؤ کہ جب ان میں سے کسی سے پوچھا جاتا کہ تم کس خاندان سے ہو تو جواب دیتے کہ ہم فلاں شہر کے ہیں۔''

فرمان سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسی طرح سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ان کا نسب پوچھا تو آپ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا ''ہم کوفی شہر عراق کے نبط ہیں۔''

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسماعیلی قریشی عرب ہیں۔

مذکورہ اقوال خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ نبط اسماعیلی عرب ہیں جو کثیر تعداد اولاد ہونے کی وجہ سے حجاز سے لے کر عراق تک پھیلے ہوئے تھے۔ پھر یہ اولاد بنایوط اندرون عرب بھی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ تاریخ عرب میں شمالی عرب کے وہ اکثر قبائل جو غلطی سے قحطانی کہلاتے ہیں اصل میں اولاد بنایوط یا نابتی ہیں۔ ان میں غسان، اوس وخزرج وغیرہ بھی شامل ہیں۔ یہ لوگ اس علاقے میں نابت بن اسماعیل علیہ السلام کی باقی بچ جانے والی نسل میں سے تھے۔

حدودِ حکومت

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے بیٹے بنایوط کی اولاد ابناط عرصہ دراز تک قبائل عرب کی طرح بحر احمر سے لے کر بحر فرات تک متصل وادیوں اور صحراؤں میں بدویانہ زندگی گزارتے ہوئے آباد رہی۔ ان کی اس زندگی کا زمانہ 2000 ق م (قبل مسیح) عہد حضرت اسماعیل علیہ السلام سے 700 ق م تک کا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تورات میں بنایوط فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر 2000 ق م (قبل مسیح) کے ضمن میں آتا ہے۔ اس طرح پیغمبر خدا حضرت حزقیل علیہ السلام۔ نے تقریباً 700 ق م (قبل مسیح) میں بھی اس قوم کا ذکر کیا ہے کہ ''بنایوط کی بھیڑیں نذر میں لی جائیں۔''

بنایوط کا حلقہ حکومت مغرب میں بحر احمر اور مشرق میں خلیج فارس تک وسیع تھا۔ پھر اس علاقے کے درمیان سنگستان وریگستان عرب اور بعض دیگر علاقوں پر بھی یہی قوم قابض تھی اور وہاں ان کی آبادیاں موجود تھیں۔ یوسیفوس جو پہلی صدی مسیحی میں تھا بیان کرتا ہے۔ ''ملک عرب بحر احمر سے نہر فرات تک اسماعیل (علیہ السلام) کے 12 بیٹوں کے قبضہ میں ہے۔ اسی وجہ سے اس ملک کا نام بناطینہ پڑ گیا۔ ہے۔ اس کی سرحد مغرب میں مصر اور عرب سنگستان سے مل گئی ہے اور یوں بہت سے بیاباں اور بلند وفراز علاقے اس میں شامل ہیں جو مشرق کی طرف خلیج فارس تک ہیں۔ عام طور پر یہاں کے باشندوں کا نام بنایوط عرب ہے۔ (یعنی اولاد بنایوط)''۔

دارالحکومت

حالات وواقعات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ابناط کا ملک جن حدود پر مشتمل تھا حقیقت میں وہ تین قدیم ممالک کی حدود تھیں۔ یعنی ملک ثمود، ملک مدین اور ملک ادوم۔ حجر ثمود کا دارالحکومت تھا۔ شہر مدین ملک مدین کا اور پٹیرا ملک ادوم کا دارالحکومت تھا۔ ابناط جب ان علاقوں پر قابض ہوئے تو ان کی حکومت کا دارالسلطنت رقیم شہر (پٹیرا) تھا۔ یہاں اب تک بنایوط کے آثار موجود ہیں۔ پہلی صدی ق م (قبل مسیح) میں رومیوں

نے مصر و ملک شام پر قبضہ کرلیا اور پھر وہ ایک وقت میں ابناط کے دارالحکومت پیٹرا پر بھی قابض ہو گئے۔ 24 قبل مسیح میں ابناط اور شامی دونوں ہی رومیوں کی رعایا تھے۔ آخری ایام میں ابناط نے اپنا دارالحکومت پیٹرا تبدیل کر کے مقام حجر کو نیا دارالحکومت بنالیا تھا جو کسی نہ کسی حالت میں 106ء تک قائم رہا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم فرقان حمید نے اس قوم کا ''اصحاب الحجر'' (سورۃ الحجر آیت 80) کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔ شہر حجر کو عرب ''وادی القریٰ'' کہتے ہیں جس کے لغوی معنی آبادیوں کی وادی ہے اس نام سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد قدیم میں یہاں آبادیوں کی کثرت تھی۔

ابناط کے مشہور شہر

ابناط کی حدود حکومت، دارالحکومت اور تاریخ قدیم پر گفتگو ہو چکی ہے یہاں ہم ابناط کے قدیم شہروں کے نام بیان کر رہے ہیں جو ہمیں افلیتی کتاب کے باب 14 سے دستیاب ہوئے ہیں۔ مورخ یوسیفوس جو کہ مذہباً یہودی تھا ان شہروں کے یہ نام لکھتا ہے۔ یہ شہر تعداد میں دس (10) تھے۔

(1) میدابہ (2) بنالو (3) لیبس (4) ثرابسہ (5) اغالہ (6) اثون (7) صور (8) اوروں (9) مریسہ (10) لوسہ اوران کے علاوہ رقیم (پٹیرا) اور حجر وغیرہ دیگر مشہور شہر ہیں۔

مختصر تمدنی وسیاسی حالات

قوم ابناط کی ابتدائی زندگی بڑی ہی سادہ اور سیدھی سادھی تھی۔ ان لوگوں کی دولت وذریعہ معاش صرف مویشی ہی تھے۔ اس طرح یہ لوگ آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ کھلی ہوا میں سانس لیتے محنت کرتے اور زندہ رہتے۔ ان کے ہاں نہ کوئی دریا تھا نہ چشمہ نہ ہی یہ لوگ کاشت کاری کرتے تھے نہ درخت لگاتے نہ گھر بناتے۔ عیش وعشرت سے دور تھے ان کے ہاں شراب کا وجود تک نہ تھا۔ کچھ لوگ اونٹ کا گوشت استعمال کرتے اور بعض کا گزر بھیڑ کے گوشت پر تھا۔ صحرانشینوں میں یہ قوم سب سے زیادہ مال دار تھی۔ ان کا ملک کیونکہ خشک اور ویران تھا اس لئے یہ لوگ پہاڑوں میں بڑے بڑے حوض کھود کر ان میں بارشوں کا پانی جمع کر لیتے اور پھر آہستہ آہستہ اس کو استعمال کرتے رہتے تھے۔ بعض اوقات ان حوضوں کی لمبائی 250 فٹ تک ہوتی تھی۔ جنگلی شہد ان کی من بھاتی غذا تھی جس کو پانی ملا کر استعمال کرتے تھے۔ ابنایوط کے تمدن کی مذکورہ تصویر کشی یونان کے مشہور مورخ ڈائیڈورس جو کہ 80 ق م کا مورخ تھا اس نے خوبصورت انداز میں کھینچی ہے۔

جب مغربی قوموں نے اس قوم کو اپنے تمدن اور تہذیب کی بدولت شکست دینا چاہی تو مجبوراً ان لوگوں کو بھی تہذیب وتمدن کا سہارا لینا پڑا۔ یہ ایک طاقت ور قوم تھی جس نے غیروں سے محفوظ رہنے کے لئے ترقی کے تمام راستے طے کئے اور یوں تاریخ میں اپنا نام پیدا کیا۔ 24 ق م (قبل مسیح) کا ایک مورخ اسٹرابو جو اس قوم کا معاصر بھی تھا ابناط کے بارے میں بڑی دلچسپ معلومات بیان کرتا ہے۔ ان میں سے چند یہاں تحریر کر رہا ہوں۔

وہ لکھتا ہے کہ ”قوم ابناط نہ صرف عرب میں خلیج عقبہ کے ساحلی علاقوں کے بڑے حصے پر قابض تھے بلکہ اندرون اور بیرون ملک دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہاں کی زمین سرسبز و شاداب تھی اس لئے یہ لوگ بھیڑ بکریوں اور مویشیوں کی پرورش کرتے ہوئے بہت مطمئن زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کے قوانین بہت عمدہ تھے۔ دار الحکومت پٹیرا یا رقیم تھا۔ جس پر اس قوم کا ہمیشہ ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ بادشاہ ہمیشہ اپنے ساتھیوں میں سے ایک کو خود اپنا وزیر منتخب کرتا جس کو بھائی کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ بہت ہی کفایت شعار تھے جو شخص اس قوم میں سے فضول خرچی کا مرتکب ہوتا اس کو جرمانہ کیا جاتا اور جو شخص کفایت شعاری سے دولت خرچ کرتے ہوئے اس میں اضافہ کرتا اس کو حکومت انعام دیتی تھی۔ اسٹرابو مزید بیان کرتا ہے کہ قوم ابناط کے پاس بہت کم غلام تھے۔ یہ لوگ اپنی مدد آپ کے تحت زندگیاں بسر کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا بادشاہ بھی اپنا کام خود ہی کیا کرتا تھا۔ ان کا بادشاہ عوام کے سامنے جوابدہ ہوتا۔ عوام بادشاہ کے ذاتی حالات، عادات اور زندگی سے واقفیت رکھتے تھے۔ یہ لوگ مل کر کھانا کھاتے تھے بعض اوقات تو تیرہ تیرہ آدمی مل کر کھاتے تھے۔ یہ قوم جبہ یعنی کرتہ قمیص وغیرہ نہیں پہنتے کمر کے گرد تہبند (تہ بند) لپیٹ لیتے تھے۔ پاؤں میں چپل کا استعمال کرتے۔ ان لوگوں نے رہائش کے لئے شاندار مکانات تعمیر کر رکھے تھے۔ آبادیوں کے گرد کسی قسم کی شہر پناہ یا دیوار وغیرہ نہیں بناتے تھے۔ جانور ان کے ہاں کثرت سے پائے جاتے تھے۔ جانوروں میں گھوڑا نہیں ہوتا تھا۔ اونٹ ہی سفر کے لئے استعمال کرتے۔ سونا چاندی اور عمدہ قسم کی خوشبو یہاں عام دستیاب تھی۔ یہ لوگ اپنی دیگر ضروریات کے لئے زعفران، کپڑا، عود، قسط، سنگتراشی اور مجسمے وغیرہ درآمد کرتے تھے“۔

مذہب

بقول مورخ اسٹرابو ابناط مذہباً آفتاب پرست تھے۔ یہ لوگ کھلے عام سورج کی پرستش کرتے، سورج کو دیوتا مانتے اور اس کی پوجا کے لئے ان لوگوں نے مکانوں کی چھتوں پر ہیکل یا عبادت گاہیں بنا رکھی تھیں۔ ان قربان گاہوں و عبادت گاہوں پر شراب چڑھاتے اور عمدہ قسم کی خوشبو جلاتے تھے۔ قوم ابناط کی مختصراً تمدنی و مذہبی زندگی جو ہمیں اس قوم کے ہم زمانہ مورخ اسٹرابو کی تحریر سے مل سکی درج کر دی ہے۔ ظاہر ہے اس قدر قدیم زمانہ کی تمدنی و مذہبی تاریخ بیان کرنے کے لئے کسی قدیم مورخ کی تحریر کو ہی پیش کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ دیگر ذرائع کوئی تفصیل بیان نہیں کرتے۔

سیاسی حالات

قوم ابناط کے سیاسی حالات بیان کرنے کے لئے ہم نے تاریخ بابل اور چند دیگر ذرائع و کتب تاریخ سے معلومات حاصل کی ہیں۔ یہ معلومات قدرے مختصر انداز میں بیان کر رہا ہوں۔ قدیم تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اقوام ابناط 700 ق م میں سیاسی میدان میں نظر آتی ہیں۔ اسی عہد میں ابناط کے بھائی کے ساتھ بنی قیدار کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں بنی قیدار کو شکست ہوئی اور بنی قیدار کے شیخ نے شکست کھائی اور ابناط کی ایک چھوٹی سی

ریاست میں پناہ حاصل کی۔ اس طرح بنی قیدار اور ابناط نے متحدہ ہو کر برادران ابناط کے ساتھ محاذ قائم کیا۔

مگر بدقسمتی سے شاہ ابناط اس جنگ میں قید ہو گیا۔ تاریخ کا مزید مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ قوم بابل کے بعد ایران و یونان کی طاقت دنیا میں طوفان بن کر ابھری۔ یہ دونوں قومیں ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتی رہیں۔ ان دونوں طاقتوں کو ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کے لئے طبعی اعتبار سے نبطیوں کے راستے سے ہی ہو کر گزرنا پڑتا تھا۔ اس لئے یہ دونوں اہل عرب کے ساتھ دوستی و ہمدردی کرنے کے لئے مجبور تھے کیونکہ اس قوم کی مدد کے بغیر لق ودق بیابان، صحرا اور ریگستان کو عبور کرنا ان لوگوں کے لئے ممکن ہی نہ تھا۔

سکندر (سکندر اعظم)

تاریخ یونان و فارس کا مطالعہ کریں تو معلوم ہرگا کہ ابتداء میں اہل فارس نے یونانیوں کو ہر میدان میں شکست دی اور آہستہ آہستہ یونانیوں کے دلوں پر اہل فارس کا رعب اور خوف طاری ہو گیا۔ 332 ق م میں یونانیوں کی قسمت کا ستارہ طلوع ہوا اور ان کو سکندر کی شکل میں دیوتا مل گیا۔ سکندر نے اہل یونان کو اپنے جھنڈے تلے متحد کیا اور اہل فارس پر طوفان بن کر ٹوٹ پڑا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سکندر نے عراق سے شام اور مصر تک کا علاقہ اہل فارس سے بزور شمشیر چھین لیا۔ پھر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ یہاں سے واپسی پر سکندر عرب کو فتح کرنا چاہتا تھا مگر قسمت نے اس کا ساتھ نہ دیا اور فرشتہ اجل نے اس کو عراق میں آلیا۔ اس نے جون 323 قبل مسیح (ق م) میں بابل (عراق) کے مقام پر 33 سال کی عمر میں ملیریا بخار سے وفات پائی۔ اس طرح سکندر (356 ق م-323 ق م) کے بعد مفتوحہ علاقوں پر اس کے مختلف سردار قابض ہوئے جن کی مختصراً تاریخ کچھ یوں ہے۔

(1) بطلیموس

سکندر کا نامور سردار تھا اس نے مصر و شام کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔

(2) انٹی گونس (319 ق م-239 ق م)

دوسرے مشہور سردار انٹی گونس نے ایشیائے کوچک پر قبضہ (276 ق م-239 ق م) کر لیا۔

(3) سیلوکوس

سیلوکوس جو تاریخ یونان میں کافی اہم شخصیت ہے اس نے بابل، فارس و ترکستان کے علاقوں پر اپنا (312 ق م=280 ق م) تسلط قائم کر لیا۔ اسی سیلوکس کی ہندوستان کے بادشاہ چندر گپت موریہ (322 ق م تا 298 ق م) سے شدید جنگ ہوئی جس میں سیلوکس کو شکست ہوئی تو اسے نہ صرف ہندوستان کے شمال مغربی اور اس سے ملحقہ علاقوں سے دستبردار ہونا پڑا بلکہ اپنی بیٹی چندر گپت سے بیاہ کر ازدواجی تعلقات قائم کر لیے اور صلح کر لی۔

انٹی گونس

سکندر (اعظم) کے تینوں سردار جن علاقوں پر قابض تھے ان کی حدود عرب سے ملتی تھیں۔ سکندر کا سردار انٹی گونس بڑا بلند ہمت اور ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہنے والا شخص تھا۔ وہ اپنی حکومت جو ایشیائے کوچک پر تھی اس پر مطمئن نہیں تھا۔ ملک شام اس کے قریب تھا وہاں کی شادابی اور زرخیزی ہمیشہ اسے بے چین رکھتی۔ انٹی گونس ملک شام پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ شام اور انٹی گونس کے درمیان یہی نبطی عرب حائل تھے۔ انٹی گونس نے ان کو اپنا شریک بنانا چاہا مگر نبطی پہلے ہی بطلیموس کے ساتھ عہد و پیمان کر چکے تھے۔

انٹی گونس اور نبطیوں کی محاذ آرائی

انٹی گونس نے اپنے ایک سردار کی سرکردگی میں فوج روانہ کی تا کہ نبطیوں کا قصہ تمام کر دے۔ اس سردار نے رقیم (پٹیرا) دارالحکومت قوم انباط کو برباد کر دیا مگر نبطیوں نے اس نقصان کے باوجود ایک بھی یونانی زندہ واپس نہ جانے دیا۔ انٹی گونس کو جب اس نقصان کا علم ہوا تو اس نے اپنے بیٹے ''ڈیمیریوس'' کی زیر نگرانی ایک اور عظیم لشکر نبطیوں کی طرف روانہ کیا تا کہ انہیں قرار واقعی سزا دی جا سکے۔ نبطی جو پہلے ہی کافی حد تک کمزور ہو چکے تھے۔ اس فوج کا کھلے میدان میں مقابلہ نہ کر سکے اور قلعہ بند ہو گئے۔ اہل یونان نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کے دوران ایک روز ایک نبطی عرب نے یونانی فوج کے سپہ سالار انٹی گونس کے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے حقائق پر مبنی اپنی اصل حالت اور فطرت کے بارے میں اس قدر پر مغز طریقے سے خطاب کیا کہ سپہ سالار اس عرب کی گفتگو سے متاثر ہوا اور یوں نبطیوں سے صلح کر لی۔ اس نبطی کا خطاب یہاں تحریر کرنا اس لئے ضروری خیال کرتا ہوں تا کہ اہل انباط کے طرز خطاب سے واقف ہوا جا سکے اور یہ پتہ چلے کہ قدرت نے صحراءِ عرب میں کیسے کیسے شعلہ بیان خطیب پیدا کئے تھے جو اپنے فن خطابت کی بنا پر جانی دشمن تک کو صلح پر مجبور کر دیتے تھے۔

نبطی عرب کا خطاب

نبطی عرب نے یوں خطاب کیا!

''اے بادشاہ یونان تم کس وجہ سے اور کس کے حکم سے ہمارے ساتھ لڑ رہے ہو۔ ہم صحرائی لوگ ہیں۔ ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں نہ غلہ ہے، نہ پانی اور نہ ہی شراب و دیگر ضروریات زندگی۔ ہم لوگ صرف اپنی آزادی کی خاطر اس بیابان میں زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔ جبکہ تمام ضروریات زندگی کو دوسروں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اور یوں ہم اس حیوانی زندگی پر قناعت کئے ہوئے ہیں۔ ہم نے جب تم لوگوں کو نہیں ستایا تو تم ہمیں کیوں تنگ کر رہے ہو۔ تم ہمیں اپنا دوست سمجھو۔ تم نے اگر ایسا نہ سمجھا تو یاد رکھو تم اس حال میں یہاں زیادہ دیر نہیں رہ سکتے۔ تمہیں پانی اور دوسری چیزوں کی ضرورت ہو گی۔ تم ہماری طرز زندگی نہ تو بدل سکتے ہو اور نہ ہی بدلنے پر مجبور کر سکتے ہو۔ اگر کسی طرح تم نے

قلعہ پر قبضہ کربھی لیا تو یادرکھو تڑپتی لاشوں اور چند بیمار اور زخمی قیدیوں کے سوا جو کسی دوسرے کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے تمہیں اور کچھ یہاں سے نہیں ملے گا۔''

(از تاریخ ارض القرآن)

ڈیمسٹریوس اس نبطی عرب کی اس گفتگو سے اس قدر متاثر ہوا کہ اہل قلعہ سے صلح کرلی اور واپس چلا گیا۔ یونانیوں کے اس اچانک حملے نے نبطیوں کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو اجاگر کردیا اور وہ لوگ اس حد تک منظم ہوکر یک جان اور دو قالب بن گئے کہ پھر مستقبل میں انہوں نے اسرائیل، یونان اور رومتہ الکبریٰ جیسی عظیم طاقتوں کو بارہا گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا۔

بطلیموس اور سلوکیوس (سیلوکیوس)

انٹی گونس نبطیوں کی طرف سے مایوس ضرور ہوا مگر اس کے حوصلے اور ہمت میں کوئی فرق یا تبدیلی نہ آئی۔ اس نے بزور شمشیر آہستہ آہستہ بطلیموس سے شام اور سلوکیوس سے بابل کا علاقہ چھین لیا۔ ان دونوں سرداروں نے جب دیکھا کہ انٹی گونس رفتہ رفتہ ان کو ہمیشہ کے لئے ختم ہی کرڈالے گا تو یہ دونوں متحد ہوگئے اور یوں 301ق م انٹی گونس پر حملہ کرکے اس کو شکست فاش دی اور اس کے پورے علاقہ کو آپس میں برابر تقسیم کرلیا۔ شام کا علاقہ سلوکیوس (سیلوکیوس) کے حصہ میں آیا جبکہ مصر وقبرص بطلیموس کو ملا۔ اہل عرب سلوکیوس کے خاندان کو ''سلوقیین'' اور بطلیموس کے خاندان کو بطالسہ یا بطالمہ کہتے ہیں۔ یہ دونوں خاندان کافی عرصہ تک مذکورہ ممالک پر حکمران رہے۔

حکومت یہودیہ

تاریخ یوسلیفوس کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ملک شام میں پہلی اسرائیلی حکومت کو بابل کے حکمرانوں نے تباہ وبرباد کردیا تھا۔ پھر جب بابل پر اہل فارس غالب آئے تو ان یہودیوں کو دوبارہ آزادی نصیب ہوئی۔ اہل فارس کے زیرسایہ بنی اسرائیل کے ایک خاندان نے ایک نیم آزاد حکومت قائم کی جس کا نام یہودیہ رکھا۔ مگر سکندر نے اس حکومت کا بھی خاتمہ کردیا۔ اس طرح یونانی قوم کے زمانہ عروج میں اس یہودیہ حکومت کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔ آخر حکومت یونان کے زوال پذیر ہوتے وقت 168ق م میں رومیوں کی مدد وتعاون سے پھر یہودیہ حکومت قائم ہوئی۔ ان کو مکابیین کہا جاتا تھا۔ شروع میں یہ لوگ صرف مذہبی کاہن تھے مگر آہستہ آہستہ بادشاہ کا لقب اختیار کربیٹھے۔ ان میں ہمیشہ آپس میں مار پیٹ اور جنگ وجدل ہی رہتا اور یہ سب کچھ حصول اقتدار کا سبب تھا۔ رومیوں نے اس حکومت کو آہستہ آہستہ ختم کردیا اور یوں 44ق م میں یہ حکومت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔ یہودیہ کی یہ تاریخ نبطی عربوں کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہے۔

خاندان سلوقی

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اہل عرب خاندان سلوکیوس کو "سلوقیین" کہتے ہیں اور یہی نام مشہور ہوا۔ آئندہ ہم اس خاندان کو اسی نام سے لکھیں گے۔ خاندان سلوقی کو ملک شام پر حکومت کرتے ہوئے ابھی 100 برس کا عرصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ بانی خاندان یہودا مکابی جسے تاریخ یوسلفیوس یہودا مکابی لکھتی ہے اس نے سلوقی خاندان کے خلاف بغاوت کر دی اور خود عرب جا کر نبطیوں سے مدد کی درخواست کی تا کہ مل کر ان مغربی طاقتوں کو ان علاقوں سے باہر نکال دیں۔ اہل سلوق نے جب یہود کی یہ چال دیکھی تو انہوں نے بھی عرب نبطیوں کی طرف دوستی کا ہاتھ پھیلایا۔ غالباً اس وقت حارث اول نبطیوں کا بادشاہ تھا۔ (نبطیوں کی بادشاہت 312 ق م تا 106 عیسوی تک قائم رہی)۔

زید بابل۔ نبطی

حارث اول کے بعد زید بابل نبطیوں کا بادشاہ بنا۔ اس کے دور میں خاندان سلوقی کے دو امیر سکندر سلوقی اور ڈیمتر یوس سلوقی تخت کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ لڑ پڑے۔ نبطیوں نے ڈیمتر یوس اور یہود نے سکندر سلوقی کا ساتھ دیا۔ جنگ میں سکندر سلوقی کو شکست ہوئی۔ زید بابل نے سکندر کو گرفتار کر لیا اور اس کا سر کاٹ کر بطلیموس کے پاس بھیج دیا۔

مالک اول نبطی

زید بابل نبطی کے بعد مالک اول تخت نشین ہوا۔ سلوقیوں کے ساتھ اس کے تعلقات اچھے تھے۔ اس نے سکندر سلوقی کے بیٹے کو جو نبطیوں کے پاس قید تھا آزاد کر دیا تا کہ وہ اپنے باپ کی جگہ حکومت سنبھالے۔

حارث دوم۔ نبطی

یہود کیونکہ نبطیوں کے خلاف ہی سرگرم رہتے تھے اس لئے ان دونوں کے درمیان شدید کش مکش پیدا ہو گئی۔ یونانیوں نے غزہ کے یہودیوں پر حملہ کیا۔ حارث نے یونانیوں کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ اس سے پہلے کہ عرب کمک لے کر یونانیوں کی مدد کو جاتے خود یونانی ہی خانہ جنگی میں الجھ گئے۔

عبادہ اول۔ نبطی

حارث دوم کے بعد عبادہ اول حکومت ابناط کا حکمران مقرر ہوا۔ اس کے عہد میں یہودیہ کے ایک رئیس سکندر مکابی نے ابناط پر حملہ کر دیا۔ گو وہ خود بڑی مشکل سے ابناط کے ہاتھوں اپنی جان بچا کر بھاگا مگر پھر بھی ابناط کے صوبہ مواب اور جلعاد کے 12 شہر چھین کر لے گیا۔ یہودیوں نے سکندر مکابی کی اس حرکت کو اچھا خیال نہ کیا اور سکندر مکابی کو مجبور کیا کہ ابناط کے شہر واپس کر دے تا کہ عرب کہیں ہمارے دشمنوں کے ساتھ شریک نہ ہو جائیں۔

حارث سوم۔ نبطی

87 تا 62ق م میں حارث سوم حکومت ابناط کا عظیم جری حکمران تھا۔ اس کے عہد میں سلوقی حکمران نے عرب پر حملہ کر دیا۔ حارث خالص عربوں کی شان کے ساتھ یونانیوں کے مقابلے میں آیا۔ ابتدائی حملے میں حارث کی فوج کو شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کہ عین اس وقت حارث خود دس ہزار سواروں کے ساتھ سلوقی بادشاہ ڈیالینوس پر حملہ آور ہوا اور جنگ کا نقشہ ہی پلٹ دیا۔ سلوقی بادشاہ میدان جنگ میں دادِ شجاعت دیتا ہوا مارا گیا اور باقی سلوقی فوج بھاگ گئی۔ حارث کے لئے اب دمشق تک جو سلوقیوں کا پایہ تخت تھا میدان بالکل صاف تھا اس طرح حارث نے سکندر (اعظم) کے جانشینوں کا تخت و تاج روند دیا اور حکومت پر قابض ہو گیا۔

پہلی صدی ق م میں شاہ یہود سکندر مکابی کے بیٹوں کے درمیان تخت یہودیہ کے لئے جنگ چھڑ گئی ایک بیٹا بھاگ کر حارث کے پاس پناہ گزیں ہوا اور درخواست کی کہ اگر وہ اسے تخت یہودیہ حاصل کر دے تو اس کے باپ نے جو شہر ابناط سے چھینے ہیں واپس کر دے گا۔ حارث رضا مند ہو گیا اور پچاس ہزار سوار لے کر نکلا۔ یہود میدان جنگ میں شکست کھا کر یروشلم میں قلعہ بند ہو گئے۔ حارث نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ عین اس وقت رومیوں کی منہ زور فوج وہاں نمودار ہوئی انہوں نے یہودیوں سے رشوت لے کر جو کہ 300 ٹالنٹ یعنی موجودہ تقریباً 30 لاکھ روپیہ بنتا ہے حارث پر حملہ کر دیا۔ مجبوراً حارث کو پیچھے ہٹنا پڑا اور وہ واپس اپنے دارالحکومت رقیم (پٹیرا) میں آ گیا۔

سکاروس رومی

حاکم ابناط حارث گو یہودیوں کو یروشلم کے قلعہ میں محصور چھوڑ کر رومیوں کے حملے کی وجہ سے جنہوں نے یہودیوں سے بھاری رشوت لی تھی واپس رقیم آ گیا تھا مگر رومی کمانڈر (سالار) سکاروس نے حارث کا پیچھا نہ چھوڑا اور بار بار رقیم (پٹیرا) پر حملہ آور ہوتا رہا مگر راستے کی دشوار گزاری ہمیشہ ابناط کے لئے قلعہ اور سکاروس کے لئے بربادی ثابت ہوتی رہی۔ سکاروس نے ابناط کے اردگرد شہروں میں بڑی بربادی پھیلائی مگر ابناط کو زیر نہ کر سکا۔ آخر یہود کا سردار سکاروس اور ابناط کے درمیان کامیاب دلال ثابت ہوا اس نے بھاری رشوت دے کر سکاروس کو واپس کر دیا۔

گلینوس

سکاروس کے بعد اس کی جگہ افواج روم کی کمان گلینوس کے پاس آئی۔ اس نے یہودیوں سے خوش ہو کر یہودیہ کی حکومت انٹی پٹیر رومی کے حوالے کر دی۔

رئیس یہودیہ

گلینوس نے انٹی پٹیر کو یہودیہ کا رئیس تسلیم کرتے ہوئے حکومت اس کے سپرد کر دی۔ انٹی پٹیر کے مرجانے پر ہیرود یہودیہ کا رئیس بنا۔ اس نے رشوت دے کر رومیوں سے بادشاہ یہود کا لقب حاصل کرنا چاہا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

انٹونی اور قلوپطرہ (کلیوپٹرا)

روم میں سیزر اعظم یعنی قیصر کو قتل کر دیا گیا۔ شہزادہ انٹونی نے قیصر کے قاتلوں پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ اس طرح روم سے لے کر مصر و شام تک کا سارا علاقہ انٹونی کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ مصر میں خاندان بطلیموس کی آخری شہزادی کلیوپٹرا (قلوپطرہ) تخت نشین تھی۔ اہل یونان کی یہ آخری نشانی تھی۔ اس کے علاوہ رومیوں نے یونانیوں کی حکومت ختم ہی کر ڈالی تھی۔ غالباً یہ وہی قلوپطرہ ہے جس کا حسن ضرب المثل تصور کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ روم کا وارث انٹونی اپنا سب کچھ قلوپطرہ (69 ق م-30 ق م) کے قدموں پر قربان کر چکا تھا۔

اہل عرب رومیوں کی سیاسی فوقیت کو تسلیم کرتے تھے۔ انٹونی نے اپنا سب کچھ قلوپطرہ (ملکہ 51-30 ق م) کی نذر کر دیا تھا۔ وہی تمام ممالک سے خراج وصول کرتی تھی۔ یہود یہ خراج دینے کو تیار تھا مگر نبط عرب کسی بھی صورت میں خراج دے کر محکوم زندگی بسر کرنے پر تیار نہ تھے۔ آخر یہود نے رومیوں کی ہمدردیاں اور قلوپطرہ کی نظر عنایت حاصل کرنے کے لئے عربوں پر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ اس طرح بڑی خونریز جنگیں ہوئیں جن میں ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن گئے۔

عبادہ ثالث۔ نبطی

عبادہ ثالث نبطیوں کا حکمران تھا اس کا زمانہ 30 ق م سے لے کر 9 ق م تک ہے۔ یہ شخص کمزور قوت ارادی والا اور ناکارہ قسم کا تھا مگر قدرتی طور پر اسکو نہایت ہی قابل اور ذہین وزیر میسر آ گیا۔ اس کا نام سیالوس یا شاید یا سیل تھا۔ اس وزیر نے اپنی عقل، فہم و فراست کی مدد سے عرصہ دراز تک یہودیوں اور رومیوں کو پریشان رکھا۔ اس قدر مدبر انسان تھا کہ یہ دونوں طاقتیں ہر محاذ پر زک اٹھاتی رہیں۔ اہل روم عرب پر قبضہ کرنے کے شدید خواہش مند تھے انہوں نے اس مقصد کے لئے کئی بار نبطیوں پر حملے بھی کئے مگر اس عقل مند وزیر نے رومیوں کو اس حد تک نقصان پہنچایا کہ آخر انہیں شکست اٹھا کر سرزمین عرب سے واپس جانا پڑا۔ رومیوں کی یہ شکست یورپی اور رومی مورخین و قوم کے لئے قیامت تک باعث شرم و ندامت رہے گی۔ عبادہ ثالث اپنے اس وزیر کی وجہ سے حکمران اہل نبط ضرور تھا مگر نہایت ہی سست اور عقل و فہم کے میدان میں خالی۔

حارث رابع۔ نبطی

عبادہ ثالث کے بعد حارث رابع نبطی قوم کا حکمران بنا اس کا زمانہ حکومت 9 ق م سے لے کر 40ء تک تھا۔ اس نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے لئے حارث کا شاہی نام منتخب کیا۔ ادھر اہل یہود میں حضرت یحیٰی بن زکریا علیہ السلام مبعوث ہو چکے تھے۔ جبکہ عیسائی قوم کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا چکے تھے۔ گویا اس طرح حارث رابع ان دونوں جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا ہم زمانہ تھا۔

ہیروڈ شاہ یہود

اس زمانہ میں یہودیہ کا بادشاہ ہیروڈ منتخب ہوا۔ اس نے حارث رابع شاہ نبط کی بیٹی سے شادی کی اور یوں رشتہ میں حارث کا داماد تھا۔ ہیروڈ نہایت عیاش بدکردار اور فاسق شخص تھا۔ اس بدبخت نے برائی کا کوئی ایسا کام نہیں تھا جو نہ کیا ہو۔ ان دنوں حضرت یحییٰ علیہ السلام شب و روز قوم کو دعوت حق پہنچانے کا فریضہ ادا فرمارہے تھے۔ یہود جوق در جوق آپ علیہ السلام کے حلقہ میں شامل ہو رہے تھے۔ ہیروڈ کو آپ علیہ السلام کی یہ بڑھتی ہوئی روز بروز مقبولیت ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ اس لئے وہ خلاف ہو گیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ہیروڈ کو اس کی حرکات پر سخت تنبیہ (متنبہ) فرمائی یہ سفاک شخص اس چیز کو برداشت نہ کرسکا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سخت خلاف ہو گیا۔ ہیروڈ نے اپنی بھاوج کے ساتھ دوسری شادی کرلی اور ظلم کی انتہا کرتے ہوئے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا۔ پھر آپ علیہ السلام کا سر مبارک تن سے جدا کر کے اپنی دوسری بیوی کی نذر کیا۔ ہیروڈ کی پہلی بیوی شاہ یہودیہ کی حرکات سے تنگ آکر اپنے باپ حارث کے پاس عرب چلی گئی۔

حارث شاہ ابناط کو جب بیٹی کی زبانی ہیروڈ کی حرکات کا علم ہوا تو وہ سخت طیش میں آکر لشکر لے کر ہیروڈ پر حملہ آور ہوا۔ ہیروڈ حملے کی تاب نہ لا کر میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ اہل سیر کے نزدیک ہیروڈ کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی یہ سزا ملی تھی۔ حارث نے دمشق پر قبضہ کرلیا گو رومی ہیروڈ کی مدد کو آئے مگر انہی ایام یعنی 37ء میں اتفاقاً قیصر روم مر گیا اور رومی افواج واپس چلی گئیں۔ حارث کافی عرصہ تک دمشق پر قابض رہا۔ موجودہ عیسائیت کا بانی پولوس جسے سینٹ پال کہا جاتا ہے، اسی حارث کے پاس قید تھا۔ ایک روز وہ رسی کی مدد سے حارث کے قید خانے سے لٹک کر نیچے اترا اور فرار ہو گیا۔ بعد میں اسی سینٹ پال نے سرزمین عرب پر جو کام کیے وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔

حارث نے بطور شاہ ابناط بڑی شان و شوکت سے حکمرانی کی مگر اس کے مرتے ہی رومی مکمل طور پر ابناط پر قابض ہو گئے اور ان کی شان و شوکت کا سورج رومیوں کے سیل رواں کے سامنے غروب ہو گیا۔ گویا حارث وہ آخری تاجدار ابناط تھا جس نے اس قوم کو آخری سہارا دیا۔ مگر پھر بھی کہیں کہیں 106ء تک قوم ابناط کا وجود نظر آتا ہے۔

قوم بنایوط کا انجام

رومیوں نے جب قوم بنایوط سے مکمل اقتدار چھین لیا، تو اندرون عرب سے بہت سے قبائل ان کی خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے باہر نکل آئے۔ ان قبائل میں سے مشہور ترین قبیلہ بنو غسان تھا۔ یہ لوگ ابناط کے ہم نسب تھے۔ ان واقعات کے تقریباً 530 برس بعد جب اسلام کے سورج نے کائنات پر اپنی نورانی کرنوں کا جال پھیلایا تو اس وقت قوم ابناط حکمرانی تو کھو چکی تھی مگر دنیا سے معدوم نہیں ہوئی تھی۔ یہ لوگ ملک شام میں غلہ اور روغن فروشی کا کام کرتے تھے۔ تدمر، مصان اور بصرہ وغیرہ مشہور شہروں پر آل غسان کا قبضہ تھا جبکہ حجر، تیما اور خیبر وغیرہ یہودیوں کے قبضہ میں

تھے۔قوم ابناط اپنی قومی شخصیت کھو کر رومیوں، یہودیوں اور یونانیوں میں اس طرح گھل مل گئی تھی کہ ان کی پہچان ہی مشکل ہوگئی۔قرآن کریم (الحجر آیت 80) نے اسی قوم اہل پٹیرا کو شام کے قریب واقع اہل حجر کے قریب ترین شہر کے مالک کہہ کر خطاب کیا ہے۔

بنو جفنہ یا آل غسان

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ آل ابناط کی حکومت ختم ہو جانے پر اس خلا کو پر کرنے کے لئے اندرون عرب سے کئی قبائل باہر نکلے ان میں یہ غسانی قبیلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اس خاندان کو ان کے بانی جفنہ کی نسبت سے بنوجفنہ، غسانیہ اور آل غسان کہتے ہیں۔مشہور تاریخی نام آل غسان ہی ہے۔

لفظ غسان کی وجہ تسمیہ

عرب مورخین لکھتے ہیں کہ اولاد جفنہ تہامہ میں ایک نہر کے کنارے یا اس کے آس پاس آباد تھی جس کا نام غسان تھا۔اس وجہ سے یہ قوم آل غسان (نہر والی) کے نام سے مشہور ہوئی۔اس کے علاوہ اہل یونان دوسری صدی میں اہل جفنہ کا تہامہ اور بحر احمر کے ساحل پر آباد ہونا لکھتے ہیں۔

زمانہ وحدود حکومت

آل غسان دوسری صدی کے وسط میں تہامہ کے مقام پر سکونت پذیر تھے۔بعد میں نقل مکانی کر کے ملک شام کی حدود میں آباد ہو گئے یہاں آل غسان نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت یعنی (634ء - 644ء) تک حکومت قائم رکھی۔اس قوم کی دوسری صدی سے پہلے کی تاریخ معلوم نہیں ہے۔بہر حال آل غسان نے بڑی شان و شوکت سے حکمرانی کی۔آخر عہد فاروقی میں آل غسان کی حکومت پر مسلمانوں نے فتح حاصل کی اور یوں اس قوم کی تاریخ اختتام کو پہنچی۔

آل غسان کی مختصر تاریخ

سرزمین عرب وشام کے درمیان جو حدود تھیں انکو جغرافیائی اعتبار سے ''حوران'' کہتے ہیں۔زمانہ قدیم میں اس علاقہ پر ابناط کی حکومت تھی۔رومیوں نے ابناط کا آہستہ آہستہ خاتمہ کر دیا اور یوں اس علاقے میں روم کی حکومت قائم ہوگئی۔ابناط کے بعد جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے آل غسان نے اس علاقے میں سکونت اختیار کی، گو یہاں بظاہر رومی حکومت تھی مگر اصل میں حکمران آل غسان ہی تھے۔تدمر، رقیم، عمان اور حان وغیرہ اس حکومت کے مشہور شہر تھے۔بصرہ دار الحکومت تھا۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے تجارت کی غرض سے قافلے کے ہمراہ اسی شہر میں تشریف لائے تھے۔اور یہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات بحیرا راہب سے ہوئی۔آل غسان

پر بقول مسعودی انیس (19) اور ابن قتیبہ، دس (10) حکمرانوں نے حکومت کی۔

علاقہ غسان کی تاریخی اہمیت

آل غسان جس علاقہ پر حکمران تھے اس زمانے میں بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ ایرانی اور رومی حکومتیں ایک دوسرے کے ساتھ اکثر ٹکراتی رہتی تھیں۔ یہ سلسلہ تقریباً تین صدیوں تک برابر چلتا رہا۔ انہی ایام میں دنیا کی یہ دونوں طاقتور قومیں اہل عرب کی اعانت و مدد کی طالب تھیں کیونکہ یہ علاقہ دونوں حکومتوں کے وسط میں واقع تھا۔ تاریخ عرب کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ حکومت حیرہ (عراق) کی تمام ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں جبکہ اہل غسان جن کی اکثریت عیسائی مذہب اختیار کر چکی تھی مکمل رومیوں کے ساتھ تھے۔ اس طرح اگر ہم یہ کہیں کہ آل غسان کی تاریخ اصل میں روم و ایران کی تاریخ کا ایک حصہ تھی تو غلط نہ ہوگا۔ آل غسان اور حکومت حیرہ اسی وجہ سے اکثر ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار رہتے تھے۔ اس علاقے میں ایرانی جیتتے تو حیرہ والوں کی وجہ سے اور رومیوں کو فتح نصیب ہوتی تو وہ غسانیوں کی مدد سے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل روم غسانیوں کے شکر گزار رہتے تھے۔

حارث بن جبلہ حاکم غسان

قوم جفنہ کا سب سے پہلا امیر جو عظمت، شان و شوکت اور طرزِ حکومت میں نمایاں حیثیت کا حامل تھا اس کا نام حارث بن جبلہ تھا۔ تاریخ روم میں اس شخص کا نام سنہری حروف میں لکھا جاتا ہے۔ اس نے 497ء میں رونما ہونے والی بغاوت میں رومیوں کی بڑی مدد کی تھی اور اپنے باپ جبلہ کے شانہ بشانہ شریک رہا۔ باپ کے مرنے پر حکومت اس کے ہاتھ آئی۔ اہل روم کی نظر میں یہ سب سے بڑا عرب مرد شجاع (ہیرو) تھا۔ سرزمین عرب پر جتنے قبائل آباد تھے رومیوں نے ان سب کا فرمانروا اس کو مقرر کیا۔ رومیوں کا اصل مقصد یہ تھا کہ حکومت حیرہ جس کو ایرانیوں کی حمایت حاصل تھی اس کے مقابلے میں ایک جری اور طاقت ور و ہم پلہ حاکم وہ بھی مقرر کریں۔ حارث سے پہلے کسی عرب کو رومیوں نے اس قدر اہمیت اور باعزت منصب نہیں دیا تھا۔ حارث نے حیرہ اور ایران کے خلاف میدان جنگ میں بڑی ناموری حاصل کی۔ دمشق جانے والے تدمر کے راستے کو حاصل کرنے کے لیے امیر حیرہ اور حارث کے درمیان جنگ شروع ہوئی جس کا سلسلہ دیر تک چلتا رہا۔ آخر حارث نے امیر حیرہ کو میدان جنگ میں قتل کر ڈالا اور یوں حیرہ پر مکمل کامیابی حاصل کی 563ء میں حارث شاہ روم کی ملاقات کے لیے قسطنطنیہ گیا۔ عرب کا مشہور شاعر اور کندہ کا شہزادہ امراء القیس بھی اس سفر میں حارث کے ساتھ شریک تھا۔ وہ شاہ روم اور اہل قسطنطنیہ کی عیش و عشرت کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ حارث چاہتا تھا کہ قیصر شاہ روم سے اپنی اولاد میں سے کسی کے لیے شام کے تخت کا اجازت نامہ حاصل کرے۔ اس مقصد میں وہ کامیاب ہوا یا نہیں اسکی تفصیل معلوم نہیں۔ حارث 569ء میں فوت ہوا۔

منذر بن حارث حاکم غسّان

حارث کے بعد اس کا بیٹا منذر غسان کا حاکم مقرر ہوا۔ یہ شخص خوبیوں میں اپنے باپ کا ہم پلہ تھا۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نے حیرہ پر حملہ کر دیا کیونکہ حیرہ والوں نے سوریا (شام) پر حملہ کر دیا تھا۔ منذر نے بڑی دلیری کے ساتھ حیرہ پر قبضہ کر لیا۔ ابتداء میں منذر اور اہل روم کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ منذر قسطنطنیہ گیا جہاں قیصر نے اس کے سر پر تاج رکھا۔ واپسی پر چند وجوہات کی بنا پر منذر اور رومیوں کے تعلقات خراب ہو گئے۔ اہل حیرہ کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے غسان پر حملہ کر دیا۔ معاہدہ کے مطابق مجبوراً رومیوں نے اہل غسان کی مدد کی۔ جنگ کے بعد شاہ روم نے منذر کے ساتھ ایک معاہدہ کیا مگر قیصر روم کو منذر کی وفاداری پر یقین نہ آیا۔ چنانچہ اس نے منذر کو حقلیہ کہ طرف جلا وطن کر دیا۔ منذر نے کافی عرصہ تک جلا وطنی کی عمر گزاری۔ اور آخر اسی حالت میں فوت ہو گیا۔ منذر کے بعد اس کے بیٹوں نے رومیوں سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا اور اپنے بڑے بھائی نعمان کی قیادت میں صحرا عرب میں دور تک نکل گئے۔

رومیوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور آخر نعمان کو گرفتار کر کے قسطنطنیہ لے گئے۔ بعد میں ان غسانی عربوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ ہر قبیلہ نے اپنا الگ الگ سردار مقرر کر لیا۔ 601ء سے لے کر 625ء تک ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان جنگیں ہوتی رہیں اہل غسان ان کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔ آخر شاہ ایران خسرو پرویز (590ء۔628ء) نے رومیوں کی قوت کو تباہ و برباد کر دیا اور رومیوں کو عبرت ناک شکستوں کا سامنا کرنا پڑا۔ قرآن کریم کی سورہ روم میں ایرانیوں اور رومیوں کی جنگوں اور اہل روم کو کامیابی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

قرآن کریم کی پیشین گوئی

ارشاد رب ذوالجلال ہوا۔ ترجمہ۔ ”رومی قریب کے ملک میں مغلوب ہو گئے۔ وہ مغلوبی کے بعد عنقریب چند سالوں کے اندر غلبہ پائیں گے۔ (سورہ۔ روم آیات 1، 2، 3) قرآن کریم کی پیشگوئی (2ھ۔624ء کو) حرف بحرف سچ ثابت ہوئی۔ اہل روم نے دوبارہ ایک ایک کر کے اپنے تمام علاقے ایرانیوں سے بزور شمشیر واپس لے لئے۔ اہل غسان کو بھی دوبارہ زندگی ملی۔ حارث بن ابی شمر ایک طاقتور شخص اہل غسان کا حاکم ہوا۔

اہل روم اور غسان کو دعوت اسلام

رومی اور غسانی جب ایرانیوں سے اپنے علاقے واپس لے کر قدیم شان و شوکت دوبارہ حاصل کر چکے اس وقت نیرِ (نورِ) اسلام نے اطراف عالم میں اپنی نورانی کرنوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا تھا۔ 629ء یعنی 7ھ میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر اور جبلہ شاہ غسان کی طرف حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور شجع بن

وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعوت اسلام کے خطوط عطا فرما کر روانہ کیا۔ ان بدبختوں نے نہ صرف دعوت اسلام کو ہی ٹھکرا دیا بلکہ سفیروں کے ساتھ نہایت توہین آمیز سلوک کیا۔ گزشتہ فتوحات حاصل کرنے کی وجہ سے یہ لوگ اس قدر بدمست ہو چکے تھے کہ مدینہ منورہ پر حملے کی تیاریاں کرنے لگے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے 8 ہجری میں تین ہزار مجاہدین کا لشکر شام کی طرف روانہ کیا۔ لاتعداد رومیوں اور عربوں کی فوج سے مقام موتہ پر ٹکراؤ ہوا۔ اس ٹکراؤ کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا اور مسلمان واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ جنگ موتہ میں جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شہید ہوئے جن میں حضرت جعفر طیار بن ابوطالب اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسی شخصیات بھی شامل تھیں۔ تفصیلی حال انشاء اللہ جنگ موتہ کے ذکر میں بیان کریں گے۔

9ھ میں ہرقل (610ء۔641ء) غسان، لخم اور جذام عرب قبائل کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پر حملے کی تیاری کر رہا تھا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو جب یہ خبر ملی تو خود تیس ہزار مجاہدین کو ہمراہ لے کر مقام تبوک پر خیمہ زن ہوئے۔ بیس روز انتظار فرمایا جب رومیوں کی طرف سے کسی نے میدان جنگ میں آنے کی ہمت نہ کی تو واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ پھر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زیر قیادت 11ھ میں لشکر اسلام شام پر حملہ آور ہوا اور رومیوں اور ان کے حلیفوں کی سرکوبی کے بعد کامیاب واپس آیا۔

دورِ فاروقی

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت (634ء۔644ء) میں اہل اسلام نے ملک شام پر متواتر حملے جاری رکھے۔ شاہ غسان کا بیٹا شہزادہ جبلہ اسلام لے آیا اور بڑی شان وشوکت سے مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بڑی قدر ومنزلت اور عزت افزائی کی۔ حسن اتفاق سے حج کا موسم آ گیا۔ جبلہ طواف کعبہ میں مصروف تھا کہ اس کے جبہ پر کسی بدو کا پاؤں آ گیا۔ جبلہ نے اس بدو کی بڑی بے عزتی کی اور اس کے چہرہ پر طمانچہ مار دیا۔ بدو نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کی شکایت کی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبلہ سے فرمایا کہ بدو سے معافی مانگے یا قصاص ادا کرے۔ یہ سن کر جبلہ نے کہا ''کیا ایک بدو کے مقابلہ میں بادشاہ کی کوئی عزت نہیں''۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا ''اس دربار میں بادشاہ گدا کی کوئی تمیز نہیں ہے''۔ جبلہ نے یہ سن کر کہا ''مجھے ایک رات کی مہلت دی جائے''۔ رات کو وہ چپکے سے اٹھا اور شام روانہ ہو گیا وہاں جا کر مرتد ہو گیا اور اسلام چھوڑ کر دوبارہ عیسائیت قبول کر لی۔ پھر قسطنطنیہ چلا گیا اور جتنی عمر زندہ رہا اپنی اس حرکت پر نادم رہا۔

اہل غسان عرصہ دراز تک رومیوں کے زیر اثر رہے تھے۔ اس لیے ان لوگوں نے اپنی تہذیب وتمدن چھوڑ کر رومی تہذیب وتمدن اپنا لیا تھا۔ اور یوں یہ اہل غسان دو تہذیبوں کے دوران زندگیاں بسر کرتے رہے مگر ان پر رومی

تہذیب مکمل حاوی ہو چکی تھی۔

(از بخاری شریف وکتب سیرت وغیرہ)

12۔ قیدار

گذشتہ صفحات پر ہم سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گیارہ (11) بیٹوں کی تاریخ بیان کر چکے ہیں۔ اب آخر میں آپ علیہ السلام کے بارھویں (12) بیٹے قیدار کی اولاد کا تفصیلی ذکر کر رہے ہیں گو قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ولادت کے اعتبار سے دوسرا بیٹا تھا مگر یہاں اس کا ذکر آخر میں اس لیے کر رہے ہیں کہ اس کی نسل میں فخر کونین، تاجدار عرب وعجم، نور مجسم ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم شاخ عدنان سے اس جہاں میں تشریف لائے۔ اس طرح قدرت نے جو نورِ الٰہی سیدنا حضرت آدم علیہ السلام پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت مبارکہ سے منتقل کرنے کا سلسلہ فرمایا تھا اس کے ظہور قدسی کی سعادت قیدار کی شاخ عدنان کی قسمت میں رکھ دی تھی۔ ہماری اس تصنیف کا موضوع ہی سیرت پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہے اس لیے آل قیدار کی مکمل تاریخ جو ہمیں جہاں جہاں اور جن جن کتب سے میسر آئے گی اس کو یہاں تحریر کرنے کی سعادت لازوال جس کے سامنے قیصر وکسریٰ کے خزانے کوئی اہمیت نہیں رکھتے حاصل کریں گے۔ اللہ ہمیں اپنے حبیب پاک ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے صدقے توفیق عطا فرمائے۔ آمین

قیدار سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دوسرا بیٹا تھا۔ قدرت نے اس کی نسل کو پورے عرب اور اطراف میں پھیلا دیا۔ شہرت، عزت وعظمت جو اس کی اولاد کے حصہ میں آئی باقی کسی بھائی کی اولاد کو حاصل نہ ہوئی۔ قیدار کی نسل میں ہی آگے چل کر مالک کائنات اور سببِ تخلیق کائنات، رحمۃ اللعالمین، سید المرسلین، تاجدار مدینہ، سرورِ سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مبعوث ہوئے جن کے دم قدم سے یہ کارخانہ کائنات قائم ہوا ہے، اور رہے گا۔

لفظ قیدار کے معنی

عبرانی زبان میں لفظ قیدار کے معنی سیاہی اور غم کے ہیں۔ جبکہ عربی زبان میں بھی کدورت وکدر وغیرہ تقریباً اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ نام کس وجہ سے اپنے بیٹے کے لیے منتخب فرمایا اس سلسلے میں کتب تاریخ خاموش ہیں۔

بنو قیدار کی تاریخ وحالات

بنو قیدار کا نام بحیثیت قوم 1100 ق م میں حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب زبور میں ملتا ہے۔ قیدار کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس قوم کا ذکر اہل یونان کے ہاں کثرت سے ملتا ہے۔

یونانیوں کی تاریخ میں قیدار کا نام ذکر کیا جانا تاریخ عرب و یونان میں ضرور اہمیت رکھتا ہے۔ مگر اس خاندان کو عزت و شرف، عظیم الشان عظمت اس لئے حاصل ہوئی کہ اسی نسل سے اللہ تعالیٰ نے باعث تخلیق کائنات، فخر انسانیت، نور مجسم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرمایا۔

بنو قیدار خیموں میں آزادانہ رہا کرتے تھے ان کے ہاں گھروں کی تعمیر کرنا یا کچے پکے مکان بنا کر رہنے کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے قیدار کے خیموں کا ذکر کیا ہے جو کالے رنگ کے ہوا کرتے تھے۔ بدوان سادہ خیموں میں رہنا قیصر و کسریٰ کے محلات سے بھی افضل و بہتر تصور کرتے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے چند پشت پہلے تک بھی یہ قوم خیموں کے شہر میں آباد تھی۔ تاریخ بابل و اسیریا کا مطالعہ کریں تو اس زمانے میں ملنے والے کتبات میں عرب کے ملک کا نام عربی تحریر شدہ ملتا ہے۔ ان تحریروں میں دو شہزادیوں کا ذکر بھی ہے۔ شاید دونوں شہزادیاں اس وقت قوم اسیریا اور سرزمین عرب کی حکومت کی آخری حکمران تھیں۔ مگر تاریخ اسیریا سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شہزادیاں بنی قیدار اور بنی نابط سے تھیں اور پھر ان کی اولادیں الگ الگ ہوگئی تھیں۔ حضرت شعیا علیہ السلام آٹھویں صدی ق م میں نبی تھے اور یہ زمانہ ایک ہی تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ''قیدار ایک بہادر اور عالی شان قوم ہے۔ گاؤں میں ان کی آبادیاں ہیں۔ یہ لوگ بھیڑ بکریاں پالتے اور ان کی تجارت کرتے ہیں''۔

مختصراً قیدار کی اولاد میں جتنے امیر اور حکمران و رؤساء پیدا ہوئے ان میں اتفاق رائے سے اہل عرب کے نزدیک سب سے زیادہ مشہور، لائق، مدبر اور فہم و فراست کا مالک عدنان تھا۔ قیدار کی نسل کو اگر دیکھا جائے تو اس کی تمام شاخیں عدنان پر جا کر ہی اکٹھی ہوتی ہیں۔

بخت نصر کا دورِ حکومت (605ق م تا 562ق م)

تاریخ اسیریا و بابل کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ 662ق م سے لے کر 405ق م تک اسیریا (موجودہ عراق) کے تخت پر خاندان بنوخذ نذر حکمران رہا۔ اسی خاندان میں ایک مشہور حکمران گزرا ہے جس کو اہل عرب بخت نصر کہتے ہیں۔ اس شخص نے تخت نشین ہوتے ہی عراق سے لے کر شام و مصر و سرزمین عرب کو روند ڈالا۔ اہل عرب کے نزدیک جب بخت نصر عرب پر حملہ آور ہوا تو اس وقت یہاں عربوں کا سردار کل معد بن عدنان ہی تھا۔ ہمیں یہاں بخت نصر کی تاریخ لکھنا مقصود نہیں ہے صرف تاریخی حوالے سے یہ چند سطور تحریر کر دی ہیں تا کہ تاریخ عرب کا یہ 43 سالہ دور خالی نہ رہے۔ گویا اس دور کے خلا کو پر کرنے کے لیے چند سطور تحریر کر دی ہیں ورنہ اصل مقصد تو عدنان کی تاریخ لکھنا ہے۔

عدنان

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں قیدار کا خاندان شمالی عرب میں پھیل چکا تھا اور اس علاقے کے مختلف گوشوں میں اس قوم کی الگ الگ ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔ قیدار کی اولاد در اولاد میں سب سے زیادہ مشہور شخص عدنان ہی تھا۔

اولاد قیدار کے نزدیک سب کا متفقہ سردار یہی عدنان تھا۔ اس زمانے میں جو کہ 750 ق م سے 582 ق م پر محیط ہے اللہ تعالیٰ نے اس خطے میں تین نبی مبعوث فرمائے۔ انہوں نے قدم قدم پر قوموں کی اصلاح کے لیے تبلیغ فرمائی اور ساتھ ہی ساتھ اولاد قیدار کو اس ظالم و جابر حکمران یعنی بخت نصر سے بچنے اور ہوشیار رہنے کے لئے فرماتے رہے۔ ان برگزیدہ نبیوں کے اسمائے گرامی یہ تھے۔

1۔ حضرت یرمیا علیہ السلام۔

2۔ حضرت حزقیال یا حزقیل علیہ السلام

3۔ حضرت شعیا علیہ السلام۔

قوم قیدار نے اس ظالم حکمران سے نبیوں کے ہوشیار کرنے پر بہت حد تک اپنا تحفظ کر لیا تھا۔ عرب مورخین بیان کرتے ہیں کہ بخت نصر حملوں پہ حملے کرتا ہوا حجاز تک پہنچ گیا تھا۔ حجاز کے مقام پر معد بن عدنان نے اس سفاک بادشاہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، جنگ کسی فیصلہ کن مرحلے پر ختم نہ ہوئی اور یوں دونوں فوجیں الگ الگ ہوگئیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ یرمیا علیہ السلام نے معد بن عدنان کو بخت نصر کی بے رحمی اور سفاکی سے بچالیا۔ گو عدنان کا کافی نقصان ہوا مگر بخت نصر یہاں سے واپس اسیریا چلا گیا اور یوں حجاز مقدس اور دیگر عرب علاقے اس کے ہاتھوں محفوظ رہے۔ مذکورہ حالات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ بنو قیدار خیموں اور گاؤں میں زندگیاں بسر کر رہے تھے۔ یہ ایک جری اور بہادر قوم تھی۔ قبائل عرب کی سرداری اسی خاندان کے پاس تھی۔ ان کو طرز بدویانہ میں پورا جاہ اور جلال اور شان و شوکت حاصل تھی۔ تجارت اس قوم کا پیشہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ظہور اسلام تک اس قوم اور خاص طور پر اس کی شاخ قریش کا یہی نقشہ موجود تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یہ نسل قیدار اور پھر عدنان مکہ مکرمہ کے گرد ہی پھیلتی رہی عدنان کے بعد اسکے بیٹے معد کا زمانہ آیا۔

معد بن عدنان

خاندان قیدار میں معد بن عدنان اپنے باپ کے بعد رئیس عرب تھا۔ معد اپنے باپ سے بھی زیادہ عاقل اور ہر دل عزیز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ معد اہل عرب کے نزدیک بالاتفاق سردار قبائل تھا۔ عدنان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سلسلہ نسب میں اکیسویں پشت میں تھا اس طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور عدنان کے درمیان چالیس پشتوں کا فاصلہ ہے۔ معد بن عدنان کا ایک بیٹا تھا جس سے اس خاندان کے آگے بہت سے خاندان وجود میں آئے۔

اولاد معد۔ نزار

معد کی اولاد میں نزار ہوا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ معد کے دو بیٹے تھے نزار اور دوسرے کا نام معلوم نہیں جبکہ بعض تاریخ دانوں کے نزدیک معد کا صرف ایک ہی بیٹا نزار تھا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری اولاد نہ تھی۔ مورخین

کے دونوں گروہ نزار پر تو متفق ہیں جبکہ دوسرے بیٹے کے بارے میں اختلاف ہے۔ سرزمین عرب پر نزار کی اولاد ہی پھلی پھولی اس لئے ہم اختلاف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یہاں نزار کی اولاد کے بارے میں ذکر کر رہے ہیں۔ نزار کے پانچ بیٹے تھے جن میں سے ہر ایک بیٹا الگ الگ قبیلے کی بنیاد ثابت ہوا۔ ان بیٹوں کے نام یہ ہیں۔

(1) ایاد (2) انمار (3) قضاعہ (4) ربیعہ (5) مضر

ان پانچوں بیٹوں میں سے تین کی اولاد کچھ زیادہ نہ پھیلی جبکہ آخری دو یعنی ربیعہ اور مضر کی بہت شاخیں ہوئیں پھر ان شاخوں سے آگے مزید بے شمار شاخیں سرزمین عرب پر پھیلیں۔ یہ خاندان قیدار طول میں یمن سے شام تک اور عرض میں حجاز و نجد سے بحرین و عراق تک پھیلا ہوا تھا۔ تاریخ عرب کا مطالعہ کریں تو یہ خاندان دور اسلام تک اسی نقشہ کے مطابق باقی تھا۔ نزار کے بیٹے ربیعہ سے آگے درج ذیل قبیلے وجود میں آئے۔

قبائل بنو ربیعہ

بنو ربیعہ سے جو قبائل وجود میں آئے انکی تعداد سات (7) تھی جن کے نام یہ ہیں۔

(1) اسد بن ربیعہ۔

(2) غزہ بن ربیعہ۔

(3) عبدالقیس بن ربیعہ۔

(4) تغلب بن ربیعہ۔

(5) وائل بن ربیعہ۔

(6) بکر بن ربیعہ۔

(7) بنو حنیفہ بن ربیعہ۔

بنو ربیعہ کی اولاد میں سے بنو عبدالقیس بحرین میں آباد ہوا۔ جبکہ بنو بکر و تغلب نے نجد میں سکونت اختیار کی آل منذر کی عراق میں آباد کاری ہوئی۔

اولاد مضر

نزار کے بیٹے مضر سے متعدد خاندان وجود میں آئے مگر ان خاندانوں میں دو خاندان ہی اصل میں بڑے تھے جو آگے چل کر اور بہت سے خاندانوں کے بانی بنے۔ ان دو بڑے خاندانوں یا قبیلوں کے نام یہ تھے۔

(1) قیس عیلان بن مضر۔

(2) الیاس بن مضر۔

قدرت نے قیس اور الیاس بن مضر کو کثیر اولاد سے نوازا اور پھر یوں ان کے درج ذیل مزید خاندان وجود میں آئے۔

بنو قیس عیلان بن مضر

بنو قیس بن مضر کے درج ذیل قبائل اس کے تین بیٹوں کی اولاد تھے یعنی

(1) بنو سلیم بن قیس عیلان۔

(2) بنو ہوازن بن قیس عیلان۔

(3) بنو غطفان بن قیس عیلان۔

پھر بنو غطفان کی اولاد میں سے آگے مزید قبائل بنے جن کے نام یہ ہیں۔

بنو غطفان

(1) عبس بن غطفان۔

(2) ذبیان بن غطفان۔

(3) اشجع بن غطفان وغیرہ۔

بنو الیاس بن مضر

مضر بن نزار بن الیاس سے درج ذیل قبائل وجود میں آئے۔

(1) تمیم بن مرہ۔

(2) ہذیل بن مدرکہ۔

(3) بنو اسد بن خزیمہ۔

(4) کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عامر) بن الیاس بن مضر۔

کنانہ بن خزیمہ سے قبیلہ قریش وجود میں آیا۔ اس طرح اہل قریش کا کنانہ تک شجرہ یوں ہے۔

فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔

خاندان قریش

لفظ قریش کے معنی

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دوسرے بیٹے قیدار سے چل کر عدنان تک اور پھر عدنان سے لے کر کنانہ و قریش تک اس نسل کے نام اور نہایت ہی مختصر تعارت ہم مکمل کر چکے ہیں۔ اب ہم اصل مقصد کی طرف قلم کا رخ کرتے ہوئے قریش اور آل قریش کی تاریخ بیان کر رہے ہیں۔ سب سے پہلے لفظ قریش کے معنی تحریر کئے جا رہے ہیں تا کہ اس خاندان کے نام کی وجہ اور اس لفظ کے معنوں سے واقفیت ہو سکے۔

قریش کے بانی کا نام فہر تھا جو اپنا لقب قریش رکھتا تھا۔ بعد میں یہ قبیلہ قریش کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ اس خاندان نے لفظ قریش کو اپنا علم قرار دیا۔ لفظ قریش کے عربی زبان میں بہت سے معنی ہیں۔ مثلاً اس لفظ کا ماخذ تقریش یا تقرش ہے جس کے معنی اکتساب و تحصیل کے ہیں۔ عربی زبان میں قریش ایک دریائی درندہ صفت جانور کا نام بھی ہے۔ بعض کے نزدیک قریش عربی زبان میں وہیل مچھلی کو کہا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں اس سمندری یا دریائی جانور سے مراد وہیل ہی ہے جو دیگر دریائی جانوروں کا شکار کرتی ہے (واللہ اعلم)۔ فہر نے اس جانور کی طاقت اور دوسرے دریائی جانوروں پر فوقیت کی صفت کو سامنے رکھتے ہوئے انسانوں پر یہ تمام صفتوں کی فوقیت ظاہر کرنے کے لیے اپنا لقب ہی قریش رکھ لیا۔ اور پھر یہ لفظ قریش ہمیشہ کے لیے فہر کی اولاد کے لئے مشہور ہو گیا۔

خاندان قریش کی شاخیں

قریش بھی کسی ایک قبیلے کا نام نہیں تھا بلکہ یہ قبیلہ آگے چھوٹے چھوٹے کئی قبیلوں میں منقسم تھا۔ قریش کی مشہور شاخوں کے نام یہ تھے۔

(1) سہم
(2) جمح
(3) عدی
(4) مخزوم
(5) غزہ
(6) تیم
(7) زہرہ
(8) قصیٰ بن کلاب۔

اولادِ قصیٰ

قصیٰ بن کلاب کے تین بیٹے تھے۔

(1) عبدالدار بن قصیٰ

(2) اسد بن قصیٰ

(3) عبدمناف بن قصیٰ

قدرت نے پھر قصیٰ کے تیسرے بیٹے عبدمناف کو چار بیٹے عطا فرمائے جن سے چار مزید ذیلی قبیلے وجود میں آئے یعنی۔

(1) عبدشمس بن عبدمناف

(2) نوفل بن عبدمناف

(3) مطلب بن عبدمناف

(4) ہاشم بن عبدمناف

قدرت نے عبدمناف کے سب سے چھوٹے بیٹے ہاشم کی نسل سے فخرِ کونین، ختم المرسلین، تاجدارِ عرب وعجم، فخرِ انسانیت، سرکارِ مدینہ، سرورِ سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو پیدا فرمایا۔ عدنان سے لے کر حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تک سلسلہ نسب مبارکہ حرف بحرف صحیح اور ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہے۔ صحیح روایات سے یہی ثابت ہے اور اس پر اجماعِ امت ہے۔ علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ سلسلہ نسب عدنان سے آگے بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔ انہی کے مطابق عدنان اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان چالیس پشتوں کا فاصلہ ہے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ ''اللہ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا۔ پھر اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے اولادِ کنانہ کا انتخاب کیا۔ کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو منتخب کیا۔ قریش میں سے بنوہاشم اور پھر بنوہاشم میں سے میرا انتخاب فرمایا''۔

از: صحیح مسلم جلد دوم۔

جامع ترمذی جلد دوم۔

فہر قریش کے خاندان میں سے پیدا ہونے والے مزید قبائل کا تعارف ہم کرا چکے ہے اب یہاں شجرہ کی مدد سے ان قبائل وخاندانوں کا باہمی تعلق بیان کرتے ہیں۔

بنوہوازن

یہ لوگ مکہ مکرمہ کے مشرق میں وادی اوطاس کے اردگرد آباد ہوئے۔ ان لوگوں کا بصرہ اور مکہ کی سڑک پار استہ مسکن تھا۔

بنو اسد

یہ شاخ کوفہ کے مغرب اور تیما کے مشرق میں آباد تھی۔

بنو ذبیان

حوران کے اطراف میں آباد ہوئے۔

بنو کنانہ

تہامہ میں بنو کنانہ کے خاندان باقی رہ گئے تھے۔

قریش

اس خاندان نے مکہ کے اردگرد سکونت اختیار کرلی تھی۔

قُصٰی

تمام تاریخ دان اس بات پر متفق ہیں کہ قبیلہ قریش کسی ایک مرکز پر اکٹھے نہ تھے۔ ان کی حالت پراگندہ اور شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔ اس خاندان کو اصل معنوں میں سیاسی عظمت وجلال قصٰی کی بدولت حاصل ہوا۔ اس شخص نے اپنی خداداد قابلیت اور حسن اخلاق سے قریش کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا اور یوں اطراف میں اہل قریش ایک سیاسی منظم طاقت کی شکل میں روشناس ہوئے۔ قصٰی اصل معنی میں اہل قریش کا عملی مرد شجاع اور ہیرو (یعنی بہادر انسان) تھا جس نے اس بھٹکی قوم کو یکجا کیا۔

زمانہ قریش

تاریخ عرب یا تاریخ عالم کا مطالعہ کریں تو ہرگز اس بات کا علم نہیں ہوسکتا کہ اہل قریش دنیا کی تاریخ میں کب ظاہر ہوئے۔ اس خاندان کی تاریخی بنیاد کیا ہے۔ اگر اس بات کا علم نہ ہوسکے تو تاریخ قریش کا یہ پہلو تشنہ تکمیل ہی رہ جائے گا۔ اس لیے ہمیں کوئی ایسا طریقہ ضرور نکالنا چاہئے جس کی مدد سے اہل قریش کی تاریخ کا کچھ نہ کچھ اندازہ لگایا جاسکے۔ تاریخ عرب کا مطالعہ کریں تو یہ بات آسانی سے ہمیں نظر آسکتی ہے کہ عبدالمطلب چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں موجود تھے۔ اب عبدالمطلب سے اوپر کی طرف سفر کریں تو فہر (قریش) تک دس پشتیں بنتی ہیں۔ پھر اگر ہم اندازاً ایک پشت کے لیے پچاس سال کا زمانہ مقرر کریں تو یہ زمانہ پانچ سو سال بنتا ہے۔ اسطرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جدِ قریش فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن

عدنان تقریباً سن 75ء کے قریب گزرا ہے۔ ہم نے یہ اندازہ اپنی عقل وفہم کے اعتبار سے بحساب پشت کیا ہے جو ہمارے نزدیک واحد ذریعہ تھا گو اب مورخین عموماً ایک پشت پچیس سال شمار کرتے ہیں۔

قصٰی بن کلاب کی مختصر تاریخ

(قُصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) بن مالک)

جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ سرزمین عرب پر قوم حمیر بھی حکمران تھی۔ قوم حمیر کے زیر سایہ جہاں قیدار کی اولاد میں سے کئی قبیلے تھے ان میں سے قبیلہ بکر بن وائل بھی تھا۔ بکر بن وائل کے لوگ عرصہ دراز قوم حمیر کے تحت زندگیاں بسر کرتے رہے پھر آہستہ آہستہ ان لوگوں میں آزادی کی تڑپ اُبھری۔ اس طرح یہ پہلا قبیلہ تھا جس نے حمیر کے خلاف سر اٹھایا۔ کلاب اس قبیلہ کا پہلا فرد تھا جس نے قوم حمیر کے خلاف باقاعدہ علم آزادی بلند کیا۔ کلاب کے بعد قصٰی نے اس جستجو کو جاری رکھا اور یوں ایک وقت ایسا آیا کہ یہ قریش کا بے تاج بادشاہ بن گیا۔ اس شخص نے قریش کو سیاسی، سماجی اور اقتصادی اعتبار سے ایک مستقل قبیلہ کی شکل دی۔

زمانہ بچپن اور ترقی

قصٰی ابھی بچہ ہی تھا کہ والد کے سایہ سے محروم ہو گیا۔ ماں نے تھوڑے عرصہ بعد ہی قبیلہ بنی عذرہ کے ایک شخص سے دوسری شادی کر لی۔ قبیلہ بنی عذرہ شمالی عرب کی حدود شام کے قریب آباد تھا۔ اس کی والدہ اپنے اس یتیم بیٹے کو بھی ہمراہ لے گئی۔ دوسرے باپ نے قصٰی کو خوشی سے اپنے پاس رکھ لیا۔ یوں قصٰی نے اپنی والدہ کی آغوش میں ہی پرورش اور تربیت حاصل کی۔ جوان ہوا تو قدرتی تقاضے کے مطابق اپنے اصل قبیلے کو پانے کی جستجو شروع کر دی۔ آخر قصٰی کو پتہ چل گیا کہ اس کا حقیقی پدری قبیلہ قریش ہے۔، جوان دنوں حجاز میں سکونت پذیر تھا۔ حجاز میں آباد دیگر قبائل نے قریش کو اس حد تک دبا رکھا تھا کہ یہ قبیلہ آہستہ آہستہ اپنی حیثیت و وجود ہی کھو رہا تھا۔ قصٰی شمالی عرب سے چل کر حجاز آیا اور شب و روز محنت، اپنی مدبرانہ حکمت عملی اور ذہانت کی بنا پر اس نے قریش کے منتشر لوگوں کو ایک مرکز پر اکٹھا کیا۔ قصٰی جب قریش کو اکٹھا کر رہا تھا تو دیگر قبائل نے طاقت کی بنا پر قریش کو دبانے کی کوشش کی کیونکہ قریش کا منتشر رہنا ان قبائل کے لئے فائدہ مند تھا جبکہ اکٹھا ہو کر ایک طاقت بن جانا خطرناک تھا۔ قصٰی کو ابتداء میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اسے چند جھڑپوں کا سامنا بھی کرنا پڑا تاہم قصٰی حجاز میں قریش کی ایک چھوٹی سی حکومت بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس چھوٹی سی حکومت نے جلد ہی عرب میں ایک مستقل سیاسی اہمیت حاصل کر لی۔

قُصٰی کا قائم کردہ سیاسی واجتماعی نظام حکومت

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قصٰی کی والدہ دوسری شادی کرنے کے بعد حدود شام پر واقع بنی عذرہ میں منتقل ہو چکی

تھی۔ یتیم بیٹے کو ہمراہ لے گئی اور یوں قصی نے ابتدائی تعلیم سے لے کر جوانی تک اسی جگہ تربیت حاصل کی۔ ادھر عرب کے اہل قریش بدوی زندگیاں بسر کر رہے تھے۔ قصٰی نے حجاز آ کر قریش کو یکجا کیا اور ان کی با قاعدہ تربیت شروع کی۔ جن سیاسی، قومی اور نظم ونسق کے حکومتی اصولوں کو اس نے قریش میں رائج کیا اصل میں وہ اصول قصٰی نے حکومت شام کے نظام سے ہی سیکھے تھے۔ قصٰی نے اہل قریش کی اس شہری حکومت کو دو طبقوں میں تقسیم کیا پھر یہ طبقے دس عہدہ داروں میں تقسیم کیے۔ یہ دس عہدہ دار قریش کی دس مختلف شاخوں سے منتخب کیے جاتے۔ اس طرح اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ایک چھوٹی سی شہری جمہوریت (طرز حکومت) تھی۔

بہر حال قصٰی نے قریش کی حکومت چلانے کے لیے جو نظام رائج کیا اس پر اگر غور کیا جائے تو اس میں یونانیوں کی طرز اور طریقہ حکومت کا دھندلا سا نقشہ نظر آتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب کرہ ارض پر بسنے والے بنی نوع انسان کے لئے مکمل حیات بسر کرنے کا نظام روشناس کرایا اس وقت تک قریش کے ہاں مذکورہ طرز حکومت ہی رائج تھا جسے رائج ہوئے تقریباً اڑھائی صدیاں گزر چکی تھیں۔ قصٰی نے نظام حکومت چلانے کے لئے تین شعبے قائم کیے جن کے ذمے الگ الگ منصبی فرائض تھے۔ یہاں میں ان تینوں شعبوں کی تقسیم اور نام مع کام درج کر رہا ہوں تاکہ قریشی حکومت کا نظام سمجھنے میں آسانی رہے۔

دارالندوہ (فیصلہ گاہ)

قُصٰی نے اہل قریش کے ہاں جو نظام حکومت رائج کیا تھا اس کا خاکہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ عدالتی نظام کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے کہ ان کے ہاں ایک ندوہ کا شعبہ بھی تھا جس کا انتظام بنو عبد الدار کے سپرد تھا۔ یہ دارالندوہ قریش کے ہاں بڑی اہمیت کا حامل تھا اس لئے یہاں شعبہ ندوہ کی تشریح اور وہاں سرانجام پانے والے امور کا ذکر کر رہے ہیں۔

قریش کے ہاں دارالندوہ کی الگ عمارت موجود تھی جس کو ہم ایوان حکومت بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس ایوان کی داغ بیل بھی قُصٰی نے ڈالی تھی۔ اس ایوان میں اہل قریش باہمی صلاح مشورہ سے اپنے اجتماعی، سیاسی، اقتصادی، معاشی اور معاشرتی فیصلے کیا کرتے تھے۔ اکثر شادی بیاہ، تجارتی کارواں کی روانگی وغیرہ کے فیصلے بھی یہاں سرانجام پاتے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک میں تحریر کیا جائے گا کہ اہل قریش نے حضور علیہ السلام کی شب و روز تبلیغ حق سے پریشان ہو کر آپ علیہ السلام کی حیات مبارکہ کا چراغ گل کرنے کا مجرمانہ فیصلہ بھی اسی دارالندوہ میں بیٹھ کر طے کیا تھا۔ مگر قدرت نے ان لوگوں کو اس مقصد میں ناکام کر کے ان کو دونوں جہانوں میں ذلیل و رسوا کیا۔

قبائل عرب کی اقسام

تہذیب وتمدن کے اعتبار سے قبائل عرب کی دو اقسام تھیں۔

ہیں ایک سنگین شہر پناہ ہے بارہ میل کے دور میں بستا ہے اس شہر کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا مختصر بیان یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دو حواریوں صادق اور صدوق کو انطاکیہ بھیجا تا کہ وہاں کے لوگوں کو جو بت پرست تھے دینِ حق کی دعوت دیں جب یہ دونوں شہر کے قریب پہنچے تو انہوں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ بکریاں چرا رہا ہے اس شخص کا نام حبیب نجار تھا اس نے ان کا حال دریافت کیا ان دونوں نے کہا ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے ہیں تمہیں حق کی دعوت دینے آئے ہیں کہ بت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کرو۔ حبیب نجار نے نشانی دریافت کی انہوں نے کہا نشانی یہ ہے کہ ہم بیماروں کو اچھا کرتے ہیں اندھوں کو بینا کرتے ہیں۔ برص والے کا مرض دور کر دیتے ہیں۔ حبیب نجار کا ایک بیٹا دو سال سے بیمار تھا انہوں نے اس پر ہاتھ پھیرا وہ تندرست ہو گیا۔ حبیب ایمان لائے اور اس واقعہ کی خبر مشہور ہو گئی تا آنکہ ایک خلق کثیر نے ان کے ہاتھوں اپنے امراض سے شفا پائی یہ خبر پہنچنے پر بادشاہ نے انہیں بلا کر کہا کیا ہمارے معبودوں کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے۔ ان دونوں نے کہا ہاں وہی جس نے تجھے اور تیرے معبودوں کو پیدا کیا۔ پھر لوگ ان کے در پے ہوئے اور انہیں مارا اور یہ دونوں قید کر لئے گئے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شمعون کو بھیجا وہ اجنبی بن کر شہر میں داخل ہوئے اور بادشاہ کے مصاحبین و مقربین سے راہ و رسم پیدا کر کے بادشاہ تک پہنچے اور اس پر اپنا اثر پیدا کر لیا جب دیکھا کہ بادشاہ ان سے خوب مانوس ہو گیا ہے تو ایک روز بادشاہ سے ذکر کیا کہ دو آدمی جو قید کئے گئے ہیں کیا ان کی بات سنی گئی تھی وہ کیا کہتے تھے بادشاہ نے کہا کہ نہیں جب انہوں نے نئے دین کا نام لیا تو فوراً ہی مجھے غصہ آ گیا۔ شمعون نے کہا کہ اگر بادشاہ کی رائے ہو تو انہیں بلایا جائے دیکھیں ان کے پاس کیا ہے چنانچہ وہ دونوں بلائے گئے شمعون نے ان سے دریافت کیا تمہیں کس نے بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ نے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر جاندار کو روزی دی اور جس کا کوئی شریک نہیں شمعون نے کہا اس کی مختصر صفت بیان کرو انہوں نے کہا وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے شمعون نے کہا تمہاری نشانی کیا ہے انہوں نے کہا جو بادشاہ چاہے تو بادشاہ نے ایک اندھے لڑکے کو بلایا انہوں نے دعا کی وہ فوراً بینا ہو گیا۔ شمعون نے بادشاہ سے کہا کہ اب مناسب یہ ہے کہ تو اپنے معبودوں سے کہہ کہ وہ بھی ایسا ہی کر کے دکھائیں تا کہ تیری اور ان کی عزت ظاہر ہو۔ بادشاہ نے شمعون سے کہا کہ تم سے کچھ چھپانے کی بات نہیں ہے ہمارا معبود نہ دیکھے نہ سُنے نہ کچھ بگاڑ سکے نہ بنا سکے پھر بادشاہ نے ان دونوں حواریوں سے کہا اگر تمہارے معبود کو مُردے کو زندہ کر دینے کی قدرت ہو تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے انہوں نے کہا ہمارا معبود ہر شے پر قادر ہے بادشاہ نے ایک دہقان کے لڑکے کو منگوایا جس کو مرے ہوئے سات دن ہو گئے تھے اور جسم خراب ہو چکا تھا بدبو پھیل رہی تھی۔ ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کیا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں مشرک مرا تھا مجھ کو جہنم کی سات وادیوں میں داخل کیا گیا میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ جس دین پر تم ہو بہت نقصان دہ ہے۔ ایمان لاؤ۔ اور کہنے لگا کہ آسمان کے دروازے کھلے اور ایک حسین جواں مجھے نظر آیا جو ان تین شخصوں کی سفارش کرتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کون سے تین۔ اُس نے کہا ایک شمعون اور دو یہ۔ بادشاہ کو تعجب ہوا جب شمعون نے دیکھا کہ اس کی بات بادشاہ پر اثر کر گئی تو اس نے بادشاہ کو نصیحت کی۔ وہ ایمان لایا اور اسکی قوم کے کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ ایمان نہ لائے اور عذابِ الٰہی سے ہلاک کئے گئے۔

(1) تفسیر ابن کثیر

(2) البدایہ والنہایہ
(3) فتح الباری

اصحاب سبت

قرآن مجید میں اصحاب سبت کا ذکر مندرجہ ذیل سورتوں میں فرمایا گیا ہے۔

(1) سورۃ البقر آیت 65،66 (2) سورۃ النساء آیت 47،154
(3) سورۃ المائدہ آیت ۔60 (4) سورۃ الاعراف آیات 163 تا 166
(5) النحل ۔آیت 124

اصحابِ سبت کا زمانہ تقریباً 1100 قبل مسیح بیان کیا گیا ہے اس اجمال کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد مبارک سے عرصہ دراز کے بعد بنی اسرائیل کی ایک جماعت بحر قلزم کے کنارے آباد ہوگئی تھی چونکہ یہ لوگ ساحل کے باشندے تھے اس لئے مچھلی ان کا قدرتی شکار تھا۔ اور وہ اس کو بہت مشغلہ سمجھتے اور اس کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتے تھے یہ لوگ ہفتہ کے چھ دن مچھلی کا شکار کھیلتے اور سبت کا روز یعنی ہفتہ کا دن عبادت الٰہی میں صرف کرتے اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمایا اور ان کی قوت ایمانی کا امتحان لیا حتیٰ کہ سبت کے علاوہ ہفتہ کے باقی چھ دنوں میں مچھلیوں کا حاصل ہونا مشکل ہوگیا۔ کچھ دنوں تک تو یہود اس حالت کو صبر آزما طریقہ پر دیکھتے رہے آخر نہ رہ سکے اور ان میں سے بعض نے خفیہ طریقوں سے ایسے حیلے ایجاد کر لئے کہ جس سے ظاہر نہ ہو سکے کہ وہ سبت کے احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ چنانچہ بعض تو یہ کرتے کہ جمعہ کی شام کو بحر قلزم کے قریب گڑھے کھود لیتے اور دریا سے ان گڑھوں تک پانی کے لئے راستہ نکال لیتے اور جب سبت کے روز سطح آب پر مچھلیاں تیرنے لگتیں تو وہ دریا کے پانی کو کھول دیتے تاکہ پانی گڑھوں میں چلا جائے اور اس طرح مچھلیاں بھی پانی کے بہاؤ سے ان میں چلی جائیں اور بعض یہ کرتے کہ جمعہ کے روز دریا میں جال اور کانٹے لگا آتے تاکہ سبت کے روز ان میں مچھلیاں پھنس جائیں اور اتوار کی صبح کو ان گڑھوں اور جالوں وغیرہ سے مچھلیوں کو پکڑ لاتے۔ چنانچہ بستی کی سعادت مند جماعت نے ان کو اس بدعملی سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر یہود اس بدعملی سے باز نہ آئے تو انہیں بندر بنا دیا گیا۔ ایک روز منع کرنے والوں نے دیکھا کہ خطا کاروں میں سے کوئی نہیں نکلا تو انہیں دیکھنے کے لئے دیوار پر چڑھے تو دیکھا کہ وہ بندروں کی صورت میں مسخ ہو گئے تھے یہ لوگ دروازہ کھول کر داخل ہوئے تو وہ بندر اپنے رشتہ داروں کو پہچانتے تھے اور ان کے پاس آکر ان کے کپڑے سونگھتے تھے اور یہ لوگ ان بندر ہو جانیوالوں کو نہیں پہنچانتے تھے ان لوگوں نے ان سے کہا ہم لوگوں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا انہوں نے سر کے اشارے سے کہا ہاں! اور تین روز اسی حالت میں رہ کر وہ سب ہلاک ہوگئے اور منع کرنے والے سلامت رہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی سورۃ البقر آیات 65 تا 66 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ۔ ''اور بے شک ضرور تمہیں معلوم ہے تم میں سے کے وہ جنہوں نے ہفتہ (سبت) میں سرکشی کی تو ہم نے ان سے فرمایا کہ ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔ تو ہم نے (اس بستی کا) یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لیے عبرت کر دیا اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت (سورۃ البقرہ آیات 65 تا66)''

اصحاب الرس

قرآنِ کریم میں اصحاب الرس کا ذکر درج ذیل سورتوں میں فرمایا گیا ہے:۔

(1) سورۃ الفرقان۔ آیت 38

(2) سورۃ قٓ۔ آیت 12

سورۃ الفرقان آیت 38 میں ارشاد فرمایا

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾

ترجمہ۔ ''اور عاد۔ ثمود اور اصحاب الرس (کنویں والوں) کو اور ان کے درمیانی زمانہ کی بہت سی قوموں کو (ہم نے ہلاک کر دیا) اور ہم نے ہر ایک کے واسطے مثالیں بیان کیں۔''

رس ایک کنواں ہے جہاں یہ لوگ مع اپنے مویشی کے مقیم تھے اور بتوں کو پوجتے تھے یہ کنواں زمین میں دھنس گیا اور اس کے قریب کی زمین بھی یہ لوگ اور ان کے اموال اس کے ساتھ دھنس گئے۔

تفسیر ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ارض القرآن

سبا اور سیل عرم

قرآن کریم میں قوم سبا کا ذکر سورۃ النمل اور سورۃ السبا میں فرمایا گیا ہے:۔

(1) سورۃ النمل۔ آیت 22

(2) سورۃ سبا۔ آیت 15

سبا عرب یعنی یمن کا ایک قبیلہ ہے جو اپنے جدّ کے نام سے مشہور ہے اور وہ جد سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان ہے۔

سورۃ سبا آیات 15 تا 17 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴿١٥﴾ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ ﴿١٦﴾ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ﴿١٧﴾

ترجمہ۔ ''بے شک سبا کے لئے ان کی آبادی میں نشانی تھی دو باغ دائیں اور بائیں۔ اپنے ربّ کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو پاکیزہ شہر (سبا) اور بخشنے والا رب (رب کریم)۔ تو انہوں نے منہ پھیرا تو ہم نے ان پر زور کا سیلاب (سیلِ عرم) بھیجا اور ان کے باغوں کے عوض دو باغ انہیں بدل دیئے جو بدمزہ پھلوں۔ جھاؤ (ایک قسم کا بغیر پھل کے پیڑ) اور کچھ بیری کے جھنڈ تھے۔ یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم ناشکر قوم ہی کو سزا دیا کرتے ہیں۔''

عام مورخین کا بیان ہے کہ سبا نے چار سو چوبیس (424) برس حکومت کی مگر جدید فلسفہ تاریخ کے لحاظ سے اس کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ یہ خاندان سبا کی مدت حکومت بیان کی گئی ہے لیکن یہ قاعدہ اس جگہ صحیح معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر قحطان کی تیسری پشت سے اس مدت کو شروع کیا جائے تو یہ تقریباً 2500 قبل مسیح ہو سکتی ہے اس حساب سے سبا کی حکومت کو 2000 قبل مسیح میں ختم ہو جانا چاہیئے حالانکہ حضرت سلیمان علیہ السلام (986 ق م - 932 ق م) کے تذکرہ میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ 950 قبل مسیح میں ملکہ سبا ''بلقیس'' نے حاضر خدمت ہو کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

مورخین کا کہنا ہے کہ سبا کے دو بیٹے تھے ایک حمیر اور دوسرا کہلان اور تمام قحطانی قبائل ان دو سلسلوں سے منسلک ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عدنانی یعنی اسماعیلی قبائل جو نابت اور قیدار کی اولاد ہیں ان کا اصلی وطن شمالی عرب ہے اور قحطانی قبائل کا مسکن جنوبی عرب یعنی یمن ہے۔ سبا کی حکومت دو طبقات اور دو جدا جدا دوروں میں منقسم ہے طبقات اولیٰ کا پہلا دور تقریباً 1100 ق م سے شروع ہو کر 550 قبل مسیح میں ختم ہوتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ (972 ق م - 932 ق م) کی ملکہ بلقیس اسی دور سے تعلق رکھتی ہے۔ طبقہ اولیٰ کا دوسرا دور 115 قبل مسیح پر ختم ہو جاتا ہے اور ''سیل عرم'' اور ''سبا کا انتشار'' اسی دور سے متعلق ہے۔ طبقہ ثانیہ کا پہلا دور 115 ق م سے شروع ہو کر 30 عیسوی میں ختم ہو جاتا ہے یہی بادشاہ ''ملکِ سبا وزیدان'' اور ''ملوک حمیر'' کہلاتے ہیں اور زیدان ان کے مشہور قلعے کا نام ہے اور سبا اور حمیر قومیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک کتبہ میں حبشہ کے حملۂ یمن اور ذونواش کی موت کا تذکرہ ہے چونکہ یہ واقعہ 625 عیسوی میں پیش آیا ہے اور کتبہ میں 640 حمیری درج ہے لہٰذا اس کو پیش نظر رکھ کر سنہ حمیری کی ابتداء 115 ق م سے مطابقت رکھتی ہے۔

طبقہ ثانیہ کا دوسرا دور 300 عیسوی کے آخر سے شروع ہو کر 525 عیسوی پر ختم ہوتا ہے اور یہ وہ زمانہ ہے کہ جب آخری مرتبہ اہلِ حبش یمن پر قابض ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ آفتاب اسلام کی ضیاء یمن تک پہنچتی ہے اور سارا یمن

ایک ہی روز مشرف با اسلام ہو جاتا ہے اس دور میں حکومت کا تسلسل باقی نہیں رہا بلکہ 40 عیسوی کے وسط میں پہلی مرتبہ اکسومی حبشی خاندان نے کچھ عرصہ کے لئے یمن پر فاتحانہ قبضہ کر لیا تھا مگر چند سال کے بعد حمیر پھر اس کو واپس لے لیتے ہیں اور اس دور میں شاہان سبا کا لقب مورخین عرب کے نزدیک ''تبع'' ہو جاتا ہے اور یہ ''تبابعۂ یمن'' کہلاتے ہیں سامی زبان میں ''تبع'' کے معنی ''سلطان اور قاہر بادشاہ'' کے ہیں۔ چونکہ اس دور میں شاہان حمیر نے یمن کے علاوہ حضر موت، حبشہ، نجد اور تہامہ تک اپنی حدودِ مملکت کو وسیع کر لیا تھا اس لئے وہ اس لقب سے مشہور ہوئے۔ یہ وہی ''تبع'' ہیں جن کا ذکر قرآن مجید سورہ دخان (آیت 37) اور سورہ ق (آیت 14) میں کیا گیا ہے۔ زیدان کا قلعہ ان کا ابتدائی دارالحکومت رہا اور یہ شہر ظفار (ضفار) کے قریب آباد تھا۔ مورخ و محدث ابن کثیر نے بھی اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ ''عرب اس بادشاہ کو جو یمن کے ساتھ شحر اور حضر موت کا بھی بادشاہ ہو تبع کہتے ہیں جیسا کہ اس بادشاہ کو جو شام اور جزیرہ دونوں کا حکمران ہو قیصر کہتے ہیں اور فارس کا بادشاہ ہو اس کو کسریٰ اور ملک مصر کے بادشاہ کو فرعون اور حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی اور ہندوستان کے بادشاہ کو بطلیموس کہتے ہیں۔

سدِّ مآرب

اس سدّ مآرب کے متعلق قدیم و جدید مورخوں اور سیاحوں نے جو حالات لکھے ہیں وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ سبا کو فن انجینئری (تعمیری علم) اور ہندسہ میں بہت کمال حاصل تھا۔ مآرب کے جنوب میں دائیں بائیں دو پہاڑ ہیں جو کوہ ابلق کے نام سے مشہور ہیں اور ان کے درمیان بہت طویل و عریض آبادی ہے جس کو وادیٔ اذنیہ کہتے ہیں۔ جب پانی برستا یا پہاڑی چشموں سے نکلتا تو وادی دریا بن جاتی۔ سبا نے یہ دیکھ کر 800 قبل مسیح میں ان دونوں پہاڑوں کے درمیان بند باندھنا شروع کیا اور عرصہ تک اس کی تعمیر کا سلسلہ جاری رہا۔ پانی کے اوپر نیچے تین درجے قائم کر دیئے تھے ایک سو پچاس فٹ لمبی اور پچاس فٹ چوڑی دیوار تعمیر کی گئی تھی جس کا بہت بڑا حصہ منہدم ہو چکا ہے اور ایک تہائی (کہا جاتا ہے کہ) اب بھی باقی ہے اس عظیم الشان بند کی وجہ سے تین سو مربع میل تک داہنے اور بائیں چھواروں کے نخلستان۔ میووں اور پھلوں کے حسین و جمیل باغ۔ خوشبوؤں کے کھیت۔ دار چینی، عوذ اور مختلف قسم کے خوشبودار درختوں کے گنجان باغات اس کثرت سے ہو گئے تھے کہ تمام علاقہ چمنستان اور فردوس بنا ہوا تھا۔ محققین بیان کرتے ہیں کہ اوس و خزرج کے دونوں قحطانی قبیلے سدّ مآرب کی تباہی کے بعد تیسری صدی عیسوی میں ہجرت کر کے یثرب (مدینہ منورہ) پہنچے۔

سبا کا یہ خاندان جو وسعتِ حکومت میں یمن (جنوبی عرب) اطراف شام و حجاز اور حبشہ پر حکمران تھا۔ 115 قبل مسیح کے پس و پیش حکومت سے بھی محروم ہو گیا اور اس کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔ حبشہ پر اکسومی (سبا) خاندان نے اور شمالی عرب میں اسماعیلی عربوں نے اور یمن میں حمیری (سبا) خاندان نے اپنی اپنی حکومتیں قائم کر لیں۔

ارض القرآن جلد 1 صفحہ 258

تاریخ ابن کثیر جلد دوم

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا

تفسیر ابن کثیر

اصحاب الخذود یا قوم تبعّ

قرآن کریم میں اصحاب الخذود کا ذکر سورۃ بروج آیت 4 میں کیا گیا ہے جبکہ قومِ تبعّ کا ذکر سورۃ الدخان آیت 37 اور سورۃ ق آیت 14 میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ سورۃ ق کی آیات 12، 13، 14 میں ارشاد ہوتا ہے:۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحَٰبُ

الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿۱۳﴾ وَأَصْحَٰبُ

الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ۔ ''ان سے پہلے جھٹلایا نوح کی قوم اور رس والوں اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط کے ہم قوموں اور بن والوں (اصحاب الایکہ) اور تبعّ کی قوم نے ان میں ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرے عذاب کا وعدہ ثابت ہو گیا۔''

ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ اخدود کا معاملہ ایک تو یمن میں تبع کے زمانہ میں پیش آیا۔ دوسرا قسطنطین (306ء۔337ء) کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں اور تیسرا عراق (بابل) میں بخت نصر کے زمانہ میں پیش آیا۔ جس نے ایک بت بنا رکھا تھا کہ اس کو سجدہ کریں اور جو سجدہ نہ کرتا اسکو آگ میں جھونک دیا جاتا تھا۔

قرآن کریم میں اصحاب الایکہ کا ذکر

1. سورۃ الحجر آیت 78
2. سورۃ ص آیت 13
3. سورۃ الشعراء آیت 176
4. سورۃ ق آیت 14

تفسیر ابن کثیر جلد 4 صفحہ 549

البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 131

صائبین یعنی ستارہ پرست

قرآن کریم کی سورۃ البقرآیت 62 اور سورۃ الحج آیت 17 میں ستارہ پرست کفار قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

مجوسی یعنی آتش پرست

قرآن کریم کی سورۃ حج آیت 17 میں ارشاد ہوتا ہے:۔

ترجمہ۔'' بے شک ایمان والوں (مسلمانوں) اور یہودی اور ستارہ پرست اور نصرانی اور آتش پرست اور مشرک بے شک اللہ ان سب میں قیامت کے دن فیصلہ کردے گا بے شک ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔''

سورج پرست

قرآن کریم کی سورہ النمل کی آیت 24 میں ملکہ سبا اور اس کی سورج پرست قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے۔سورۃ النمل آیت 24

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا

يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٢٤﴾

ترجمہ:''میں (ہُد ہُد) نے اُسے اور اس کی قوم کو پایا کہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہ میں سنوار کر ان کو سیدھی راہ سے روک دیا تو وہ راہ نہیں پاتے''

تخلیق حضرت آدم علیہ السلام

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی مختلف آیات میں ذکر فرمایا ہے۔میں سیرت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ابتداء ہی سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر مبارک سے کر رہا ہوں تا کہ مطالعہ کرنے والے ابتدائے نسل انسانی سے لے کر فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ظاہری حیات مبارکہ، آپ علیہ السلام کے صحابہ، امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تمام واقعات وحالات سے مکمل آگاہی حاصل کرتے ہوئے میرے حق میں بخشش کی دعا کریں۔تخلیق سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو قرآن کریم کی آیات اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ارشادات کی روشنی میں بیان کرنے کی سعادت عظمیٰ حاصل کر رہا ہوں۔دعا ہے اللہ کریم اپنے محبوب علیہ السلام کے صدقے مجھے اس باب کو مکمل کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔اس باب کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے تمام وہ انبیاء ورسل علیہم السلام جن کا ذکر قرآن کریم اور دوسری آسمانی کتب میں ملتا ہے۔مختصراً بیان کروں گا اس کے بعد فخر کونین، تاجدار عرب وعجم، بے کسوں کے کس، آقا ومولیٰ، رحمت اللعالمین، نور مجسم، سرکارِ مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مکمل حیات مقدسہ بیان کرنے کی پوری کوشش کروں گا اللہ کریم ہمت عطا فرمائے اور اس عظیم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر اپنی بارگاہ اعلیٰ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔آمین

تخلیق حضرت آدم علیہ السلام۔ قرآن مجید کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو پختہ ٹھیکری کی طرح آواز دینے والی مٹی سے پیدا فرما کر زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ الحجر آیت 28

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ
لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ”اور (اے حبیب علیہ السلام) جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا تھا میں خمیر اٹھے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں“۔

ایک دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا۔ سورۃ ص آیت 71

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۱﴾

ترجمہ: ”اور وہ وقت یاد کرو جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ربّ نے فرشتوں سے کہا میں مٹی سے بشر (یعنی حضرت آدم علیہ السلام) کو پیدا کرنے والا ہوں“۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ السجدہ آیت 7

الَّذِىْٓ اَحْسَنَ
كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷﴾

ترجمہ: ”وہ (یعنی باری تعالیٰ) جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور پیدائش انسان کی ابتداء مٹی سے فرمائی“۔

اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا۔ سورۃ الرحمٰن آیت 14

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”اس یعنی اللہ تعالیٰ نے آدمی کو بنایا بجتی مٹی سے جیسے ٹھیکری“۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ الحجر آیت 26

وَلَقَدْ خَلَقْنَا
الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ”اور بلاشک واقعہ یہ ہے کہ ہم نے انسان کو خمیر اٹھے ہوئے گارے سے بنایا جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے“۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔ سورۃ البقرہ آیت 30

اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ

ترجمہ: ”میں زمین پر (آدم علیہ السلام) کو اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں“۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل یعنی اسراء آیت 70

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ

ترجمہ: ''بے شک ہم نے نسل آدم کو تمام کائنات پر بزرگی اور برتری عطا فرمائی۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ سورۃ التین آیت 4

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴

ترجمہ: ''بلاشبہ ہم نے انسان کو اچھی صورت پر بنایا۔''

ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

بابت تخلیق حضرت آدم علیہ السلام

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے ان سوالات کے جوابات ارشاد فرمائے جو وقتاً فوقتاً آپ علیہ السلام سے صحابہ کرام نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں پوچھے۔ ارشادات نبوی علیہ السلام میں سے چند تحریر کیے جا رہے ہیں تا کہ حدیث شریف کی روشنی میں تخلیق آدم کے بارے میں آگاہی حاصل ہو سکے۔

ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔
''لوگ آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہیں اور آدم (علیہ السلام) مٹی سے پیدا ہوئے۔''

(2) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی کی ایک مشت سے پیدا کیا۔ وہ مشت خاک تمام روئے زمین سے لی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اولاد آدم علیہ السلام میں اسی خاک کا اثر رہا۔ ان میں سے سرخ بھی ہیں، سفید بھی، سیاہ بھی اور درمیانی رنگت والے بھی، سہل بھی ہیں، حزن بھی ہیں، خبیث بھی اور ملیح بھی۔''

(3) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ''آدم تین قسم کی مٹی سے پیدا ہوئے، ایک قسم کی مٹی سیاہ تھی، دوسری سفید قسم کی، اور تیسری قسم وہ تھی جسے حضرا (یعنی نشوونمود کی صلاحیت رکھنے والی) کہتے ہیں۔''

(4) حضرت ابو قلابہ و حسن بصری رحمہما اللہ کا قول ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ''آدم کے ہر قسم کے اوصاف زمین سے پیدا ہوئے، سیاہ مٹی سے بھی، سرخ سے بھی سفید سے بھی، حزن سے بھی

اور سہل سے بھی۔''

(5) حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مقام نعمان میں سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی پشت پر اپنا ید (ہاتھ) قدرت پھیر کر وہ تمام متنفس نکالے تھے جنہیں قیامت کے دن تک پیدا کرتا رہے گا۔ پھر ان سب سے عہد لیا تھا۔ اتنا فرما کر سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔ سورۃ الاعراف آیات 172 تا 173۔

ترجمہ۔ ''اور اے محبوب وہ واقعہ یاد کرو جب تیرے پروردگار نے بنی آدم (علیہ السلام) کی پشتوں سے ان کی نسلیں نکالیں اور خود انہی کو ان پر شاہد ٹھہرا کے پوچھا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟ سب نے جواب دیا ''بے شک تو ہمارا پروردگار ہے ہم اس پر شاہد ہیں۔'' یہ اس لئے ہوا کہ قیامت کے دن تم لوگ یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تو اس سے غافل تھے یا یہ کہو کہ پہلے تو ہمارے بزرگ ہی شرک میں مبتلا ہوئے تھے۔ اور ہم ان کے بعد بچے ہوئے تو کیا تو ہمیں اس پر ہلاک فرمائے گا جو اہل باطل نے کیا۔''

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش

خالق کائنات نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ سب سے پہلے ان کا خمیر تیار کیا مٹی کو گوندھا گیا وہ مٹی ہر قسم کی تبدیلی قبول کر لینے والی تھی۔ جب مٹی پختہ ٹھیکری کی طرح آواز دینے اور کھنکھنانے والی ہوگئی تو اللہ کریم نے اس جسد خاکی میں روح پھونکی۔ وہ جسد فوراً ہڈی و گوشت پوست کا زندہ انسان بن گیا۔ اللہ کریم کی قدرت نے اس انسان میں روح، عقل و فہم، حس، شعور، ارادہ، جذبات و کیفیات غرض سب کچھ پیدا فرما دیا جو اس نے چاہا۔ اللہ کریم نے حضرت آدم علیہ السلام کے جسد خاکی میں جمعہ کے روز روح پھونک کر انہیں تخلیق فرمایا۔ اس سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ارشاد فرماتے ہیں اس حدیث کو حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار اور خدا کے نزدیک سب سے بڑا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی دن آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا۔ اسی دن ان کو زمین پر اتارا۔ اسی دن آدم (علیہ السلام) کی وفات ہوئی۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر تیار کرنے سے پہلے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں جو بشر کہلائے گا اور زمین پر میرا خلیفہ ہوگا۔ تم اس کے سامنے سربسجود ہو جانا۔

محققین اسلام کا بیان ہے کہ ''محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ اس کی دسویں تاریخ بالخصوص بہت اہمیت و عظمت کی حامل ہے۔ یہ وہ تاریخ ساز دن ہے کہ جس دن ابوالانبیاء حضرت آدم علیہ السلام اور جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی اسی دن حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر تشریف لائے۔ اسی دن فرعون اور اُس کا لشکر غرق ہوا اور اِسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن حضرت ایوب علیہ

السلام کو شفا بخشی گئی۔ اسی دن آتشِ نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام پر گلزار ہوئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی دِن مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی اور نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی دن کربلا کے میدان میں شہادت پائی''۔

فرشتوں کو سجدہ کا حکم اور شیطان کا انکار

اللہ تعالیٰ نے جب سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے جسد خاکی میں روح پھونکی تو فرشتوں کو حکم فرمایا آدم کو سجدہ کرو تمام فرشتوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے۔ سورۃ الحجر آیت 28 تا 43۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ
لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾
فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾
فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ
السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ
لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾
قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ
اللَّعْنَةَ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ
یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى یَوْمِ الْوَقْتِ
الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی
الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ
الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ
عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ
مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں بجتی ہوئی مٹی سے آدمی کو بنانے والا ہوں جو خمیر اٹھے گارے سے ہے۔ جب میں اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی معزز روح پھونک دوں تو تم اسکے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ تو جتنے فرشتے تھے سب سجدے میں گرے سوا ابلیس کے اس نے سجدہ والوں کا ساتھ نہ مانا فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں سے الگ رہا بولا کہ مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی مٹی سے بنایا جو خمیر اٹھے گارے سے تھی فرمایا جنت سے نکل جا کہ تو مردود ہے اور بے شک قیامت تک تجھ پر لعنت ہے۔ کہنے لگا کہ اے میرے رب مجھے اس روز تک مہلت دے کہ لوگ اٹھائے جائیں۔ اے میرے رب قسم اسکی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں انہیں زمین میں بہکاؤں گا اور ضرور میں ان سب کو بے راہ کروں گا ان کے سوا جو تیرے مخلص بندے ہیں۔

فرمایا یہ راستہ سیدھا میری طرف آتا ہے بے شک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں سوا ان گمراہوں کے جو تیری پیروی کریں بے شک جہنم ان سب کا وعدہ ہے۔"

قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا۔ سورۃ بنی اسرائیل آیات 61 تا 65۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (شیطان) نے نہ کیا۔ بولا بھلا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (یہ بات شیطان نے از راہ طنز کہی) کہنے لگا دیکھ تو یہ وہی ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی۔ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔ خدا نے فرمایا (یہاں سے) دور ہو جا۔ جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا (ہے) ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدہ کرتا رہ۔ اور شیطان ان سے جو وعدہ کرتا ہے سب دھوکا ہے۔ جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں۔ اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) تمہارا پروردگار بڑا ہی کارساز کافی ہے۔" (بنی اسرائیل 61 تا 65)۔

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق، فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم، تمام اشیاء کے ناموں کی تعلیم اور شیطان کا سجدہ کرنے سے انکار وغیرہ کا حال اللہ کریم نے قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں بیان فرمایا ہے۔ یہاں ان سورتوں کے نام اور آیات کا شمار (نمبر) درج کر رہا ہوں تفصیل کے لیے ان سورتوں کا مطالعہ فرما سکتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے اسم مبارک کا ذکر سورہ الحجر کے علاوہ 28 مرتبہ فرمایا ہے۔

قرآنِ کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر

(1) سورہ بقرہ آیات 31، 33، 34، 35، 37۔

(2) سورہ الاعراف آیات 11، 19، 26، 27، 31، 35، 172۔

(3)	سورہ الحجر	آیت	33
(4)	سورہ بنی اسرائیل (اسراء)	آیات	61 تا 70
(5)	سورہ طٰہٰ	آیات	115، 116، 117، 120، 121۔
(6)	سورہ آلِ عمران	آیات	33، 59۔
(7)	سورہ المائدہ	آیت	27۔
(8)	سورہ الکہف	آیت	50۔
(9)	سورہ مریم	آیت	58۔
(10)	سورہ یٰسین	آیت	60۔
(11)	سورہ سجدہ	آیت	7۔
(12)	سورہ ص	آیت	71۔
(13)	سورہ الرحمٰن	آیت	14۔

سوال

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو سب نے حکم کی تعمیل کی مگر شیطان نے انکار کر دیا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس (شیطان) تو جن تھا جبکہ سجدہ کا حکم فرشتوں کو دیا جا رہا ہے پھر شیطان ان میں کیسے شمار کیا گیا۔

جواب

ابن جریر طبری سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کریم کا ابلیس کو یہ فرمانا کہ "یہاں سے دور ہو جا" اور "یہاں سے نکل جا" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس وقت شیطان آسمان پر ہی تھا اور اس کا کثرت عبادت کی وجہ سے فرشتوں میں شمار ہوتا تھا۔ مگر اس کے غرور اور تکبر کے سامنے اس کی عبادت فائدہ مند ثابت نہ ہوئی اسی لئے اللہ کریم نے اسے سابقہ منزلت سے گرا کر وہاں سے نکل جانے کا حکم فرمایا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت

خالقِ کائنات نے جب سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمانا چاہی تو تمام فرشتوں سے ارشاد فرمایا "میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانیوالا ہوں، جو میری طرف سے عطا شدہ اختیارات وارادوں کا مالک ہوگا۔ وہ زمین پر جس قسم کا تصرف کرنا چاہے گا کر سکے گا میرا وہ خلیفہ میری قدرت اور میرے تصرف واختیار کا مظہر ہوگا۔" فرشتوں نے جب یہ سنا تو حیران رہ گئے۔ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عرض کیا سورہ بقرہ میں اس کا بیان یوں ہے۔ سورۃ البقرہ آیت 30

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''اور جب ایسا ہوا کہ تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا۔ کیا ایسی ہستی کو خلیفہ بنانے والا ہے جو زمین میں خرابی پھیلائے گی اور خون ریزی کرے گی حالانکہ ہم تیری حمد وثنا کرتے ہوئے تیری پاکی وقدوسی کا اقرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔''

مذکورہ آیت کو پڑھ کر ذہن میں خیال آتا ہے کہ آیا فرشتے اللہ تعالیٰ سے مناظرہ کرنا چاہتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں فرشتوں کی کیا مجال کہ وہ اللہ کریم سے مناظرہ کریں۔ ان کا عرض کرنا صرف اس لئے تھا کہ خلیفہ بنانے کی حکمت سے باخبر ہوسکیں اور اس حکمت میں پوشیدہ رموز سے آگاہی حاصل کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مذکورہ آیت میں تنبیہ کرنے کے بعد یہ پسند فرمایا کہ فرشتوں کے سوال کا جواب اس انداز سے دیا جائے کہ وہ خود بخود سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی بزرگی اور عظمت کا اعتراف کرلیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی صفت سے نوازتے ہوئے انہیں تمام اشیاء کا علم عطا فرمایا۔ ان کے اسماء وصفات، افعال وخواص واصول علم بطریق الہام عطا فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ البقرہ آیات 31 تا 33۔

''اور اللہ نے آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔ پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ۔ بولے پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو ہی علم وحکمت والا ہے۔ فرمایا اے آدم بتادے انہیں سب اشیاء کے نام جب آدم نے انہیں سب کے نام بتادیئے۔ فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمینوں کی سب چھپی چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو۔''

مذکورہ آیات قرآنی اور تفصیل پڑھ کر ثابت ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خلافت کثرت تسبیح وتہلیل اور عبادات پر نہیں بلکہ صفت علم پر ہے۔ زمین کی حکومت علم کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لئے اللہ کریم نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفت علم کا مظہر اتم بنایا۔ اسی صفت علم کی بدولت فرشتوں کے پاس حضرت آدم علیہ السلام کی برتری اور استحقاق خلافت کو مان لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔

حلیہ مبارک حضرت آدم علیہ السلام

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے حلیہ مبارک کے سلسلے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند احادیث مبارکہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

(1) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے جب سیدنا حضرت آدم علیہ

السلام کو پیدا فرمایا تو ان کا سر مبارک آسمان سے چھو رہا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے بالا ستقلال ان کو زمین پر ثبات عنایت فرمائی۔ یہاں تک کہ ان کا قد مبارک گھٹ کے ساٹھ ہاتھ رہ گیا اور عرض میں سات (7) ہاتھ''۔

(2) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ''آدم (علیہ السلام) اتنے بلند و بالا انسان تھے کہ گویا ایک طویل درخت خرما ہو۔ سر میں بہت بال تھے۔ جب ان سے خطا ہوئی تو وہ چیز دکھائی جو چھپانے کے قابل تھی۔ پہلے یہ چیز نظر نہ آتی تھی۔ یہ بہشت کا واقعہ ہے''۔

(3) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اور حدیث روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ''آدم علیہ السلام دراز قد، گندم گوں اور جھنڈوے بالوں کے تھے جیسے ایک بڑا خرما کا درخت ہو''۔

(از طبقات ابن سعد حصہ اول۔ صفحہ۔ 47)

بخاری شریف (کتاب الانبیاء) میں ہے کہ عبداللہ بن محمد، عبدالرزاق، معمر، ہمام، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کو پیدا فرمایا اور ان کے قد کی لمبائی ساٹھ گز تھی پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جاؤ اور فرشتوں کو سلام کرو اور جو کچھ وہ جواب دیں اسے غور سے سنو وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کے پاس جا کر کہا السلام علیکم۔ انہوں نے کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ انہوں نے لفظ رحمۃ اللہ زیادہ کیا۔ پس جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا وہ آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوگا آدم علیہ السلام ساٹھ گز تھے لیکن اب تک مسلسل آدمیوں کا قد کم ہوتا رہا''۔

حضرت آدم علیہ السلام کا جنت میں قیام

اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے سجدہ کرو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کر دیا یہ مفصل حال گزر چکا ہے۔ اب آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنت میں رہنے لگے۔ عرصہ گزر جانے کے بعد سیدنا حضرت آدم علیہ السلام تنہائی کی وجہ سے اپنی زندگی اور راحت و سکون میں کچھ کمی و خلاء محسوس کرتے تھے۔ اس تنہا زندگی میں حضرت آدم علیہ السلام کی طبیعت فطری تقاضا کے مطابق کسی ہمراز، ہم جنس مونس و ہمدم کی شدید ضرورت محسوس کرتی تھی۔ گو جنت میں زندگی بسر کرنے کی وہ تمام ضروریات موجود تھیں جن کا بیان کرنا عقل انسانی سے باہر ہے مگر ساتھی کی کمی موجود تھی۔ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی اس ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کا ساتھی پیدا فرمایا۔

تخلیق حضرت حواء و زوجیت حضرت آدم علیہ السلام

لفظ حواء ''حی'' سے بنا ہے جس کا معنی زندہ کا ہے۔ بعض کے نزدیک حواء کا لفظ ''حوط'' سے بھی کہا جاتا ہے جس کا معنی سرخی مائل سیاہی کا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی دل بستگی اور تنہائی کو دور کرنے کی وجہ سے حضرت حواء کو پیدا فرمایا۔ کچھ اصحاب سیر کا بیان ہے کہ حواء کی تخلیق سے پہلے سیدنا حضرت آدم علیہ

السلام نے خواب میں دیکھا کہ ایک عورت آپ علیہ السلام کے سرہانے بیٹھی ہے۔آپ علیہ السلام نے اس عورت سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا میں ایک عورت ہوں۔خواب سے بیدار ہوئے تو حضرت حواء کو اپنے قریب پا کر بہت خوش ہوئے یوں حضرت حواء کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرما کر حضرت آدم علیہ السلام کی زوجیت میں دیا۔

اصحاب سیر کی اکثریت حضرت حواء کی تخلیق اور پھر ان کو سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی زوجیت میں دینے کا قصہ یوں بیان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی تنہائی کو دور کرنے کے لئے حضرت حواء کو آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا۔وہ اپنی اس دلیل کی صداقت میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پیش کرتے ہیں جو صحیح بخاری و مسلم میں ہے۔میسرہ اشجعی، ابی حازم اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا"عورتوں سے نرمی کا برتاؤ کیا کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا بالائی حصہ اگر ٹیڑھا ہو تو وہ سیدھا نہیں ہوسکتا۔اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گا اور چھوڑ دو گے تو ٹیڑھا ہی رہے گا۔اس لئے عورتوں سے نرمی کا ہی برتاؤ کیا کرو۔"

(البدایہ والنہایہ جلد1 صفحہ165)

اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء کو حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ بنایا اور ارشاد فرمایا کہ تم دونوں جنت میں جس طرح دل چاہے رہو یہاں کی ہر چیز سے ایک درخت کے علاوہ فائدہ اٹھاؤ اور خوب آرام وسکون کی زندگی بسر کرو۔

حضرت آدم علیہ السلام وحواء کا خلد بریں سے دنیا میں آنا

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام وحواء کو اللہ کریم نے جنت الفردوس میں زندگی بسر کرنے کا فرمایا اور اجازت عطا فرمائی کہ تم یہاں کی ہر چیز کو اپنے استعمال میں لاسکتے ہو مگر تم اس ایک درخت کے قریب نہ جانا۔مفسرین کرام جن میں بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بھی شامل ہیں اس درخت کو انگور کی بیل بتاتے ہیں۔سیدنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود اس "درخت" کو گیہوں کا پودا کہتے ہیں۔بعض مورخین کا خیال ہے کہ شجر ممنوعہ ایسا پھل تھا جس کو کھا کر جنتی حادث ہو جاتا جبکہ جنت کی کسی چیز کو فنا نہیں ہے۔شجر ممنوعہ کو عرف عام میں انگور کی بیل کہا جاتا ہے اور گیہوں کی بالی یا اس کا پودا جبکہ قرآن کریم میں لفظ شجر (درخت) استعمال ہوا ہے۔میں نے تینوں روایات تحریر کر دی ہیں ان میں سے کونسی صحیح ہے۔واللہ اعلم۔

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام وحواء کو جنت میں رہتے عرصہ گزر گیا ادھر شیطان ہمیشہ اسی تاک میں رہتا کہ کسی نہ کسی طرح اپنا وار کرے۔جب اللہ کریم نے حضرت آدم علیہ السلام کو شجر ممنوعہ کے پاس جانے کی اجازت عطا نہ فرمائی تو اسے ایک موقع ہاتھ آ گیا۔شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام وحواء کے دل میں وسوسہ ڈال دیا کہ یہ درخت جنت کا "شجر" ہے اس کا پھل کھانے سے جنت کی سرمدی اور پرسکون زندگی ہی حاصل نہیں ہوگی بلکہ قرب الٰہی کی ضمانت بھی مل جائے گی۔سیدنا آدم علیہ السلام نے شیطان کے اس وسوسہ کو کوئی اہمیت نہ دی مگر ابلیس نے قسمیں کھا کھا کر ان

کو بتایا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے۔ میں خلوص قلب سے آپ کا خیر خواہ ہوں۔ ابلیس کے بار بار کہنے اور قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے پر حضرت حواء نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو ترغیب دی کہ پھل کھالینا چاہیے۔ تورات کی بہت سی آیات میں بھی یہ ذکر موجود ہے۔ آخر سیدنا آدم علیہ السلام اور حواء سلام اللہ علیہا نے اس درخت کا پھل تناول فرمالیا۔ پھل کا کھانا تھا کہ دونوں بزرگ جنتی لباس سے محروم کر دیئے گئے۔

سوال

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس (شیطان) کو حکم عدولی کی وجہ سے جنت بدر کر دیا تو پھر اس نے حضرت آدم علیہ السلام و حواء کو کس طرح بہکایا وہ تو مردود ہو چکا تھا۔ علماء و محققین نے اس سوال کے دو جواب تفصیلاً دیے ہیں۔

جواب

1. فرماتے ہیں ابلیس جنت سے ضرور نکال دیا گیا تھا مگر پھر بھی ایک گناہ گار کی حیثیت سے اس کا جنت میں داخل ہونا اس کے مردود ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ پس اس نے اسی حیثیت سے جنت میں داخل ہو کر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام و حواء سے یہ گفتگو کی۔ قرآن کریم کی یہ آیت سورۃ البقرہ آیت 38

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا

ترجمہ: ''ہم نے فرمایا تم تمام جنت سے اتر جاؤ۔''

اس بات کی تائید کرتی ہے کہ عاصی و گنہگار کی حیثیت سے ابھی تک اس کا جنت میں داخلہ منع نہیں تھا۔

2. دوسرا جواب یہ ہے کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام و حواء کے دلوں میں جنت سے باہر رہتے ہوئے ہی وسوسہ ڈالا تھا قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ یہی ظاہر کرتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ الاعراف آیت 20۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُرِيَ

ترجمہ۔ ''پھر شیطان نے ان کے جی میں وسوسہ ڈالا۔ کہ ان پر کھول دے ان کی شرم کی چیزیں''۔

اسکے علاوہ آج کل کے جدید ترقی یافتہ دور میں سائنس کی ایجادات نے بھی عملی طور پر اس بات کو ثابت کر دیا ہے۔ ٹیلی فون، ریڈیو، وائرلیس اور سیٹ لائیٹ کے ذریعے آواز شعاعوں اور لہروں کے ذریعے ہزاروں میل کی دوری تک پہنچ سکتی ہے تو شیطان جس کو قدرت نے اس کی درخواست پر بے پناہ قوت قیامت تک عطا فرمائی ہے اس وسوسے کو سیدنا حضرت آدم علیہ السلام اور حواء کے قلوب میں ڈال سکتا تھا۔

جنت میں حضرت آدم علیہ السلام و حواء سلام اللہ علیہا کا لباس

جنت میں سیدنا حضرت آدم علیہ السلام و حواء سلام اللہ علیہا کا کیا لباس تھا؟ اس سلسلے میں راویوں کے ہاں

اختلاف پایا جاتا ہے۔مختلف فقہاء اور اصحاب سیر کے بیانات میں سے چند یہاں پیش کر رہا ہوں۔

اسرائیلیات کے زبانی بیانات کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام وحواء جنت میں اپنے فطری لباس میں رہتے تھے۔مگر تورات کے کچھ بیانات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام وحواء کی شرمگاہیں زیتون کے پتوں سے چھپی رہتی تھیں۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حضرت آدم علیہ السلام اور حواء کی شرمگاہوں کے لئے نور کا حجاب (لباس پردہ) فراہم کیا گیا تھا۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تورات وانجیل میں کیونکہ بہت زیادہ تبدیلیاں ہوچکی ہیں یہاں تک کہ اصل کتابوں کی عبارت ہی تبدیل کردی گئی ہے پھر وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت بھی مستند نہیں ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام وحواء کے لباس کا ذکر کیا گیا اس لئے میرے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام وحواء کا لباس وہی تھا جس کا بقایا بنی آدم کے جس پر ہاتھوں اور پیروں کے ناخنوں کی شکل میں اب تک موجود ہے۔

از البدایہ والنہایہ جلد 1 صفحہ 168-169۔

مقامات نزول سیدنا آدم علیہ السلام وحواء سلام اللہ علیہا

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام وحواء کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے کس حصہ پر اتارا اس سلسلے میں مختلف اقوال و روایات کتب سیر وکتب تاریخ میں موجود ہیں۔قرآن مجید میں ان کو زمین کے جس حصہ پر اتارا گیا اس کا ذکر موجود نہیں ہے۔البتہ جو روایات ہمیں کتب سیر سے ملتی ہیں یہاں ان کا ذکر کر رہا ہوں۔

عام طور پر جو روایت زیادہ مشہور ہے اور زبان زد عام ہے اسکے مطابق سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان کے ایک پہاڑ پر اتارا گیا جس کو ''نوز'' کہتے ہیں جبکہ حواء کو جدہ کی سرزمین پر اتارا گیا۔بعد میں دونوں مقام عرفات پر ایک دوسرے سے ملے۔یہی وجہ ہے کہ حجاز مقدس کے اس مقام کو میدان عرفات یعنی ایک دوسرے سے ملنے کی جگہ کہا جاتا ہے۔

حضرت حسن بصری (12ھ-112ھ) رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ جلیل القدر تابعی ہیں اور اپنے علمی وعرفانی مقام میں کسی تعارت کے محتاج نہیں فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو ''ہند'' کے مقام پر اتارا اور حواء کا نزول ''جدہ'' کی سرزمین پر ہوا۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے ابوزرعہ،عثمان بن ابی شیبہ اور جریر نے سعید اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر جس جگہ اتارا گیا وہ مکہ وطائف کے درمیان واقع ہے جسے ''دحنا'' کہا جاتا ہے۔

السدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر حجر اسود کے ہمراہ اس مقام پر اتارا

گیا جہاں آج حجرِ اسود نصب ہے۔ مگر بعد میں ان کو ہند بھیج دیا گیا جہاں شجرِ جنت گیہوں (گندم) کا پودا آج بھی اگتا ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو کوہ "صفا" پر اتارا گیا جبکہ حواء کوہ "مروہ" پر اتاری گئی تھیں۔

ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو برصغیر میں اس مقام پر اتارا گیا جس کو آج کل سری لنکا کہا جاتا ہے۔ اس جگہ کوہ نوز کی چوٹی پر آپ علیہ السلام کا نزول ہوا۔ حواء کو جدہ کی سرزمین پر اتارا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے تو ان کے ہمراہ جنت کی ہوا بھی تھی۔ اس ہوا نے جب درختوں اور وادیوں کو اپنی لپیٹ میں لیا تو ہر طرف جنت کی خوشبو پھیل گئی۔ اصل میں وہ خوشبو سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی تھی جس نے اطراف کو معطر کر دیا یہی وجہ ہے کہ یہ سرزمین آج تک خوشبو کا مستقر (گہوارہ) ہے۔

اگر ہم نفسیاتی اور قلبی رجحان کو سامنے رکھتے ہوئے غور کریں تو یہ دونوں انسانی صفتیں ہماری توجہ اس طرف مبذول کرتی ہیں کہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام اور حواء جنت الماویٰ سے ایک ہی جگہ اکٹھے اتارے گئے ہوں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشا مبارکہ کے مطابق نسل انسانی کی افزائش کا کام پورا ہو سکے۔

از طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 48،49۔

البدایہ والنہایہ جلد 1 صفحہ 68،69،167۔

زمین پر حضرت آدم علیہ السلام وحواء کی ملاقات

اصحاب سیر کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام اور حواء کو زمین کے الگ الگ مقامات پر اتارا۔ حضرت آدم علیہ السلام تلافی مافات میں دوسو برس تک روتے رہے تقریباً سوسال کا عرصہ دونوں ایک دوسرے سے الگ رہے پھر سو برس کے بعد میدان عرفات میں اکٹھے ہوئے اس طرح سوسال کا عرصہ حضرت آدم علیہ السلام وحواء اللہ تعالیٰ کے حضور تلافی مافات میں لگے رہے۔ دونوں کا الگ الگ مقامات پر اتارا جانا اس فرمانِ الٰہی سے بھی ثابت ہے۔ سورۃ طٰہٰ آیت 117

فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا
عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾

ترجمہ۔ "تو ہم نے فرمایا اے آدم بے شک یہ تیرا اور تیری بی بی کا دشمن ہے تو ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے تو پھر مشقت میں پڑ جائیں"۔ (سورۃ طٰہٰ آیت 117)

جب سیدنا حضرت آدم علیہ السلام وحواء زمین پر اتارے گئے تو عرصہ دراز کے بعد دونوں کی میدان عرفات میں ملاقات ہوئی۔ دونوں کے باہمی ملاپ سے ان کے ہاں اولاد پیدا ہونا شروع ہوئی۔ جس کے بعد سلسلہ پیدائش انسان جاری ہوا اور قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا اور التجاء

ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام اور حواء جب زمین پر آئے تو یہاں آکر دونوں ستر سال گریہ وزاری میں مصروف رہے۔ایک روایت میں سو سال جبکہ دوسری میں 200 سال تک آتا ہے۔اپنی خطا پر اللہ کے ہاں التجاء کرتے رہے۔دونوں یہ دعا کیا کرتے تھے۔(القرآن سورۃ الاعراف آیت 23)

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ۔ ''دونوں نے عرض کی اے ہمارے رب، ہم نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ فرمائے اور رحم نہ فرمائے تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے''۔(سورۃ الاعراف آیت 23)۔

امام حاکم اپنی کتاب مستدرک میں حضرت سعید بن جبیر کے ذریعے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا ''اے (میرے) پروردگار کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں فرمایا؟'' اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا ''ہاں میں نے ہی تجھے پیدا کیا''۔اس کے بعد پھر آدم علیہ السلام نے عرض کیا ''کیا تو نے مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟''
جواب ملا ''ہاں''۔آدم علیہ السلام نے عرض کی ''جب مجھے چھینک آئی تو تو نے فرمایا ''اللہ تجھ پر رحم کرے'' جواب ملا ''بے شک میں نے ایسا ہی فرمایا'' آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی (اس طرح) تیری رحمت کو تیرے غضب پر سبقت حاصل ہوئی۔جواب ملا ''درست ہے''۔پھر آدم علیہ السلام نے عرض کی ''کیا میرا یہ عمل میرے اعمال میں پہلے سے نہیں لکھا گیا تھا''؟ ''فرمایا ہاں ایسا ہی تھا''۔آخر میں حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا (پس) اگر میں توبہ کرلوں تو کیا تیرے ہاں میرے لئے جنت ہے؟ اللہ کریم نے جواب میں ارشاد فرمایا ''ہاں''۔آدم علیہ السلام نے توبہ فرمائی جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر آنے کے بعد تین سو برس تک حیا سے آسمان کی طرف سر نہ اٹھایا۔اگرچہ حضرت داؤد علیہ السلام کثیر البکار تھے آپ کے آنسو تمام زمین والوں کے آنسوؤں سے زیادہ ہیں مگر حضرت آدم علیہ السلام اس قدر روئے کہ آپ کے آنسو حضرت داؤد علیہ السلام اور تمام اہل زمین کے آنسوؤں کے مجموعہ سے بڑھ گئے (خازن)

امام بیہقی، ابن عساکر اور مستدرک امام حاکم میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور آخر الذکر کے والد اور دادا نے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے۔کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی۔اے میرے رب میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے واسطے مجھے معاف فرمادے۔اس پر اللہ تعالیٰ

نے فرمایا اے آدم (علیہ السلام) تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے جانتے ہو؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ میں روح پھونکی تو میں نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا تو مجھے قوائم (پائے) عرش پر لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُـحَمَّد" رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا نظر آیا۔ میں سمجھ گیا کہ تو نے جس ہستی کا نام اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے وہ ضرور ایسی ہستی ہے جو تجھے ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ جواب سُن کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا وہ مجھے اپنی سب مخلوق سے زیادہ محبوب ہے تو نے کیونکہ اس کا واسطہ دیا ہے اور مجھ سے دعا کی ہے اس لئے میں نے تمہیں معاف کر دیا اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا۔"

طبرانی، حاکم، ابونعیم و بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کی کہ جب حضرت آدم علیہ السلام پر عتاب ہوا تو آپ فکر توبہ میں پریشان تھے اس پریشانی کے عالم میں یاد آیا کہ وقت پیدائش میں نے سر اٹھا کر دیکھا تھا کہ عرش پر لکھا ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّد" رَّسُوْلُ اللّٰهِ

میں سمجھا تھا کہ بارگاہ الٰہی میں وہ رتبہ کسی کو میسر نہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام اقدس کے ساتھ عرش پر مکتوب فرمایا لہٰذا آپ نے اپنی دعا میں عرض کی۔ سورۃ الاعراف آیت 23۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: "دونوں نے عرض کی اے رب ہمارے ہم نے اپنا آپ برا کیا تو اگر ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے" آیت کے ساتھ یہ عرض کیا "اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَلِی" ابن منذر کی روایت میں یہ کلمے ہیں "اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَ کَرَامَتُهٗ عَلَیْکَ اَنْ تَغْفِرَلِی خَطِیْئَتِی"

ترجمہ: "یا رب میں تم سے تیرے بندۂ خاص محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاہ و مرتبت کے طفیل میں اور اس کرامت کے صدقہ میں جو انہیں تیرے دربار میں حاصل ہے مغفرت چاہتا ہوں" یہ دعا کرنی تھی کہ حق تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمائی۔

البدایہ والنہایہ جلد 1 صفحہ 178-179۔

پیدائش نسل انسانی

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام ایک طویل عرصہ تک اللہ تعالیٰ کے حضور مناجات والتجائیں فرماتے رہے جن کو رب نے شرف قبولیت عطا فرمایا اور یوں حضرت آدم علیہ السلام کو سکون قلب حاصل ہوا۔ پھر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام اور حواء مقام عرفات پر اکٹھے ہوئے تو اللہ کریم نے دنیا میں نسل انسانی اور پیدائش میں اضافہ کے لئے ان

دونوں کو ایک دوسرے کے قریب کیا تا کہ ان کے ہاں اولاد پیدا ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حواء کے ہاں پیدا ہونے والی اولاد سے مزید اضافے کی خاطر ایک دستور بھی مقرر فرما دیا۔ وہ یہ تھا کہ حضرت حوا کے ہاں ایک وقت میں توام (جوڑا) یعنی ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے۔ پھر دوسرے وقت بھی اسی طرح لڑکے اور لڑکی کا جوڑا پیدا ہوتا۔ ان پیدا ہونے والے لڑکوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ اپنے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ عقد نہیں کر سکتا تھا بلکہ اس کا عقد دوسرے بھائی کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے مطابق سب سے پہلے جن دو بھائیوں کے درمیان یہ رشتہ عمل میں آنا تھا ان میں سے چھوٹے بھائی نے جھگڑا کھڑا کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ چھوٹے بھائی نے بڑے کو قتل کر دیا اس طرح کرہ ارض پر قتل کی ابتداء ہوئی۔

قابیل و ہابیل

قرآن کریم نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے دو صاحب زادوں کا ذکر کیا ہے اور ان کے واقعہ پر روشنی بھی ڈالی ہے مگر ان کے ناموں کا ذکر نہیں کیا۔ مذکورہ نام تورات کے مطابق ہیں جن کو تمام اہل سیر تحریر کرتے چلے آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا ذکر فرمایا ہے۔ سورہ المائدہ کی جن آیات میں ذکر فرمایا ہے ان کا ترجمہ یہ ہے۔ سورۃ المائدہ آیات 27 تا 32۔

''اور انہیں پڑھ کر سنا دو (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر۔ جب دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ قبول ہوئی بولا قسم ہے میں تجھے قتل کر دوں گا۔ کہا اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے۔ بے شک اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو مالک سارے جہانوں کا ہے میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلہ پڑے تو تو دوزخی ہو جائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔ تو اس کے نفس نے اسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اسے قتل کر دیا تو رہ گیا نقصان میں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا زمین کریدتا کہ اسے دکھائے کیونکر اپنے بھائی کی لاش چھپائے بولا ہائے خرابی میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپاتا تو پچھتاتا رہ گیا۔ اس سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کئے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلا لیا (جان بچائی) اس نے گویا سب لوگوں کو جلا لیا'' اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے پھر بے شک ان میں بہت اس کے بعد زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں''۔

بنی نوع انسان کی تعداد میں اضافے کی خاطر قدرت نے ابتداء میں یہ اصول بنایا کہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام اور حواء سے پہلے وقت لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتے جبکہ دوسرے وقت بھی اسی طرح لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتے۔ پہلے وقت پیدا ہونے والے لڑکے کا دوسرے وقت پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ عقد ہوتا اور پہلے وقت پیدا ہونے والی

لڑکی کا عقد دوسرے وقت پیدا ہونے والے لڑکے کے ساتھ ہوتا اس کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام وحواء کے ہاں پہلے وقت میں قبیل لڑکا اور لبودلڑکی پیدا ہوئے جبکہ دوسرے وقت ہابیل لڑکا اور اقلیما لڑکی پیدا ہوئے۔ حکم کے مطابق قابیل اور ہابیل سے فرمایا کہ تم شادی کرو۔ ہابیل تو راضی ہو گئے۔ مگر قابیل نے اس حکم پر عمل کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن اقلیما بدشکل تھی جبکہ قابیل کی بہن لبود خوبصورت تھی یہی وجہ ہے کہ جب حواء نے اس رشتہ کے بارے میں قابیل سے کہا تو اس نے انکار کرتے ہوئے یوں جواب دیا۔

''نہیں۔ واللہ یہ بات نہیں خدا نے یہ حکم کبھی نہیں دیا۔ یہ تو اے آدم علیہ السلام خود تیرا حکم ہے۔'' حضرت آدم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اگر تمہارا یہ خیال ہے تو میرا فیصلہ یہ ہے کہ تم دونوں قربانی کرو اس قربانی کو اللہ کے حضور پیش کرو۔ جس کی قربانی منظور ہو جائے وہی اپنے ارادے کو پورا کرنے کا مستحق ہے۔'' تورات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں قربانی قبول ہونے کا الہامی دستور یہ تھا کہ قربانی میں دی جانے والی چیز کسی بلند مقام یا پہاڑ کی چوٹی پر رکھ دی جاتی تھی۔ پھر آسمان سے آگ نازل ہوتی اور اس چیز کو جلا دیتی تھی۔ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے اس حکم کو دونوں بھائیوں نے منظور کر لیا اور قربانی دینے پر تیار ہو گئے۔

قابیل وہابیل کی قربانی

ہابیل کے پاس مویشیوں کا ریوڑ تھا اسنے اپنے ریوڑ میں سے بہترین موٹا تازہ صحت مند دنبہ اللہ کے حضور نذر میں پیش کیا جبکہ قابیل جو کھیتی باڑی کرتا تھا اس نے اپنے کھیت کا ردی اور ناقص غلہ نذر کے لئے پیش کیا۔ دونوں کے اس فعل سے ان کی نیتوں کا پتہ چل گیا۔ جب دونوں اپنی اپنی نظر پہاڑ کی چوٹی پر رکھ چکے تو آسمان سے آگ نازل ہوئی جس نے ہابیل کی قربانی کو جلا دیا اس طرح قبولیت کا شرف ہابیل کے حصہ میں آیا۔ یہ دیکھ کر قابیل سخت برہم ہوا اور اس نے دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔

ہابیل کا قتل

قابیل نے ہابیل سے کہا کہ میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ ہابیل نے پوچھا وہ کس لئے تو قابیل کہنے لگا تا کہ تو اپنی مراد کو نہ پہنچ سکے۔ قابیل کی یہ بات سن کر ہابیل نے کہا اے قابیل تو نے اگر مجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کو نہ تو ہاتھ بڑھاؤں گا اور نہ ہی تجھے ایسا کرنے سے روکوں گا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ خدا کے ہاں تو نیک نیت ہی کی قربانی قبول ہوتی ہے بدنیت کی نہیں اور خوب سن لے کہ میرے قتل سے پہلے تو جتنا گناہ گار تھا مجھے قتل کر کے اس سے بھی زیادہ گناہ گار ہو جائے گا۔ اس لئے جو کچھ تیرے دل میں ہے اور جو تو کرنا چاہتا ہے کر لے۔ ہابیل کی یہ گفتگو سن کر قابیل سخت مشتعل ہو گیا اور اس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔

قابیل نے ہابیل کو قتل تو کر ڈالا مگر اپنے اس فعل پر سخت نادم ہوا کیونکہ اس سے پہلے نسل آدم قتل کے عمل سے دوچار نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے مردے کے بارے میں کوئی حکم خداوندی سنایا تھا۔ قابیل سخت پریشانی کے عالم میں تھا کہ بھائی کی لاش کا کیا کرے۔ اچانک اس نے دیکھا کہ ایک کوّا وہاں آیا اور اس نے اپنے پنجوں سے زمین کو کریدنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس نے زمین کو کرید کرید کر ایک گڑھا بنا دیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس کوّے نے اپنے دوسرے مردہ ساتھی کوّے کو اس گڑھے میں چھپا دیا۔ کوّے کے اس عمل سے اصل میں خداوند کریم نے قابیل کو یہ دکھایا کہ اپنے بھائی کی لاش اس طرح زمین کھود کر دفن کرو۔ قابیل نے کوّے کے عمل کو دیکھا تو اپنی بے کار ناکارہ زندگی پر افسوس کرتے ہوئے کہنے لگا میں تو اس جانور سے بھی گیا گزرا ہوں۔ اس کے بعد قابیل نے زمین کھود کر گڑھا تیار کیا اور یوں اپنے بھائی کی لاش کو سپرد خاک کیا۔ قابیل اور ہابیل کا یہ واقعہ قرآن کریم (سورۃ المائدہ آیات 27 تا 32) میں مذکورہ ہے جس کو ہم پہلے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

قتل کے اس واقعہ پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ایک حدیث مبارکہ کو حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ مسند میں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت بیان کرتے ہیں۔

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ دنیا میں جب کوئی ظلم سے قتل ہوتا ہے تو اس کا گناہ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے (قابیل) کی گردن پر ضرور ہوتا ہے اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ ناپاک سنت جاری کی“۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اس مذکورہ فرمان سے معلوم ہو جاتا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں کسی بد یا بری چیز کو ایجاد نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس طرح موجد کے بعد جو کوئی اس بدکاری اور گناہ کا ارتکاب کرے گا اس کو تو سزا ملے گی مگر گناہ کو ایجاد کرنے والا بھی اس سزا اور گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکے گا بلکہ اس کی وہ ایجاد ہمیشہ کے لئے وبالِ جان بنی رہے گی۔ روایات میں آتا ہے کہ دمشق کے شمال میں جبل قاسیون پر ایک زیارت گاہ بنی ہوئی ہے جو مقتول ہابیل کے نام سے مشہور ہے۔ (واللہ اعلم)

از طبقات ابن سعد۔ جلد 1 صفحہ 50، 51، 52
البدایہ والنہایہ جلد 1 صفحہ 179۔ 180، 181
سورہ المائدہ آیات۔ 27 تا 32
موطا امام مالک، بخاری، مسلم

حضرت آدم علیہ السلام کا وصال

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے وصال کا وقت جب قریب آیا تو آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت فرمائی۔ ان کو شب و روز کی ساعتوں اور ان ساعتوں میں عبادت نیز (آئندہ) آنے والے طوفان کے بارے میں بتایا۔ (روایت از محمد بن اسحاق)

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے جمعہ کے روز وصال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ساتھ ان کی لاش کے لئے جنت سے اشیائے حنوط اور کفن بھیجا جوان کے بیٹے شیث علیہ السلام کے لئے بڑا اعزاز تھا۔

صحیح مسلم میں اعرج اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے زہری بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ وہ دن کتنا اچھا تھا یعنی جمعہ جس میں طلوع آفتاب کے بعد سیدنا حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی روز وہ جنت میں داخل ہوئے اور اسی روز اسی وقت جنت سے نکلے اور اسی روز وصال پایا۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ جس روز سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کا وصال ہوا یعنی جمعہ کو اس کے بعد سورج اور چاند سات روز تک مسلسل دن رات گہن میں رہے۔

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے وصال اور اس سے کچھ ساعت پہلے کے حالات تحریر کرتے ہوئے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث کو البدایہ والنہایہ میں حضرت عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یوں درج کیا ہے۔ لکھتے ہیں عبداللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان سے ہدبہ بن خالد اور حماد بن سلمہ نے حمید، حسن اور یحییٰ یعنی ابن ضمرہ السعدی کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے مدینہ منورہ میں ایک شخص کو گفتگو کرتے سنا تو لوگوں سے اس شخص کے بارے میں پوچھا لوگوں نے بتایا وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ فرما رہے تھے کہ جب سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا میرا دل جنت کے پھل کھانے کو چاہتا ہے جاؤ میرے لئے وہ پھل ڈھونڈ کر لاؤ۔ اللہ کریم نے جب سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا تو جنت کے پھل اور پودے جن میں گیہوں کا پودا بھی شامل تھا زمین پر نازل فرمائے۔ حسب حکم بیٹے جب جنت کے پھلوں کی تلاش میں نکلے تو ان کا سامنا ان فرشتوں سے ہوا جو آسمان سے حضرت آدم علیہ السلام کی تجہیز و تکفین، حنوط اور تدفین کے لئے دوسرا سامان لے کر آ رہے تھے۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اپنے والد گرامی کے حکم پر جنت کے پھل لینے جا رہے ہیں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا کہ تمہارے والد گرامی تو قضائے الٰہی سے وصال پا چکے ہیں۔ فرشتوں کا یہ جواب سن کر حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے گھر واپس لوٹے فرشتے بھی ان کے ہمراہ تھے۔ گھر پہنچے تو حواء نے بیٹوں کو دیکھ کر فرمایا تمہارے والد گرامی کو اللہ تعالیٰ نے ہم سے جدا کر دیا ہے یہ فرمایا اور فرشتوں کو سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی میت کے قریب جانے کا فرمایا۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی میت کو غسل دے کر اسے حنوط کیا۔ پھر اسے کفن دیا اور اس کے بعد قبر کھود کر انہیں دفن کیا اور فاتحہ پڑھی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں سے کہا ''یہی تمہاری اور باقی تمام بنی آدم کے لئے آج سے سنت ہوگی''۔

نماز جنازہ

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے وصال کے بعد فرشتوں نے جس طرح نماز جنازہ پڑھی اس سلسلے میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حدیث مبارکہ کو شیبان بن فروخ کی طرح ابن عساکر نے بھی محمد بن زیاد، میمون بن مہران اور سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے

ارشاد فرمایا کہ ''فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام (کے جنازے) پر چار تکبیریں کہی تھیں'' اسی طرح حضرت ابوبکر، عمر اور فاطمہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے جنازے پر بھی چار تکبیریں پڑھی گئیں۔

از البدایہ والنہایہ جلد 1 صفحہ 184۔185

حضرت آدم علیہ السلام کی عمر مبارکہ

کتب سیر میں آتا ہے کہ حواء سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے وصال کے بعد ایک سال تک زندہ رہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر مبارکہ کے بیان میں جو روایات ملتی ہیں ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ہزار (1000) سال لوح محفوظ پر درج ہے جبکہ تورات میں 930 سال کا ذکر آتا ہے۔ بظاہر حدیث شریف اور تورات کے بیان میں ٹکراؤ نظر آتا ہے مگر غور کیا جائے تو یہ ٹکراؤ باقی نہیں رہتا۔ وہ اس طرح کہ تورات میں سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے زمین پر تشریف لانا اور وصال مبارک تک کا زمانہ 930 سال بیان کیا جاتا ہے یہ مدت شمسی سالوں کے مطابق ہے۔ اس مدت میں قمری سال کے حساب سے 27 سال بڑھا دیئے جائیں تو آدم علیہ السلام کی عمر مبارکہ کا زمانہ 957 سال بن جاتا ہے اور بقول ابن جریر طبری سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی جنتی زندگی کے 43 سالوں کو جو انہوں نے زمین پر تشریف لانے سے پہلے وہاں بسر فرمائے شامل کرلیا جائے تو ان کی زندگی کے مجموعی سالوں کی تعداد 1000 سال بن جاتی ہے۔ امید ہے کہ حدیث شریف اور تورات کے بیان میں پیدا شدہ ٹکراؤ کے حل سے اتفاق فرماتے ہوئے ہماری اس کوشش کو سراہیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی قبر انور

حضرت آدم علیہ السلام کی قبر انور کے بارے میں اصحاب سیر اور مورخین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی روایات ملتی ہیں جن میں سب سے مشہور روایت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں جس پہاڑ سے اتر کر جس میدان میں تشریف فرما ہوئے آپ علیہ السلام کا مزار مقدسہ بھی اسی میدان میں ہے۔ بعض کے نزدیک مزار اقدس کوہ ابوقبیس پر ہے۔ (واللہ اعلم)

علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوت میں حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کہ اہل جنت کے واسطے کنیتیں ہوں گی مگر حضرت آدم علیہ السلام کے لئے کنیّت ابومحمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہو گی تعظیم اور توقیر کی خاطر اور حواء کی قبر مبارک جدّہ میں اور آدم (علیہ السلام) کی قبر مسجد خیف (منیٰ) میں ہے''۔

از طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 40۔55۔

البدایہ والنہایہ جلد 1 صفحہ 158 تا 169 وغیرہ

دلائل النبوۃ۔ از علامہ احمد بن حسین ابوبکر بیہقی نیشاپوری
کتاب الدعوات وامام بیہقی

حضرت شیث علیہ السلام

قابیل وہابیل کے بعد حضرت شیث علیہ السلام سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے بڑے فرزند تھے۔ حضرت شیث علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی خلافت عطا فرماتے ہوئے وصیت کی کہ ''میرے بعد دنیا میں تم میرے جانشین کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ احکامات کی خود بھی سختی سے پیروی کرنا اور لوگوں کو بھی ان پر چلنے کی تبلیغ کرنا۔ مزید ارشاد فرمایا کہ شب و روز کی ساعتوں میں حسب ہدایت اللہ کی عبادت کرنا''۔

شیث کے معنی

لفظ شیث کو عربی میں (شت) سریانی میں ''سیات'' اور عبرانی زبان میں ''سیث'' کہتے ہیں۔ شیث کے معنی اللہ تعالیٰ کے نام ہبہ کے ہوتے ہیں۔ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اس بیٹے کا نام شیث اس لئے رکھا تھا کہ انہیں (حضرت آدم علیہ السلام کو) اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق عطا کیا جارہا تھا اسی طرح شیث کے لئے بھی ہابیل کے قتل کے بعد بغیر محنت ومشقت کے رزق کا اللہ تعالیٰ ہی ضامن تھا۔ پھر اپنے اس بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی عبادت وریاضت کا حکم فرما کر گویا ان کو اللہ کے نام پر ہبہ کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت شیث علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت حواء سے کہا تھا کہ ''اللہ کریم آپ کو ہابیل کے بدلے ایک بیٹا عطا فرمائے گا جو ہبۃ اللہ یعنی خدا کی دین ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمان مبارک

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیث روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ تمام پیغمبر جو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ان پر سو صحیفے اور چار مکمل آسمانی کتابیں یعنی (قرآن مجید، توراۃ، انجیل، زبور) نازل فرمائیں۔ سو صحیفوں میں سے پچاس صحیفے صرف حضرت شیث علیہ السلام پر نازل فرمائے۔

حضرت شیث علیہ السلام کی جانشینی اور ان کی اولاد

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے وصال کے وقت حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت فرماتے ہوئے انہیں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ ابن عساکر راوی ہیں کہ سیدنا حضرت شیث علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے جانشین ہوئے اس حدیث کی رو سے جسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے

روایت کیا ہے شیث علیہ السلام بھی نبی تھے اور ان پر مشہور صحیفے نازل ہوئے اور وہ آدم علیہ السلام کے جانشین تھے۔

حضرت شیث علیہ السلام کی وفات کا وقت نزدیک آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے انوش کو وصیت فرماتے ہوئے اسے اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ انوش کے بعد حسب وصیت ان کا بیٹا قینن جانشین مقرر ہوا۔ قینن کے بعد ان کا بیٹا ملابیل جانشین مقرر ہوا۔ ملابیل بڑا ہی پرعزم بہادر اور دوراندیش تھا۔ اب کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد دور دور تک پھیل چکی تھی ان سب کو ایک مرکز پر اکٹھا کرنے کے لئے وہ شب و روز مصروف ہوئے بہت سے لوگوں کے ساتھ بزور شمشیر مقابلہ بھی کرنا پڑا جس میں کامیاب رہے۔ شرارتی لوگوں کو سیدھے راستے پر لانے کے لئے سخت محنت کی۔ انسانوں کی آبادکاری کے لئے درخت کٹوا کر شہروں کی بنیاد رکھی اور بہت سے قلعے تعمیر کئے۔ اس طرح ملابیل دنیا میں پہلے آباد کار تھے۔ انہوں نے چالیس سال تک بڑی شان اور تدبر سے حکومت کی۔ پھر جب وصال کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹے یرذ کو اپنا جانشین بنایا۔ یرذ اپنا وقت پورا کر چکے تو انہوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کے مطابق اپنا جانشین بنایا۔ اس بیٹے کا نام خنوخ تھا۔ یاد رہے یہی خنوخ حضرت ادریس علیہ السلام کے نام مبارک سے مشہور ہیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام بن یرذ بڑے جلیل القدر نبی تھے۔ زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ پہلے پیغمبر تھے جنہوں نے اپنی بھٹکی ہوئی قوم کو تبلیغ فرمائی تا کہ وہ راہ حق پر آجائے۔ ان کا مفصل حال بیان ہوگا۔

معارج النبوت، تفسیر عزیزی، تفسیر مظہری، روح البیان، مستدرک حاکم

حضرت ادریس علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو بڑی عظمت، رفعت اور درجہ عطا فرمایا۔ آپ علیہ السلام کا قرآن کریم فرقان حمید کی دو سورتوں یعنی سورہ مریم و سورہ انبیاء میں ذکر موجود ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں علماء تفسیر اور اصحاب سیر و تاریخ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ تمام لکھ دینا تو ہمارے موضوع کو بہت طویل کر دے گا البتہ چیدہ چیدہ حالات زندگی مبارکہ لکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

نام و نسب اور زمانہ مبارک

حضرت ادریس علیہ السلام کے اسم مبارک زمانہ اور نسب کے سلسلے میں مورخین کے ہاں سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ مورخین کے ہاں اختلاف کی جو بھی وجوہات ہیں اگر ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہیں تو بھی کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ قرآن مجید میں آپ علیہ السلام کی نبوت، رفعت اور صفات عالیہ کا ذکر آتا ہے اسی طرح حدیث شریف میں بھی سلسلہ کچھ یوں ہی ہے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف نے تاریخی پس منظر کے بارے میں کوئی بحث و تفصیل پیش نہیں فرمائی۔ البتہ تورات میں کچھ تفصیل موجود ہے جو کہ محض روایات پر مبنی ہے اور پھر

ان روایات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہر حال سب کچھ سامنے رکھتے ہوئے ہم یوں کہہ سکتے ہیں۔

نام مبارک

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ''حضرت آدم علیہ السلام کے بعد زمین پر پہلے پیغمبر حضرت ادریس علیہ السلام تھے کہ وہی خنوخ بن یرذ ہیں اور یہی خنوخ ایہاذ ہیں۔'' تورات کی روایت میں ہے کہ حضرت خنوخ علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے جدامجد ہیں۔ خنوخ ان کا حقیقی نام ہے جبکہ ادریس علیہ السلام ان کا لقب تھا۔ اس کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عربی زبان میں اسم گرامی ادریس علیہ السلام عبرانی یا سریانی میں اخنوخ ہوگا۔

نسب مبارک

سیدنا حضرت ادریس علیہ السلام کا نسب مبارک جس کو اصحاب سیر و تاریخ نے بیان کیا ہے یوں ہے۔

خنوخ بن یرذ بن ملائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

مختصراً حالات زندگی

حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔ سورۃ مریم آیات 56 تا 57۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾
وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾

ترجمہ۔ ''اور یاد کریں قرآن میں ادریس کو، بلاشبہ وہ تھے سچے نبی۔ اور ہم نے اسے بلند مکان (مرتبہ) پر اٹھالیا''۔

سورۃ انبیاء میں یوں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فرمایا۔ سورۃ انبیاء آیت 85۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٨٥﴾

ترجمہ۔ ''اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذا الکفل (کو یاد کرو) ان میں سے ہر ایک تھا صبر کرنے والا''

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام بنی آدم علیہ السلام میں سے وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے لکھنے کے لئے قلم استعمال کیا اس کے علاوہ حضرت ادریس علیہ السلام کو سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی مبارکہ کے تین سو آٹھ سالہ واقعات کے بارے میں مکمل علم تھا۔

کتب حدیث اور سیر کے اکثر ثقہ راویوں کے نزدیک سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ کو بخاری و مسلم میں ابن احبان سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''بنی آدم میں جس شخص نے خط رمل میں تحریر کی بنیاد ڈالی وہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ اور ان کو خط رمل میں آج تک ہر شخص پر فوقیت حاصل ہے۔'' (آپ علیہ السلام کا اشارہ مبارک حضرت ادریس علیہ

السلام ہی کی طرف تھا۔ پس خط رمل کے مطابق اگر کسی شخص کے نقوش آجاتے تو نشانہ صحیح بیٹھ جاتا ورنہ نہیں)۔

اکثر علماء تفسیر کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام وہ پہلے نبی تھے جنہوں نے احکامات شریعت کے بارے میں خطاب فرمایا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تمام اوامر ونواہی کے بارے میں آگاہ فرما دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے لوگوں نے آپ علیہ السلام کو ''ہرمس الہرامسہ'' کے نام سے موسوم کیا۔ اور یوں اور بہت سے جھوٹے قصے کہانیاں ان کے نام سے منسوب کر دیئے جیسا کہ آئندہ اس قسم کے لوگ اکثر انبیاء ومرسلین علیہم السلام اور اولیائے کرام کے ساتھ ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ (ہرمس علم نجوم کے ماہر کو کہا جاتا ہے اس طرح حضرت ادریس علیہ السلام کو ہرمس الہرامسہ یعنی ماہرین علم نجوم کا استاد اول کہا جاتا تھا)۔

قرآن مجید میں حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''اور ہم نے اسے بلند مکان (مرتبہ) پر اٹھا لیا''۔ اس فرمان مبارکہ کے بارے میں بخاری ومسلم شریف کی حدیث اسریٰ پیش کی جاتی ہے۔ جس کے مطابق جب ختم الرسل سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے اور آسمان چہارم سے گزرے تو حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں دیگر جتنے قصے بیان کئے جاتے ہیں وہ سب کے سب اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں جن کو اکثر علماء محققین تفسیر وحدیث ناقابل اعتبار ٹھہراتے ہیں۔

تعلیمات حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت ادریس علیہ السلام کی تمام تعلیمات بیان کرنا تو ہمارے موضوع کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا البتہ ان تعلیمات کا خلاصہ بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اللہ کریم نے سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ تک جس قدر انبیاء ومرسلین علیہم السلام دنیا میں بھیجے سب کی تعلیمات میں توحید ورسالت، فرشتے، جنت ودوزخ حساب کتاب اور یوم آخرت پر ایمان وخدمت انسانیت وغیرہ کا درس مشترک تھا۔ یہ تمام برگزیدہ ہستیاں مذکورہ تعلیمات کو عام کرنے میں شب وروز مصروف رہیں جس خوش قسمت نے ان تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کی دین ودنیا کی ترقی وسرفرازی اور کامیابی ان کا مقدر رہی اور جن بدبخت لوگوں نے ان برحق ہستیوں کی تعلیمات کو ماننے سے انکار کیا ذلت ورسوائی ان کا مقدر بن گئی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو سرکار دوعالم سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حضرت ادریس علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے رہے کہ تم لوگ خدا کی ہستی اور توحید پر ایمان لاؤ۔ صرف اور صرف خالق کائنات کی پرستش کرو اور آخرت میں سرخروئی حاصل کرنے کے لئے نیک اعمال سرانجام دو تاکہ تمہارے یہ اعمال ڈھال کا کام دے سکیں۔ دنیا کے کاموں میں عدل وانصاف کو ہمیشہ مقدم رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے عبادت کیلئے جو اوقات مقرر فرما دیئے ہیں ان کے مطابق اس کی عبادت کرو۔ ہر قمری مہینے کی 14، 15، 16 تاریخ کو روزہ رکھا کرو۔

اسلام کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنا، زکوٰۃ باقاعدگی سے ادا کرنا، طہارت اور پاکیزگی سے رہنا، ہر نشہ آور چیز سے پرہیز کرنا، کتے اور سؤر سے بچے رہنا وغیرہ۔ میں نے حضرت ادریس علیہ السلام کی تعلیمات کا مختصراً خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے اپنی نبوت اور تعلیمات مذکورہ قوم کے سامنے رکھیں۔ ایک مختصر جماعت کے علاوہ حاسدوں نے آپ علیہ السلام کی شریعت کو تسلیم نہ کیا۔ آخر حضرت ادریس علیہ السلام اپنی اس مختصر دینی جماعت کے ہمراہ بابل سے ہجرت فرما کر مصر کی جانب تشریف لے گئے اور دریائے نیل کے قریب سرسبز و شاداب علاقے میں سکونت اختیار فرمائی اور اس علاقے کو ''بابلیون'' کا نام دیا جو نہایت ہی تاریخی اہمیت کا حامل شہر قرار پایا۔

علم و حکمت

حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت کے بے کراں خزانے عطا فرمائے۔ کتب تاریخ میں آتا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے میں مختلف قبائل اور لوگ الگ الگ 72 زبانیں بولتے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کو ان تمام زبانوں پر عبور حاصل تھا اور ہر قبیلے کو اس کی زبان میں تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے دین حق کی تعلیم کے ساتھ ساتھ لوگوں کو سیاست، شہری زندگی بسر کرنے کی تعلیم اور بود و باش کے طریقے بھی تعلیم فرمائے۔ نوجوانوں کو مذہب، مہذب سیاست اس کے قواعد و ضوابط اور شریعت کی تعلیم باقاعدہ سکھا کر ہر جوان کو اس کے قبیلہ میں بھیجا تا کہ وہ حاصل شدہ تعلیم کے زیور سے باقی لوگوں کو آراستہ کر سکے۔

حضرت ادریس علیہ السلام وہ پہلی مقدس شخصیت ہیں جنہوں نے علم و حکمت اور علم نجوم کی ابتداء فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانوں کی ترکیب، ستاروں کا علم اور ان کی باہمی کشش کے تمام رموز سے آگاہ فرمایا تھا علم عدد و حساب کا عالم بنایا تھا تا کہ زمین پر بسنے والے لوگوں کو ان رموز سے روشناس کرائیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام خط رمل کے موجد ہیں جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ آپ علیہ السلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق لاتعداد بستیاں آباد کی گئیں جہاں لوگ ایک ضابطہ کے تحت زندگیاں بسر کرتے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے اپنی امت کو بتایا کہ میری طرح قوموں کی دینی و دنیاوی اصلاح کے لئے بہت سے اور انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائیں گے جو لوگوں کو ہر اس چیز کے بارے میں بتائیں گے جو ان سے پوچھی جائے گی غرض وہ پاک ہستیاں وحی الٰہی کے ذریعے لوگوں کو تعلیم دیں گی۔ کوئی سائل ایسا نہیں ہوگا جو تشنہ کام رہ جائے۔ وہ عظیم لوگ مستجاب الدعوات ہوں گے۔ ان برگزیدہ ہستیوں کی دعوت عام کا خلاصہ کائنات کی اصلاح ہوگا۔ ان کے در سے کوئی بے مراد نہیں جائے گا۔ کپڑوں کا سینا اور قلم سے لکھنا آپ علیہ السلام نے ہی ایجاد فرمایا ان سے پہلے عموماً جانوروں کی کھال لباس کے لئے استعمال کرتے تھے۔ سب سے پہلے ناپ تول کے طریقے اور اسلحہ کی ایجاد بھی آپ نے شروع کی اور آپ نے اسلحہ تیار کر کے بنو قابیل سے جہاد کیا۔

حکیمانہ ارشادات

حضرت ادریس علیہ السلام جن الفاظ مبارکہ میں قوم کو آداب واخلاق کی تعلیم فرمایا کرتے تھے وہ جملے ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مختلف زبانوں میں ان جملوں کو بیان کیا گیا ہے۔ یہاں میں چند جملے درج کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

(1) یہ بات انسانی طاقت سے باہر ہے کہ وہ خدا کی لاتعداد نعمتوں کا شکریہ ادا کر سکے۔

(2) حسرت دنیا کی بھلائی ہے جبکہ ندامت دنیا کی برائی ہے۔

(3) جو کوئی یہ خواہش رکھتا ہو کہ علم میں کمال اور عمل صالح میں بے مثل ہو تو اسے جہالت کے اسباب اور بد کرداری کے قریب بھی نہیں جانا چاہیئے۔ کیونکہ سلائی میں کمال فن رکھنے والا کاریگر جب کسی چیز کو سینے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنے ہاتھ میں سوئی پکڑتا ہے نہ کہ ہتھوڑا۔ اس مثال کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(4) خلوص نیت، خداوند کریم کی یاد اور صالح عمل کے لئے شرط ہے۔

(5) حکمت اصل میں روح کی زندگی ہے۔

(6) جس کسی نے ضروریات زندگی سے زیادہ کی آرزو وطلب کی وہ کبھی قانع نہ رہا۔

(7) کسی دوسرے کی آسائش وخود عیشی پر حسد نہ کرو اس لئے کہ ان کی یہ پر مسرت اور مسرور زندگی صرف چند روزہ ہے۔

(8) اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کو جھوٹی قسمیں اٹھانے کے لئے تختہ مشق بناؤ۔

(9) جھوٹے لوگوں کو قسمیں اٹھانے پر آمادہ نہ کرو کیونکہ ایسا کرنے سے تم بھی شریک گناہ ہو جاؤ گے۔

(10) ذلیل پیشوں کو اختیار نہ کرو جیسے سینگی لگانا یا جانوروں کو جفتی وغیرہ کرانا۔

(11) پیغمبروں کی طرف سے مقرر کردہ بادشاہوں کی اطاعت کرو جو تمہیں احکامات شریعت نافذ کرنے کے بعد ان پر چلنے کا حکم دیتے ہیں۔

(12) اپنے بزرگوں کے سامنے ہمیشہ ادب سے رہو اور ہر وقت اپنی زبان کو حمد باری تعالیٰ میں مصروف رکھو۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے مذکورہ اقوال پر عمل کیا جائے تو ہر عمل کرنے والا دین ودنیا کی دولت سے مالا مال ہو سکتا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر

(1) سورۃ مریم آیت 56

(2) سورۃ الانبیاء آیت 85

حضرت ادریس علیہ السلام کی عمر مبارک

کتب تاریخ میں حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو 82 سال کی عمر میں اپنے ہاں ایک برتر جگہ میں اٹھالیا۔''اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھالیا۔''(القرآن سورۃ مریم آیت 57)۔ کے مطابق یہی معلوم ہوتا ہے۔(واللہ اعلم)

تفسیر مظہری، روح البیان، روح المعانی، تفسیر حقانی

حضرت ادریس علیہ السلام کا حلیہ مبارک

حضرت ادریس علیہ السلام بڑی پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔آپ علیہ السلام کا رنگ مبارک گندم گوں اور قد نکلتا ہوا تھا۔سر مبارک پر بال کم تھے جبکہ گھنی داڑھی مبارک نے چہرہ اقدس کو خوبرو بنایا تھا۔چہرہ انور میں ملاحت نمایاں تھی۔بازو نہایت مضبوط اور شانے چوڑے تھے۔جسم اقدس دبلا پتلا تھا ہڈیاں نہایت مضبوط تھیں۔آنکھوں کا رنگ مبارک سرمگیں تھا جن میں پرکشش چمک تھی۔گفتگو نہایت باوقار اور پرمغز فرماتے۔طبیعت نہایت لطیف تھی خاموشی پسند تھے۔سنجیدگی اور متانت آپ علیہ السلام کا خاص وصف تھا۔چلتے وقت ہمیشہ نگاہیں نیچی رکھتے۔انتہائی غور و فکر کے عادی تھے۔طبیعت میں جب غصے کی کیفیت پیدا ہوتی تو شہادت کی انگلی سے بار بار اشارہ فرما کر گفتگو کرتے۔

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے کا ذکر کرتے ہوئے بیان ہو چکا ہے کہ دنیا میں بت پرستی کی وبا عام ہو چکی تھی ہر طرف انتشار کی کیفیت پیدا تھی۔لوگ راہ حق سے ہٹ کر ظلم و ستم اور دیگر برائیوں میں مبتلا ہو کر حق سے کوسوں دور جا چکے تھے زمانہ کی اس دگرگوں حالت کی اصلاح کے لئے سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کو زمین پر مبعوث فرمایا گیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو سیدھا راستہ دکھائیں اور صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی پرستش کا درس دیں۔اس طرح مخلوق خداوندی اس شر آمیز وبا سے بچ سکے۔حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بعد متفق علیہ اللہ تعالیٰ کے وہ پہلے نبی تھے جن کو رسالت کا منصب عطا کیا گیا۔یہاں نبی اور رسول کا فرق واضح کرنا اشد ضروری ہے تا کہ ان دونوں اور مقدس عہدوں کے معنوں سے واقفیت ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کی ہوئی وہ تمام ہستیاں جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہو نبی ہوتے ہیں جبکہ جس نبی کو شریعت کا منصب بھی عطا کیا جائے وہ رسول ہوتا ہے۔دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے جبکہ ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی قوم کو بت پرستی سے باز رکھنے کی حتی

الامکان کوشش فرمائی مگر چند لوگوں کے علاوہ ساری کی ساری قوم بت پرستی کی وبا میں مبتلا رہی یہاں تک کہ اللہ کے عذاب نے طوفانِ نوح کی شکل میں ان کو غرق کر دیا۔ طوفان کے بعد جو نفوس بچ کر کرہ ارض پر آباد ہوئے ان کی آئندہ نسلیں پھر اس ذلیل وبا میں مبتلا ہو گئیں اور یوں یہ سلسلہ سرکارِ دو عالم ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانہ اقدس تک جاری رہا۔ فخرِ کونین علیہ السلام کی ہستی ہی وہ رحمتِ عالم ہے جس نے اہلِ عرب کو بت پرستی کی اس ذلیل لعنت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آزاد فرما کر پوری کائنات ارض کو وحدہٗ لاشریک کی پہچان کرائی۔ یہ حضور خاتم النبیین علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے۔

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام وہ عظیم المرتبہ رسول ہیں جن کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کا 43 مقامات پر اجمالی و تفصیلی ذکر موجود ہے۔ یہاں ہم اختصار کے ساتھ آپ علیہ السلام کے حالاتِ زندگی تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

نام و شجرہ نسب

حضرت نوح بن لامک بن متوشالح بن اخنوخ یا خنوخ بن یارد بن مہلیل بن قینان بن انوش بن شیث علیہ السلام بن حضرت آدم علیہ السلام۔ مذکورہ شجرہ نسب گو علم الانساب کے ماہرین نے تحریر کیا ہے جس کو مورخین اور تورات کے مطابق صحیح مانا جاتا ہے مگر ہمارے خیال میں اس شجرہ نسب میں بیان کردہ سلسلے تعداد میں کم بتائے گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت آدم علیہ لسلام تک سلسلوں کی تعداد زیادہ ہے تورات کے عبرانی، سامی اور یونانی زبانوں میں پائے جانے والے نسخوں میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے مذکورہ سلسلہ نسب صحیح نہیں ہوسکتا۔ یہاں ہم سرکارِ دو عالم سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ارشادِ گرامی کی جو تفصیل و تشریح سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمائی ہے درج کر رہے ہیں جو کہ حالات و واقعات کے مطابق صحیح ہے۔ حافظ ابو حاتم بن حبان نے اپنی تاریخ صحیح میں حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت کے درمیانی زمانے کو محمد بن عمر بن یوسف وغیرہ کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کیا حضرت آدم و حضرت نوح علیہ السلام دونوں نبی تھے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ''ہاں دونوں نبی تھے''۔ اس شخص نے پھر عرض کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا ''دس قرون کا وقفہ تھا''۔

یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں ہے۔ اسی حدیث کو صحیح بخاری میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک قرن سے یہاں مراد سو سال ہیں۔ اس طرح حضرت آدم اور حضرت نوح علیہم السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ تھا۔ نیز مزید

ارشاد فرماتے ہیں کہ اس عرصہ کے دوران حضرت آدم علیہ السلام کی جملہ اولاد کا مذہب اسلام تھا۔ بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت سے تمام اہل اسلام اتفاق کرتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ادریس (اخنوخ یا خنوخ) علیہ السلام تک اولاد آدم علیہ السلام مذہب اسلام پر ہی قائم رہی مگر حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد اولاد آدم علیہ السلام مذہب اسلام پر قائم نہ رہی۔

از البدایہ والنہایہ جلد 1 صفحہ 190-191۔

لفظ قرن سے مراد

قرن سے مراد بنی آدم علیہ السلام کا ایک زمانہ ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ قرن سے مراد ایک نسل کا زمانہ ہے جیسے اردو زبان میں نسل در نسل کا فقرہ استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم (سورۃ بنی اسرائیل آیت 17) میں ارشاد ہوتا ہے ''ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد کئی قرنوں کے لوگوں کو ہلاک کر دیا اور قرن آخر میں ان کی نشاۃ ثانیہ کی اور یہ بھی فرمایا کہ اس دوران ان کی کئی قرون (نسلیں) گزریں اور یہ بھی کہ اس سے قبل ان کی کئی نسلیں گزر چکی تھیں۔'' قرآن کریم کے ان الفاظ مبارکہ کے علاوہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ بھی لفظ قرن کی تشریح فرماتی ہے۔ ارشاد فرمایا ''میرا زمانہ خیر القرون ہے'' اس فرمان مبارک کے مطابق ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے آدم علیہ السلام کی کئی نسلیں دنیا میں رہ چکی تھیں۔ ان ارشادات کی روشنی میں صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک عرصہ دراز گزر چکا تھا۔ ہماری اس بات کی تائید اللہ کریم کا یہ فرمان مبارک کرتا ہے فرمایا ''اس دوران کئی قرون (نسلیں) تھیں۔'' اگر کوئی مذکورہ قرون کا مکمل حساب کرنا چاہے تو کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ جس طرح بھی زمانے کا حساب کیا جائے گا وہ سب اندازے اور ظن پر ہی مبنی ہوگا۔ یہ بات ہر ذی عقل اچھی طرح جانتا ہے کہ ظن اور اندازے سے کیا ہوا حساب حتمی اور مکمل نہیں ہوتا۔ (حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس (2640) سال کا زمانی فرق ہے تشریح سورۃ الصفٰت۔ آیت 83۔ تفسیر نعیمی)

حضرت نوح علیہ السلام کا اعلان نبوت

حضرت نوح علیہ السلام نے کتنی عمر مبارکہ میں اعلان نبوت فرمایا اس سلسلے میں بیان کی جانے والی روایات میں اختلاف ہے۔ یہاں ہم تقریباً وہ سب روایات تحریر کر رہے ہیں تاکہ کوئی پہلو بھی تشنہ تکمیل نہ رہ جائے۔ کتب سیر کی ایک روایت کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام نے جب اعلان نبوت فرمایا اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارکہ پچاس سال تھی جبکہ ایک اور روایت کے مطابق عمر شریف 350 سال تھی۔ کچھ راویوں کے نزدیک عمر مبارکہ 480 سال تھی۔ ابن جبیر کی اس روایت کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے جو

اکثر اصحاب سیر کے نزدیک زیادہ قابل اعتبار اور صحیح ہے۔

قوم حضرت نوح علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو جس قوم کی طرف نبی بنا کر مبعوث فرمایا بقول ابن جبیر اس قوم کا نام بنو راسب تھا اور وہ قوم اسی نام سے مشہور تھی۔ بنوراسب حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید اور مذہبی روشنی سے بہت دور ہٹ کر حقیقی خدا کی جگہ لاتعداد خود ساختہ بتوں کی پرستش میں لگ چکی تھی۔ ہر طرف اصنام پرستی کا دور دورہ تھا۔ گمراہی، شرک اور ہر برائی ان لوگوں میں رچ بس چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اس قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ آپ علیہ السلام عرصہ دراز تک اپنی اس قوم کو ہدایت کے راستے پر چلنے کی دعوت دیتے رہے شب و روز قوم کو سیدھے راستے پر آجانے کی تبلیغ فرماتے رہے مگر چند نفوس کے علاوہ وہ بدبخت قوم گمراہی کے راستے پر ہی گامزن رہی۔ آخر اللہ تعالیٰ کے عذاب نے اس قوم کو تباہ و برباد کر دیا اور یوں وہ لوگ اپنے انجام کو پہنچے۔

تبلیغ حق اور قوم کی نافرمانی

اللہ تعالیٰ کی سنت مقدسہ ہے کہ وہ بھولی بھٹکی اور گمراہی کے راستہ پر چلنے والی قوم میں سے ہی ایک ہادی پیدا فرماتا ہے جو اپنی اس قوم کو صراط مستقیم پر چلنے کی عملی دعوت دیتا ہے۔ اسی سنت مقدسہ کے مطابق اللہ کریم نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم میں نبوت عطا فرما کر مبعوث فرمایا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی گمراہ قوم کو راہ حق پر چلنے کی دعوت دی۔ انہیں بتایا کہ تم لوگ گمراہی کا یہ راستہ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے سچے مذہب کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کرو۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعوت حق کو قوم نے ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ بدبخت قوم اللہ کے دین کو نفرت و حقارت سے ٹھکرانے لگی۔ قوم کے امیر اور صاحبان ثروت اور ان کی پیروی کرنے والوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی تذلیل و توہین کا کوئی طریقہ نہ چھوڑا جس کو آپ علیہ السلام پر نہ آزمایا ہو۔

قوم نوح کے امراء و رؤسا اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے کہ جس شخص کو ہم پر دولت و ثروت اور اقتدار وغیرہ میں سے کسی چیز پر برتری حاصل نہیں اور نہ ہی وہ فرشتہ ہیکل ہے اس لئے اس کو کیا حق ہے کہ وہ ہمارا پیشوا بنے اور ہمیں اپنے احکام پر چلنے کی تبلیغ کرے۔ ہم ہرگز ایسے شخص کی کوئی بات نہیں مانیں گے۔ وہ لوگ غریب کمزور نادار لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے تابع فرمان دیکھتے تو بڑی حقارت اور تکبر سے کہتے جس طرح یہ کم عقل، کمزور لوگ آپ علیہ السلام کا حکم مانتے ہیں کیا ہم بھی ان لوگوں کی طرح اطاعت گزار بن جائیں جبکہ ہم ذی شعور، عاقل اور ہوش مند ہیں۔ کبھی کبھار حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ سے متاثر ہو کر کہتے اگر آپ ان لوگوں کو نکال دیں یعنی اپنے سے دور کر دیں تو ہم آپ کی بات سنیں گے کیونکہ ہمیں ان غریب و نادار لوگوں سے گھن آتی ہے۔

تبلیغی ارشادات

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے گمراہ رؤسا و امراء کو ان کے سوالات کے جواب میں فرمایا کرتے کہ ''میں اپنے ساتھیوں کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا کیونکہ یہ خداوند کریم کے مخلص بندے ہیں۔ اگر میں تم لوگوں کا کہنا مان کر ان مخلص بندوں کا ساتھ چھوڑ دوں تو خدا کے ہاں قابل گرفت ہو جاؤں گا اور اے بھٹکے ہوئے لوگو غور سے سن لو اللہ تعالیٰ کے ہاں امیر غریب کا کوئی سوال نہیں۔ میں تمہارے پاس اللہ کا جو پیغام لے کر آیا ہوں اس پر عمل کرو تو تم سب ہدایت اور نجات پا جاؤ گے ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب عنقریب تمہیں برباد کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون تمہاری ظاہری دنیا کی دولت، حشمت اور شان و شوکت کے تابع نہیں ہے۔ رضاءِ الٰہی غنا اور اخلاص قلب سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسرا مجھے تمہاری دولت، شان و شوکت اور ثروت سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور نہ ہی میں اپنی تبلیغ کا کوئی تم لوگوں سے اجر چاہتا ہوں۔ اجر دینے والی تو اللہ کریم کی ذات مقدسہ ہے جو سب سے بڑی قدر دان اور عادل ہے''۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دین حق کی جس طرح تبلیغ فرمائی اور قوم نے جو سلوک آپ علیہ السلام کے ساتھ روا رکھا اس کی تفصیل جاننا ہو تو قرآن کریم کی سورہ ھودؑ اور سورہ نوحؑ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا

حضرت نوح علیہ السلام عرصہ دراز تک اپنی قوم کو حق کی تبلیغ فرماتے رہے مگر گمراہ اور نافرمان قوم نے اس تبلیغ کا کوئی اثر نہ لیا اور برابر اپنے لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف اکساتے رہے۔ قرآن کریم میں ان لوگوں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے فرمایا۔ سورۃ نوح آیت 23۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا ۙ
وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾

ترجمہ۔ ''اور انہوں نے (اپنے لوگوں سے) کہا ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو نہ چھوڑو''۔ (سورہ نوحؑ آیت۔23)

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان حق و باطل کی یہ کشمکش جب طویل عرصہ تک جاری رہی تو قوم نے زچ ہو کر کہا ''اے نوح علیہ السلام اب ہمارے ساتھ جنگ و جدل نہ کرو اور ہمارے انکار پر اپنے خدا کا جو عذاب لا سکتے ہو لے آؤ''۔ سورہ ھودؑ میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ سورۃ ھود آیت۔ 32

قَالُوا يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣٢﴾

ترجمہ۔ ''وہ کہنے لگے اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑا کیا اب اس کو ختم کرو اور جو تو نے ہم سے (عذاب الٰہی کا) وعدہ کیا ہے وہ لے آ اگر تم سچے ہو''۔ (سورہ ھود۔ آیت۔32)

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو 950 سال تک متواتر خداوند کریم کا پیغام پہنچایا (سورہ عنکبوت آیت۔14) اوران لوگوں کو شب و روز راہ ہدایت پر چلنے کی تلقین فرماتے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی مدت تبلیغ کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ عنکبوت میں موجود ہے متلاشیان علم مطالعہ کر سکتے ہیں۔ مگر بدقسمت قوم اپنی ضد پر قائم رہی اور الٹا حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جھگڑا کرتی رہی آخر میں خود ہی کہنے لگی اپنے رب کا عذاب لے آ۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے یوں دعا فرمائی۔ سورۃ نوح آیات 26،27۔

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾
إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾

ترجمہ۔ اور نوح نے عرض کی ”اے پروردگار تو کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ۔ اگر تو ان کو یونہی چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو بھی گمراہ کرینگے اور ان کی نسل بھی انہی کی طرح نافرمان پیدا ہوگی۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور ان کو حکم دیا کہ تم ایک کشتی بناؤ۔

کشتی حضرت نوح علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا اور گمراہ سرکش قوم کو ان کے اعمال اور اپنے سچے نبی کی شان میں گستاخیاں اور حکم عدولی کی بنا پر سزا دینے کا فیصلہ فرما لیا۔ حفظ ماتقدم کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت فرمائی کہ وہ ایک کشتی تیار کریں تاکہ ظاہری اعتبار کے مطابق خود اور مومن اس میں سوار ہو جائیں اس طرح سیلاب کی شکل میں آنے والے عذاب سے محفوظ رہ سکیں۔ حضرت نوح علیہ السلام حکم خداوندی کے تحت کشتی تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔ مشرک قوم کے لوگوں نے جب حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی تیار کرنے میں مصروف دیکھا تو آپ علیہ السلام کا خوب مذاق اڑانے لگے جب آپ علیہ السلام کے پاس سے گزرتے تو کہتے اے نوح (علیہ السلام) تم یہ کشتی تیار کر رہے ہو تاکہ طوفان آنے کی شکل میں اپنے ماننے والوں کے ہمراہ اس کشتی میں سوار ہو کر بچ جاؤ اور ہم لوگ غرق ہو جائیں۔ تمہارا یہ خیال (نعوذ باللہ) کیسا احمقانہ خیال ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام ان لوگوں کی بے ہودہ باتوں کا جواب احسن طریقے سے ارشاد فرماتے اور اپنے کام میں بدستور مصروف رہتے۔ آپ علیہ السلام اس قوم کے حال سے پہلے ہی آگاہ ہو چکے تھے۔ مشرک قوم برابر آپ علیہ السلام کی ہنسی اڑاتی رہی اس پر اللہ کریم نے ارشاد فرمایا۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا
وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٣٧﴾

ترجمہ۔ ”اے نوح تم ہماری حفاظت میں ہمارے حکم کے مطابق کشتی (سفینہ) تیار کئے جاؤ اور اب مجھ سے ان کے

بارے میں کچھ نہ کہو۔ یہ بلاشبہ غرق ہونے والے ہیں۔" (سورہ ھود۔ آیت۔37)

حضرت نوح علیہ السلام کشتی کی تیاری میں مصروف رہے۔ آخر کار سفینہ نوح علیہ السلام بن کر تیار ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جو کشتی تیار کی وہ تین سو ہاتھ لمبی، پچاس ہاتھ چوڑی، اور تیس ہاتھ اونچی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تیار کردہ کشتی بند تھی اور اس میں تین دروازے تھے۔ جب کشتی بن کر تیار ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آ گیا۔

طوفان حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام نے جب کشتی تیار کر لی تو اللہ کریم نے اپنے وعدہ کے مطابق عذاب کی ابتداء فرمائی اور تنور سے پانی نکلنا شروع ہو گیا اللہ کریم نے ارشاد فرمایا۔ سورۃ ھود آیت 40۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿40﴾

ترجمہ۔ "پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا اور تنور سے پانی ابل پڑا تو ہم نے (نوح علیہ السلام سے) فرمایا کہ ہر جاندار میں سے ایک ایک جوڑا نر و مادہ کشتی میں اٹھا لو اور اس کے علاوہ جس پر خدا کا فرمان مکمل ہو چکا ہے اپنے اہل کو بھی اور باقی مسلمانوں کو اور اس کے ساتھ مسلمان نہ تھے مگر تھوڑے"۔

حضرت نوح علیہ السلام نے حسب حکم خداوندی ہر جاندار کا ایک ایک جوڑا اپنے بیٹے بہوویں اور اہل حق کی مختصر جماعت کو کشتی میں سوار کیا۔ ان کی تعداد کے بارے میں تین قول ہیں۔ ایک کے مطابق تعداد چالیس نفوس تھی جبکہ دوسری روایت میں اسی (80) کہا گیا ہے جبکہ تیسری روایت میں مقاتل نے کہا کل مرد و عورت بہتر (72) تھے۔ (واللہ اعلم)۔ بہر حال جب تمام لوگ کشتی میں سوار ہو گئے تو حکم الٰہی کے مطابق زمین نے تمام پانی کے چشمے اگلنے شروع کر دیئے جبکہ آسمان سے موسلا دھار تیز بارش برسنا شروع ہو گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشی پانی کے اوپر حفاظت سے تیرنے لگی۔ کتب سیر میں آتا ہے کہ چالیس روز تک دن رات بارش کا سلسلہ جاری رہا۔

جب طوفان کی ابتداء ہوئی اور زمین نے پانی اگلنا شروع کر دیا حضرت نوح علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت کشتی پر سوار ہو چکے تو آپ علیہ السلام کا بیٹا کنعان جو کہ کافر تھا، کفار کی جماعت میں شامل کھڑا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کو کہا اب بھی وقت ہے اسلام لا کر کشتی میں سوار ہو جاؤ تا کہ عذاب سے بچ سکو۔ نافرمان کافر بیٹے نے والد گرامی کے اس حکم پر جو جواب دیا قرآن کریم اس کے بارے میں فرماتا ہے۔ سورۃ ھود آیت 43۔

قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۭ

ترجمہ۔ "(بیٹے نے) کہا میں بہت جلد کسی پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں کہ وہ مجھے غرقابی سے بچا لے گا"

حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کا جواب سن کر ارشاد فرمایا۔ سورۃ ھود آیت 43۔

قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ
اللّٰهِ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴿٤٣﴾

ترجمہ۔ ''آج کوئی خدا کے حکم سے نہیں بچ سکے گا مگر صرف وہی بچے گا جس پر خدا کا رحم ہو جائے۔ اس دوران دونوں کے درمیان پانی کی موج حائل ہوگئی اور وہ غرق ہونے والوں میں سے ہو گیا۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو منصب نبوت کے تحت آخری وقت میں بھی دعوت حق دی مگر وہ بد بخت اپنی ضد پر قائم رہا اور یوں غرق ہو گیا۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ نجات آخرت کا دارومدار خونی رشتے یا نسب سے نہیں بلکہ ایمان اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکامات و بھیجے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل کرنے پر ہے۔

طوفان نوح کا نصف حصہ آسمان سے نازل ہوا جبکہ نصف حصہ زمین سے پیدا ہونے والے پانی کی شکل میں آیا۔ چنانچہ اس بات کی تائید قرآن کریم سے ہوتی ہے۔ ارشاد فرمایا۔ سورۃ القمر آیات 11 تا 12۔

فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾
وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾

ترجمہ۔ ''ہم نے لگاتار بہتے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین کے سوتے چشمے جاری کر دیئے۔ تو پانی ایک حکم پر اس مقدار جو مقدر تھی پہنچ کر مل گیا۔'' (سورہ قمر آیت 11۔12)

آیت میں ''بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ'' سے مراد ماء منھمر بہتا ہوا پانی ہے اور ''فَجَّرْنَا الْاَرْضَ'' کا مطلب ہے شققنا الارض (ہم نے زمین کو چاک چاک کر ڈالا اور اس میں شگاف کر دیئے) ''فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ'' (پانی ایک حکم پر جس کی مقدار مقدر ہو چکی تھی پہنچ کر مل گیا کے معنی یہ ہیں کہ پانی کے دو حصے ہو گئے نصف پانی آسمان سے اور نصف پانی زمین سے)۔ اس طرح زمین کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی پندرہ ہاتھ پانی چڑھ گیا تھا۔
حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی حفاظت کے ساتھ تیرتی ہوئی کوہ جودی کی چوٹی پر ٹھہر گئی جب طوفان کا پانی اتر گیا تو تمام مشرک قانون خداوندی کے مطابق اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔

کوہ جودی اور کشتی حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں اپنے راکبوں (سواروں) سمیت چھ ماہ کا عرصہ پانی پر تشریف فرما رہے۔
جب عذاب الٰہی ختم ہوا پانی اتر گیا تو یہ کشتی مبارک چھ ماہ بعد کوہ جودی پر جا کر ٹھہری اس سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ
وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٤﴾

ترجمہ۔ (اور حکم پورا ہوا اور کشتی جودی پر جا ٹھہری اور اعلان کر دیا گیا کہ قوم ظالمین کے لئے ہلاکت ہے)۔ اور حکم فرمایا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام ہوا اور کشتی جودی پر ٹھہری اور فرمایا گیا کہ دور ہوں بے انصاف لوگ۔'' (سورہ ھود۔ آیت 44)

ایک تحقیق کے مطابق کوہ جودی موجودہ ترکی میں برف سے ڈھکی پہاڑی ہے جس پر اب بھی کشتی چھپی ہوئی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں دسویں رجب کو بیٹھے اور دسویں محرّم کو کشتی کوہ جودی پر ٹھہری تو آپ (علیہ السلام) نے اس کے شکر کا روزہ رکھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی روزے کا حکم فرمایا۔

توراۃ میں کوہ جودی کو ارارط کے پہاڑی سلسلے میں بتایا گیا ہے۔ محققین بیان کرتے ہیں کہ کوہ ارارط کی بلندی 16985 فٹ ہے اس کی چوٹی ''جبل جودی'' پر سفینہ نوح علیہ السلام ٹھہری۔ سلسلہ کوہ ارارط ترکی اور ایران کی سرحد پر واقع ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے راکب (ساتھی) امن وسلامتی کے ساتھ دوبارہ زمین پر اترے۔ طوفان نوح کے بعد کشتی میں سوار نفوس کے علاوہ باقی تمام لوگ ہلاک ہو چکے تھے۔ انہی بچ جانے والوں سے دنیا میں آبادی کا سلسلہ شروع ہوا اس لئے حضرت نوح علیہ السلام کا لقب ''آدم ثانی'' مشہور ہوا۔

طوفان نوح کیفیت

طوفان نوح علیہ السلام کی کیفیت یعنی طوفان عام تھا یا خاص یہ ایک اہم سوال ہے جس کے بارے میں علماء قدیم وجدید کے درمیان اختلاف رہا ہے اور اس سلسلے میں دو آراء ہیں۔ یہاں دونوں خیالات وآراء تحریر کی جارہی ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام ایک لاکھ چالیس ہزار مربع کلومیٹر پر آیا اور یہ خاص طوفان اسی خاص علاقے کے لئے تھا۔ اپنی اس رائے کے بارے میں صاحب رائے علماء ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے اور ابتداءِ زمانہ آبادی کی وجہ سے اس اولاد کا سلسلہ زیادہ وسیع نہیں ہوا تھا۔ دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر یہ طوفان عام ہوتا تو کرہ ارض پر اس کے آثار ضرور پائے جاتے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ طوفان صرف اسی علاقے کے لئے تھا جہاں قوم نوح علیہ السلام آباد تھی باقی کرہ ارض پر یہ طوفان نہیں آیا۔

طوفان نوح عام تھا یہ رائے رکھنے والے علماء اور ماہرین طبقات ارض وماہرین طبیعات اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں پہلے گروہ علماء کے سوال کا جواب یوں دیتے ہیں کہ عراق اور اس کے گرد ونواح پہاڑی سلسلوں کے علاوہ کرہ ارض پر موجود بہت سے دیگر پہاڑوں کی چوٹیوں پر ایسے جانوروں کے ڈھانچے پائے گئے ہیں جو خالص پانی کے جانور تھے۔ پانی کے بغیر چند لمحے ان جانوروں کا زندہ رہنا ممکن نہیں پھر یہ آبی جانور پہاڑوں کی چوٹیوں پر طوفان نوح علیہ السلام میں ہی پہنچے۔ جب پانی اتر گیا تو یہ پانی کے ساتھ نیچے نہ آسکے اور اوپر ہی مر گئے۔ یہ بات اس چیز کا عیاں ثبوت ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام عالم گیر تھا علاقائی نہیں تھا۔ (واللہ اعلم)

ہم نے دونوں نظریے رقم کردیئے ہیں۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کون سا نظریہ صحیح ہے کیونکہ قرآن کریم اور احادیث میں اس طوفان کے عام یا خاص ہونے کے بارے میں وضاحت نہیں ملتی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آغاز بت پرستی

حضرت نوح علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ طوفان کے بعد زمین پر دوبارہ آباد ہوئے اور یوں پھر نسل انسانی میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں انسانی ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ وہ تمام لوگ تو دین نوح علیہ السلام پر تھے۔ سچے اور فرمانبردار اطاعت گزار بندے تھے۔ پھر کن اسباب کے زیر اثر بعد کے لوگوں نے بت پرستی شروع کردی۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور کتب سیر میں اس سوال کا جواب موجود ہے جو یہاں درج کر رہا ہوں۔

صحیح بخاری و مسلم میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیث موجود ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت امّ سلمہ و امّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت اقدس میں عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جب ہم حبشہ میں تھیں تو ہم نے ایک بت کدہ میں بڑی خوب صورت تصاویر اور بتوں کے مجسّمے رکھے دیکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا۔ "قدیم زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی مرد صالح وفات پا جاتا تو اس کی قوم کے افراد اس کی قبر پر ایک مسجد تعمیر کر دیتے لیکن رفتہ رفتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ مساجد بت کدوں میں تبدیل ہوگئیں اور پھر لوگوں نے اپنے مردہ افراد کے مجسّمے بنا کر ان کی پرستش شروع کردی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکے بندوں کا شر ہے۔"

بخاری شریف (کتاب الانبیاء) میں حدیث شریف بیان کی گئی ہے کہ موسیٰ بن اسمٰعیل، عبدالواحد بن زیاد، اعمش، ابوصالح، حضرت ابوسعید سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن نوح (علیہ السلام) مع اپنی قوم کے تشریف لائیں گے تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا کیا تم نے ہمارا پیغام پہنچا دیا تھا۔ وہ کہیں گے کہ ہاں اے پروردگار۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی امت سے پوچھے گا کہ کیا انہوں نے تمہیں ہمارا پیغام دیا تھا۔ تو وہ کہیں گے نہیں ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمائے گا تمہارا گواہ کون ہے۔ وہ (نوح) کہیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت۔ تو وہ گواہی دیں گے ہاں انہوں نے حکم پہنچا دیا ہے۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ اور اسی طرح ہم نے تمہیں متوسط امت (سورۃ البقرہ آیت 143) بنایا کہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔ وسط کے معنی درمیان کے ہیں"

کتب سیر میں آتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے وصال شریف کے بعد نسل درنسل لوگ مذہب اسلام پر قائم رہے۔ بعد میں لوگوں نے بت پرستی شروع کردی۔ بت پرستی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ابی حاتم نے متعدد حوالوں کے ساتھ تحریر کیا ہے وہ سبب یہ ہے۔ "کچھ لوگ اپنے کسی عزیز کی وفات کے بعد اس کی قبر پر اظہار افسوس کے لئے جمع تھے۔ اس وقت شیطان انسانی شکل میں ان کے پاس آیا اور کہنے لگا تم لوگ خواہ مخواہ اپنے اس عزیز

کی موت پر اظہار افسوس کر رہے ہو جبکہ میں اس کو زندہ سلامت تمہارے سامنے لا سکتا ہوں۔ شیطان کی یہ بات سن کر وہ لوگ کہنے لگے اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو ایسا کر کے دکھاؤ۔ اس پر شیطان فوراً اس مردہ شخص کی شکل اختیار کر کے ان لوگوں کے سامنے آ گیا۔ پھر کہنے لگا اگر تم لوگ چاہو تو میں تمہارے اور بہت سے مردوں کو اسی طرح زندہ کر سکتا ہوں۔ لوگوں نے کہا ان کو زندہ کر کے دکھاؤ شیطان باری باری ان کے دوسرے مردہ افراد کی شکل تبدیل کر کے ان لوگوں کے سامنے آتا رہا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر لوگ حیرت زدہ ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اان لوگوں نے شیطان کے اس مظاہرے کو حقیقت وقدرت تسلیم کر لیا اور یوں اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی پرستش وعبادت چھوڑ کر شیطان کے پیچھے لگ گئے۔ شیطان نے ان لوگوں کو بت پرستی کے راستے پر ڈال دیا۔ اس وقت سے لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ظاہری زمانہ اقدس تک اقوام عرب، ان کی اولاد در اولاد بت پرستی اور کفر وضلالت میں مبتلا رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات مقدسہ نے اس گمراہی، بت پرستی اور ضلالت میں غرق اقوام کو اللہ تعالیٰ کے احکامات واپنی تعلیمات پر چلنے کا عملی درس دیا جس پر چلتے ہوئے وہی قوم ترقی، سلامتی اور امن کے میدان میں اوج ثریا تک پہنچ گئی۔ اللہ کریم نے ہر قوم اور زمانہ میں لوگوں کی اصلاح کے لئے اپنے نبی ورسول مبعوث فرمائے جو لوگوں کو صراط مستقیم پر چلنے اور بت پرستی چھوڑ دینے کی تبلیغ فرماتے۔ مگر ان کی قوموں میں سے کم لوگ ایسے تھے جو ان کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے بت پرستی وشرک سے باز رہے جبکہ اکثریت اسی ضلالت میں گرفتار رہی۔ کچھ قومیں تو ایسی بھی ہیں جنہوں نے اپنے نبیوں کی تعلیمات میں خود ساختہ عقائد ونظریات شامل کر کے دین حق کی شکل ہی تبدیل کر دی ہے۔ اقوام عالم کو صراط مستقیم پر چلانے اور گمراہی سے بچانے کا اعزاز فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو حاصل ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا روزہ

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نہایت ہی شکر گزار اور بہت زیادہ عبادت کرنے والے نبی تھے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے (سورۃ بنی اسرائیل یعنی اسراء آیت 3)۔ ترجمہ۔ ’’بے شک وہ (نوح علیہ السلام) شکر گزار بندہ تھا۔‘‘ کتب سیر میں آتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب بھی کچھ تناول فرماتے یا زیب تن کرتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ضرور ادا کرتے تھے۔ مسند امام احمد میں ابو اسامہ اور زکریا بن ابی زائدہ نے سعید بن ابی بردہ اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی حدیث بیان کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ ’’اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو کھائے تو اسکا شکر ادا کرے، پیئے تو اس کا شکر ادا کرے۔‘‘ اسی حدیث کو مسلم نسائی اور ترمذی نے بھی ابو اسامہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام روزہ رکھنے میں ایک خاص مقام کے مالک تھے۔ سنن ابی ماجہ باب صیام نوح علیہ السلام میں حضرت ماجہ لکھتے ہیں کہ ان سے سہل بن ابی سہل اور سعید بن ابی مریم نے ابن ابی الھیہ، جعفر بن ربیعہ اور ابی فراس نے بیان کیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔ ’’نوح علیہ السلام عید الفطر و عید الاضحیٰ کے

علاوہ ہمیشہ روزے سے ہوتے تھے۔''

امام طبرانی نے ابواثر نباع روح بن فرج عمرو بن خالد حرانی ابن الھیہ اور ابی قتادہ سے اورانہوں نے یزید بن رباح کے حوالے سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیان شدہ حدیث نقل کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زبان درفشاں سے سنا کہ ''نوح علیہ السلام عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ ہمیشہ روزے سے ہوتے جبکہ داؤد علیہ السلام سال میں چھ ماہ کے روزے رکھتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر ماہ تین روزے رکھا کرتے تھے۔ میں تین دنُوں میں کبھی روزہ رکھتا ہوں اور کبھی چھوڑ دیتا ہوں۔'' حضرت نوح علیہ السلام روزہ رکھنے کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام میں ایک منفرد حیثیت کے مالک تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد اور وصیت

حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تین صاحب زادے ایسے ہیں جن سے کرہ ارض پر بسنے والے لوگوں کا سلسلہ چلا۔ ان کے نام یہ ہیں۔ سام، حام اور یافث۔ ایک بدبخت بیٹا کنعان بھی تھا جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان نہ لایا اور طوفان نوح میں غرق ہوگیا۔ اس کا ذکر ہم گزشتہ صفحاتؓ پر کر چکے ہیں۔ حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:۔

''حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں میں سے عرب سام کی اولاد ہیں حبشی قوم حام کی اولاد ہیں جبکہ رومی (رومانیوں) یافث کی اولاد ہیں۔''

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکے سام، حام اور یافث سے اقوام عرب، اقوام فارس اور اقوام روم پیدا ہوئیں۔ ان سب میں خیر وفلاح ہے۔ اصحاب سیر کا اس پر اجماع ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام کے بعد کرہ ارض پر نسل انسانی کا سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام کے تینوں بیٹوں یعنی سام، حام اور یافث سے پھیلا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے وصال سے پہلے اپنے صاحب زادے کو جو وصیت فرمائی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس وصیت کا ان الفاظ مبارکہ میں ذکر فرمایا۔ اس حدیث کو امام احمد نے سلیمان بن حرب اور حماد بن زید نے صقعب بن زہیر اور زید بن اسلم کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے۔ حضرت حماد بن زید کہتے ہیں کہ میں نے عطاء بن یسار اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنا کہ ایک روز وہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ اس محفل مقدسہ میں ایک بدو آیا جس نے قیمتی جبہ پہنا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ ''تم نے جو لباس پہن رکھا ہے وہ اہل روم وفارس بطور نمائش استعمال کرتے ہیں۔ کیا اب اہل عرب نے بھی ان لوگوں کی طرح خود کو نخوت اور تکبر میں مبتلا کرلیا ہے؟'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس بدو کا جبہ ایک طرف سے پکڑ کر ارشاد فرمایا۔

''یہ لباس تمہیں اچھا نہیں لگتا کیونکہ اسکے پہننے سے عقل میں اضافہ نہیں ہوتا۔'' اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے تمام موجودہ حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''سنو جب اللہ کے نبی حضرت نوح علیہ السلام کا وقت وصال نزدیک آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بلا کر ارشاد فرمایا۔ ''بیٹا میں وصیت کے طور پر تمہیں دو باتیں کرنے اور دو باتوں سے رکنے کا حکم دیتا ہوں۔ عمل کرنے والی دو باتیں یہ ہیں۔

(1) ہمیشہ یاد رکھنا کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

(2) دوسری بات یہ ہے کہ ہمیشہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی توحید، تعریف و تمجید بیان کرنا۔

جن دو باتوں سے رکنے کا حکم دیتا ہوں وہ یہ ہیں۔

(1) زمین اور آسمان کے سات سات طبقات ہیں اگر یہ سب کسی ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں تو وہ سب **لا الٰہ الا اللہ** اور **سبحان اللہ و بحمدہٖ** کا ورد کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمام زمینوں اور آسمانوں کی مخلوقات کو رزق عطا فرماتا ہے۔

(2) کسی حال میں بھی شرک و کفر اختیار نہ کرنا کیونکہ یہ ناقابلِ معافی جرم ہیں۔ پس اسی لئے میں تمہیں ان دونوں باتوں سے دور رہنے کی وصیت و حکم دیتا ہوں۔''

راوی بیان کرتا ہے کہ شاید میں اکیلے یا تمام حاضرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت اقدس میں عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کیا اچھا لباس پہننا شرک ہے؟'' حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

''اچھا لباس پہننا شرک نہیں ہے۔''

حاضرین نے پھر سوال کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کیا اچھی سواری پر سوار ہونا شرک ہے؟'' حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''نہیں۔'' حاضرین نے پھر خدمت اقدس میں عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کبر و شرک میں کیا فرق ہے اور شرک کیا ہے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

''کسی شخص کا مجلس میں آ کر بیٹھنا دوسروں کے لئے شرک نہیں ہے۔ کبر و شرک میں فرق یہ ہے کہ حق کو کم تر اور لوگوں کو بڑا خیال کرنا۔''

حضرت نوح علیہ السلام کا وصیت فرمانا اس بات کا ثبوت ہے کہ وصیت حق کرنا جائز ہے۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کو ہر حال میں خالق، مالک اور لائق عبادت ماننا ایمان کی اصل ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ظالم اور متکبر اپنی موت سے قبل ہی اپنے ظلم و کبر کی کچھ نہ کچھ سزا ضرور پاتا اور ذلت و نامرادی کا منہ دیکھتا ہے۔ چنانچہ خدا کے سچے پیغمبروں سے الجھنے والی قوموں اور تاریخ کی ظالم و مغرور ہستیوں کی عبرتناک ہلاکت و بربادی کی داستانیں اس دعوے کی بہترین دلیل ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قبر انور

حضرت نوح علیہ السلام کی قبر انور مسجد الحرام میں ہے۔ بعض اصحاب سیر و متاخرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام بقاع کے علاقہ میں کسی شہر میں سکونت پذیر تھے۔ اس علاقے کو "بکرک نوح علیہ السلام" کہا جاتا ہے۔ اس علاقہ میں ایک مسجد حضرت نوح علیہ السلام کے نام پر تعمیر کی گئی ہے۔ بہر حال اکثریت کا خیال یہی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قبر انور مسجد الحرام میں ہے۔ ابن جریر طبری اور ازرقی نے عبدالرحمان بن سابط تابعی کے حوالے سے مرسلاً ایسا بیان کیا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر

(1) سورہ ھود۔ آیات 25، 32، 36، 42، 45، 46، 48، 89۔

(2) سورہ نوح۔ آیت 21، 26۔

(3) سورہ عنکبوت۔ آیات 14، 15۔

(4) سورہ شعراء آیات 105، 106، 116۔

(5) سورہ قمر آیت 9۔

(6) سورہ اعراف۔ آیات 59، 69۔

(7) سورہ آل عمران آیت 33۔

(8) سورہ النساء آیت 163۔

(9) سورہ الانعام آیت 84۔

(10) سورہ التوبہ آیت 70۔

(11) سورہ یونس آیت 71۔

(12) سورہ ابراہیم آیت 9۔

(13) سورہ اسراء یعنی بنی اسرائیل آیات 3، 17۔

(14) سورہ مریم آیت 58۔

(15) سورہ الانبیاء آیت 76۔

(16) سورہ الحج آیت 42۔

(17) سورہ المومنون آیت 23۔

(18) سورہ الفرقان آیت 37۔

(19) سورہ الاحزاب آیت 7۔

(20) سورہ الصافات آیات 75، 79۔

(21) سورہ ص آیت 12۔

(22) سورہ مومن آیات 5، 31۔

(23) سورہ الشوریٰ آیت 13 ۔

(24) سورہ ق آیت 12۔

(25) سورہ الذاریات آیت 46۔

(26) سورہ النجم آیت 52۔

(27) سورہ الحدید آیت 26۔

(28) سورہ التحریم آیت 10 ۔

کتب حوالہ جات

1۔ صحیح بخاری باب الانبیاء

2۔ صحیح مسلم باب شفاعت

3۔ تورات، سفر (تکوین)

4۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ۔

5۔ سنن ابن ماجہ باب صیام نوح علیہ السلام۔

6۔ ترمذی شریف روایت از ابو اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

7۔ سنن نسائی شریف۔

8۔ تاریخ صحیح از حافظ ابوحاتم بن حبان رحمۃ اللہ علیہ۔

9۔ البدایہ والنہایہ جلد اوّل صفحہ 189 تا 198۔

10۔ طبقات ابن سعد جلد اوّل صفحہ 57 تا 61۔

حضرت ھود علیہ السلام

حضرت ھود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قوم عاد میں مبعوث فرمایا۔ یہ نافرمان قوم نوح علیہ السلام کے بعد کفر وشرک میں مبتلا ہو چکی تھی۔ حضرت ھود علیہ السلام نے اس قوم کو عرصہ تک بت پرستی سے رکنے اور خدائے وحدہٗ لا شریک کی عبادت تبلیغ فرمائی۔ مگر بد بخت قوم اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہی۔ آخر اللہ کریم نے اس قوم پر ہوا کا طوفان مسلط فرمایا جس نے قوم عاد کو نیست و نابود کر دیا اور یوں اس قوم کو جسے اپنی طاقت، حکومت، ثروت اور شان و شوکت پر ناز تھا صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

حضرت ھود علیہ السلام کا نام و شجرہ نسب

حضرت ھود علیہ السلام کا مکمل اسم مبارک ہود (علیہ السلام) بن شالغ بن ارفخشد بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام تھا۔ ھود علیہ السلام کے بارے میں بعض کتب تاریخ میں آتا ہے کہ ان کا نام عابر بن شالغ بن ارفخشد بن سام تھا۔ حضرت ھود علیہ السلام کے قبیلے یا قوم کا نام عاد تھا۔ آپ علیہ السلام کو اسی قوم کا نبی بنایا گیا تھا۔

علاقہ وقوم

حضرت ھود علیہ السلام کی قوم یمن کے پہاڑی علاقے رمل میں سکونت پذیر تھی۔ یہ علاقہ عمان وحضر موت کے سمندری ساحل پر واقع ہے جسے شحر کہا جاتا ہے۔ اس قوم عاد کی وادی کا نام مغیث تھا۔ قوم عاد عرب لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو بڑی شان وشوکت عطا فرمائی۔ مگر یہ قوم اللہ تعالیٰ کی نافرمان ہو کر بت پرستی کی لعنت میں گرفتار ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مستحق ٹھہری۔

قرآن حکیم اور حضرت ھود علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام کا قرآن حکیم میں سات جگہ ذکر فرمایا ہے یعنی۔

سورہ اعراف۔ آیت 65

سورہ شعراء۔ آیت 124

سورہ ھود۔ آیات 50،53،58،60،89

مذکورہ آیات میں حضرت ھود علیہ السلام کا اپنی قوم کو راہ حق کی تبلیغ فرمانے کا تفصیلی ذکر اور قوم کا آپ علیہ السلام کی متواتر نافرمانی کا حال بیان کیا گیا ہے۔

قرآن حکیم اور قوم ھود کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام کی قوم عاد کا قرآن حکیم کی اٹھارہ (18) سورتوں میں (تیئس 23 مرتبہ) ذکر فرمایا ہے۔ یعنی

(1) سورہ ھود۔ آیات 50،59،60

(2) سورہ اعراف۔ آیات 65،74

(3) سورہ مومن۔ آیت 31

(4) سورہ شعراء۔ آیت 123

(5) سورہ القمر۔ آیت 18

(6) سورہ الحاقہ۔ آیات 4،6

(7) سورہ حم السجدہ۔ آیات 13، 15

(8) سورہ الذاریات۔ آیت 41

(9) سورہ احقاف۔ آیت 21

(10) سورہ ق۔ آیت 13

(11) سورہ النجم۔ آیت 50

(12) سورہ الفجر۔ آیت 6

(13) سورہ توبہ۔ آیت 70

(14) سورہ ابراہیم۔ آیت 9

(15) سورہ الحج۔ آیت 42

(16) سورہ الفرقان۔ آیت 38

(17) سورہ ص۔ آیت 12

(18) سورۃ العنکبوت آیت 38

قوم عاد کا زمانہ

کتب تاریخ کے مطابق عاد کا زمانہ دو ہزار قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام خیال کیا جاتا ہے۔ اس قوم کو قرآن حکیم نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد والی قوم کہہ کر خطاب کیا ہے۔ اس طرح یہ بات کھل کر ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ شام میں امم سامیہ کی دوبارہ ترقی اسی قوم عاد سے شروع ہوتی ہے۔

تبلیغ حق اور قوم عاد کی نافرمانی

قوم عاد کو اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی قوت، سطوت و جبروت اور شان و شوکت عطا فرمائی یہ قوم ان خوبیوں کی بنا پر شکر گزار ہونے کی بجائے غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر خدائے وحدہٗ لاشریک کو بھول کر بت پرستی اور شرک کی لعنت میں غرق ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی اصلاح کے لئے ان میں سے شاخ خلود کے ایک عظیم فرد حضرت ہود علیہ السلام کو اپنا نبی بنا کر مبعوث فرمایا تا کہ گمراہ قوم کو اسلام کے راستے پر لا کر ان کو جہنم کی آگ کا ایندھن بننے سے بچائیں۔ حضرت ہود علیہ السلام کی شب و روز محنت کے باوجود یہ بدبخت قوم اپنی گمراہی پر قائم رہی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر ہوا کا عذاب نازل فرما کر ان کو تباہ و برباد کر دیا۔

حضرت ہود علیہ السلام اپنی اس قوم کو توحید کی دعوت دیتے ان کو فرماتے۔ خالق واحد کی عبادت کرو۔ لوگوں پر ظلم وستم کرنا بند کر دو۔ نیک اعمال سرانجام دو اور برے کاموں سے باز رہو۔ قوم عاد غرور و تکبر میں اس حد تک غرق ہو چکی تھی کہ حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغ حق کا جواب یوں دیتی کہ دنیا میں ہم سے زیادہ شوکت و جبروت کا مالک کون

ہے؟ جاہل اور متکبر قوم کے اس جواب پر حضرت ھود علیہ السلام یہی ارشاد فرماتے:

''اے قوم! اپنی جسمانی طاقت وحکومت اور ظاہری شان وشوکت کے غرور میں اللہ وحدہٗ لاشریک کے احکامات کی نافرمانی مت کرو۔ یہ سب کچھ فنا ہونے والا ہے۔ عزت، شان وشوکت، طاقت، دولت وثروت وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ تم لوگ راہ حق پر آجاؤ۔ اس کی رحمت بڑی وسیع اور لامحدود ہے۔ تمہیں معاف فرمادے گا۔ تمہاری شان وشوکت، دولت وثروت اور عزت وشان میں مزید بے پناہ اضافہ فرمادے گا۔ اگر تم لوگوں نے میرے اس وعظ پر عمل نہ کیا تو یاد رکھنا اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے یہ سب کچھ چھین کر تمہیں ایسے عذاب میں مبتلا فرمادے گا کہ تمہارا نام ونشان ہی مٹ جائے گا۔ قوم عاد حضرت ھود علیہ السلام کے وعظ کا اثر لینے کی بجائے آپ علیہ السلام کا مذاق اڑاتی۔ آپ علیہ السلام پر طرح طرح کے فقرے کستی اور آپ علیہ السلام کو جھٹلاتی۔ حضرت ھود علیہ السلام ان تمام باتوں کے باوجود تبلیغ حق ارشاد فرمانے میں مصروف رہتے۔ قوم عاد نے حضرت ھود علیہ السلام سے کہا۔ سورۃ ھود آیت 53۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ ''بولے اے ھود (علیہ السلام)! تو ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں لایا۔ اور تیرے کہنے سے ہم اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔'' (سورہ ھود۔ آیت۔ 53)

حضرت ھود علیہ السلام نے اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ''اے قوم! میں نہ تو بے وقوف ہوں اور نہ ہی پاگل بلکہ بلاشک وشبہ میں اللہ تعالیٰ کا سچا نبی ہوں۔ مجھے انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے۔ یاد رکھو اللہ کریم کسی ایسے شخص کو نبی یا رسول مبعوث نہیں فرماتا جو بے وقوف یا کم عقل ہو۔ وہ تو اس عظیم مقصد کے لئے ایسے بندے کو منتخب فرماتا ہے جو نہایت برگزیدہ اور ہر طرح سے اس منصب کا مستحق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس منصب عظیم یعنی رسالت کو کس جگہ رکھے۔ تم لوگ میری بات کو مان کر بت پرستی چھوڑ دو اور اسلام لاتے ہوئے احکامات خداوندی پر عمل کرو تا کہ نجات پاسکو۔'' (سورۃ ھود آیات 50 تا 52، سورۃ الاعراف آیات 65 تا 69)۔

حضرت ھود علیہ السلام کی تبلیغ حق کے جواب میں قوم نے ہدایت حاصل کرنے کی بجائے مزید سرکشی اختیار کرنا شروع کر دی۔ بدبخت قوم آپ علیہ السلام کو (عیاذ باللہ) پاگل خبطی وغیرہ کہہ کر مذاق اڑانے لگی۔ انہوں نے کہنا شروع کر دیا ھود (علیہ السلام) نے جب سے ہمارے بتوں کو برا کہنا شروع کر دیا ہے ان کا حال خراب ہو گیا ہے۔ ہمارے بتوں کی بددعا کے نتیجہ میں آپ علیہ السلام مجنون ہو گئے ہیں۔ غرض یہ کہ قوم عاد نے طرح طرح کی بکواس شروع کر دی۔

حضرت ھود علیہ السلام قوم کی تمام بدزبانیوں کو بڑے سکون اور نہایت صبر وتحمل سے سن کر برداشت فرماتے

رہے۔آپ علیہ السلام نے قوم سے فرمایا: ''میں بتوں کی پرستش سے سخت بیزار ہوں۔ تمہارا یہ خیال کہ بت کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں بالکل جھوٹ اور باطل ہے۔ میں تمہارے ان جھوٹے خداؤں کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر ان میں طاقت ہے تو وہ مجھے نقصان پہنچانے میں جلدی کریں مگر یہ ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ نفع و نقصان میرے معبود حقیقی کے پاس ہے اور وہ مجھے ہر نقصان سے محفوظ رکھے گا۔آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگوں نے اپنا طریقہ تبدیل نہ کیا تو اللہ کریم تمہیں تباہ و برباد کر کے تمہاری جگہ ایسی قوم پیدا کرے گا جو اس کی فرمانبردار ہوگی اور وہ ساری زمین کی مالک ہوگی۔ساری کائنات اللہ وحدہٗ لاشریک کے قبضہ قدرت میں ہے۔''(سورۃ ھود آیات 53 تا 57)

قوم عاد نے جب یہ سنا کہ حضرت ھود علیہ السلام ان کو ایک خدا وحدہٗ لاشریک کی پرستش کا حکم دیتے اور ان کے بتوں کو برا کہتے ہیں تو سخت طیش میں آ کر کہنے لگی کہ آپ علیہ السلام ہماری اور ہمارے باپ دادا کی سخت توہین کر رہے ہیں اور آپ علیہ السلام نے ہمیں عذاب خداوندی کی دھمکی دی ہے۔اگر آپ علیہ السلام اپنے قول میں سچے ہیں تو ہم پر عذاب لے آؤ تاکہ ہمارا اور تمہارا قصہ ہی پاک ہو۔حضرت ھود علیہ السلام نے قوم سے فرمایا تھا: الشعراء آیت 135

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٣٥﴾

ترجمہ۔ ''میں تم پر بڑے عذاب کے آنے سے ڈرتا ہوں'' (کہ کہیں تم اس عذاب کے مستحق نہ ٹھہر جاؤ)۔''

حضرت ھود علیہ السلام کے اس اعلان کے جواب میں قوم نے یہ کہا: (سورہ الاعراف۔آیت 70)

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿﴾

ترجمہ۔ ''بولے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم ایک اللہ کو پوجیں اور جو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے انہیں چھوڑ دیں۔پس تو ہمارے پاس اس چیز کو لا جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا اگر تو واقعی سچوں میں سے ہے۔''

حضرت ھود علیہ السلام نے قوم کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی نافرمانی، بت پرستی و شرک کی وجہ سے ان کو خبردار کیا اور فرمایا کہ اگر تم لوگ عذاب الٰہی کا اتنا ہی شوق رکھتے ہو، میری تمام محنت اور نہایت مخلصانہ تبلیغ کے صاف انکاری ہو چکے ہو تو انتظار کرو اللہ کا عذاب آنے ہی والا ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا۔سورۃ الاعراف آیت 71۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ

ترجمہ۔ ''بے شک تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب و غضب آ پہنچا''(سورۃ آیت 71)

عذاب خداوندی

اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور قوم عاد پر عذاب نازل کیا۔پہلے عذاب الٰہی نے خشک سالی کی شکل

اختیار کی۔ خشک سالی اس قدر شدید تھی کہ قوم عاد عاجز آ گئی۔ قوم کی اس پریشانی کو دیکھ کر حضرت ھود علیہ السلام نے شفقت ملی کے تحت قوم سے فرمایا۔ "اے قوم اب بھی وقت ہے میرے بتائے ہوئے احکامات کو مان کر ان پر عمل کرنا شروع کر دو تا کہ تم نجات پا سکو، یہ تم لوگوں کے لئے دین اور دنیا دونوں میں فائدہ کا باعث ہے۔ تم لوگوں نے اگر اب بھی میری نصیحت پر عمل نہ کیا تو عنقریب تباہ و برباد کر دیئے جاؤ گے"۔ بدبخت قوم عاد اس کے باوجود اپنی ہٹ دھرمی، بغض و عناد پر قائم رہی۔ تب اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب نے ان کو آ لیا۔

آٹھ روز اور سات راتیں متواتر تیز ترین ہوا کا طوفان قوم عاد پر مسلط رہا۔ اس طوفان نے قوم عاد کو نیست و نابود کر دیا۔ اس قوم کے وہ لوگ جن کو اپنی ظاہری جسمانی طاقت پر ناز تھا اس طرح زمین پر بے حس و حرکت پڑے نظر آ رہے تھے جس طرح تیز آندھی میں تناور درخت بے جان ہو کر زمین پر گر پڑتے ہیں۔ مختصراً اس طوفان نے قوم عاد کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نام و نشان ہی مٹا دیا تا کہ آئندہ آنے والی نسلیں اس قوم کے عبرت ناک انجام سے سبق حاصل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی سے دور رہیں۔ حضرت ھود علیہ السلام اور آپ کے مخلص بندے اس طوفان سے محفوظ رہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس طوفان میں قوم عاد کی کثیر تعداد تباہ و برباد ہوئی اور یہ واقعہ دوسروں کے لئے باعث عبرت ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام کا وصال اور قبر انور

حضرت ھود علیہ السلام کے وصال اور قبر انور کے بارے میں کتب تاریخ میں تاریخ دان اور اصحاب سیر مختلف روایات کا ذکر کرتے ہیں۔ اہل حضر موت کا دعویٰ ہے کہ قوم عاد کی بربادی کے بعد حضرت ھود علیہ السلام اپنے مخلص مسلمان ساتھیوں کے ہمراہ حضر موت کے شہروں مین ہجرت کے بعد آ کر آباد ہوئے۔ پھر حضرت ھود علیہ السلام کا وصال شریف بھی چار سو چونسٹھ (464) سال کی عمر میں اسی علاقے میں ہوا۔ اس طرح وادی برہوت کے قریب حضر موت کے مشرقی حصہ میں شہر تریم سے تقریباً دو منازل کے فاصلے پر ان کا مزار انور ہے۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت منقول ہے کہ حضرت ھود علیہ السلام کا مزار شریف حضر موت میں کثیب (ٹیلہ) احمر (سرخ) یعنی سرخ ٹیلے پر ہے۔ اس قبر انور کے سرہانے جھاؤ کا درخت کھڑا ہے۔

اہل فلسطین کہتے ہیں کہ حضرت ھود علیہ السلام فلسطین کے علاقے میں دفن ہیں۔ وہاں ان لوگوں نے ایک مزار بنا رکھا ہے جہاں آپ علیہ السلام کا سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔ ان تمام روایات میں حضر موت والی روایت صحیح ترین اور قرین قیاس ہے۔ جمہور کا یہی کہنا ہے کیونکہ عقلی اعتبار سے آپ علیہ السلام طوفان کے بعد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حضر موت کے علاقہ میں سکونت پذیر ہوئے اور اسی علاقے میں آپ کا مزار ہونا چاہیے۔

قرآن کریم میں حضرت ھود علیہ السلام کا ذکر

(1) سورۃ الاعراف آیت 65

(2) سورۃ ھود آیات 50, 53, 58, 60, 89

(3) سورۃ الشعراء آیت 124

حوالہ جات از قرآن حکیم

(1) سورہ ھود۔

(2) سورہ الشعراء۔

(3) سورہ الاعراف۔

دیگر حوالہ جات

(1) مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ۔

(2) البدایہ والنہایہ۔ جلد 1 صفحہ 199۔200، 201

حضرت صالح علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام کا تعلق قوم ثمود سے تھا۔ آپ علیہ السلام کو اسی قوم کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی طرح بت پرستی اور شرک کی دلدل سے نکالنے کیلئے احکامات خداوندی سنائے اور اس قوم کو صراط مستقیم اختیار کرنے کی تبلیغ فرماتے رہے مگر قوم بدستور اپنی گمراہی پر قائم رہی اور گزشتہ اقوام کی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت کرتی رہی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر کڑک کا عذاب نازل فرمایا اور یوں قوم ثمود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہوگئی۔ حضرت صالح علیہ السلام کے جد اعلیٰ کا نام ثمود تھا جن کی نسبت سے یہ قوم ثمود کہلانے لگی۔ قبیلہ ثمود عرب العاربہ (تباہ و برباد ہونے والا) میں شامل تھا۔ اہل عرب کے ہاں یہ قبیلہ بہت مشہور تھا۔

نام و شجرہ نسب

حضرت صالح علیہ السلام کا اسم گرامی صالح تھا جبکہ شجرہ نسب یہ تھا۔ صالح (علیہ السلام) بن عبید بن آسف یا (ماسح) بن عبید بن حادر بن ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ علماء انساب کے نزدیک یہی نسب نامہ زیادہ صحیح ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسی قوم ثمود کی طرف نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔

قوم ثمود کا زمانہ

قوم ثمود کا صحیح زمانہ کون سا تھا؟ اس سلسلے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ تاریخ اس میدان میں کوئی

وضاحت نہیں کرتی اندازاً عہد 1800 ق م - 1600 ق م بنتا ہے البتہ یہ بات یقینی اور حق ہے کہ قوم ثمود قوم عاد کے بعد تھی بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ قوم، قوم عاد کا ہی بقایا حصہ تھی۔ ہماری اس بات کا ثبوت حضرت صالح علیہ السلام کا وہ ارشاد ہے جسے قرآن حکیم نے فرمایا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو یوں ارشاد فرمایا۔ سورۃ الاعراف آیت 74۔

وَاذْكُرُوٓا۟ إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِى ٱلْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ ٱلْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَٱذْكُرُوٓا۟ ءَالَآءَ ٱللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا۟ فِى ٱلْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٧٤﴾

ترجمہ۔ ''اور یاد کرو جب تم کو عاد کا جانشین کیا اور ملک میں جگہ دی کہ نرم زمین میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو۔ تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔ (الاعراف آیت 74)

مذکورہ ارشاد گرامی سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ثمود عاد کے بعد تھے مگر کس سال یا صدی میں تھے یہ بتانا یا اس سلسلے میں کچھ کہنا اندازہ کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ کتب تاریخ سال وصدی کے بارے میں خاموش ہیں۔

قوم ثمود کی تباہی اور حضرت صالح علیہ السلام کا قیام

قوم ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی ہدایت کے خلاف عمل کرتی رہی انہوں نے ناقۃ اللہ کو مار ڈالا اور یوں اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب نازل فرما کر اسے تباہ و برباد کر دیا۔ یہ مکمل حال ہم اوپر تحریر کر چکے ہیں۔ اب یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ ثمود کی تباہی کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے اہل حق یعنی مسلمان کس جگہ سکونت پذیر ہوئے۔ کتب تاریخ کی مدد سے اس سوال کا حتمی جواب تو نہیں دیا جاسکتا البتہ قیاس غالب یہ ہے کہ اہل حق کی یہ جماعت فلسطین کے علاقہ میں رہائش پذیر ہوئی کیونکہ مقام حجر کے قریب یہی علاقہ سرسبز و شاداب تھا۔ قوم مویشیوں کو پالنے پر انحصار کرتی تھی اس لئے کہ وادی فلسطین کی سرسبزی و شادابی ان کے پیشے اور سکونت سے مطابقت رکھتی تھی۔

حضرت صالح علیہ السلام اپنی مسلمان جماعت کے ہمراہ جن کی تعداد تقریباً ایک صد بیس (120) تھی رملہ کے نواح میں ٹھہری یا ممکن ہے کسی دوسرے مقام پر۔ عذاب کے بعد یہ جماعت کہاں ٹھہری اس سلسلے میں علماء تفسیر و مورخین تاریخ کے ہاں متعدد اقوال پائے جاتے ہیں۔ ہم یہ اقوال تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

(1) خازن کا کہنا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام اپنے مسلمان ساتھیوں سمیت فلسطین کے علاقہ رملہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

(2) بعض مورخین کے نزدیک عذاب الٰہی کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اپنے مسلمان ساتھیوں کے ہمراہ

مقام حضرموت میں آ کر آباد ہوئے کیونکہ ان کا اصل وطن یہی تھا۔ اس جگہ ایک قبر شریف بھی ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ قبر حضرت صالح علیہ السلام کی ہے۔

(3) عام مورخین کے نزدیک قوم ثمود جب عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہوئی تو حضرت صالح علیہ السلام اپنے مسلمان ساتھیوں سمیت محفوظ رہے اور انہی بستیوں میں آباد رہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ اللہ کریم نے اپنے فضل و کرم سے صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو انہی بستیوں میں رہتے ہوئے عذاب سے محفوظ رکھا اس لئے ان کو نقل مکانی کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔

(4) بعض علماء تفسیر کا خیال ہے کہ عذاب الٰہی کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اپنے مسلمان ساتھیوں کے ہمراہ مکہ مکرمہ تشریف لے آئے اور یہاں آ کر سکونت اختیار کی۔ آپ علیہ السلام کا مکہ مکرمہ میں ہی وصال شریف ہوا اور قبر انور کعبہ مکرمہ کی غربی جانب حرم میں ہی ہے۔ مشہور زمانہ مفسر قرآن و حدیث حضرت علامہ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اسی قول کو صحیح بیان فرماتے ہیں۔

سیدنا حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا ذکر قرآن کریم کی اکیس (21) سورتوں میں آتا ہے۔

یعنی:

(1) سورا عراف۔ آیت۔ 73
(2) سورہ الشمس۔ آیت۔ 11
(3) سورہ النجم۔ آیت۔ 51
(4) سورہ الحاقہ۔ آیت۔ 4،5
(5) سورہ نمل۔ آیت 45
(6) سورہ فجر۔ آیت 9
(7) سورہ حم السجدہ۔ آیت 13،17
(8) سورہ القمر۔ آیت۔ 23
(9) سورہ ھود۔ آیات۔ 61،68،95
(10) سورہ المومن۔ آیت 31
(11) سورہ ق آیت 12
(12) سورہ الذاریٰت۔ آیت 43
(13) سورہ البروج۔ آیت 18
(14) سورہ بنی اسرائیل (اسراء)۔ آیت 59

(15) سورہ توبہ۔آیت 70

(16) سورہ ابراھیم۔آیت 9

(17) سورہ الحج۔آیت 42

(18) سورہ الفرقان۔آیت 38

(19) سورہ الشعراء۔آیت۔141

(20) سورہ العنکبوت۔آیت۔38

(21) سورہ ص۔آیت 13

قرآن کریم میں حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر

قرآن کریم میں حضرت صالح علیہ السلام کا نام نو(9) جگہ آیا ہے:

(1) سورہ الاعراف آیات73،75،77

(2) سورہ ھود آیات 61، 62، 66 ، 89

(3) سورہ الشعراء۔آیت 142

(4) سورہ النمل۔آیت 45

قوم ثمود کا علاقہ

قوم ثمود وادی حجر میں آباد تھی۔اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کے احکامات کی متواتر نافرمانی کرنے کے جرم میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر زلزلہ اور چیخ کا عذاب نازل فرمایا اور یوں قوم ثمود تباہ و برباد ہوگئی۔یہ قوم جس وادی میں رہائش پذیر تھی وہاں اسکی تباہی کے نشانات موجود تھے۔چنانچہ غزوہ تبوک کے سال جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارض ثمود کی قریبی وادی حجر سے گزرے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اپنے جانوروں کو وہاں چارہ ڈالا۔حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ "تم لوگ جلد اپنے چولہوں کو بجھا دو، اونٹوں کا باقی ماندہ چارہ جلا ڈالو اور اس وادی سے فوراً کوچ کرو"۔پھر ارشاد فرمایا "اس زمین سے نہ گزرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی عذاب الٰہی نازل ہو جائے۔البتہ اگر تم اس سرزمین سے عذاب الٰہی کو ذہن میں رکھتے ہوئے خوف کا سبق حاصل کرنے کے لئے گزرنا چاہو تو کوئی حرج نہیں"۔

حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ تک پھیلا ہوا میدان قوم ثمود کی جائے رہائش تھا۔موجودہ دور میں اس مقام کو "فج الناقہ" کہا جاتا ہے۔اس قوم کی بستیوں کے کھنڈرات اور دیگر نشانات آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔کچھ عرصہ پہلے مصر کے چند ماہر آثار قدیمہ اس علاقہ کا دورہ کرنے کے بعد ان کھنڈرات اور کچھ قدیم آثار کو دیکھ چکے ہیں۔

ان کا بیان ہے کہ ہم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے نہ صرف ایسے مکانات ہی دیکھے ہیں جو اہل ثمود نے بنائے تھے بلکہ ان مکانات کے کھنڈروں میں داخل بھی ہوئے جو اہل ثمود کے شاہی محلات تھے۔ان محلات میں کئی کمرے ہیں اور حویلی کے صحن میں ایک بہت بڑا حوض بھی ہے۔اس حویلی نما گھر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ پوری کی پوری حویلی پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی ہے۔اور مکانات کی یہ طرز تعمیر اہل ثمود کے فن تعمیر کی شاندار عکاسی کرتی ہے۔حجر کا یہ مقام جہاں قوم ثمود آباد تھی حجر کے نام سے مشہور ہے۔یہ مقام مدین شہر کے جنوب مشرق میں یوں واقع ہے کہ خلیج عقبہ اس کے سامنے ہے۔اس قوم کو ثمود ارم یا عاد ثانیہ بھی کہتے ہیں۔قوم ثمود کیونکہ قوم عاد کا ہی بقیہ ہیں اس لئے اس قوم کو عاد ثانیہ کہا جاتا ہے جو حقیقت حال سے قریب تر ہے۔پھر تاریخی شواہد سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔

مدائن صالح (علیہ السلام)

مدائن صالح کے وسیع شہر میں ہندوستان، یونان اور مصر و دیگر ممالک کے تاجروں کی بہت بڑی منڈی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تاجر کی حیثیت سے ملک شام جاتے ہوئے مدائن سے گزرا کرتے تھے جو کئی صدیوں اور ہزاروں ایکڑ میں پھیلے ہوئے کھنڈرات کی صورت میں عبرت کا نشان بنا ہوا تھا۔آجکل مدینہ منورہ سے العلاء تک سارا راستہ حجاز ریلوے کے ساتھ ساتھ چلتا ہے جسے لارنس آف عربیہ نے سازش کے ذریعے 1917ء میں تباہ کروا دیا۔ حجاز ریلوے لائن مدینہ منورہ سے دمشق تک آٹھ سو (800) کلومیٹر لمبی تھی تمام ریلوے سٹیشن مضبوط بنے ہوئے تھے 1901ء مین عثمانی ترکوں نے تعمیر کروائی تھی مدینہ منورہ اور تبوک کے درمیان مدائن صالح سب سے بڑا ریلوے سٹیشن تھا۔ریلوے لائن کو کافی حد تک اب تک بھی محفوظ ہے لیکن بعض مقامات پر پُل ٹوٹ گئے ہیں۔دروازوں اور کھڑکیوں کو تو لوگ نکال کر لے گئے ہیں لیکن ریلوے سٹیشن کی عمارت اب تک محفوظ ہے۔دیگر بھی بہت سے ریلوے سٹیشن اسی حالت میں ہیں۔

اہل یورپ کی غلط تحقیق

اہل یورپ کے محققین مشرق کی تاریخ اور مشرقی علوم کے بارے میں نظریات رکھتے ہوئے جو کچھ تحریر کرتے ہیں اور خاص طور پر حجاز مقدس اور عرب کے بارے میں جو لکھتے ہیں وہ غلط بیانی پر مبنی جھوٹ کا پلندہ ہی ہوتا ہے۔ تعصب اور مذہب دشمنی کی بنا پر حقائق کو توڑ مروڑ کر بیان کرنا ان لوگوں کی پرانی عادت ہے۔اسی عادت کے مطابق ان لوگوں نے قوم ثمود کی تاریخ کو بھی اپنی تحقیق کا تختہ مشق بنایا ہے۔ان لوگوں نے یہ سوال اٹھایا کہ قوم ثمود کی اصل کیا ہے؟ان کا وجود کب اور کس زمانہ میں ہوا؟ پھر اپنی خود ساختہ حقائق سے ہٹ کر تحقیق کے مطابق جو جوابات تحریر کئے وہ یقیناً حقیقت حال سے دور اور ان کی کم علمی و تعصب کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔اہل یورپ کے ہاں بھی مذکورہ سوالات کے جواب دینے والے دو گروہ ہیں جو اپنی اپنی تحقیق کو یوں پیش کرتے ہیں۔

پہلا گروہ

پہلا گروہ کہتا ہے کہ قبیلہ ثمود حقیقت میں اہل یہود میں سے ہی تھا مگر حالات وواقعات کی وجہ سے فلسطین میں داخل نہ ہوسکا اور اسی جگہ یعنی مقام حجر میں ہی آباد ہوگیا۔ اس قول کو پڑھ کر ہر عقل مند ان لوگوں کی کم علمی، تاریخی واقعات سے دوری اور حقیقت حال سے ناواقفیت کا آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے۔ تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا کے تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر روانہ ہوئے تو قوم ثمود کی بستیوں کو تباہ و برباد ہوئے عرصہ گزر چکا تھا۔ اس قوم کے کسی فرد کا دنیا میں نام و نشان بھی باقی نہ تھا۔ پھر دنیا کی سب سے سچی کتاب قرآن کریم اس بات کی تشریح وتصریح بیان کر رہی ہے کہ جب فرعون مصر اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلانے کی ناکام کوشش کی تو آل فرعون میں سے ہی ایک شخص جو مرد مومن تھا اس نے قوم کو حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے ڈرایا اور یوں کہا ''اے قوم فرعون تم اہل حق کو ناجائز تنگ کر رہے ہو یاد رکھو کہیں تمہارا بھی وہی انجام بد نہ ہو جو پہلے قوم نوح (قوم عاد) قوم ثمود اور باقی ایسی قوموں کا ہوا جنہوں نے اپنے پیغمبروں کو ناجائز تنگ کیا ان کی تکذیب کی اور ان کی حق باتوں کو ماننے سے انکار کیا۔'' غور فرمائیں اہل یورپ کے محققین اور خود ساختہ اہل قلم کس طرح حقائق اور تاریخی شواہد کو غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اہل یورپ کے تمام اہل علم وقلم غلط بیانی سے کام لیتے ہیں یا سب کے سب علم سے دور ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات حقیقت میں اہل علم وقلم ہیں اور اس میدان میں کمال مہارت بھی رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں نے تاریخ عالم پر قلم اٹھاتے ہوئے بہت حد تک حقائق ہی بیان کئے ہیں۔ مگر کہیں نہ کہیں تعصب اور بغض کی وجہ سے احتیاط کو چھوڑ دیا ہے۔

بہرحال اقوال مورخین وتاریخ دان، کتاب حق قرآن مجید اور تاریخی شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ قوم ثمود کا زمانہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ مبارک (1300 ق م - 1400 ق م) سے بہت پہلے کا ہے اور ''مستشرقین'' یعنی تاریخ مشرق اور علوم مشرق سے تعلق رکھنے والے علماء اہل یورپ کا مذکورہ نظریہ باطل اور خود ساختہ ہے۔

دوسرا گروہ

یورپ کے محققین کا دوسرا گروہ قوم ثمود کی تاریخ کے بارے میں پہلے گروہ کے خیالات سے اتفاق نہیں کرتا۔ ان کا اس قوم کے بارے میں اپنا الگ نظریہ ہے جو حقائق اور علم تاریخ کی روشنی میں پہلے گروہ کی تحقیق کی طرح درست نہیں ہے۔ اس گروہ کے لوگ کہتے ہیں کہ قوم ثمود اصل میں قوم عمالقہ کا ہی حصہ تھی۔ یہ قوم دریائے فرات یا وادیٔ فرات کے مغربی ساحل سے اٹھ کر یہاں یعنی حجر کے مقام پر آکر آباد ہوگئی پھر اس کی نسل بڑھتے بڑھتے سارے علاقے میں پھیل گئی۔

مذکورہ گروہ کے چند افراد قوم ثمود کے بارے میں مزید یوں تحریر کرتے ہیں کہ قوم ثمود عمالقہ قوم کے وہ افراد تھے جن کو مصر کے بادشاہ احمس نے چند وجوہات کی بنا پر مصر سے نکال دیا۔ یہ لوگ مصر میں رہتے ہوئے سنگ تراشی کے

فن میں کمال حاصل کر چکے تھے اس حجر کے مقام پر پہنچ کر انہوں نے مستقل ڈیرے ڈال دیئے اور اپنے فن کو مزید ترقی دینے کے لئے شب وروز مصروف ہو گئے۔ ان لوگوں نے پہاڑوں کو تراش کر نہایت ہی ہنرمندی سے بڑے بڑے وسیع دیدہ زیب، عالی شان اور خوبصورت گھر ومحلات تعمیر کئے۔ ہم گزشتہ اوراق میں قوم عاد کی تاریخ لکھتے ہوئے حقائق سے ثابت کر چکے ہیں کہ قوم عاد وثمود دونوں سامی اقوام میں سے ہی ہیں۔ عملیق بن ادکا اس سے کوئی تعلق یا رشتہ نہیں ہے۔ مختصراً ہماری تحقیق کہ قوم ثمود قوم عاد کا ہی بقیہ ہے، تاریخی حقائق اور ماہرین انساب کی آراء کے مطابق بالکل صحیح ہے۔ ہمارے اس خیال کا سب سے بڑا ثبوت حضرت صالح علیہ السلام کا وہ خطاب ہے جس میں آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا۔ سورۃ الاعراف آیت 74

وَاذْكُرُوٓا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِى ٱلْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ ٱلْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَٱذْكُرُوٓا ءَالَآءَ ٱللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى ٱلْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٧٤﴾

ترجمہ: ”اور تم اس وقت کو یاد کرو کہ تم کو اللہ نے عاد کے بعد ان کا قائم مقام بنایا اور تم کو زمین پر جگہ دی کہ تم اس کی سطح اور نرم حصوں پر محلات بناتے ہو اور سنگ تراشی کر کے پہاڑوں میں مکان بناتے ہو۔ تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو“۔

قرآن پاک کے فرمان حق وصداقت کے بعد کسی کی دوسری کوئی سوچ ہی باطل ہے اور مذکورہ فرمان مبارک کے بعد اس بات میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ قوم ثمود قوم عاد کا ہی ایک حصہ تھی جس کا تعلق بھی سامی اقوام سے تھا۔

قوم ثمود کا مذہب

قوم ثمود بھی گزشتہ اقوام کی طرح باطل مذہب یعنی بت پرستی کی ذلیل لعنت میں گرفتار تھی۔ اس قوم نے واحد خالق کائنات کے علاوہ بہت سے خود ساختہ بت بنا رکھے تھے، جن کو معبود حقیقی کے مقابلہ میں خالق ومالک مانتے ہوئے ان کی پرستش کرتے تھے۔ یہ قوم شب وروز شرک میں مبتلا رہتی۔ اللہ کریم نے اس قوم کی اصلاح اور ان کو راہ حق پر لانے کے لئے انہی میں سے ایک برگزیدہ ہستی حضرت صالح علیہ السلام کو ان کا پیغمبر منتخب فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام اپنی گمراہ قوم کو راہ راست پر لانے کے لئے صبح وشام وعظ ونصیحت فرماتے رہتے۔ آپ علیہ السلام قوم سے فرماتے تم لوگ راہ حق کو چھوڑ کر گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہو یاد رکھو حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز خالق کائنات کی توحید اور یکتائی پر شاہد ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے علاوہ دنیا کی دوسری ہستی عبادت و پرستش کے لائق نہیں۔ تم لوگ میری اس نصیحت کو مان کر راہ راست پر آجاؤ ورنہ یاد رکھو اللہ کا عذاب تمہارا نام ونشان مٹا دے گا اور یوں تم گزشتہ اقوام کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ جاؤ گے۔

حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کو بار بار سمجھاتے رہے مگر قوم اس قدر ہٹ دھرم، ضدی اور گمراہ ہو چکی تھی کہ سیدھی راہ پر آ جانے کی بجائے وہ مزید بغض و عناد کی وجہ سے اپنے باطل نظریات پر پکی ہوتی گئی۔ چند اہل حق ایسے ضرور تھے۔ جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی حق باتوں کا اثر قبول کرتے ہوئے بت پرستی چھوڑ کر راہ حق اختیار کر لی۔ ان لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ قوم کے سردار اور امیر لوگ اللہ کریم کی عطا شدہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے کفران نعمت پر کمربستہ تھے۔ یہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کرتے اے صالح (علیہ السلام) اگر ہم لوگ راہ حق پر نہ ہوتے تو اللہ ہمیں اس قدر دولت، ثروت، طاقت اور عیش و آرام ہرگز نہ دیتا۔ یہ سرسبز و شاداب میوہ جات سے بھرے ہوئے باغات، بلند و بالا عالی شان فلک بوس محلات، شیریں نہریں اور مرغزار جن سے ہم پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں اس بات کا عیاں ثبوت ہے کہ ہم لوگ ہی حق پر ہیں اور اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ جبکہ تم لوگ ان نعمتوں سے اس لئے محروم ہو کہ (نعوذ باللہ) تم حق پر نہیں ہو۔ اس کے علاوہ قوم ثمود کے یہی مذکورہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے اہل حق سے کہتے یہ ہمارے لئے سخت تعجب کی بات ہے کہ ہم جیسا ہی ایک انسان جو ہم میں سے ہی ہے اللہ کا پیغمبر بن جائے اور ہمیں احکام الٰہی سنائے۔

حضرت صالح علیہ السلام ان لوگوں کی باتیں سن کر فرماتے اے قوم کے مغرور اور سرکش لوگو اللہ کی طرف سے ملنے والی ان تمام نعمتوں اور آرام و سکون پر شیخی نہ مارو اور اللہ کے سچے نبی کا مذاق نہ اڑاؤ اگر تم اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو یاد رکھو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فناہ ہو جاؤ گے یہاں تک کہ تمہارا نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔ اے قوم یاد رکھو ہر قسم کا سامان راحت عیش و خوشنودی کا مل جانا گو اللہ کی عظیم عطا ہے مگر ان لوگوں کے لئے جو اس کے شکر گزار بندے ہیں۔ اگر بندے سرکش اور نافرمان ہیں تو پھر یہ تمام نعمتیں ان کے لئے حق ہونے کی نشانیاں نہیں بلکہ سخت امتحان کا سبب ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم اپنی بدبختی کی بنا پر دعوت حق کو تسلیم کرنے کی بجائے الٹا مخالفت پر ہی کمربستہ رہی۔ آخر میں قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا اگر تم واقعی اللہ کے سچے نبی ہو تو ہمیں معجزہ دکھاؤ۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا اے قوم تمہارے مطالبہ پر تمہارے لئے میرا معجزہ اونٹنی کی شکل میں تمہارے سامنے موجود ہے۔ اگر تم لوگوں نے اس اونٹنی کو کوئی نقصان پہنچایا تو یاد رکھو پھر یہی نشانی تمہارے لئے ہلاکت و تباہی کا سبب بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے، تمہارے دوسرے جانوروں اور اس اونٹنی کے لئے تالاب سے پانی پینے کی باری مقرر کر دی ہے۔ ایک دن پانی یہ اونٹنی پیا کرے گی اور دوسرے دن تم لوگ۔ یاد رکھو اس مقررہ باری میں کسی قسم کا فرق نہ آئے۔ مگر بدبخت قوم اپنے وعدہ پر قائم نہ رہ سکی اور انہوں نے اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ یوں اللہ کے عذاب نے اس قوم کو تباہ و برباد کر دیا اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا۔

ناقۃ اللہ

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا تو اللہ کریم نے قوم کی مرضی کے مطابق اپنی نشانی

اونٹنی کو پیدا فرمایا جس کا نام ناقۃ اللہ رکھا ساتھ ہی قوم ثمود کو حضرت صالح علیہ السلام کے ذریعے حکم فرمادیا کہ اس اونٹنی کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے اگر ایسا کیا گیا تو سخت عذاب کے ذریعے تباہ و برباد کردیئے جاؤ گے۔قوم نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اونٹنی کو ہلاک کردیا اور پھر قوم ثمود حکم الٰہی کے مطابق نیست و نابود کردی گئی۔قرآن کریم میں ناقۃ اللہ کے بارے میں اس قدر ہی بیان کیا گیا ہے۔باقی قوم کا اونٹنی بطور معجزہ طلب کرنا اور نبی علیہ السلام سے یہ کہنا کہ اس کی نشانی یہ ہو اور وہ ہو، اس طرح پیدا ہو وغیرہ وغیرہ۔یہ تمام روایات یا تو بائبل سے لی گئی ہیں یا قدیم تاریخ و روایات سے۔محدثین کے نزدیک ان روایات میں سے چند صحیح اور معتبر بھی ہیں اور بعض ضعیف بھی۔البدایہ والنہایہ کے مصنف حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ناقۃ اللہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اسے ایک تاریخی واقعہ کے طور پر بیان کیا ہے ہم یہاں اس واقعہ کو بیان کر رہے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کو شب و روز دین حق کی دعوت و تبلیغ کرنے میں مصروف رہتے۔قوم کے سردار اور سرکردہ افراد راہ راست پر آنے کو تیار نہ تھے۔آخر ایک دن یہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کی خدمت میں اکٹھے ہو کر قوم کے دوسرے افراد کے ہمراہ حاضر ہوئے اور آپ علیہ السلام سے کہنے لگے ''اے صالح (علیہ السلام) اگر تم واقعی اللہ کے مقرب نبی ہو تو ہمیں اپنی سچائی کے طور پر کوئی نشانی دکھاؤ تا کہ ہم اس نشانی کو دیکھ کر تمہاری صداقت کا یقین کرتے ہوئے تم پر ایمان لے آئیں۔حضرت صالح علیہ السلام نے ان لوگوں سے فرمایا ایسا نہ ہو کہ میں تم لوگوں کو نشانی دکھاؤں تو تم لوگ پھر بھی سرکشی اور گمراہی پر ہی قائم رہو۔ان سرداروں نے قوم کے سامنے جواب دیا کہ ہم وعدہ کرتے ہیں نشانی آجانے پر آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ان کی بات سن کر حضرت صالح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ٹھیک ہے۔اب بتاؤ تم کس قسم کی نشانی چاہتے ہو وہ کہنے لگے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ بستی کے سامنے والے پہاڑ پر جو بڑا پتھر نظر آرہا ہے آپ اس میں سے ایک ایسی اونٹنی پیدا کریں جو گابھن (بچہ جننے کے قریب) ہو اور پتھر سے باہر آتے ہی بچہ دے قوم کا مطالبہ سن کر حضرت صالح علیہ السلام نے اسی وقت بارگاہ الٰہی میں دعا کی سب نے دیکھا کہ دعا کے نتیجہ میں پتھر سے حاملہ اونٹنی ظاہر ہوئی اور اس نے باہر آتے ہی بچے کو جنم دیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کا یہ معجزہ دیکھ کر قوم ثمود کے جتنے لوگ وہاں موجود تھے حیران و پریشان ہو گئے۔اکثریت یہ معجزہ دیکھ کر حق کی طرف مائل نظر آنے لگی۔قوم ثمود کے سرداروں میں سے جندع بن عمرو سب سے زیادہ طاقت ور اور بااثر سردار تھا یہ معجزہ دیکھ کر فوراً مسلمان ہو گیا۔دوسرے سرداروں نے بھی اسلام لانے کا ارادہ کرلیا۔اس صورت حال کو دیکھ کر قوم ثمود کے پیشواؤں اور کاہنوں نے اپنا حلوہ مانڈا جاتا دیکھ کر سرداروں کو سبز باغ دکھائے اور یوں سرتوڑ کوشش کے بعد ان لوگوں کو اسلام لانے سے روکنے میں کامیاب ہو گئے۔اس طرح وہ بدبخت لوگ اپنی بدبختی پر ہی قائم رہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا اے قوم تمہاری خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی ''ناقۃ اللہ'' تمہارے سامنے پیدا فرمادی ہے۔اب اللہ کا حکم ہے اور جہاں سے تمہارے دوسرے مویشی پانی

پیتے ہیں وہاں اسکی باری مقرر کردی ہے۔ ایک دن یہ اونٹنی وہاں سے اکیلی پانی پیا کرے گی اور دوسرے روز تمہارے دیگر مویشی اور تم سب، خبردار اگر تم لوگوں نے اللہ کے اس حکم کی خلاف ورزی کی یا اس اونٹنی کو کوئی نقصان پہنچایا تو پھر تم لوگوں کو اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ قوم ثمود اونٹنی کا معجزہ اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھ چکی تھی۔ گو انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر اونٹنی کے معاملہ میں حسب حکم الٰہی قائم رہی۔

اونٹنی آزادی کے ساتھ اپنے بچے کے ہمراہ چشمے سے پانی پیتی، دوسرے روز قوم چشمے سے فائدہ اٹھاتی، اونٹنی اور اس کا بچہ کسی روک ٹوک کے بغیر کھلی چراگاہوں میں چرتے۔ قوم اونٹنی کے دودھ سے فائدہ اٹھاتی۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک اسی طرح چلتا رہا پھر آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قوم ثمود اپنی بری عادات کی وجہ سے یہ سوچنے لگی، جگہ جگہ صلاح مشورے ہونے لگے کہ کسی نہ کسی طریقے سے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا جائے اور یوں ہم لوگ اس باری والے مسئلہ سے نجات حاصل کر سکیں کیونکہ یہ باری کی قید نہ تو ہمارے لئے اور نہ ہی ہمارے مویشیوں کے لئے مزید قابل برداشت ہے۔

گو اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی تھیں مگر کسی کو اونٹنی کو ہلاک کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ آخر کار قوم ثمود کی ایک خوبصورت اور مال دار عورت صدوق نے خود کو ایک شخص مصدع کے سامنے پیش کیا اور کہا اگر تم اونٹنی کو ہلاک کر دو تو تم میری ہر چیز اور میرے مالک ہو گے۔ اسی طرح ایک عورت عنیزہ نے اپنی جوان سالہ خوبصورت لڑکی کو قدار کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ اگر تم اور مصدع اونٹنی کو ہلاک کر دو تو یہ لڑکی تمہاری ملکیت ہوگی۔ کچھ عرصہ محنت کے بعد وہ عورتیں مصدع اور قدار کو اپنی تدبیر پر عمل کرانے کے لئے کامیاب ہو گئیں۔ طے یہ پایا کہ جب اونٹنی چراگاہوں میں چرنے کے لئے جائے تو یہ دونوں راستے میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے جیسے ہی اونٹنی قریب آئے گی تو اس پر حملہ کر کے اسے ہلاک کر دیں گے۔ اس کام کے لئے قوم کے کچھ لوگ بھی ان دونوں کی مدد کرنے پر تیار ہو گئے۔

چنانچہ ایک روز حسب تجویز یہ لوگ راستے پر چھپ کر بیٹھ گئے۔ جیسے ہی اونٹنی ان کے قریب سے گزرنے لگی انہوں نے فوراً کمین گاہ سے نکل کر اونٹنی پر حملہ کر دیا اور یوں اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔ اس کام سے فارغ ہو کر ان لوگوں نے آپس میں حلف اٹھایا کہ رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر حملہ کر کے نعوذ باللہ انہیں اور ان کے اہل وعیال کو بھی قتل کر ڈالیں گے۔ پھر صبح کے وقت حضرت کے عزیز رشتہ داروں کو قسمیں اٹھا اٹھا کر یقین دلائیں گے کہ معلوم نہیں یہ بُرا کام کس نے کیا ہے ہم اس سے بری ہیں۔

جب ان لوگوں نے اونٹنی کو ہلاک کر دیا تو اونٹنی کا بچہ یہ دیکھ کر چیختا ہوا بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور پھر وہاں سے غائب ہو گیا۔ جب حضرت صالح علیہ السلام کو اس افسوس ناک واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ علیہ السلام نے قوم کو مخاطب ہو کر یوں ارشاد فرمایا۔

''اے قوم آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ اب تم لوگ اللہ کے عذاب سے کسی صورت نہیں بچ سکتے۔ یہ عذاب آج سے ٹھیک تین روز بعد آئے گا اور تم لوگوں کا نام ونشان ہی مٹ جائے گا۔ اب اس عذاب کا انتظار کرو۔''

پھر اس طرح عذاب نے تین روز بعد ان لوگوں کو برباد کر دیا۔ یوں قوم ثمود آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا سامان بن گئی۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قیام اور وصال

جب قوم ثمود ہلاک ہوگئی تو بعض محققین کے نزدیک حضرت صالح علیہ السلام معہ مسلمانوں کے فلسطین کے علاقہ حجر میں آکر آباد ہو گئے جبکہ بعض کے نزدیک رملہ میں آباد ہوئے لیکن دیگر مورخین و محققین کے مطابق آپ علیہ السلام حضر موت میں آباد ہوئے کیونکہ ان کا اصل وطن یہی تھا اور یہ احقاف ہی کا ایک حصہ ہے اور وہاں ایک قبر کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ صالح علیہ السلام کی قبر ہے لیکن بعض محققین کی رائے ہے کہ قوم ثمود کی ہلاکت کے بعد مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہیں مقیم ہوئے اور آپ علیہ السلام کی قبر شریفہ کعبہ کی غربی جانب حرم شریف میں ہے۔

مسند احمد کی حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بار بار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ”کچھ تم کو معلوم ہے کہ سب سے زیادہ بدبخت پہلی امتوں کا اور اس امت کا کون ہے“ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا مجھے معلوم نہیں پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ ”اگلی امتوں کا ایک سرخ رنگ ثمود کی قوم سے تھا یعنی قدار بن سالف کہ اس نے حق تعالیٰ کی اونٹنی (ناقۃ اللہ) کی کونچیں کاٹیں اور اس امت کا بدبخت وہ آدمی ہے جو تیرے سر پر تلوار مارے گا اور تیری ڈاڑھی اس خون سے رنگین ہوگی اور اسی تلوار سے تو شہید ہوگا“۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا جب غزوۂ تبوک کے موقع پر حجر پر گزر ہوا تو آپ علیہ السلام کے صحابہ کرام نے ثمود کے کنویں سے پانی بھر لیا اور آٹا گوندھ کر روٹیاں تیار کرنے لگے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو معلوم ہوا تو پانی گرا دینے اور ہانڈیاں الٹ دینے اور آٹا بیکار کر دینے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ”یہ وہ بستی ہے جس پر خدا کا عذاب نازل ہوا تھا یہاں نہ قیام کرو اور نہ یہاں کی اشیاء سے فائدہ اٹھاؤ ایسا نہ ہو کہ تم بھی کسی بلا میں مبتلا ہو جاؤ“ اور ایک روایت میں ہے کہ ”تم اس حجر کی بستیوں میں خدا سے ڈرتے ہوئے اور عجز و زاری کرتے ہوئے اور روتے ہوئے داخل ہوا کرو ورنہ داخل ہی نہ ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اپنی غفلت کی وجہ سے عذاب کی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جاؤ“۔

البدایہ والنہایہ جلد 1 صفحہ 138-140

مسند احمد

تفسیر فتح العزیز

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انبیاء اور رسل علیہم السلام کے درمیان امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن کریم نے آپ علیہ السلام کی عظمت وشان کو مختلف اسلوب کے ساتھ جگہ جگہ بیان کیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان و

عظمت کو قرآن کریم کہیں تفصیل اور کہیں اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ آپ علیہ السلام کا ذکر مبارک تورات وانجیل میں بھی موجود ہے۔ اللہ کریم نے آپ علیہ السلام کو مکمل حق کی بصیرت اور رشد وہدایت عطا فرمائی تھی۔ آپ علیہ السلام ابتداء سے ہی بت پرستی کے سخت مخالف تھے۔ آپ علیہ السلام لوگوں سے فرمایا کرتے یہ مٹی پتھر اور لکڑی سے بنائے گئے بے جان بت نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان اسلئے تم لوگ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے ان بتوں کی پرستش چھوڑ دو اور خدا وحدہٗ لاشریک کے سامنے سربسجود ہو جاؤ' اسی میں تمہاری فلاح ونجات ہے۔ آپ علیہ السلام اپنی قوم کے ان لوگوں کو بھی سختی سے منع فرماتے جو ستاروں اور چاند سورج کی پوجا کرتے تھے۔ مختصراً آپ علیہ السلام کو نمرود نے حق گوئی کے جرم میں حدنگاہ تک جلائی گئی آگ میں ڈالا مگر وہ گلزار بن گئی اور یوں نمرود اور اس کے حواری ذلیل و رسوا ہوئے۔ آپ علیہ السلام کو مجد دانبیاء کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسم گرامی اور شجرہ نسب

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسم گرامی ابراہیم بن آزر (تارخ) تھا۔ توراۃ میں سلسلہ نسب یوں مذکور ہے۔

ابراہیم (علیہ السلام خلیل اللہ) بن تارخ، بن ناحور، بن سروج بن رعو، بن فالح بن عابر، بن شالح، بن ارفخشند (ارفکشاد)، بن سام، بن نوح (علیہ السلام)

تورات اور کتب تاریخ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ بتایا گیا ہے جب کہ قرآن کریم فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے والد کا نام آزر ارشاد فرمایا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ انعام آیت 74۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ

اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾

ترجمہ۔ "(اور وہ وقت یاد کریں) جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ آزر سے کہا" کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے۔ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔"

ضروری وضاحت

یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا اشد ضروری ہے کہ تورات اور کتب تاریخ تو سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ بتاتی ہیں جب کہ خالق کائنات نے ارشاد فرمایا کہ اس کا نام آزر تھا۔ اس حقیقت کی تشریح کر دینا اشد ضروری ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب دیا جا سکے۔ علماء ومفسرین نے اس سوال کی تحقیق میں دو راستے اختیار کئے ہیں۔ یعنی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ ان دونوں ناموں یعنی تارخ اور آزر میں مطابقت پیدا ہو جائے اور یوں اختلاف جاتا رہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ثابت کیا جائے کہ یہ دونوں نام الگ الگ ہیں یا ایک ہی نام کی دو صورتیں ہیں۔

علماء ومفسرین کے ایک گروہ کا قول ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں یعنی تارخ اسمی نام ہے جب کہ آزر وصفی نام ہے۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ آزر عبرانی زبان میں ''محبّ صنم (بت)'' کو کہتے ہیں اور چونکہ تارخ میں بت پرستی و بت تراشی دونوں وصف موجود تھے، اس لئے وہ آزر کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس لئے قرآن کریم نے اسی وصفی نام آزر کو بیان فرمایا ہے۔

علماء ومفسرین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ آزر کے معنی اعوج یعنی کم فہم یا بے وقوف کے ہیں اور تارخ میں یہ دونوں باتیں موجود تھیں، اس لئے اسے آزر کے وصفی نام سے موسوم کیا گیا۔

علماء ومفسرین کی ایک دوسری جماعت یا گروہ کا خیال وتحقیق یہ ہے کہ آزر ایک بت کا نام تھا اور تارخ اس بت کا پجاری تھا۔ اس لئے بت کی نسبت سے اس کا نام آزر لیا گیا۔

ایک اور مشہور ترین قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا جب کہ آزر آپ علیہ السلام کے چچا کا نام تھا۔ آزر نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرورش وتربیت بحیثیت والد کی تھی اس لئے قرآن کریم نے آزر کو باپ کہہ کر پکارا۔ اس قول کے حق میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی موجود ہے۔ فرمایا۔
''چچا باپ ہی کی طرح ہے''۔

مذکورہ اقوال بیان کرنے کے بعد ہماری رائے یہ ہے کہ جب قرآن کریم فرقان حمید نے صراحت کے ساتھ آزر نام ارشاد فرما دیا تو پھر نحوی لغوی اور دیگر اقوال کے تکلفات اور قیل وقال میں پڑنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جب صنم کے عاشق کو آزر تسلیم کیا جاتا ہے یا یہ بت کا نام مانا جاتا ہے تو دونوں صورتوں میں بغیر تقدیم کلام اور کسی تاویل کے یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ ان ہر دو وجوہات سے آزر کا نام رکھا گیا جیسا کہ اصنام پرست اقوام کا قدیم سے یہی دستور رہا ہے کہ کبھی وہ اپنی اولاد کا نام بتوں کا غلام ظاہر کر کے رکھتے تھے اور کبھی خود بت ہی کے نام پر نام رکھ دیا کرتے تھے۔

چند محققین کا بیان ہے کہ ''آدار'' کالدی زبان میں بڑے پجاری کو کہتے ہیں اور عربی میں یہی آزر کہلایا۔ تارخ کیونکہ بڑا بت تراش اور بت پرست تھا اس لئے وہ آزر کے نام سے ہی مشہور ہو گیا۔ حقیقت میں آزر نام نہیں تھا بلکہ لقب تھا۔ پھر قاعدہ یہ ہے کہ جب لقب نام کی جگہ لیا جانے لگے مشہور ہو جائے تو وہ اصل کی جگہ لے لیتا ہے۔ اسی قاعدہ کے تحت قرآن کریم نے یہ نام استعمال کیا۔ یہاں ہم نے لفظ تارخ اور آزر کی کچھ تشریح بیان کر دی ہے۔ امید ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں پیدا ہونے والے سوال کا جواب مل گیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کا نام

حافظ ابن عساکر نے اپنی مشہور زمانہ تاریخی کتاب تاریخ دمشق میں اسحاق بن بشر الکاہلی کی کتاب ''المبتدا'' کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا نام ''امیہ'' تھا۔ جب کہ کلبی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام

کی والدہ کا نام بونا بنت کربنا بن کرثی لکھا ہے اور ان کو بنی ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کے خاندان سے ہونا ذکر کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت اور جائے پیدائش

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت شریفہ کے بارے میں ابن عساکر حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب آزر (تارخ) کی عمر پانچ سو ستر (570) سال ہوئی تو ان کے ہاں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام بقوطہ دمشق کے ایک قریہ (گاؤں) برزہ میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں اس پہاڑی علاقے میں واقع تھا جسے اس زمانہ میں قاسیون کہا جاتا تھا۔ ابن عساکر آگے چل کر اپنے مذکورہ بیان میں تصحیح کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ اصل میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت بابل میں ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقام بابل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسم گرامی سے اس لئے بھی منسوب ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام کی مدد اسی شہر بابل میں آکر فرمائی اور یہاں نماز بھی پڑھی تھی۔ اس طرح پہلی روایت کی بجائے دوسری زیادہ صحیح ہے۔

کچھ اصحابِ سیر و تاریخ تحریر کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سرزمین اہواز میں بمقام سوس ہوئی پھر آپ کے والد آپ کو بابل ملک نمرود میں لے آئے اور کچھ مورخین کا خیال ہے کہ آپ علیہ السلام دریائے فرات کے کنارے کوفہ کے قریب اُر میں پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے دین وملت اور انہیں کے طریق وسنت پر ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس (2640) برس کا زمانی فرق ہے اور دونوں حضرات کے درمیان جو عہد گزرا اس میں صرف دو نبی ہوئے۔ حضرت ھود و حضرت صالح علیہم السلام۔ (واللہ اعلم) محققین نے تحریر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام 2160 قبل مسیح میں پیدا ہوئے (واللہ اعلم)

(تشریح سورۃ الصفت)

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر مبارک

اللہ کریم نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے اپنے دین یعنی اسلام کی اشاعت کا آغاز فرمایا۔ قرآن کریم کا رشد و ہدایت کا پیغام کیونکہ ملت ابراہیمی کا پیغام ہے اس لئے قرآن کریم میں جگہ جگہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ ذکر مبارک مکی اور مدنی سورتوں میں موجود ہے۔ یہاں ہم ان تمام سورتوں کا ذکر کر رہے ہیں۔

سورہ	آیات
بقرہ	124،125،126،127،130،132،133،135،136،140،258،260
آل عمران	33،65،67،68،84،95،97
النساء	54،125،163
الانعام	74،75،83،161
التوبہ	70،114
ھود	69،74،75،76
ابراہیم	35 تا 41۔
النحل	120،123
الانبیاء	51،60،62،69
الشعرا	69
الاحزاب	7
ص	45
الزخرف	26
النجم	37
الممتحنہ	4
یوسف	6،38
الحجر	51
مریم	41،42،58
الحج	26،43،78
العنکبوت	16،31
الصفات	83،104،109
الشوریٰ	13
الذاریات	24
الحدید	26
الاعلیٰ	19

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جلالت وعظمت

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کریم نے بڑی جلالت وعظمت عطا فرمائی ہے۔ انبیاء ورسل علیہم السلام کے درمیان ان کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ قرآن کریم میں ان تمام واقعات کو کہیں تفصیل اور بعض مقامات پر اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ صرف قرآن کریم میں ہی عظمت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر نہیں آتا بلکہ دیگر آسمانی کتب میں بھی ان کا ذکر خیر موجود ہے۔ مثلاً تورات میں آپ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ کا ذکر ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام اللہ کے برحق اور سچے نبی تھے جب کہ آپ علیہ السلام کی قوم بت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھی۔ انجیل برناباس میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نجاری (بت تراش) کا پیشہ رکھتا تھا۔ جو اپنی قوم کے لئے لکڑی اور پتھر کے بت بنا کر فروخت کیا کرتا تھا۔ جب کہ اللہ کریم نے شروع سے ہی سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حق کی بصیرت اور رشد وہدایت عطا فرما دی تھی۔ آپ علیہ السلام ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میرا ایمان ہے کہ لکڑی اور پتھر کے تراشے ہوئے بت نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کی پکار کا جواب دے سکتے ہیں۔ ان خود ساختہ تراشے ہوئے بتوں کی حیثیت عام کھلونوں سے زیادہ نہیں ہے۔ قرآن کریم سورہ الانبیاء آیت 56 میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بصیرت وعظمت کا ذکر فرماتا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے اس سورہ مبارکہ کی تلاوت وترجمہ اور تفسیر پڑھنا چاہیے۔ سورۃ الانبیاء آیت 56۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ
فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

ترجمہ: ”کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا جس نے انہیں پیدا کیا اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں“۔

قوم کو تبلیغ حق

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ کریم کا نہایت ہی احسان اور خاص لطف وکرم تھا۔ آپ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ قوم بت پرستی، ستارہ پرستی اور دیگر مظاہر پرستی میں اس حد تک غرق ہو چکی ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں خداوند کریم کی احدیت وصمدیت اور وحدانیت کا تصور ہی ختم ہو گیا ہے تو آپ علیہ السلام نے اس گمراہ اور تباہی کی دلدل میں غرق قوم کو صراط مستقیم پر چلنے کے لئے دین حق کا پیغام سنانا شروع کر دیا۔ آپ علیہ السلام قوم سے فرمایا کرتے:

”اے قوم میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے لکڑی اور پتھر کے بتوں کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہو، ان سے مرادیں مانگتے ہو، ان بے جان صورتوں کو نفع ونقصان کا مالک خیال کرتے ہو، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ بت نہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان۔ اے قوم اس خرافات اور برے کام سے باز آؤ اور اللہ

وحدہٗ لاشریک کے سامنے سر جھکاؤ وہی تمام جہانوں کا مالک حقیقی ہے وہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے''۔

قوم نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعوت حق پر عمل کرنے کی بجائے الٹا آپ علیہ السلام کا مذاق اڑایا اور مزید سرکشی و گمراہی پر اتر آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ کو اسلام کی دعوت دینا

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت حق کا آغاز اپنے ہی گھر سے کیا۔ آپ علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ ان کا اپنا گھر بت پرستی اور شرک کا وہ مرکز ہے جہاں سے بنائے گئے بت پوری قوم کے لئے بڑی ہی اہمیت رکھتے ہیں۔ آزر میرا باپ جو بت بناتا ہے پوری قوم میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان حالات کے علاوہ اصولی بات بھی یہی ہے کہ دعوت حق اور ہر نیک کام کی تبلیغ سب سے پہلے اپنے گھر سے شروع کرنی چاہیئے۔ اسی فطری تقاضے کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: سورۃ مریم آیات 42 تا 44۔

''اے باپ خداوند قدوس تک پہنچنے کا جو راستہ تو نے اختیار کیا ہے اور جس راستے کو تو اپنے اجداد کا راستہ بتاتا ہے حقیقت میں یہ راستہ گمراہی اور باطل پرستی ہے۔ صراط مستقیم وہی ہے جسکی میں تجھے دعوت دے رہا ہوں۔ یاد رکھو کہ توحید ہی وہ اصل چشمہ حیات ہے جس پر چل کر انسان کامیاب و کامران ہو سکتا ہے۔ تیرے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بت تمہیں نہ تو کوئی نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان۔ اس لئے گمراہی کے اس راستے کو چھوڑ کر اللہ کریم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے توحید کا اقرار کر لے دین و دنیا میں کامیابی و کامرانی تیرے قدم چومے گی بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے''۔ آزر نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعوت حق کو قبول کرنے کی بجائے الٹا آپ علیہ السلام کو دھمکانا شروع کر دیا۔ وہ کہنے لگا اے ابراہیم (علیہ السلام) اگر تو بتوں کو برا کہنے سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اچھی طرح اندازہ فرما لیا کہ میرا باپ گمراہی کے اس راستے کو نہیں چھوڑے گا تو آپ علیہ السلام نے باپ کا احترام سامنے رکھتے ہوئے وہی راستہ اختیار فرمایا جو اللہ کے برگزیدہ انسان انبیاء علیہم السلام اختیار کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے سختی کا جواب سختی سے نہ دیا بلکہ نرمی اور اخلاق کریمہ کے ساتھ فرمایا ''اے باپ اگر میری بات کا یہی جواب ہے تو آج سے میں الگ ہوتا ہوں، میں اپنے خالق و مالک وحدہٗ لاشریک کے سچے دین کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا''۔ میں غائبانہ تیرے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بخشش اور ہدایت طلب کرتا رہوں گا تاکہ تو دین حق اختیار کرنے کے بعد عذاب سے بچ سکے۔ قرآن کریم کی سورہ مریم میں اس گفتگو کا ذکر موجود ہے طالب علم اس سورہ مبارکہ سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قوم سے مناظرہ

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو عام دعوت حق دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ علیہ السلام کی قوم

نہ صرف بت پرست ہی تھی بلکہ چاند وستاروں کی پرستش بھی کرتی تھی۔ آپ علیہ السلام نے قوم کو ان کے سفلی معبودوں کے باطل ہونے کا فرمانے کے ساتھ ساتھ راہ حق اختیار کرنے کا ہی سبق نہ دیا بلکہ قوم کے معبودان باطل کا رد بھی فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے قوم سے سوال کیا ''اے قوم بتاؤ جن کی تم پرستش کرتے ہو یہ تم لوگوں کو کسی قسم کا نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟'' قوم نے جواب دیا کہ ہم اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتے ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا یہی کرتے چلے آئے ہیں اور ہم بھی یہی کریں گے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کا یہ جواب سن کر ارشاد فرمایا ''اے قوم جس طرح بتوں کے سلسلے میں تم پر عیاں کر چکا ہوں کہ وہ تراشے ہوئے لکڑی اور پتھر کے ٹکڑے تمہیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان اسی طرح تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ ستارے، چاند اور سورج کو خدائی طاقت حاصل ہے۔'' آپ علیہ السلام نے قوم کو معبودان باطل یعنی ستاروں، چاند اور سورج کو مخلوق خدا ثابت کرنے کے لئے ایک عجیب اور نہایت دلچسپ طریقہ اختیار فرمایا تھا۔

ایک رات جب آسمان پر ستارے چمک رہے تھے ان میں سے ایک ستارہ خوب روشن تھا، اس کی طرف دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''میرا رب یہ ہے؟'' ''کیونکہ اگر ستارے رب ہیں تو یہ ستارہ ان سب میں سے ممتاز اور زیادہ روشن ہے'' لیکن وقت گزرنے کے ساتھ وہ ستارہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ دیکھ کر آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''میں چھپ جانے والے کو پسند نہیں کرتا کیونکہ چھپ جانے والا جس پر مجھ سے بھی زیادہ تغیرات کا اثر پڑتا ہو اور وہ جلد ہی ان اثرات کو قبول کر لیتا ہو وہ میرا معبود نہیں ہو سکتا''۔ پھر آسمان کی طرف نگاہ مبارکہ اٹھائی تو دیکھا کہ چاند پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے۔ اسے دیکھ کر فرمایا ''یہ میرا رب ہے۔''؟ ''کیونکہ یہ خوب روشن ہے اور اپنی سہانی روشنی سے سارے عالم کو منور بنائے ہوئے ہے۔ اسلئے یہ ہی رب ہونا چاہیے''۔ پھر جیسے ہی سپیدہ سحر نمودار ہوا چاند بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر جب سورج کو دیکھا تو کہا ''یہی رب ہونا چاہیئے یہ ان سب سے بڑا ہے'' پھر سورج ڈوب گیا، یہ دیکھ کر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا پر مغز حکمت پر مبنی جملہ ارشاد فرمایا جس پر سارے جہانوں کا علم و حکمت قربان، قوم کے لئے وہ جملہ اس کی باطل اور گمراہی پر مبنی حرکات کا دندان شکن جواب تھا۔ فرمایا:

''اگر میرا حقیقی پروردگار میری راہنمائی نہ فرماتا تو میں بھی ضرور گمراہ قوم میں سے ہو جاتا۔'' (سورۃ الانعام آیت 77) اس جملے کے بعد آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''اے قوم میں ان مشرکانہ عقائد سے بری ہوں اور شرک کی زندگی سے بے زار، بے شک میں نے اپنا رخ اسی خدا کی جانب کر لیا ہے جو زمین و آسمان کا مالک ہے۔ میں حنیف ہوں، مشرک نہیں۔'' (الانعام 79)

قوم نے جب دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے تمام ہتھیار بے کار کر دیئے ہیں اور ہمارے تمام خیالات و عقائد غلط ثابت کر دیئے ہیں تو انہوں نے آپ علیہ السلام کے ساتھ جھگڑا شروع کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے منصبی فریضہ (مشن) کی تکمیل کے لئے بدستور شب و روز مصروف رہے اس سلسلہ میں سورہ انعام کی

آیات 74 تا 83 شاہد ہیں۔ اہل علم ان آیات مقدسہ سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو ستاروں اور چاند کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے بعد لاجواب کر دیا۔ اب بتوں کو جھوٹا اور بے کار ثابت کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس مقصد کے لئے جو تدبیر فرمائی وہ نبی علیہ السلام کی فہم و فراست کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

جن دنوں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام دعوت حق کی اشاعت میں مصروف تھے، اتفاق سے قوم کے ایک مذہبی میلہ کا دن آ گیا۔ ساری قوم بڑے اہتمام اور شان و شوکت سے اس میلہ میں شرکت کرنے کے لئے تیار ہوئی۔ چند لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی شمولیت کے لئے اصرار کیا۔ آپ علیہ السلام نے میلے میں شمولیت سے انکار فرما دیا۔ لوگوں نے جب بے حد اصرار کیا تو آپ علیہ السلام نے ستاروں کی طرف نگاہ اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ میں کچھ علیل ہوں۔ قوم ستارہ پرستی پر اعتقاد رکھتی تھی۔ اس لئے وہ سمجھے کہ ابراہیم علیہ السلام کسی نحس ستارہ کے اثر میں مبتلا ہیں۔ یہ سوچ کر بیماری کی تشریح اور وجہ دریافت کئے بغیر وہ لوگ آپ علیہ السلام کو چھوڑ کر میلے میں شرکت کے لئے چلے گئے۔ (سورہ الصافات آیات 83 تا 113 میں اس کا ذکر موجود ہے)۔

اِدھر ساری قوم جس میں بادشاہ ''کاہن'' مذہبی پیشوا اور بڑے بڑے لوگ میلے کی رنگ رلیوں میں شراب، ناچ گانا اور دیگر خرافات میں مصروف تھی۔ اُدھر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے دیوتا کے ہیکل (مندر) میں تشریف لے گئے۔ مندر میں جا کر دیکھا کہ بے جان مورتیوں کے سامنے پھل مٹھائیاں اور دیگر بے شمار کھانے کی چیزیں بطور چڑھاوے کے ڈھیروں کی شکل میں موجود ہیں اور کھانے والا کوئی نہیں۔ تو آپ علیہ السلام نے طنزیہ لہجہ میں ان بتوں سے فرمایا ''سب کچھ موجود ہے پھر کھاتے کیوں نہیں''؟ پھر فرمایا ''میں تم سے بات کر رہا ہوں تم جواب کیوں نہیں دیتے''؟ اس کے بعد تمام بتوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ کسی کا ہاتھ توڑ دیا کسی کی ناک اور کسی کے کان۔ غرض توڑ پھوڑ کرنے کے بعد سب سے بڑے بت کے کندھے پر تیشہ (توڑنے والا ہتھیار) رکھا اور مندر سے باہر تشریف لے آئے۔ (سورہ انبیاء آیات 51 تا 70 میں اس کا ذکر موجود ہے)۔

قوم جب میلے سے فارغ ہو کر واپس آئی مندر میں جا کر بتوں کی حالت دیکھی تو سخت برہمی اور غصے کا اظہار کرنے لگی۔ ایک دوسرے سے دریافت کرنے لگے کہ ہمارے معبودوں کا یہ براحشر کس نے کیا ہے۔ وہ لوگ جن کے علم میں تھا کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام میلے میں تشریف نہیں لے گئے، بولے یہ انہیں کا کام ہے۔ کاہنوں نے کہا اس شخص کو پکڑ کر حاضر کیا جائے۔ لوگ آپ علیہ السلام کو مجمع میں پکڑ لائے۔ پوچھا کہ کیا آپ (علیہ السلام) نے بتوں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ سورۃ انبیاء آیات 61 تا 62 میں یہ ذکر موجود ہے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس مقصد کے لئے بتوں کو توڑنے کی تدبیر اختیار فرمائی تھی اس کی وضاحت اور باطل عقائد کو لوگوں کے سامنے عیاں

کرنے کا موقعہ آ گیا تھا۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مذہب کے ٹھیکیداروں کو جو جواب ارشاد فرمایا قرآن کریم کی سورہ انبیاء آیت 63 میں اس کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ:۔ ''ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا بلکہ ان میں سے اس بڑے بت نے یہ کیا ہوگا۔ تو ان سے پوچھو اگر بولتے ہوں'' (پس اگر یہ تمہارے دیوتا بولتے ہیں تو ان سے ہی دریافت کر لو؟)

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب اور دلیل کا کاہنوں اور پجاریوں کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ وہ عوام کے سامنے ذلیل و رسوا ہوئے۔ اس طرح ہر خاص و عام کو دل میں اقرار کرنا پڑا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ظالم نہیں بلکہ ظالم وہ خود ہیں۔ سب شرمسار ہو کر کہنے لگے اے ابراہیم (علیہ السلام) آپ خوب جانتے ہیں کہ ان دیوتاؤں میں تو بولنے کی سکت نہیں ہے، یہ بے جان مورتیاں ہیں، یہ کس طرح توڑ پھوڑ کر سکتی ہیں۔ لوگوں کا یہ جواب سن کر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ (سورۃ الانبیاء آیات 65 تا 67) ''اے قوم جب تم خود کہہ رہے ہو کہ لکڑی اور پتھر کی یہ بے جان مورتیاں نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں نہ ہی نقصان تو پھر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تم انہیں اپنا معبود خیال کرتے ہوئے ان کی پوجا کرتے ہو۔ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ اب بھی وقت ہے کہ گمراہی اور جہالت کی دنیا سے نکل کر حق کے راستے پر آ جاؤ''۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ قوم ندامت اور شرمندگی محسوس کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرمان مبارک کو مان کر راہ مستقیم پر گامزن ہو جاتی مگر گمراہ قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف دشمنی اور عداوت کا نعرہ بلند کر دیا اور آپ علیہ السلام کے مزید سخت مخالف ہو گئے۔

نمرود کو دعوت اسلام اور اس سے مناظرہ

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور قوم کے درمیان ہونے والے ان واقعات کا علم شاہ عراق نمرود کو ہوا تو سخت برہم ہوا۔ نمرود اپنی رعایا کے لئے صرف بادشاہ ہی نہیں تھا بلکہ خود کو رب کہلاتا تھا۔ قوم اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتی اور دیوتاؤں کی طرح اس کی پرستش کرتی تھی۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خیالات اور تبلیغ حق کا سن کر اسے سخت خطرہ محسوس ہوا۔ اس نے یقین کر لیا کہ اگر یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو عنقریب میری خدائی ہی ختم ہو جائے گی اور اس طرح مجھے تخت و تاج سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ نمرود نے حکم دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فوری میرے دربار میں حاضر کیا جائے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے دربار میں تشریف لائے۔ نمرود نے آپ علیہ السلام سے گفتگو کا آغاز یوں کیا۔

نمرود

اے ابراہیم (علیہ السلام) آپ باپ دادا کے مذہب کی مخالفت کیوں کرتے ہو اور مجھے رب ماننے سے کیوں انکاری ہو؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام

''میں اس اللہ تعالیٰ کا ماننے والا اور پرستار ہوں جس کے علاوہ کوئی دوسرا خالق و مالک نہیں اس کا کوئی شریک نہیں ساری کائنات کا وہی خالق و مالک ہے۔ تو بھی اسی طرح ایک انسان ہے جیسے دوسرے انسان پھر تو کس طرح رب یا خدا ہو سکتا ہے۔ میں تمہارے خودساختہ دین سے سخت بیزار ہوں اس لئے میں یہ باطل دین کیسے اختیار کر سکتا ہوں؟''

نمرود

اے ابراہیم (علیہ السلام) اگر میرے علاوہ تیرا کوئی اور رب ہے تو اس کا کوئی ایسا وصف بیان کرو جو مجھ میں نہ پایا جاتا ہو یا جسے سرانجام دینے کی مجھ میں قدرت نہ ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

''میرا رب وہ ہے جس کے قبضہ قدرت میں زندگی اور موت ہے۔ وہ جسے چاہے زندگی عطا فرمائے اور جس کو چاہے موت دے''۔

نمرود

طاقت کے نشے میں چور کم عقل بدبخت نمرود سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اشارہ ہی نہ سمجھ سکا۔ فوراً کہنے لگا موت اور زندگی تو میرے اختیار میں بھی ہے۔ چنانچہ اس نے دو آدمیوں کو دربار میں طلب کیا، جن میں سے ایک بے قصور تھا جبکہ دوسرا مجرم قاتل تھا۔ اس نے جلاد کو بلا کر حکم دیا کہ بے قصور شخص کی گردن اڑا دی جائے۔ جلاد نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ نمرود نے قتل کے مجرم کو کہا جاؤ تمہاری جان بخشی کی جاتی ہے۔

اس کے بعد سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہنے لگا دیکھا میں بھی زندگی اور موت بخشتا ہوں۔ اب بتاؤ تمہارے خدا کی خصوصیات کیا ہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ یہ شخص موت و زندگی کا فلسفہ اور اس کی حقیقت کو نہیں جانتا اور اس قدر چالاک ہے کہ اپنے اس فعل سے لوگوں کو مغالطہ دینا چاہتا ہے میں نے اگر موت حیات کا فلسفہ سمجھانا شروع کیا تو معاملہ الجھ جائے گا اور یوں مجھے دربار میں نمرود کو لاجواب کرنے میں بہت وقت درکار ہو گا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے فوراً ارشاد فرمایا ''میرا رب وہ ہے، میں اس ہستی کو اپنا خالق و مالک مانتا ہوں جو روزانہ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا اور مغرب میں غروب کرتا ہے۔ اگر تو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو سورج کو مغرب سے طلوع کرا اور مشرق میں غروب

کر"۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال سن کر نمرود لا جواب ہو گیا اور یوں بھرے دربار میں ذلیل و رسوا ہوا۔ جبکہ آپ علیہ السلام سرخرو ہوئے۔ سورہ بقرہ آیت 258 میں اس واقعہ کا ذکر موجود ہے۔

نمرود کا حکم

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قوی دلائل اور دندان شکن جواب کے نتیجہ میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ نمرود اور اس کی رعایا اور درباری سب دین کو تسلیم کرنے کے بعد دائرہ سلامتی میں آجاتے مگر ہوا اس کے برعکس۔ مدتوں سے کفر و ضلالت کی زندگی بسر کرنے والے لوگ شرک جن کی رگ رگ میں سما چکا تھا، سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اور مخالف ہو گئے۔ سب نے سوچنا شروع کر دیا کہ آپ علیہ السلام نے ان کے باپ دادوں کی سخت توہین کرتے ہوئے ان کے مذہب کو کھلم کھلا باطل اور گمراہی ٹھہرایا ہے۔ اس لئے انہیں سخت سے سخت سزا دینی چاہیے۔ چنانچہ بادشاہ اور رعایا نے فیصلہ کیا کہ آپ علیہ السلام کو جلتی آگ میں پھینک دیا جائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ سخت قسم کی آگ دہکائی جائے، جب شعلے بلند ہوں تو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پھینک دیا جائے۔

آگ کا سلامتی والا ہو جانا

نمرود نے حکم دیا کہ آگ کا بہت بڑا الاؤ تیار کیا جائے حکم کے مطابق ایک وسیع جگہ آگ جلانے کے لئے مخصوص کی گئی جہاں مسلسل کئی روز تک دن رات آگ دہکائی گئی۔ آگ کی شدت کا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ شعلوں نے قرب و جوار کی تمام چیزوں کو جھلسا دیا۔ آگ کی تیزی و گرمی کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی اس کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔ جب نمرود اور اس کے درباریوں کو یقین ہو گیا کہ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ سے نہیں بچ سکتے تو اس نے حکم دیا کہ آپ علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا جائے۔ آگ کی تیزی کسی ذی روح کو قریب نہیں آنے دیتی تھی اس لئے ایک گوپیا (چھوٹی منجنیق ہوتی ہے) تیار کیا گیا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بٹھا کر آسمان سے باتیں کرنے والے شعلوں میں پھینک دیا گیا۔

نمرود کے حکم سے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو اللہ کریم نے آگ کو حکم دیا: سورۃ الانبیاء آیت 69۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾

ترجمہ۔ "اے آگ ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے امن و سلامتی والی ہو جا" (سورہ انبیاء آیت 69)

آگ فوراً امن و سلامتی والی ہو گئی۔ وہاں موجود تماشائیوں کی نظروں کے سامنے آگ کے شعلے دائرے کی شکل میں آسمان سے باتیں کر رہے تھے لیکن اس کے درمیانی حصے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک گلزار کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ "آگ کے درمیان مجھے وہ سکون ملا کہ میں ساری عمر اسی جگہ

خوشی سے بسر کر سکتا تھا''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر نے ساری عمر آپ علیہ السلام کے حق میں کوئی کلمہ خیر نہیں نکالا تھا مگر اس وقت تمام منظر دیکھ کر اچھا کلمہ استعمال کیا جو یہ تھا:

''اے ابراہیم (علیہ السلام) تیرا رب واقعی عظیم ہے'' (از بخاری شریف)۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس معجزہ کو قرآن کریم کی سورہ الصّٰفّٰت آیت 97, 98, 99 میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ علیہ السلام آگ سے صحیح و محفوظ رہتے ہوئے دشمنوں کے نرغے سے نکل گئے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا کہ کسی دوسری جگہ جا کر مخلوق خدا کو دین حق کی دعوت دینی چاہئے۔ اس طرح آپ علیہ السلام نے اپنے اس شہر جہاں پیدائش ہوئی تھی یعنی ''فدان آرام'' سے ہجرت فرما گئے ''فدان آرام'' بابل کا ایک مشہور شہر تھا۔

ہجرت کلدانیین

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی جائے مولد فدان آرام سے ہجرت فرما کر دریائے فرات کے غربی کنارہ کے قریب ایک بستی جس کا نام کلدانیین تھا تشریف لے گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ سلام اللہ علیہا بھی آپ علیہ السلام کے ہمراہ تھیں۔ یاد رہے حضرت لوط علیہ السلام سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زاد تھے۔ ان کے والد کا نام ہاران تھا۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ عرصہ کلدانیین میں رہائش پذیر رہے مگر وہاں کے لوگ بھی کیونکہ سرکش اور شریر تھے اس لئے آپ علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کو ہمراہ لے کر حران یا حاران کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں دین حنیف کی تبلیغ کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ مگر یہ علاقہ اور لوگ بھی دین حق کی طرف اس طرح راغب نہ ہوئے جو ہونے کا حق ہے کچھ عرصہ بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا کہ اس جگہ کو بھی چھوڑ دیا جائے اور پھر ایسے ہی کیا۔

ہجرت فلسطین

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ سلام اللہ علیہا وزوجہ لوط علیہ السلام کو ہمراہ لے کر تبلیغ دین فرماتے ہوئے فلسطین پہنچ گئے۔ آپ علیہ السلام نے فلسطین کی غربی سمت میں سکونت اختیار فرمائی۔ اس زمانہ میں یہ علاقہ کنعانیوں کے زیر اقتدار تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دست حق پر ایمان لائے۔ اس کا ذکر قرآن کریم کی سورہ ''عنکبوت'' (آیت 26) میں موجود ہے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین میں کچھ عرصہ دین حنیف کی تبلیغ فرمائی پھر اس مقام سے بھی ہجرت فرما کر مزید سفر جاری رکھا یہاں تک کہ چلتے چلتے مصر تشریف لے گئے۔ محققین کے مطابق آپ کا زمانہ تقریباً 2200 قبل مسیح کا ہے۔

ہجرت مصر

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نابلس سے چل کر مصر پہنچے۔ اس وقت مصر پر جس خاندان کی حکومت تھی اس کا تعلق سامی قوم سے تھا۔ اس قوم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبی رشتہ حاصل تھا۔ ملک جبار اس وقت حاکم مصر تھا۔ جس کو فرعون مصر بھی کہا جاتا تھا۔ اس کا پورا نام سنان بن علوان بن عبیدہ بن عوبج بن عملاق بن لاود بن سام بن نوح علیہ السلام تھا۔ یہ فرعون مصر نہایت جابر، ظالم اور بدنیت تھا۔ اس نے اپنی بدنیتی اور فاجرانہ ذہنیت کی تسکین کے لئے نہایت ہی برا طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ اسے جب علم ہوتا کہ ملک میں کوئی خوبصورت عورت باہر سے آئی ہے یا اس کی رعایا میں سے ہی ہے اور اس کی شادی ہو چکی ہے تو فرعون اس کو اپنے ہاں طلب کرتا، اسے اپنے حرم میں شامل کر لیتا اور اس کے خاوند کا سر قلم کروا دیتا۔ فرعون مصر کافی عرصے سے اس انسانیت سوز عمل میں مصروف چلا آ رہا تھا۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مصر پہنچے تو فرعون کی اس عادت سے باخبر ہوئے سیدہ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نہایت حسین و جمیل تھیں اور ان کو ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت کا شرف حاصل تھا۔ آپ علیہ السلام نے خیال فرمایا کہ عادت کے مطابق فرعون کو جب میری آمد کی خبر پہنچے گی تو وہ سارہ سلام اللہ علیہا کو اپنے پاس ضرور طلب کرے گا۔ بہرحال فرعون کو آپ علیہ السلام کی آمد کی خبر ہوئی اور حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کے حسن و جمال کا بھی علم ہوا۔ اس نے بری نیت سے دربار میں طلب کیا۔

حضرت سارہ سلام اللہ علیہا اور فرعون کی گستاخی

فرعون مصر نے حضرت سارہ سلام اللہ علیہا سے گستاخی کرنا چاہی اس نے جوں ہی اپنا ناپاک ہاتھ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کی طرف بڑھایا فوراً اس کا ہاتھ سینے تک خشک ہو گیا۔ کہنے لگا مجھے معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں میرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے میں وعدہ کرتا ہوں آپ سلام اللہ علیہا کی طرف پھر کبھی بری نیت سے نہیں دیکھوں گا۔ سارہ سلام اللہ علیہا نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور فرعون کا ہاتھ دوبارہ اصل حالت میں آ گیا۔ ملک جبار فرعون نے دوبارہ وہی حرکت کرنا چاہی اس دفعہ پہلے کی نسبت مزید گرفت میں آ گیا۔ پھر التجاء کرنے لگا حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نے پھر دعا کی تو فرعون اس گرفت سے آزاد ہو گیا۔ اس بری فطرت والے نے تیسری بار پھر وہی حرکت کرنا چاہی۔ اب کے ایسی شدید ترین گرفت میں آیا کہ جان سے ہی جانے لگا فوراً منت سماجت کرتے ہوئے بولا یہ آخری موقعہ ہے مجھے معاف کر دیں پھر زندگی بھر ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نے عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے تیسری بار دعا کی اور یوں فرعون اس عذاب سے آزاد ہوا۔ فرعون مصر ملک جبار نے شکریہ کے طور پر اپنی بیٹی حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو طلب کیا جو نہایت عمدہ لباس زیب تن کئے ہوئے تھیں۔ ان کو حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کی ملکیت میں دے دیا۔ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا حضرت

ہاجرہ سلام اللہ علیہا کے ہمراہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس لوٹیں۔ آپ علیہ السلام اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ جب فارغ ہوئے تو حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نے گزارش کی مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے اس کافر فاجر سے مجھے محفوظ رکھا۔ اس نے میری خدمت کے لئے اپنی بیٹی حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو میری ملکیت میں دے دیا ہے اور میں ان کو آپ علیہ السلام کے لئے وقف کرتی ہوں یعنی بخشتی ہوں۔

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت مبارکہ

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام 85 برس کی عمر مبارکہ تک اولاد سے محروم تھے۔ کتب سیر میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ مجھے فرزند عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمالی۔ ہوا یوں کہ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا ہمیں بیت المقدس میں قیام کئے 20 سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر اولاد کی نعمت سے محروم ہیں آپ علیہ السلام حضرت ہاجرہ رسلام اللہ علیہا سے عقد فرمالیں ممکن ہے اللہ کریم اس طرح ہمیں اولاد کی دولت عطا فرمادے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا سے عقد فرمایا اور یوں 86 سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کے بطن اقدس سے فرزندار جمند عطا فرمایا۔ جن کا اسم گرامی حضرت اسماعیل علیہ السلام تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت سے حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کے دل میں بشری تقاضے کے تحت حسد کا مادہ پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا ان دونوں ماں بیٹے کو میرے سامنے سے ہٹا کر دور چھوڑ آئیں۔ اللہ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مطلع فرمایا کہ ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو سارہ کے کہنے پر دور چھوڑ آؤ کیونکہ ایسا کرنے میں ہی مصلحت ہے۔ مکمل حال انشاء اللہ کعبہ مکرمہ کی تعمیر کے ذکر میں بیان کیا جائے گا۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصال

محمد بن السائب لکھتے ہیں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام چار مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ آخری دفعہ لوگوں کو حج بیت اللہ کی دعوت دی جس نے بھی اس دعوت کا پیغام سنا اس نے فوراً قبول کرلیا۔ قوم جرہم کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے اس دعوت حق کو قبول کرتے ہوئے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد قوم عمالقہ نے اس دعوت کو قبول کیا اور یوں یہ قوم مسلمان ہوگئی۔ حج بیت اللہ کے بعد سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس ملک شام تشریف لے آئے اور پھر یہاں ہی تقریباً 200 سال کی عمر مبارکہ میں وصال فرمایا۔ "واللہ اعلم"

(از: البدایہ والنہایہ۔ جلد 1 صفحہ 208 تا 219)
(طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 65 تا 68)
(صحیح بخاری و مسلم شریف وغیرہ)
(سیرت النبی الکامل از ابن ہشام جلد 1 صفحہ 111)

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزندار جمند تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحب زادے سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام تھے جو سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تیرہ (13) برس چھوٹے تھے۔ اللہ کریم نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے انبیاء علیہم السلام کی پیدائش کا سلسلہ جاری رکھا جبکہ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف ایک نبی یعنی ہمارے آقا و مولا سرکار دو عالم ختم الرسل سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے جو خاتم النبیین ہیں۔ اس طرح خداوند کریم نے حضور علیہ السلام کے بعد سلسلہ نبوت ختم فرما دیا اور یوں قیامت تک کوئی دوسرا نبی پیدا نہیں ہوگا۔ یہ فخر سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ہی حاصل ہے کہ اللہ کریم نے ان کی اولاد میں سے سیدالانبیاء، فخر رسل، خاتم النبیین اور تمام نبیوں و رسولوں کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرمایا۔

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کا شجرہ نسب

آپ علیہ السلام کا اسم گرامی حضرت اسماعیل علیہ السلام تھا جبکہ شجرہ نسب یوں ہے۔

اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام بن آزر (تارخ) بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالح بن عابر بن شالح بن ارفخشند بن سام بن نوح علیہ السلام۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا نام

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا تھا۔ جو شاہِ مصر (فرعون مصر) ملک جبار کی بیٹی اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری زوجہ محترمہ تھیں۔

حالات زندگی مبارکہ

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مکمل حالات زندگی مقدسہ انشاء اللہ آگے چل کر بیت اللہ شریف کی تعمیر کے باب میں عرض کروں گا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر مبارکہ جب ایک سو چھتیس (136) سال کی ہوئی تو ان کا وصال ہو گیا اس وقت ان کے سامنے ان کی اولاد اور نسل کا سلسلہ خوب پھیل گیا تھا جو حجاز، شام، عراق، فلسطین اور مصر تک پھیلی۔ تورات ایک موقع پر اشارہ کرتی ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قبرانور فلسطین میں ہے اور یہیں ان کی وفات ہوئی لیکن بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ بیت اللہ کے قریب حرم شریف کے اندر مدفون ہیں۔

تاریخ طبری جلد اوّل

البدایہ والنہایہ
فتح الباری
طبقات ابن سعد

قرآن کریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر

(1)	سورۃ البقرہ	آیات	125، 127، 133، 136، 140
(2)	سورۃ آلِ عمران	آیت	84
(3)	سورۃ النساء	آیت	163
(4)	سورۃ الانعام	آیت	87
(5)	سورۃ ابراہیم	آیت	39
(6)	سورۃ مریم	آیت	54
(7)	سورۃ الانبیاء	آیت	85
(8)	سورۃ ص	آیت	48

سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام

سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو 100 برس کی عمر مبارکہ میں اس دولت سے نواز۔ سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل میں بہت سے انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بعد میں آنے والے تمام انبیاء علیہم السلام سیدنا حضرت اسحاق اور سیدنا حضرت یعقوب علیہم السلام کی اولاد میں سے ہی تھے۔ تاجدار رسل سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اولاد میں سے نہیں تھے بلکہ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

ولادت باسعادت

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریفہ جب 100 سال کو پہنچی ادھر حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نوے (90) سال کی ہوچکیں تو اللہ کریم نے آپ علیہ السلام کو بشارت دی کہ سارہ (سلام اللہ علیہا) کے بطن سے تیرے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا اسکا نام اسحاق رکھنا، چنانچہ حکم الٰہی کے مطابق ان کے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی بیٹی بھی تھیں۔

نام ونسب

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بیٹے کا نام اسحاق رکھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام وحضرت سارہ سلام اللہ علیہا کا اس عمر میں بچہ پیدا کرنے کے بارے میں تعجب کا حال قرآن کریم کی سورہ ہود، سورہ الحجر اور سورۃ الذاریات میں بیان کیا گیا ہے۔ علمی ذوق رکھنے والے ان سورتوں سے مراجعت کرسکتے ہیں۔ سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام کا شجرہ نسب یوں ہے۔

شجرہ نسب

اسحاق (علیہ السلام) بن ابراہیم (علیہ السلام) بن آزر (تارخ) بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالح بن عابر بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

قرآن کریم میں حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذکر

(1) سورۃ البقرہ آیات 133، 136، 140
(2) سورۃ آل عمران آیت 84
(3) سورۃ النساء آیت 163
(4) سورۃ الانعام آیت 85
(5) سورۃ ھود آیت 71
(6) سورۃ یوسف آیات 6، 38
(7) سورۃ ابراہیم آیت 39
(8) سورۃ مریم آیت 49
(9) سورۃ الانبیاء آیت 72
(10) سورۃ العنکبوت آیت 27
(11) سورۃ الصفّٰت آیات 112، 113۔
(12) سورۃ صٓ آیت 45

لفظ اسحاق کے معنی

لفظ اسحاق کا اصل تلفظ ''یصحق'' ہے۔ یصحق عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا عربی ترجمہ ''یضحک'' ہے۔ لفظ یضحک کا معنی ''وہ ہنستا'' ہے۔ فرشتوں نے جب سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی خوشخبری سنائی تو حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے اس خوشخبری کو عجیب خیال فرمایا اس طرح بڑھاپے کی عمر میں جب حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نے یہ بات سنی تو ان کو ہنسی آ گئی اس لئے مولود کا نام ہی اسحاق تجویز ہوا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کے لئے مسرت اور شادمانی کا سبب بنی اس لئے یہ نام رکھا گیا۔ عربی قاعدہ میں یضحق مضارع کا صیغہ ہے اور اہل عرب کے ہاں یہ دستور تھا کہ وہ لوگ صیغوں کو بھی بطور نام استعمال کرتے تھے۔ سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت مبارکہ کے وقت سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریفہ 100 سال جبکہ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کی عمر 90 برس تھی۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی شادی

تورات میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی شادی کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خانہ زاد الیعزر دمشقی سے فرمایا کہ میں اسحاق (علیہ السلام) کی شادی کے سلسلے میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ ان کی شادی خاندان کنعانہ میں ہرگز نہیں کروں گا بلکہ ان کی شادی اپنے خاندان میں اپنے باپ دادا کی نسل میں کروں گا۔ اس لئے تم فدان (مقام کا نام ہے) جاؤ اور یہ ساز و سامان ہمراہ لے کر وہاں میرے بھتیجے بتوئیل بن ناحور سے مل کر میری طرف سے اس کی بیٹی کا اسحاق علیہ السلام کے لئے رشتہ مانگنا۔ اگر وہ راضی ہو گیا تو اسے کہنا کہ میں اسحاق (علیہ السلام) کو اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتا اس لئے اپنی بیٹی کو یہاں میرے پاس ہی بھیج دے۔ قاصد یہ حکم سن کر فوراً فدان روانہ ہو گیا چلتے چلتے جب وادی کے قریب پہنچا تو اپنے اونٹ کو بٹھا دیا تا کہ نیچے اتر کر حالات معلوم کر سکے۔ قاصد نے جس جگہ اپنا اونٹ بٹھایا اس کے قریب ہی سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی بتوئیل کا خاندان آباد تھا۔ قاصد وہاں کھڑا ہی تھا کہ دیکھا ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی پانی کا بھرا ہوا گھڑا اٹھائے مکان کی طرف جا رہی تھی۔ قاصد نے اس لڑکی سے پانی طلب کیا لڑکی نے اسے اور اسکے اونٹ کو پانی پلا کر حال دریافت کیا۔ قاصد نے لڑکی سے بتوئیل کے گھر کا پتہ معلوم کیا۔ لڑکی بولی وہ میرے والد ہیں اور یوں قاصد کو بطور مہمان اپنے ہمراہ گھر لے گئی۔ گھر پہنچ کر لڑکی نے اپنے بھائی لابان کو مہمان کے بارے میں اطلاع دی۔ لابان نے مہمان کی خاطر مدارت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی پھر وہاں آنے کی وجہ دریافت کی۔ قاصد الیعزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام سنایا۔ لابان یہ پیغام سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے فوراً بہت سا ساز و سامان دے کر اپنی ہمشیرہ کو قاصد الیعزر کے ہمراہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ (واللہ اعلم)

حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد

قاصد الیعزر لابان کی ہمشیرہ جن کا اسم گرامی رفقہ تھا کو ہمراہ لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں واپس حاضر ہوا۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رفقہ کا اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہمراہ عقد کر دیا۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی عمر مبارک جب ساٹھ سال (60) ہوئی تو اللہ کریم نے ان کو علی الترتیب عیسو اور یعقوب علیہ السلام دو فرزند عطا فرمائے۔ ویسے تو ماں باپ دونوں بیٹوں کے ساتھ بڑی الفت ومحبت رکھتے تھے مگر حضرت اسحاق علیہ السلام عیسو سے زیادہ پیار فرماتے جبکہ حضرت رفقہ سلام اللہ علیہا حضرت یعقوب علیہ السلام کو زیادہ چاہتی تھیں۔ عیسو کو شکار کا بہت شوق تھا۔ وہ اکثر شکار کا گوشت گھر لا کر دیا کرتا تھا جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام زیادہ وقت خیمہ میں ہی رہتے تھے۔ عرصہ گزر جانے کے بعد یعقوب علیہ السلام اپنی والدہ کے کہنے پر اپنے ماموں لابان کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں یکے بعد دیگرے لابان کی دو بیٹیوں لئیہ اور راحیل کے ساتھ شادی فرمائی۔ دوسری طرف عیسو اپنے چچا سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس مکہ مکرمہ تشریف لے گئے جہاں سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی صاحبزادی بشامہ یا باسمہ سے شادی کر لی۔ کچھ عرصہ بعد ترک وطن کرنے کے بعد سعیر چلے گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ سعیر میں وہ ادوم کے نام سے مشہور ہوئے یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد کو نسل بنی ادوم کے نام سے شہرت حاصل ہوئی ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کا وصال

حضرت اسحاق علیہ السلام ایک سو اسی (180) سال کی عمر میں اس فانی دنیا سے ظاہری پردہ فرما گئے۔ آپ علیہ السلام کے صاحب زادے حضرت یعقوب علیہ السلام اور عیسو وغیرہ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو اسی جگہ دفن کیا جہاں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار اقدس تھا۔

(از: طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 66۔67)
(البدایہ والنہایہ جلد 1 صفحہ 241 تا 245 وغیرہ)
(صحیح بخاری شریف)

حضرت لُوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادہ ہیں۔ ان کی زندگی کا اکثر حصہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیر نگرانی بسر ہوا۔ ان کی مکمل نشو ونما سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آغوش مبارک میں ہوئی۔ حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ سلام اللہ علیہا ملت ابراہیمی کے پہلے مسلم اور ''السابقون الاولون'' میں داخل ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے۔ ''پس ایمان لایا لوط ابراہیم (کے دین) پر اور کہا میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی جانب''۔ (سورۃ العنکبوت آیت 26)

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی زوجہ ہمیشہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ تمام ہجرتوں میں شامل رہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبیوں میں سے ایک ہیں۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور

حضرت لوط علیہ السلام اکٹھے مصر میں کافی عرصہ قیام پذیر رہے۔آپ علیہ السلام سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سفر وحضر غرض زندگی کے ہر میدان میں رفیق خاص تھے۔

قرآن کریم میں حضرت لُوط علیہ السلام کا ذکر

(1) سورہ الانعام آیت 87
(2) سورہ الاعراف آیت 80
(3) سورہ ھود آیات 70،74،77،81،89
(4) سورہ الحجر آیات 59،61
(5) سورہ الانبیاء آیات 71،74
(6) سورہ الحج آیت 43
(7) سورہ الشعراء آیات 160،161،167
(8) سورہ النمل آیات 54،56
(9) سورہ العنکبوت آیات 26،28،32،33۔
(10) سورہ الصٰفّٰت آیت 133
(11) سورہ ص آیت 13
(12) سورہ الفجر آیات 33،34
(13) سورہ التحریم آیت 10

مصر سے مقام سدوم کو ہجرت

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام اپنے اہل وعیال سمیت مصر میں آباد تھے وہاں ان کے پاس کثیر مال ودولت اور مویشیوں کے بڑے بڑے ریوڑ موجود تھے۔تورات میں آتا ہے کہ دونوں بزرگوں کے وہ محافظ جو مویشیوں کی دیکھ بھال کے لئے مقرر تھے۔ چراگاہ میں مویشیوں کو پہلے لے جانے اور زیادہ سرسبز حصے پر مویشیوں کو چھوڑنے کے لئے اول حق کا تقاضہ کرتے رہتے تھے۔اس صورت حال کے پیش نظر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام نے باہمی تعلقات کی بقا کے لئے ضروری خیال فرمایا کہ حضرت لوط علیہ السلام مصر سے ہجرت فرما کر اردن کی شرقی سمت تشریف لے جائیں اور وہاں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حق کی تبلیغ فرماتے ہوئے لوگوں کی دین ودنیا کی زندگیاں سنواریں جبکہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر سے ہجرت فرما کر فلسطین تشریف لے جائیں اور وہاں رشد وہدایت کے سرچشموں سے لوگوں کو سیراب کریں۔یوں باہمی مشورے کے

مطابق دونوں برگزیدہ ہستیاں مصر سے ہجرت فرما کر سدوم اور فلسطین کی طرف تشریف لے گئیں۔

حضرت لُوط علیہ السلام کی سدوم میں تشریف آوری

حضرت لوط علیہ السلام مصر سے ہجرت فرما کر اردن کی مشرقی جانب سدوم اور عامورہ نامی بستیوں میں تشریف فرما ہوئے۔ یہ اردن کی وہ سمت ہے جہاں آج بحرِ میت (بحر مردار) یا بحر لوط واقعہ ہے۔ پہلے اسی جگہ سدوم اور عامورہ کی بستیاں آباد تھیں مگر بعد میں عذاب الٰہی کی وجہ سے یہ مقامات سمندر کی صورت میں غرق ہو گئے۔ قوم لوط جب اپنی بدفعلیوں اور معصیتوں سے باز نہ آئی تو اللہ کریم نے ان پر سخت زلزلے کا ایسا عذاب نازل فرمایا کہ زمین ہی الٹ کر رکھ دی اور یوں یہ علاقے کئی سوفٹ سمندر کی صورت میں نیچے چلے گئے۔ اب وہاں ہر طرف بحر میت کا پانی حد نگاہ تک نظر آتا ہے جبکہ ان بستیوں کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔ کچھ عرصے پہلے عالمی ادارہ آثار قدیمہ کو ساحل کے قریب لوط کی بستیوں کے چند تباہ شدہ آثار ملے ہیں جن کو دیکھ کر قوم لوط پر آنیوالے عذاب اور تباہی کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی غیر مسلموں پر دین حق کی سچائی ثابت نہ ہوا اور وہ لوگ جان بوجھ کر آنکھوں پر تعصب کی پٹیاں باندھے رکھیں تو یہ ان کی بدقسمتی ہے۔ دعا ہے اللہ کریم ان سب غیر مسلموں کو حق پر چلنے اور اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حضرت لُوط علیہ السلام اور ان کی قوم

حضرت لُوط علیہ السلام بمعہ اہل وعیال جب مصر سے ہجرت فرما کر سدوم اور عامورہ کے مقام پر رہائش پذیر ہوئے تو یہ دیکھ کر نہایت افسردہ ہو گئے کہ پوری قوم فحاشی، عیاشی اور بدقماشی میں غرق تھی۔ قوم میں کوئی ایسی خرابی نہ تھی جو موجود نہ ہو۔ ان کے حالات دیکھ کر الامان الحفیظ ہی کہا جا سکتا تھا۔ قوم لوط میں ایک چیز بھی ایسی موجود نہ تھی جس کو اچھائی کہا جا سکتا ہو۔ اس قوم نے ایک ایسا بدفعل ایجاد کیا جو اس سے پہلے کائنات ارض پر کسی نے نہیں کیا تھا۔ یہ بدبخت قوم اس فعل کی موجد تھی۔ قوم لوط بے حیائی، بداخلاقی، ظلم، فحش اور فسق وفجور میں ذلت کی انتہائی گہری غاروں میں گر چکی تھی۔ غیروں کے ساتھ ان کا سلوک نہایت عیارانہ اور ظالمانہ ہوتا تھا۔ اگر کوئی تاجر یا مسافر غلطی سے ان کے شہر میں آجاتا تو یہ لوگ اس کا مال واسباب لوٹ کر اس بیچارے کو ذلیل ورسوا کرنے کے بعد شہر سے نکال دیتے تھے۔ غرض ہر طرف ظلم، ناانصافی، لوٹ مار، فحاشی اور فسق وفجور کا بازار گرم تھا۔ (قرآن کریم کی سورۃ الذّٰریات آیت 32 میں اسے ''قوم مجرمین'' فرمایا گیا ہے)۔

بحر لوط اور شہر سدوم

ملک اردن میں جہاں بحرِ میت (Dead Sea) یا بحر لوط واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں سدوم اور عامورہ

کی بستیاں آباد تھیں۔ پہلے یہ بستیاں تھیں آج وہاں سمندر نظر آتا ہے پہلے یہ خشک زمین پر شہر آباد تھے اور یہ شہر اونچی جگہ پر واقع تھے۔ لیکن جب قوم لوط پر عذاب الٰہی نازل ہوا تو زمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے اور بھونچال آئے حضرت جبریل علیہ السلام نے قوم لوط کے شہر جس طبقۂ زمین پر تھے اس کے نیچے اپنا بازو ڈالا اور سدوم اور دوسرے چار شہروں کو جن میں سب سے بڑا شہر سدوم تھا اور ان میں چار لاکھ آدمی بستے تھے اتنا اونچا اٹھایا کہ مرغوں کی آوازیں آسمان پر پہنچنے لگیں اور اس آہستگی سے اٹھایا کہ کسی برتن کا پانی نہ گرا اور کوئی سونے والا بیدار نہ ہوا پھر اس بلندی سے اس کو اوندھا کر کے پلٹا کہ اس زمین کی سطح سمندر سے چار سو میٹر نیچے چلی گئی اور پانی اوپر چڑھ آیا اس لئے اس کا نام بحر میت اور بحر لوط مشہور ہوا اسکے پانی میں اگر مچھلیاں وغیرہ چلی جائیں تو زہریلا ہونے کی بنا پر فوراً مر جاتی ہیں۔ محققین کے مطابق اس کا رقبہ 393 مربع میل اور گہرائی 1308 فٹ ہے۔ بحر لوط کا اوسط طول تقریباً 50 میل اور اوسط عرض آٹھ میل ہے۔ دریائے اردن کا اس میں روزانہ ایک ارب تیس کروڑ گیلن پانی گرتا ہے لیکن گرمی کی شدت سے بخارات بن کر اڑ جاتا ہے اس طرح سطح آب وہیں رہتی ہے۔ بحر میت میں کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے کنارے واقع پہاڑی میں غار دریافت ہوئے ہیں جس میں سے قدیم کتب سماوی کے کچھ مخطوطے ملے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام اور تبلیغ حق

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کی بے حیائی اور فحاشی کے خلاف بڑے ہی احسن اور حکیمانہ طریقے سے تبلیغ اسلام کا فریضہ جاری رکھا۔ آپ علیہ السلام شب و روز قوم کو شرافت، طہارت اور نیکی کی زندگی بسر کرنے کی تلقین فرماتے رہے۔ اپنی قوم کو گزشتہ اقوام کے حالات اور ان لوگوں پر بداعمالیوں کی وجہ سے آنے والے عذاب وسزا کے بارے میں عبرت دلاتے رہے۔ مگر افسوس آپ علیہ السلام کی بد بخت قوم نے ان مواعظ کا کوئی اثر نہ لیا اور بدستور اپنی بداعمالیوں پر ڈٹے رہے۔ قوم نے کچھ سبق حاصل کرنے کی بجائے الٹا لوط علیہ السلام سے جھگڑنا شروع کر دیا اور طنز کے طور پر جو الفاظ کہتے قرآن کریم ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔ سورۃ الاعراف آیت 82

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِۦٓ إِلَّآ أَن قَالُوٓا۟ أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٨٢﴾

ترجمہ۔ ''لوط (علیہ السلام) کی قوم کا جواب اس کے سوائے کچھ نہ تھا کہ کہنے لگے ان کو اپنے شہر سے نکال دو۔ یہ لوگ تو پاکیزگی چاہتے ہیں''۔ (سورۃ الاعراف آیت 82)

قوم لوط کی یہ حرکات اور ان کے افعال دیکھ کر بھی حضرت لوط علیہ السلام بدستور تبلیغ حق میں مصروف رہے آپ علیہ السلام کی انتہائی کوشش تھی کہ یہ بدقسمت قوم کسی طرح راہ حق پر آجائے۔ آپ علیہ السلام کی متواتر جدوجہد کے باوجود قوم گمراہی پر قائم رہی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے حجت اتمام کرنے کی غرض سے بھری محفل میں پھر قوم کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو تم اس قدر گمراہ اور بے راہ ہو چکے ہو کہ تمہیں مردوں کے ساتھ بے حیائی کا تعلق، لوٹ مار اور ظلم و ستم کرتے ہوئے تھوڑی سی ندامت بھی محسوس نہیں ہوتی۔ تم لوگ یہ سب کچھ بھری محفلوں میں کرتے ہو اور شرمندگی محسوس کرنے کی بجائے اپنے ان برے کاموں کو فخریہ انداز میں بیان کرتے ہو اب بھی وقت ہے باز آ جاؤ ورنہ ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔''

حضرت لوط علیہ السلام کی اس نصیحت بھری گفتگو کو سن کر قوم اپنی بدبختی کی وجہ سے شدید غم و غصے میں مبتلا ہو گئی اور کہنے لگی۔ اے لوط (علیہ السلام) اپنی یہ نصیحت اور وعظ ختم کرو اگر ہمارے ان اعمال کی بنا پر تمہارا رب ناراض ہوتا ہے تو وہ عذاب لا کر دکھا جس کا تو بار بار ذکر کرتا رہتا ہے۔ قوم کے ان الفاظ کو خداوند کریم نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ العنکبوت آیت 29

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۙ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٩﴾

ترجمہ:۔ ''کیا تم مردوں سے فعل کرتے ہو (وہ بے حیائی کا کام ہی ہے) اور تم ڈاکہ ڈالتے ہو (اور غضب یہ ہے کہ) اپنی بھری مجلس میں نامعقول حرکت کرتے ہو۔ پس اس (لوط) کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کہنے لگے تو ہمارے پاس اللہ کا عذاب لے آ اگر تو سچا ہے۔'' (سورۃ العنکبوت آیت 29)

قوم لوط کی اس لن ترانی کے جواب میں اللہ کریم نے اپنے قانون جزاء کے مطابق اس قوم کو ان کی بدکرداریوں اور بے حیائی کی بنا پر عذاب عظیم میں مبتلا کرنے کا حکم فرمایا اور یوں قوم کی قسمت میں بربادی و ہلاکت اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذلت و رسوائی نازل فرمائی۔

قوم لوط (علیہ السلام) کا انجام

اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو نہایت ہی حسین و جمیل نوعمر لڑکوں کی شکل میں مقام سدوم میں نازل فرمایا۔ یہ فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ دونوں فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر مہمان کی حیثیت سے آئے۔ ان کو دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام کچھ گھبرائے کہ بدبخت قوم کو اگر ان مہمانوں کی آمد کا علم ہو گیا تو معاملہ خراب ہو جائے گا۔ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ علیہ السلام گھبرائیے نہیں، ہم اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ملائکہ عذاب ہیں اور اس قوم کو حکم الٰہی کے مطابق تباہ کرنے پر مامور ہیں، آپ علیہ السلام کے اہل خانہ اس عذاب سے محفوظ رہیں گے مگر بیوی نہیں کیونکہ وہ بھی ان بے حیاء لوگوں میں شامل ہے۔

ادھر جب قوم کو معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں دو خوبصورت لڑکے آئے ہیں تو وہ لوگ

حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر چڑھ آئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ لڑکوں کو ہمارے حوالے کرو۔ قوم کا اصرار جب حد سے بڑھ گیا تو حضرت لوط علیہ السلام فرشتوں کے اشارے پر اپنے خاندان سمیت گھر کی دوسری جانب سے نکل کر سدوم سے باہر روانہ ہو گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کچھ راستے ان کے ہمراہ چلی مگر یہ کہہ کر واپس لوٹ آئی کہ مجھے تمہاری رفاقت منظور نہیں، میں تو قوم کے ساتھ ہی رہوں گی۔ ادھر نصف شب کے قریب ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو ہلا کر رکھ دیا۔ فرشتوں نے مقام سدوم کی آبادی کو اٹھایا اور اوپر لے جا کر واپس الٹ دیا پھر پتھروں کی اس قدر شدید بارش برسائی جس نے پوری قوم کو تباہ و برباد کرنے کے بعد اس کا نام و نشان ہی مٹا دیا۔ یوں گزشتہ اقوام کی طرح قوم لوط بھی کیفر کردار کو پہنچی جو اس کا مقدر تھا۔

حضرت لوط علیہ السلام کا وصال

تورات میں آتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنے اہل خانہ کے ہمراہ سدوم سے ہجرت فرما کر ضفر کی بستی میں تشریف فرما تھے جو سدوم سے قریب ہی تھی۔ صبح کے وقت آپ علیہ السلام نے سدوم کی طرف دیکھا تو وہاں ہلاکت و بربادی کے نشانات کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اس عبرت ناک منظر کو دیکھنے کے بعد آپ علیہ السلام ضفر سے بھی ہجرت فرما گئے اور کچھ دور ایک پہاڑی پر ڈیرے ڈال دیئے۔ وہاں نہایت امن و چین سے زندگی بسر فرمانے لگے۔ آپ علیہ السلام کا وصال شریف بھی اسی پہاڑی پر ہوا جہاں آپ علیہ السلام کا مزار پر انوار ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ کے نہایت برگزیدہ نبی تھے۔ آپ علیہ السلام کو اللہ کریم نے صبر کی دولت سے اس حد تک نواز رکھا تھا کہ صبر یعقوب ضرب المثل بن گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ (12) بیٹوں میں سے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام آپ علیہ السلام کو سب سے زیادہ محبوب و عزیز تھے۔ قدرت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وہ حسن و جمال، رعنائی، رخ روشن جس کے سامنے آفتاب و ماہتاب بھی ماند تھے عطا فرما رکھے تھے۔ عبرانی زبان میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا اسم گرامی اسرائیل ہے۔ آپ علیہ السلام سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام کے دوسرے صاحب زادے تھے بڑے بھائی کا نام عیسو تھا جن کا حال ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی والدہ رفقہ کے بہت ہی چہیتے اور لاڈلے تھے جبکہ آپ علیہ السلام کے دوسرے بھائی عیسو والد گرامی حضرت اسحاق علیہ السلام کے لاڈلے تھے۔ آپ علیہ السلام کی اولاد میں سے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام اس قدر حسین و جمیل تھے کہ ان کا حسن ضرب المثل ہے۔

نام و نسب

حضرت یعقوب علیہ السلام بن حضرت اسحاق علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علیہ السلام بن آزر (تارخ) بن

ناحور بن سروج بن رعو بن فالح بن عابر بن شالح بن ارفخشند بن سام بن نوح علیہ السلام۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں۔ آپ علیہ السلام کی والدہ کا اسم گرامی رفقہ تھا جو کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے بتوئیل کی بیٹی تھیں۔

لفظ اسرائیل کی تشریح

اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے اصل میں یہ دو الفاظ ہیں اسرا اور ایل۔ عبرانی زبان میں اسرا کا مطلب عبد اور ایل کا مطلب (اللہ) ہے۔ دو لفظوں کے اس مرکب کا عربی زبان میں معنی عبداللہ کیا جاتا ہے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسحاقی خاندان اسی نسبت سے اسرائیلی کہلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی یہود کے خاندان اسی نسبت کی وجہ سے بنی اسرائیل کہلاتے ہیں۔

لفظ یعقوب کی تشریح

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام نے اپنے دوسرے صاحب زادے کا نام یعقوب اس لئے رکھا کہ وہ اپنے توام (جڑواں) بھائی کے بعد یعنی اس کے عقب میں بطن مادر سے تولد ہوئے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی شادی

حضرت یعقوب علیہ السلام کی شادی کے بارے میں تورات میں یوں آتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی والدہ کے حکم پر اپنے ماموں لابان کے پاس فدان چلے گئے۔ آپ علیہ السلام کے ماموں نے کہا کہ آپ (علیہ السلام) دس سال میرے پاس رہ کر بکریاں چرائیں۔ میں دس سال کی اس مدت کو حق مہر قرار دیتے ہوئے تمہارا عقد اپنی بیٹی سے کر دوں گا جس کا میں ارادہ کر چکا ہوں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے دس سال کی مدت پوری کی تو لابان نے حسب وعدہ ان کا نکاح اپنی بڑی لڑکی لیہ سے کرنا چاہا اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میرا رجحان طبع آپ کی چھوٹی بیٹی راحیل کی طرف ہے۔ لابان نے آپ علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے ہاں دستور یہ ہے کہ پہلے بڑی بیٹی کا نکاح کیا جاتا ہے بعد میں چھوٹی کا اس کے الٹ نہیں کیا جا سکتا۔ آپ علیہ السلام کے ماموں لابان نے کہا تم اس رشتے کو منظور کر لو اور اپنے قیام کو دس سال مزید بڑھا دو، میری خدمت میں رہو، اس طرح راحیل کو بھی تمہارے نکاح میں دے سکوں گا۔ یہاں ایک بات کی وضاحت کر دینا اشد ضروری ہے کہ اس زمانے میں دو حقیقی بہنوں سے ایک وقت میں نکاح کرنا جائز تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے دس سال کی مزید مدت پوری کی اور پھر راحیل سے بھی نکاح فرما لیا۔ اللہ کریم نے آپ علیہ السلام کو کثیر اولاد عطا فرمائی۔ بعض روایات میں بکریاں چرانے کی مدت سات سال مذکور ہے۔ (واللہ اعلم)۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے عقد میں آنے والی بڑی ماموں زاد لیہ یا لیّا نہایت

کمزور اور ضعف بصارت کی مریضہ تھیں۔ شادی کے وقت لابان نے لیہ کو خدمت کے لئے ایک کنیز دی جس کا نام زلفی تھا۔ اس طرح لابان نے دوسری بیٹی کو بھی بلہا نامی کنیز دی تھی۔ کافی عرصہ تک لیہ کے ہاں جب کوئی اولاد نہ ہوئی تو انہوں نے اپنی کنیز زلفی حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دی جس کے بطن سے روبیل، شمعون، لادی، یہود، جاد اور اشیر پیدا ہوئے۔ اللہ کریم نے حضرت لیہ پر خاص کرم فرمایا اور ان کی بصارت بحال ہوگئی۔ یہ ان کو اپنی کنیز زلفی حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کرنے کا اللہ کی طرف سے انعام تھا۔ کچھ عرصہ تک راحیل کے ہاں بھی اولاد نہ ہوئی انہوں نے بھی اپنی کنیز بلہا حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔ بلہا کے بطن سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو بیٹے دان اور ینفتانی یا نفتانی پیدا ہوئے۔

اللہ نے لیہ پر کرم فرماتے ہوئے ان کی مراد بھی پوری کی اور یوں عرصہ گزر جانے کے بعد ان کے بطن سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو بیٹے ویسا کر اور زلوبون پیدا ہوئے۔ یہ روایت البدایہ والنہایہ میں موجود ہے جبکہ بعض کتب میں لیہ سے پیدا ہونے والے بیٹوں کی تعداد چھ بتائی گئی ہے جن کے نام یہ تھے: رادبین، شمعون، لادی، یہودا۔ ایساخر یا ویاساکر اور زابون یا زلوبون (واللہ اعلم) البدایہ والنہایہ میں ان کے ہاں دینا نامی بیٹی کی پیدائش کا ذکر بھی موجود ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاں لیہ، زلفی اور بلہا کے بطن سے اولاد پیدا ہو چکی تھی صرف راحیل لاولد تھیں۔ انہوں نے اللہ کریم سے دعا مانگی کہ میرے بطن سے بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کو اولاد عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے دنیا میں حسن و جمال کے پیکر حضرت یوسف علیہ السلام ان کو عطا فرمائے اور پھر بعد میں بن یمین پیدا ہوئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام بیس یا سترہ یا چودہ سال کا عرصہ اپنے ماموں لابان کے پاس فدان میں مقیم رہے اس عرصہ میں اللہ کریم نے لابان کے ان مویشیوں میں جنہیں حضرت یعقوب علیہ السلام چراتے تھے اس قدر اضافہ فرمایا کہ حساب سے باہر تھا۔ لابان نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ آپ کی برکت سے میرے مال مویشیوں میں بے حساب اضافہ ہو چکا ہے اس لئے جس قدر مال مویشی آپ علیہ السلام کو مطلوب ہوں لے لیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس پیش کش کو قبول فرمایا اور یوں ماموں سے اجازت لے کر اہل و عیال کے ہمراہ اپنے آبائی وطن حبرون (فلسطین) میں آکر مقیم ہوگئے۔ بنیامین کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی باقی تمام اولاد ماموں کے ہاں ہی پیدا ہوئی۔ بنیامین (بن یمین) کی ولادت کے وقت ان کی والدہ راحیل اس قدر شدید تکلیف سے دوچار ہوئیں کہ زندگی سے ہی ہاتھ دھونا پڑے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اس زوجہ کو بیت لحم میں دفن کیا اور ان کی قبر پر ایک سنگی کتبہ نصب فرمایا جو آج تک موجود ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو نبوت کی بشارت

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی والدہ کے حکم پر جب حران سے فدان آرام اپنے ماموں لابان کی طرف

روانہ ہوئے تو راستے میں آرام کی غرض سے ایک جگہ ٹھہرے وہاں پتھر کا تکیہ بنا کر سو گئے۔ خواب دیکھا کہ آسمان سے فرشتے نازل ہو رہے ہیں۔ نازل ہونے والے ملائکہ کے سردار نے ان کو اللہ کی طرف سے وحی پہنچائی اور انہیں نبوت عطا ہونے کی بشارت دی ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنائی کہ نبوت کا یہ سلسلہ ان کی اولاد میں جاری رہے گا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو جس جگہ نبوت کی بشارت دی گئی اس جگہ کا نام ہی مقام حجر پڑ گیا۔

معبد یا بیت المقدس کی تعمیر

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے ماموں لابان کے پاس ایک عرصہ رہنے کے بعد جب اپنے آبائی وطن واپس تشریف لائے تو انہوں نے مقام حجر کا نام تبدیل فرما کر ایل رکھ دیا۔ ایل عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب بیت اللہ ہے۔ آپ علیہ السلام نے اس مقام پر معبد کے طور پر ایک عمارت تعمیر فرمائی جس کو بیت اللہ کہا جاتا تھا۔ آج کا بیت المقدس وہی مقام ہے اس مبارک جگہ کا سنگ بنیاد حضرت یعقوب علیہ السلام نے رکھا تھا۔

قرآن کریم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر مبارک

قرآن کریم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام مبارک سولہ (16) جگہوں پر آتا ہے۔ اس کے علاوہ سورہ یوسف میں جگہ جگہ آپ علیہ السلام کے اوصاف مبارکہ کے لحاظ سے ذکر موجود ہے۔ اس کے علاوہ اوصافی اعتبار سے سورہ مومنون میں بھی ذکر موجود ہے۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں آپ علیہ السلام کے اسم مبارک کا ذکر آتا ہے اسکی تفصیل باعتبار سورہ، تعداد اور آیات اس طرح ہے۔

سورۃ	آیت	تعداد اسم مبارک
بقرہ	140،136،133،132	4 بار
انعام	84	1 بار
مریم	49،6	2 بار
انبیاء	72	1 بار
نساء	163	1 بار
یوسف	68،38،6	3 بار
ص	45	1 بار
آلِ عمران	84	1 بار
ھود	71	1 بار
العنکبوت	27	1 بار
	کل تعداد	16 بار

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور ان کے نام

اللہ کریم نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو بارہ بیٹوں کی دولت سے نواز رکھا تھا جبکہ بعض کتب تاریخ میں ان کی ایک بیٹی کا ذکر بھی آتا ہے جس کا نام دینا تھا۔ وہ لیا کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے 12 (بارہ) بیٹے اور ایک بیٹی فدان آرام میں ہی پیدا ہوئے جس کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں صرف بن یمین یا بنیامین ارض کنعان فلسطین میں راحیل کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ علیہ السلام کی اولاد کی تفصیل یوں ہے۔

	نام زوجہ	تعداد اولاد	نام اولاد
(1)	لیہ یا لئیا بنت لابان	6 بیٹے ایک بیٹی	(1) راوبین (2) شمعون (3) لادی (4) یہودا (5) ویساکر (6) زلوبون بیٹی دینا۔
(2)	راحیل بنت لابان	2 بیٹے	(1) حضرت یوسف علیہ السلام (2) بن یمین یا بنیامین
(3)	بلہا جاریہ کنیز راحیل	2 بیٹے	(1) دان (2) نفتالی
(4)	زلفی جاریہ کنیز لیہ	2 بیٹے	(1) جاد (2) اشیر

اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو کنعانیوں کی ہدایت کے لئے پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ کا زمانہ تقریباً 2000 قبل مسیح کا ہے۔

(از البدایہ والنہایہ۔ جلد اول صفحہ 243،244،245)

(تورات پیدائش باب 35 آیت 21،26 وغیرہ)

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نہایت برگزیدہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک ہیں۔ اللہ کریم نے آپ علیہ السلام کو حسن کی لازوال دولت عطا فرمائی تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے اس فرزند سے عشق کی حد تک محبت فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی گوارا نہ کرتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام سن رشد کو پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا شدہ نبوت کے مطابق ملت ابراہیمی کی دعوت و تبلیغ کی خدمت سرانجام دینے میں شب و روز مصروف رہتے۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر خیر کو احسن القصص کہا گیا ہے۔ آپ علیہ کے واقعہ میں بہت سی عبرتیں، حکمتیں اور مواعظ و نصائح بیان ہوئے ہیں۔ اللہ کریم نے حضرت یوسف علیہ

السلام کی ذات مقدسہ میں تمام خوبیاں جمع فرما کر ان کو اپنے قرب خاص اور لطف و کرم سے سرفراز فرمایا۔ آپ علیہ السلام کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اللہ کریم نے آپ کے پردادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح آپ علیہ السلام کے نام پر بھی قرآن کریم میں سورہ یوسف نازل فرمائی جو عبرت و موعظت کا لازوال ذخیرہ ہے۔ محققین نے حضرت یوسف علیہ السلام کا زمانہ 1937 ق م تحریر کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا سلسلہ نسب

حضرت یوسف علیہ السلام بن حضرت یعقوب علیہ السلام بن حضرت اسحٰق علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علیہ السلام بن آزر (تارخ) بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالح بن عابر بن شالح بن ارفخشند بن سام بن نوح علیہ السلام۔

قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر مبارک

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کا 27 (ستائیس) مرتبہ ذکر فرمایا ہے۔ جس میں 25 (پچیس) مرتبہ سورہ یوسف میں ایک مرتبہ سورہ انعام اور ایک مرتبہ سورہ غافر میں جس کی تفصیل یہ ہے۔

سورۃ کا نام	آیت	تعداد
غافر (مومن)	34	ایک بار
انعام	84	ایک بار
یوسف	4،7،8،9،10،11،17،21،29،46،51،56، 58،69،76،77،80،84،85،87،89،90،94،99	24 آیات میں 25 دفعہ
		کل 27 بار

سورہ یوسف کا شان نزول

یہاں سورہ یوسف کا شان نزول بیان کرنا نہایت ہی مناسب ہوگا۔ کیونکہ جہاں یہ سورہ مبارک سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کی تفصیل ہے وہاں سرکار دوعالم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے نبی برحق ہونے کا ثبوت بھی ہے جو حضور خاتم النبیین علیہ السلام نے قریش مکہ کو فرمایا اور وہ لوگ لاجواب ہو گئے۔ احادیث مبارکہ اور تفاسیر میں سورہ یوسف کے نزول کی تشریح یوں کی گئی ہے۔ کفار مکہ نے ایک مرتبہ یہودیوں سے گفتگو کی کہ ہم حضور اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف سے سخت پریشانی اور درماندگی کا شکار ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا اس کا کیا حل کریں۔ یہود نے کفار مکہ سے کہا کہ نبوت کے اس حق دار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کو تنگ کرنے اور ان کو جھوٹا ثابت

کرنے کے لئے ہم تمہیں ایک طریقہ بتاتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ تم لوگ سوال کرو کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) ہمیں یہ بتائیں کہ یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد ملک شام سے مصر کیوں منتقل ہوئی اور یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں کیا واقعات پیش آئے۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) یہ سب کچھ تفصیل سے نہ بتا سکے تو یہ نبی نہیں ہیں کیونکہ غیر نبی یہ حالات و واقعات کبھی نہیں بتا سکتا۔ کفار مکہ نے یہود کی ہدایت کے مطابق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے یہ دونوں سوال پوچھے۔ آپ علیہ السلام نے وحی الٰہی کے ذریعے دونوں سوالوں کے تفصیلی جوابات ارشاد فرمائے جن کا ذکر سورہ یوسف کے نزول کی شکل میں موجود ہے۔ جواب سن کر کفار مکہ لاجواب ہو گئے مگر بد بخت پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوت حق کے قائل نہ ہوئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی ساری اولاد میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ عشق کی حد تک محبت رکھتے تھے۔ والد کی یہ محبت برادران یوسف علیہ السلام کے لئے سخت شاق اور نا قابل برداشت ہو چکی تھی۔ وہ ہر وقت اسی فکر میں لگے رہتے کہ کسی نہ کسی طرح والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل سے حضرت یوسف علیہ السلام کا پیار نکالا جائے۔ یا پھر اگر ایسا ممکن ہو کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے راستے سے ہی ہٹا دیا جائے۔ برادران یوسف اس فکر میں غرق رہتے تھے کہ انہی ایام میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور چاند و سورج ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ صبح کو اپنا یہ خواب والد بزرگ وار سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام کو سنایا۔ پیارے بیٹے کا خواب سنتے ہی والد گرامی نے بیٹے کو سختی سے منع فرما دیا کہا اپنا یہ خواب کسی اور کو نہ سنائیں کیونکہ عین ممکن ہے تمہارے بھائی تمہیں نقصن پہنچائیں یاد رکھو شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا یہ خواب نہایت واضح ہے۔ اللہ کریم نے تمہیں نبوت کے لئے اسی طرح منتخب فرما لیا ہے جیسے تمہارے اجداد حضرت ابراہیم و اسحٰق علیہم السلام کو، اللہ بڑی ہی حکمت والا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے پیارے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت کی بشارت دینا اور خواب کا حال سورہ یوسف آیات 4،5،6، میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ اس سلسلے میں مزید تفصیل کے لئے سورہ یوسف سے مراجعت کی جا سکتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور برادران

برادران حضرت یوسف علیہ السلام عرصہ سے حسد اور جلن کی آگ میں جھلس رہے تھے۔ آخر کار ایک دن اس نہ بجھنے والی آگ نے ان لوگوں کو سازش کرنے پر مجبور کر ہی دیا۔ سب بھائی ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے یوسف (علیہ السلام) اور اس کا بھائی بن یمین ہمارے باپ کو زیادہ پیارے ہیں جبکہ ہم ان سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ ہمارے والد یقیناً خطا پر ہیں۔ اسلئے یوسف (علیہ السلام) کو مار ڈالنا چاہیے۔ اس طرح ہمارے باپ کی توجہ ہماری طرف ہو سکتی

ہے۔ بھائیوں میں سے ایک نے کہا یوسف (علیہ السلام) کو قتل مت کرو بلکہ اس کو کسی کنویں میں ڈال دو تا کہ کوئی مسافر اس کو نکال کر لے جائے۔ دیگر بھائیوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا۔ یہ پورا واقعہ سورہ یوسف آیات 8،9،10 میں مذکور ہے۔

برادران یوسف یہ فیصلہ کرنے کے بعد اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس گئے اور کہنے لگے آپ یوسف علیہ السلام کو ہمارے ساتھ سیر پر جانے کی اجازت عطا فرما دیں۔ آپ اس کو کبھی بھی ہمارے ہمراہ نہیں بھیجتے کیا آپ کو ہم پر اعتماد نہیں ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے علاوہ اس کا کوئی دوسرا زیادہ محافظ نہیں ہوسکتا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام برادران یوسف علیہ السلام کے خیالات سے جو ان لوگوں نے دلوں میں چھپا رکھے تھے پوری طرح آگاہ تھے۔ آپ علیہ السلام نے ان لوگوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کو ہمراہ لے جانے کی اجازت عطا نہ فرمائی۔ اور اشارۃً یہ بھی فرما دیا کہ مجھے تم لوگوں سے اندیشہ ہے کہ یوسف (علیہ السلام) کو نقصان پہنچاؤ گے۔ بھائیوں نے بے حد اصرار کیا اور قسمیں اٹھا اٹھا کر والد کو یقین دلایا کہ ہم یوسف (علیہ السلام) کی اپنی جانوں سے زیادہ حفاظت کریں گے۔ آخر حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو اجازت عطا فرما دی اور بیٹوں کو سخت تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اپنے چھوٹے بھائی کی حفاظت کا خاص خیال رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ادھر ادھر شکار کھیلنے میں مشغول ہو جاؤ اور اسے بھیڑیا اٹھا کر لے جائے۔'' یہ سن کر برادران یوسف علیہ السلام بہ یک زبان بولے کہ ہم طاقتور لوگوں کے ہوتے اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا تو اس صورت میں ہم نے سب کچھ گنوا دیا۔ آپ (علیہ السلام) بالکل مطمئن رہیں۔ ہم اس کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔ اس گفتگو کے بعد برادران یوسف علیہ السلام ان کو ہمراہ لے کر جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ سورہ یوسف آیات 11 تا 15 میں یہ تفصیل موجود ہے۔ متلاشیان علم اس سورہ مبارک سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

کنعان کا جنگل اور کنواں

برادران یوسف علیہ السلام جب جنگل میں پہنچ گئے تو انہوں نے حسب مجوزہ لائحہ عمل حضرت یوسف علیہ السلام کو جنگل کے ویران کنویں میں ڈالنے کے لئے اس کی تلاش شروع کر دی جلد ہی انہیں کنواں مل گیا۔ پھر بھائیوں نے کسی بہانے سے حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ اتروالیا اور یوسف علیہ السلام کو کنویں میں دھکا دے دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر ان لوگوں نے شکار کردہ جانور کا خون حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ مبارک پر لگا دیا اور واپس کنعان آ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کو وہ خون آلود کرتہ (قمیض) دکھا کر کہا کہ ہم لوگ اپنی سچائی کا جتنا بھی یقین دلائیں آپ ہماری بات کو سچ نہیں مانیں گے۔ ہم لوگ شکار کی تلاش میں مصروف تھے یوسف علیہ السلام کی حفاظت نہ کر سکے۔ ان کو اچانک ایک بھیڑیا اٹھا کر لے گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام تمام حالات سے باخبر تھے۔ خون آلود کرتہ (قمیض) کسی ایک جگہ سے بھی پھٹا ہوا نہیں تھا۔ مگر افسوس برادران یوسف حسد کی آگ میں اس قدر اندھے ہو چکے تھے کہ اس بات کا خیال نہ رکھ سکے۔ ان تمام حالات کے باوجود حضرت یعقوب علیہ السلام نے برادران یوسف

علیہ السلام کو نہ تو جھڑکا اور نہ ہی برا بھلا کہا بلکہ پیغمبرانہ علم وفراست کے ساتھ ان لوگوں پر ظاہر فرما دیا کہ تم لوگ حقیقت حال کو چھپانے کی کوشش کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکتے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام صبر (صبر جمیل) کیساتھ خاموش رہے اور اللہ تعالیٰ سے مدد کے طالب ہوئے۔ اپنے پیارے بیٹے کی جدائی میں اکثر روتے رہتے۔ آپ علیہ السلام کو یہ علم تھا کہ میرا پیارا بیٹا اللہ کے فضل وکرم سے زندہ سلامت ہے۔ مگر اللہ کی رضا یہی ہے کہ اسے مجھ سے دور رکھا جائے۔ (سورۃ یوسف آیات 15 تا 18)

حضرت یوسف علیہ السلام اور اہل قافلہ

برادران یوسف علیہ السلام اپنے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک کر واپس چلے گئے اور یوں مطمئن ہو گئے کہ ہم نے اپنا راستہ صاف کر لیا ہے۔ ادھر اللہ کریم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں گرنے کے باوجود محفوظ رکھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام بحکم اللہ تعالیٰ پہنچے اور انہوں نے آپ علیہ السلام کو ایک پتھر پر بٹھا دیا جو کنویں میں تھا اور آپ علیہ السلام کے ہاتھ کھول دیئے اور روانگی کے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قمیض جو تعویذ بنا کر آپ کے گلے میں ڈال دیا تھا وہ کھول کر آپ کو پہنا دیا۔ اس سے اندھیرے میں روشنی ہو گئی۔ سبحان اللہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد شریفہ میں کیا برکت ہے کہ ایک قمیض جو اس بابرکت بدن سے مس ہوا اس نے اندھیرے کنویں کو روشن کر دیا۔ آپ علیہ السلام کو کنویں میں گرے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ مدیانیوں کا ایک تجارتی قافلہ جو کہ شام سے مصر کی طرف جا رہا تھا اس کنویں کو دیکھ کر پانی حاصل کرنے کی غرض سے ٹھہر گیا۔ ایک آدمی نے کنویں میں ڈول ڈالا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خیال فرمایا کہ شاید بھائیوں کو رحم آ گیا ہے اور انہوں نے مجھے اوپر کھینچنے کیلئے ڈول ڈالا ہے۔ آپ علیہ السلام ڈول پکڑ کر لٹک گئے قافلے والے شخص نے ڈول اوپر کھینچا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر خوشی کے مارے شور مچانے لگا۔ ''مبارک ہو ایک غلام ہاتھ آ گیا ہے۔ مبارک ہو ایک غلام ہاتھ آ گیا ہے۔''

قافلے کا سردار نہایت ہی لالچی شخص تھا۔ اس نے شور کی آواز سنی تو کنویں کے قریب آ کر حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کی۔ آپ علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ کچھ دیر تک سکتے کی حالت میں آپ علیہ السلام کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ پھر لالچی ذہن نے کہا اس لڑکے کو مصر لے جا کر فروخت کرتا ہوں یوں کافی مال ودولت مل جائے گی۔ قافلے کی منزل بھی مصر ہی تھی اور اس زمانے میں مصر غلاموں کی سب سے بڑی منڈی بھی تھا۔
بہر حال حجازی اسماعیلیوں مدیانیوں کا وہ قافلہ مصر کی طرف روانہ ہوا۔ اس طرح سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام اس تجارتی قافلے کے ساتھ ایک غلام کی حیثیت سے شامل کئے گئے۔ اللہ کی شان بے نیازی ہے کہ کہاں انتہائی محبوب نبی اور کہاں ایک غلام کی شکل میں قافلے والوں کی ہمراہی۔ بصیرت کی نگاہ سے دیکھیں تو اس واقعہ میں آپ علیہ السلام کی بے شمار عظمتیں پوشیدہ ہیں۔ (سورۃ یوسف آیات 19، 20)

حضرت یوسف علیہ السلام کی چھوٹی سی عمر ہے۔ شفقت کرنے والی والدہ کا سایہ سر سے اٹھ چکا ہے۔ نہایت شفیق اور بے پناہ محبت کرنے والے والد گرامی کی آغوش الفت بھی میسر نہ رہی۔ وطن سے دور بے یار و مددگار ہیں۔ آزادی کی بجائے غلامی کی کیفیت ہے۔ ان تمام حالات کے باوجود نہ کوئی شور نہ ہی کسی قسم کا واویلا اور نہ ہی آہ و زاری۔ خدا کی رضا پر شاکر سر نیاز اس کے حضور خم کیے قافلے والوں کے ساتھ مصر کے بازار میں فروخت ہونے تشریف لے جارہے ہیں۔ یہ سب کچھ شان پیغمبری ہے۔ دوسروں کے لئے عملی درس کہ حالات کسی قسم کے ہوں صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ سبحان اللہ۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور بازار مصر

مصر ان دنوں دنیا بھر میں تہذیب و تمدن کا گہوارہ خیال کیا جاتا تھا۔ قوم عمالقہ اس زمانے میں مصر پر قابض تھی۔ تجارتی قافلہ جب مصر کے بازار میں پہنچا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو غلاموں کی منڈی میں اس زمانے کے دستور کے مطابق لوگوں کے سامنے فروخت کرنے کے لئے کھڑا کیا گیا تو آپ علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھ کر لوگ حیرت زدہ ہو گئے۔ حد نگاہ تک خریداروں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ کیفیت یہ ہوگئی کہ ادھر ادھر کے تمام راستے لوگوں سے بھر گئے تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کی خبر عزیز مصر تک بھی پہنچ گئی۔ عزیز مصر نے اپنے ایک درباری کو صورت حال دریافت کرنے کے لئے منڈی میں بھیجا۔ اس نے واپس آکر آپ علیہ السلام کے حسن و جمال کی تصدیق کردی۔ یوں عزیز مصر فوطیغار نے دس مثقال سونے کے عوض حضرت یوسف علیہ السلام کو اس تاجر سے خرید لیا۔ عزیز مصر نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھا تو حیران و پریشان رہ گیا۔ مالک کائنات کی کیا عجیب کارسازی ہے کہ بازار میں فروخت ہونے والے ایک غلام کو عزیز مصر کی آنکھوں کا تارا بنادیا۔ عزیز مصر نے آپ علیہ السلام کو اپنی اولاد کی طرح عزت و احترام اور پیار محبت سے رکھا، اپنے گھر بار اور ریاست کا مالک و مختار بنادیا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی نہیں تو اور کیا ہے۔ عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی زوجہ زلیخا کی خدمت میں بھیج دیا جہاں آپ علیہ السلام نے غلامی میں آقائی فرمائی۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا زوجہ عزیز مصر

حضرت یوسف علیہ السلام جب زلیخا کے پاس تشریف لے گئے تو زلیخا آپ علیہ السلام کے حسن و جمال کو دیکھ کر اس حد تک متاثر ہوئی کہ بعض اصحاب سیر کے بقول فوراً ہی آپ علیہ السلام پر عاشق ہوگئی۔ زلیخا کے پاس رہتے ہوئے عرصہ گزر گیا تو آپ علیہ السلام کے لئے دوسری اور کٹھن آزمائش کا وقت شروع ہو گیا۔ وہ آزمائش یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام جوان ہو چکے تھے۔ حسن خوبروئی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو آپ علیہ السلام کے اندر موجود نہ ہو۔ جمال و رعنائی کا پیکر مجسم، رخ روشن مانند شمس و قمر اور عصمت و حیا کی فراوانی سونے پر سہاگہ تھی۔ ادھر ہر وقت زلیخا کا

ساتھ۔ زوجہ عزیزِ مصر ہزار کوشش کے باوجود اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی۔ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنے کی لاکھ کوشش کی مگر اس مجسمہ شرم وحیا پر قابو پانے میں ناکام رہی۔

زلیخا جیسی حسین اور آزاد عورت جو عزیزِ مصر کی بیوی ہونے کی حیثیت سے سیاہ وسفید کی مالکہ تھی صبر کا دامن زیادہ دیر تک قابو نہ رکھ سکی۔ بقول آیات قرآن کریم (سورۃ یوسف آیت 23 تا 25) واحادیث مبارکہ اور اقوال مفسرین ایک روز شدت جذبات سے بے قابو ہو گئی۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی خواب گاہ میں طلب کیا۔ آپ علیہ السلام تشریف لے گئے تو زلیخا نے دروازہ بند کر دیا۔ کمرے میں موجود تمام بتوں کے مجسموں پر پردہ ڈال دیا۔ (یاد رہے اس وقت اہل مصر بت پرستی کی ذلیل لعنت میں گرفتار تھے) اور اصرار کرنے لگی کہ مجھے شاد کام کرو تاکہ میری نفسانی خواہشات کی تسکین ہو سکے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کیلئے وہ وقت سخت آزمائش کا تھا۔

شاہی خاندان کی حسین عورت آرائش حسن وزینت کی بے پناہ نمائش اور آپ علیہ السلام کے عشق میں جنون کی حد تک مبتلا زلیخا۔ دوسرا مکمل تنہائی، دروازے بند نہ کسی رقیب کا ڈر نہ خوف، حالات سازگار ان تمام حالات کے باوجود اللہ جل شانہٗ کے مقرب اور محبوب نبی علیہ السلام کے دل مبارک میں ایک لمحہ کیلئے بھی شیطان کسی قسم کا وسوسہ ڈالنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نازک موقعہ پر حضرت یوسف علیہ السلام نے تاریخی اعتبار کے دلائل ارشاد فرمائے جو اللہ کے نبی علیہ السلام کا ہی طرہ امتیاز ہو سکتے ہیں۔ ایک پیکرِ عصمت امینِ نبوت ہی ایسے کلمات کہہ سکتا ہے ارشاد فرمایا:

''اے زلیخا یہ ناممکن ہے۔ خدا کی پناہ میں اور اپنے مالک حقیقی کی نافرمانی کروں جس کا اسم جلالت ''اللہ'' ہے اور وہ تمام کائنات کا مالک ومختار ہے۔ دوسرا میں اپنے مربی عزیزِ مصر کی امانت میں خیانت کروں جس نے مجھے غلام ہوتے ہوئے یہ حرمت، عزت اور مقام دیا ہے۔ میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا اگر میں نے ایسا کیا تو ظالم ٹھہروں گا اور ظالموں کے لئے کبھی فلاح نہیں ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کے ان ایمان افروز کلمات کے باوجود زلیخا پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس پر نفس کا بھوت بری طرح سوار تھا۔ وہ آگے بڑھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کے اپنے بستر پر لے جانے کی کوشش کی۔ آپ علیہ السلام نے اپنے رب ذوالجلال والاکرام کی برہان کے مطابق صاف انکار فرماتے ہوئے اپنا ہاتھ جھٹک دیا اور دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔ زلیخا نے پیچھے سے آپ علیہ السلام کا دامن پکڑ لیا اس کشمکش میں پچھلی طرف سے کرتہ (قمیض) مبارک پھٹ گیا۔ آپ علیہ السلام بھاگ کر کمرے سے باہر نکل آئے۔ (سورہ یوسف آیات 22 تا 29 میں اس واقعہ کا ذکر موجود ہے)۔

زلیخا نے جب دیکھا کہ آپ علیہ السلام کمرے سے باہر تشریف لے گئے ہیں تو اس نے خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے اپنی کنیزوں کو ساتھ شامل کر کے شور مچانا شروع کر دیا اور سارا الزام حضرت یوسف علیہ السلام کے سر تھوپنے کی کوشش کی۔ حضرت یوسف علیہ السلام بھاگتے ہوئے جب دروازے سے باہر تشریف لائے تو باہر عزیزِ مصر اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ کھڑا نظر آیا۔ زلیخا نے اپنی جان بچانے کے لئے فوراً واویلا شروع کر دیا اور عزیزِ مصر سے

کہنے لگی کہ ایسے شخص کی سزا قید خانہ اور دردناک عذاب کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے جو تیرے اہل کے ساتھ بدارادہ رکھتا ہو۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ سراسر بہتان ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس عورت نے خود مجھے برے ارادہ سے اپنے کمرہ میں طلب کیا تھا اور میں خود کو بچاتے ہوئے کمرے سے بھاگ کر باہر آیا ہوں۔ اب یہ خود کو اپنی اس حرکت سے بچانے کے لئے جھوٹ کا سہارا لے رہی ہے۔ عزیز مصر اس صورت حال سے سخت پریشان ہوا اور سوچنے لگا کیا کرے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کا ثبوت

عزیز مصر نے جب حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کا یہ حال دیکھا تو سخت غضب ناک ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس موقعہ پر عزیز مصر کا چچازاد بھائی جو کہ نہایت عقل مند، ذکی اور فطین تھا بول اٹھا ''اے عزیز مصر یوسف (علیہ السلام) کے خلاف کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے میری رائے پر عمل کرو۔ اس طرح گناہ گار اور بے گناہ دونوں کا علم ہو جائے گا۔'' عزیز مصر نے کہا تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ بولا یوسف (علیہ السلام) کا کرتہ دیکھا جائے۔ اگر کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو یوسف (علیہ السلام) قصوروار اور زلیخا سچی ہے۔ اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو یوسف علیہ السلام اپنے قول میں سچے ہیں جبکہ زلیخا جھوٹی ہے۔ چچازاد بھائی کی دانش مندی پر مبنی بات عزیز مصر کے دل کو ایسی لگی کہ اس نے فوراً یوسف علیہ السلام کا پیراہن مبارک دیکھنے کا حکم دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ مبارک پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔ عزیز مصر اصل صورت حال کو بھانپ گیا اور کہنے لگا اے یوسف (علیہ السلام) سچے تم ہی ہو مگر اپنی عزت و ناموس کی خاطر معاملہ کو ختم کرتے ہوئے کہنے لگا اے یوسف (علیہ السلام) درگزر سے کام لیتے ہوئے یہ معاملہ یہیں ختم کردو۔ پھر اپنی بیوی زلیخا سے کہنے لگا یہ سب تیرا ہی مکروفریب ہے اور تم عورتوں کا مکروفریب بہت ہی بڑا ہوتا ہے۔ بلاشک وشبہ تو ہی خطاکار ہے اس لئے اپنی حرکت بد کے لئے استغفار اور معافی مانگ (سورۃ یوسف آیات 26 تا 29)۔ عزیز مصر، زلیخا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ کو سورہ یوسف میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

زلیخا کا شاہی خاندان اور عمائدین کی عورتوں کو دعوت پر بلانا

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام و زلیخا کے واقعہ کو رسوائی کے خوف سے گھر میں ہی ختم کر دیا تھا۔ مگر یہ بات زیادہ عرصہ تک پوشیدہ نہ رہ سکی۔ آہستہ آہستہ شاہی خاندان اور عمائدین کی عورتوں کو اس کا علم ہو گیا۔ وہ کہنے لگیں عزیز مصر کی بیوی کس قدر بے حیا ہے کہ اس قدر بلند رتبہ کی مالکہ ہوتے ہوئے ایک معمولی غلام سے اختلاط کا قصد کر بیٹھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عورتوں کی یہ باتیں زلیخا تک بھی پہنچ گئیں۔ زوجہ عزیز مصر عورتوں کی یہ باتیں برداشت نہ کر سکی۔ اس نے ارادہ کرلیا کہ میں ان عورتوں کو حسن یوسف (علیہ السلام) میں گرفتار کر کے ایسا انتقام

لوں گی کہ آئندہ کوئی بات نہ کر سکے گی۔ زلیخا نے یہ سوچ کر ایک روز تمام شاہی خاندان اور عمائدین کی عورتوں کو اپنے ہاں دعوت پر مدعو کیا۔ جب تمام عورتیں اس کے ہاں اکٹھی ہو چکیں تو دستر خوان پر ان سب کو ایک ایک چھری اور ایک ایک لیمو اور بعض روایات کے مطابق سیب دے کر کہا اس کو کاٹو۔ عورتیں جب پھل کاٹنے لگیں تو زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جنہیں اس نے پہلے ہی پردے کے پیچھے کھڑا کیا ہوا تھا باہر آنے کو کہا۔ آپ علیہ السلام پردے سے باہر تشریف لائے تو زلیخا نے عورتوں سے کہا۔ دیکھو یہ ہے یوسف (علیہ السلام)۔ چہرہ انور پر نظر پڑتے ہی عورتوں کی حالت یہ ہو گئی کہ انہوں نے پھل کاٹنے کے ساتھ ساتھ اپنی انگلیاں ہی کاٹ لیں اور خبر تک نہ ہوئی۔ سب بہ یک زبان پکار اٹھیں کون کہتا ہے کہ یہ انسان ہے بخدا یہ تو نور کا پتلا اور بزرگ فرشتہ ہے۔ عورتوں کی یہ کیفیت دیکھ کر زلیخا فخر یہ انداز میں ان سے یوں مخاطب ہوئی۔ یہ وہی غلام ہے جس کے عشق و محبت کے سلسلے میں تم نے مجھ پر طعن کیا تھا۔ اب بتاؤ میں اس کے ساتھ عشق کرنے میں حق بجانب ہوں کہ نہیں؟ زلیخا کی یہ بات سن کر سب خاموش رہیں (سورۃ یوسف آیات 30 تا 32)۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن جمال کی تابانی کا یہ حال ہے کہ بڑے بلند رتبہ والی مصری عورتیں اس حد تک اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھیں کہ اپنی انگلیاں ہی کاٹ لیں اور خبر تک نہ ہوئی تو ہمارے آقا و مولا سید المرسلین فخر کونین تاجدار عرب وعجم نور مجسم سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حسن و جمال کا کیا حال ہوگا کہ ایک اشارے پر عرب کے عشاق گردنیں کٹوا دیتے تھے۔

عزیز مصر کی بیوی نے عورتوں سے کہا بے شک یوسف (علیہ السلام) نے میری بات نہیں مانی مگر میں یہ کہہ دیتی ہوں کہ اگر اس نے میرا کہنا نہ مانا تو پھر قید میں ہی جا کر رہے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب زلیخا اور دوسری عورتوں کے خیالات بد کا اچھی طرح اندازہ فرما لیا تو اللہ کے ہاں دست سوال بلند فرما کر عرض کیا "اے ارض وسما کے مالک یہ عورتیں مجھے جس طرف بلا رہی ہیں اسکے مقابلے میں مجھے قید میں رہنا زیادہ پسند ہے۔ اگر تو نے میری مدد نہ فرمائی تو عجب نہیں کہ میں ان کی طرف مائل ہو کر نادانوں میں سے ہو جاؤں۔ بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔" اللہ کریم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی۔ عورتیں ذلیل و رسوا ہوئیں اور کامیابی کا سہرا حضرت یوسف علیہ السلام کے سر رہا۔ (سورہ یوسف آیت 30 تا 34 میں اس واقعہ کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے)۔

مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چار سو سال قبل (تقریباً 1937 ق م) کا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی اسیری

عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت کو اچھی طرح جانتا تھا اور اس کی پوری کوشش تھی کہ آپ علیہ السلام کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ مگر اس کی بیوی زلیخا بدستور حضرت یوسف علیہ السلام کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ عزیز مصر نے اپنی ذلت ورسوائی کے خوف سے حضرت یوسف علیہ السلام کو بے گناہ جانتے ہوئے بھی ایک مدت کے لئے زندان

میں بند کر دینے کا حکم دیا تا کہ لوگوں کے ذہنوں سے یہ واقعہ محو ہو جائے اور اسکی عزت محفوظ ہو سکے۔ اس طرح ایک بے خطا کو خطاوار اور معصوم کو مجرم بنا کر اسیر کر دیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ اور علمی و عملی جوہر قید خانہ میں بھی مخفی نہ رہے۔ داروغہ جیل آپ علیہ السلام کے حلقہ مریدین میں داخل ہو گیا اور جیل کا تمام انتظام وانصرام آپ علیہ السلام کے سپرد کرتے ہوئے قید خانے کا مالک و مختار بنا دیا۔ اس طرح اللہ کریم نے آپ علیہ السلام کو حالت اسیری میں بھی بلند مقام عطا فرمایا۔ قید خانے میں موجود تمام قیدی آپ علیہ السلام کے حلقہ بگوش ہو کر دین حق کی لازوال دولت سے مالا مال ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے زندان میں بھی دعوت و تبلیغ حق کا کام جاری رکھا۔ قید خانے میں آپ علیہ السلام کے پاک اوصاف اور بلند عملی زندگی کا شہرہ تھا۔

زندان میں شاہی باورچی اور ساقی کے خواب کی تعبیر

حضرت یوسف علیہ السلام زندان میں تبلیغ حق کی ذمہ داری پوری فرما رہے تھے کہ انہی ایام میں مزید دو نوجوان قید خانے میں لائے گئے۔ ان میں سے ایک شاہی باورچی اور دوسرا شاہی ساقی تھا۔ ایک روز وہ دونوں حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم دونوں نے الگ الگ خواب دیکھا ہے۔ آپ نہایت نیک اور عبادت گزار ہیں اس سلسلے میں ہماری راہ نمائی فرمائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں تمہاری ضرور راہ نمائی کروں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خواب کی تعبیر کا علم عطا فرمایا ہے۔ تم اپنا اپنا خواب بیان کرو۔ شاہی ساقی کہنے لگا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب بنانے کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹیوں کا خوان ہے اور پرندے اس سے کھا رہے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور تبلیغ حق کا فریضہ سب سے پہلے ادا فرماتے تھے۔ اسی لئے قید میں رہتے ہوئے بھی اس عظیم فریضہ سے غافل نہیں رہ سکتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا دوستو تمہارے خواب کی تعبیر بتانا کچھ مشکل نہیں ہے۔ میں یہ کام فوراً کر دیتا ہوں مگر اس سے پہلے میری چند باتیں نہایت غور سے سنو جو تمہارے لئے دین و دنیا دونوں میں نہایت ہی فائدہ مند ثابت ہوں گی پھر یوں ارشاد فرمایا: سورۃ یوسف آیات 37 تا 40

''میں نے ان لوگوں کا راستہ کبھی اختیار نہیں کیا جو اللہ اور آخرت کے منکر ہیں۔ میں نے اپنے باپ دادا حضرت ابراہیم و حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی ملت کی پیروی کی ہے۔ ہم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کریں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جو اس نے ہم پر اور دوسرے لوگوں پر کیا ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔ دوستو تم نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ جدا جدا معبودوں کا ہونا بہتر ہے یا اللہ وحدہٗ لا شریک کا جو سب پر غالب ہے؟ تم لوگ جن کی عبادت کرتے ہو ان کی حقیقت اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہ وہ چند نام ہیں جن کو تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیا ہے'' ''وغیرہ''۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے مذکورہ ہدایات کے کلمات ادا فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ''دوستو تم میں سے جس نے خواب میں انگور نچوڑتے دیکھا ہے وہ پھر آزاد ہو کر اپنے سابقہ کام پر لگ جائے گا جبکہ دوسرا جس نے روٹیوں کا خواب دیکھا ہے اسے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا اور اس کا سر پرندے نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ میں نے جو تعبیر بتائی ہے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور ایسا ہی ہو کر رہے گا'' (سورۃ یوسف آیت 41)۔ کچھ دنوں بعد دونوں قیدیوں کے ساتھ وہی معاملہ پیش آیا جس کے بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام ارشاد فرما چکے تھے۔

عزیز مصر کا خواب اور اس کی تعبیر

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب یہ واقعہ پیش آیا اس وقت مصر پر عمالقہ قوم حکمران تھی جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اصل میں یہ قوم عرب عاربہ کی ایک شاخ تھی۔ اس قوم کا حاکم فاراع کہلاتا تھا عبرانی زبان میں یہ نام فاراع ہے جبکہ عربی زبان میں اس کو فرعون مصر کہا جاتا ہے۔ اہل سیر کے نزدیک اس وقت کے حکمران کا نام ریان تھا۔ مصری آثار قدیمہ میں یہ نام آیونی مشہور ہے۔ کتب تاریخ میں عزیز مصر اور فرعون مصر دو الگ الگ نام ہیں جبکہ بعض کے نزدیک یہ ایک ہی نام ہے ''واللہ اعلم''

حضرت یوسف علیہ السلام ابھی قید میں ہی تھے کہ عزیز مصر یا فرعون نے ایک خواب دیکھا کہ سات موٹی اور سات دبلی پتلی گائیں ہیں دبلی گائیں موٹی کو نگل گئیں۔ پھر سات شاداب بالیں دیکھیں اور سات ہی خشک۔ سات خشک بالیوں نے سات سرسبز بالیوں کو نگل لیا۔ بادشاہ پریشان ہو کر نیند سے بیدار ہو گیا اور صبح تک اسی پریشانی کے عالم میں رہا۔ صبح کے وقت دربار میں آیا اور مشیروں و وزیروں سے خواب کا تذکرہ کیا اور ان لوگوں سے تعبیر پوچھی سب لوگ خواب سن کر فکر و سوچ میں پڑ گئے کافی سوچ بچار کے بعد اپنی بیچارگی کو چھپانے کے لئے کہنے لگے ہم لوگ سچے خواب کی تعبیر تو بتا سکتے ہیں مگر پریشان خیالات کا کوئی حل نہیں کر سکتے۔ یہ گفتگو سن کر بادشاہ کا ملازم بول اٹھا اے بادشاہ اگر آپ مجھے کچھ دیر کی مہلت دیں تو میں آپ کے خواب کی تعبیر لا سکتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا اجازت ہے جاؤ اور خواب کی تعبیر لا کر میری پریشانی ختم کرو۔ ساقی دربار فوراً قید خانے میں گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ کا خواب سنایا اور آپ علیہ السلام سے درخواست کی اس کی تعبیر ارشاد فرمائیں۔ عین ممکن ہے اس طرح بادشاہ کو آپ علیہ السلام کی بے گناہی کا احساس ہو جائے اور وہ آپ کو رہا کر دے کیونکہ آپ علیہ السلام جو تعبیر بتائیں گے وہ ہر حال میں صحیح ہو گی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر واستقلال کا اندازہ کریں کہ بادشاہ کی زیادتی اور ظلم کا شکوہ کرنے کی بجائے فوراً خواب کی تعبیر بتانے کو تیار ہو گئے۔ اگر آپ علیہ السلام چاہتے تو تعبیر نہ بتاتے اور یوں ظالم عزیز اور اس کی قوم قحط کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جاتی مگر ایسا کرنا شانِ نبوت کے خلاف تھا۔ نبی تو امت کے لئے باعث رحمت ہوتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا سات دبلی پتلی گائیں موٹی تازی گایوں کو کھا گئیں کا مطلب یہ ہے کہ مصر میں

سخت ترین قحط پڑے گا۔ سات سرسبز بالیوں کا کھایا جانے سے مراد بھی یہی ہے اس قحط کا زمانہ سات سال ہوگا۔ موٹی گائیں اور سرسبز بالیاں خوش حالی کے سال ہیں۔ پہلے سات سال تمہاری خوشحالی کے ہوں گے جس میں پیدا ہونے والا اناج اور میوہ جات اس قدر زیادہ ہوں گے کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے جبکہ اس سے اگلے سات سال اس قدر قحط کا زمانہ ہوگا کہ تم لوگ ایک ایک دانے اور سرسبزی کو دیکھنے کیلئے ترس جاؤ گے۔ قحط کے سالوں کے بعد ایک برس ایسا آئے گا کہ خوب بارشیں ہوں گی کھیت ہرے بھرے ہو جائیں گے اور لوگ پھلوں اور دانوں سے عرق اور تیل بہتات سے نکالیں گے۔ (سورہ یوسف میں اس خواب کی تعبیر کا ذکر موجود ہے۔ آیات 46 تا 49)

ساقی نے واپس جا کر بادشاہ کو خواب کی تعبیر بتائی جسے سن کر بادشاہ آپ علیہ السلام کی ذہانت کا قائل ہو گیا فوراً قید خانے کے داروغہ کو حکم بھیجا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو رہا کرنے کے بعد نہایت عزت واحترام کے ساتھ دربار میں پیش کیا جائے۔ قید خانے میں حضرت یوسف کو بادشاہ کا حکم سنایا گیا جسے سن کر آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا بادشاہ جب تک مصر کی عورتوں والے معاملے کا فیصلہ نہیں کرتا میں یہاں سے باہر نہیں جاؤں گا۔ آپ علیہ السلام کا یہ فرمانا حق وصداقت کا ثبوت تھا کیونکہ منصب نبوت کی یہی شان ہے کہ جب تک ان پر لگائے گئے الزام کا فیصلہ ان کے حق میں نہ ہو جائے وہ قید خانے سے باہر تشریف نہ لائیں۔ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب سن کر تمام عورتوں کو دربار میں طلب کیا اور اصل حقیقت حال بیان کرنے کا حکم دیا۔ عورتوں نے یک زبان یوں کہا۔

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

ترجمہ:۔ ”کہا (بادشاہ نے) تمہارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسف (علیہ السلام) سے اپنے مطلب کی خواہش کی۔ عورتیں بولیں اللہ کو پاکی ہے ہم نے ان میں کوئی بدی نہ پائی۔ عزیز کی عورت بولی اے بادشاہ جو حقیقت تھی وہ اب ظاہر ہو چکی۔ ہاں وہ میں ہی تھی جس نے یوسف (علیہ السلام) پر ڈورے ڈالے کہ اپنا دل ہار بیٹھی بلاشبہ وہ اپنے بیان میں سچے ہیں۔“ (سورہ یوسف۔ آیت 51)

عورتوں کے اقرار کے بعد زلیخا جو اس وقت تک عشق ومحبت کی بھٹی میں خام نہیں کندن ہو چکی تھی سچ کا اقرار کر لیا۔ فرعون پر جب حقیقت حال ظاہر ہو گئی تو اس کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت وجلالت کا سکہ بیٹھ گیا۔ آپ علیہ السلام کی دانش مندی، دانائی، تدبر اور خواب کی دل لگتی تعبیر نے بادشاہ وقت کو حضرت یوسف علیہ السلام کا گرویدہ بنا دیا۔ فوراً حکم دیا کہ اس عظیم شخصیت کو زندان سے نکال کر میرے پاس لایا جائے۔ حکم کی تعمیل کے لئے عہدیدار زندان میں پہنچے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو خوشخبری سنائی کہ آپ (علیہ السلام) کی بے گناہی ثابت ہو چکی ہے۔ تمام عورتوں اور زلیخا نے اپنی حرکات کا اعتراف کر لیا ہے۔ بادشاہ آپ علیہ السلام سے بہت خوش ہے اور دیدار کا

طالب ہے۔ آپ علیہ السلام ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں۔ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا۔ جس نے آپ کی بے گناہی کو بھرے دربار میں ثابت کر دیا اور پھر فرعون کی ملاقات کے لئے زندان سے باہر تشریف لائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے مختار عام کی حیثیت سے

حضرت یوسف علیہ السلام جب بادشاہ مصر کے دربار میں تشریف لے گئے تو بادشاہ نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے پہلو میں بیٹھنے کی درخواست کی۔ حضرت یوسف علیہ السلام شان بے نیازی سے تشریف فرما ہوئے تو شاہ مصر نے عرض کیا اے عقل و دانش کے بادشاہ خواب کی تعبیر میں جس قحط سالی کا ذکر فرمایا ہے اس سلسلے میں مجھے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا (سورۃ یوسف آیت 55) ''اے بادشاہ اپنی سلطنت کے خزانوں پر مجھے مختار عام کر دیں۔ میں ان کی حفاظت کروں گا اور میں اس کام کو خوب جاننے والا ہوں۔'' بادشاہ نے اسی وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی حکومت کا امین اور کفیل بنانے کا اعلان کرتے ہوئے خزانوں کی کنجیاں آپ علیہ السلام کے حوالے کر دیں اور آپ علیہ السلام کو مختار عام بنا دیا۔ قربان جائیں اللہ کی قدرت کاملہ کے کہ وہی یوسف علیہ السلام جو بحیثیت غلام شاہ مصر کے ہاتھ فروخت ہوئے اب ''مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ'' یعنی زمین کے مالک بن چکے تھے۔ قرآن عزیز کی سورۃ یوسف میں مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ (آیات 21 تا 56) دو جگہ پر آپ علیہ السلام کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی تدابیر

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب مصر کی مختاری ملی اس وقت عمر مبارکہ تیس (30) برس تھی۔ آپ علیہ السلام نے ملک کو قحط سالی سے محفوظ رکھنے کی جو تدابیر فرمائیں تورات میں ان کی تفصیل ان الفاظ میں مذکور ہے۔

''حضرت یوسف علیہ السلام مصر کی سرزمین پر ہر جگہ تشریف لے گئے۔ ابتدائی سات سالوں میں زمین اجناس کی دولت سے مالا مال تھی۔ آپ علیہ السلام نے ان سالوں میں پیدا ہونے والا غلہ جو حساب اور پیمائش سے باہر تھا بستیوں میں ذخیرہ کرنے کا حکم دیا۔ خوش حالی کے سات سالوں میں متواتر غلہ کثیر تعداد میں بالیوں میں ہی ذخیرہ ہوتا رہا (سورۃ یوسف آیت 47) پھر جب خشک سالی کے سات سالوں کی ابتداء ہوئی تو آہستہ آہستہ سارے علاقوں میں لوگ بھوک کا شکار ہونے لگے۔ کھانے کیلئے ایک دانہ تک باقی نہ بچا۔ لوگ فرعون کے پاس آ کر اس مصیبت کی وجہ سے چلانے لگے اور فریاد کی اے بادشاہ تمام روئے زمین پر قحط پڑ گیا ہے ہم بھوک کے ہاتھوں ہلاک ہو رہے ہیں۔ فرعون نے ان سے کہا یوسف کے پاس جاؤ وہ تمہیں جو کہے تم ویسا ہی کرو۔ اس طرح یوسف علیہ السلام نے تدبیر سے ذخیرہ شدہ غلہ مصری اور دیگر ممالک کے لوگوں کو بخش کر ان کی جانیں بچائیں اور اعلان عام کر دیا کہ حکومت کے پاس

غلہ موجود ہے جو ضرورت مندوں کو مل سکتا ہے۔ لوگ جوق در جوق مصر غلہ حاصل کرنے کے لئے آنے لگے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور برادران

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی جو تعبیر ارشاد فرمائی تھی اس کے مطابق قحط سالی کے سات برسوں کا جب آغاز ہوا تو جلد ہی مصر اور اطراف میں غلے کی قلت پیدا ہو گئی۔ کنعان بھی شدید قحط سالی کا شکار ہو گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ عزیز مصر نے اعلان کیا ہے کہ اس کے پاس غلہ محفوظ ہے، تم لوگ مصر جاؤ اور وہاں سے غلہ لے کر آؤ تاکہ گزر اوقات ہو سکے۔ برادران یوسف کنعان سے روانہ ہوئے اور مصر پہنچ گئے۔ خدا کی قدرت دیکھیں کہ وہی بھائی جو حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی ختم کرنے کے درپے تھے، آپ علیہ السلام کو کنویں میں پھینک کر اپنی خباثت کا ثبوت دے چکے تھے۔ آج یوسف علیہ السلام کے دربار میں سوالی کی حیثیت سے کھڑے تھے۔ بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے جبکہ آپ علیہ السلام نے ان لوگوں کو پہچان لیا۔ قرآن کریم میں سورہ یوسف کی آیت اس بات کی شاہد ہے ارشاد فرمایا: سورۃ یوسف آیت 58

وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۝۵۸

"پھر ایسا ہوا کہ بھائی (مصر) آئے۔ وہ جب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو اس نے فوراً ان کو پہچان لیا اور وہ یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے۔" (سورہ یوسف آیت 58)

برادران یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام سے غلہ حاصل کرنے کی درخواست کی۔ آپ علیہ السلام نے بھائیوں سے حضرت یعقوب علیہ السلام، بن یمین اور دیگر گھر کے حالات کرید کرید کر دریافت فرمائے اور یوں تمام حالات سے آگاہ ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے ان لوگوں کو حسب مرضی غلہ عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا یہ قحط جلد ختم ہونے والا نہیں اس لئے تم لوگ جب دوبارہ میرے پاس غلہ لینے آؤ تو اپنے چھوٹے بھائی کو بھی ہمراہ لے کر آنا۔ اگر تم لوگ اس کے بغیر آئے تو تمہیں ہرگز غلہ نہیں ملے گا۔ بھائیوں نے پکا وعدہ کیا وہ کنعان واپسی کیلئے روانہ ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے نوکروں نے خاموشی سے وہ رقم جو برادران نے غلہ کی خریداری کے لئے ادا کی تھی کجاووں میں رکھ دی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسا حکم اس لئے دیا تھا کہ یہ لوگ گھر جا کر جب رقم دیکھیں گے تو دوبارہ ضرور مصر آئیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور بن یمین

برادرانِ یوسف کنعان واپس پہنچے تو اونٹ غلے سے لدے ہوئے تھے۔ خوشی خوشی والد محترم کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام یعنی عزیز مصر کا پیغام بھی دیا اور کہا اس نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ آئندہ اگر تم غلہ لینے میرے پاس مصر آئے تو تمہارا چھوٹا بھائی بن یمین بھی تمہارے ساتھ ہونا چاہئے۔ یاد رکھو اگر تم لوگ

اکیلے آئے تو میں تمہیں غلے کا ایک دانہ بھی نہیں دوں گا۔ اس لئے اے والد محترم اس دفعہ جب ہم غلہ لینے جائیں تو ہمارے سوتیلے بھائی بن یمین کو ہمارے ساتھ ضرور بھیج دینا۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اسکی پوری پوری نگہداشت وحفاظت کریں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی بات سن کر فرمایا میں بن یمین کو تمہارے ساتھ ہرگز روانہ نہیں کروں گا کیونکہ پہلے تم یوسف (علیہ السلام) کیساتھ کیا معاملہ کر چکے ہو۔

اس گفتگو کے بعد لڑکوں نے سامان کھولا تو دیکھا ان کی وہ پونجی جو غلے کی خریداری کے وقت مصر میں ادا کر چکے تھے غلے میں ہی موجود ہے۔ سب یک زبان کہنے لگے اے ہمارے والد دیکھو عزیز مصر ہم پر کس قدر مہربان ہے ہمیں غلہ بھی دیا اور ہماری پونجی بھی واپس کردی۔ اس لئے آپ (علیہ السلام) ہمیں دوبارہ مصر جانے کی اجازت دیں اور بن یمین کو بھی ہمارے ہمراہ روانہ کریں تاکہ ہم گھر والوں کے لئے بہت سا سامان رسد لاسکیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد کرو کہ ہر حال میں بن یمین کی حفاظت کرو گے اس پختہ عہد کے بعد میں تمہیں اجازت دوں گا۔ سب نے مل کر اللہ کے نام پر باپ سے پختہ عہد کیا۔ تب حضرت یعقوب علیہ السلام نے بن یمین کو بھائیوں کے ساتھ جانے کی اجازت عطا فرمائی۔ یہاں ایک بات خاص طور پر ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ عہد محض ظاہری اسباب کی خاطر لیا گیا تھا ورنہ وہ لوگ کیا اور ان کا عہد کیا اصل نگہبان تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

برادران یوسف علیہ السلام بن یمین کو ہمراہ لے کر دوبارہ غلہ حاصل کرنے کے لئے مصر روانہ ہوئے۔ راستے میں بن یمین کو تنگ کرتے رہے کبھی پوچھتے تمہارے اندر کیا خوبی ہے کہ عزیز مصر نے تمہیں خاص طور پر بلایا ہے۔ کبھی اسے والد کی محبت کا طعنہ دیتے۔ غرض بھائی کو کسی نہ کسی بہانے سے تنگ کرتے رہے۔ بن یمین سب کچھ خاموشی سے سنتے اور برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ لوگ مصر پہنچ گئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق برادران یوسف مصر کے الگ الگ دروازوں سے شہر میں داخل ہوئے۔ والد ماجد نے یہ ہدایت اس لئے فرمائی تھی کہ گزشتہ دورے کی مانند پھر اکٹھے کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہوجائیں۔ الگ الگ شہر میں داخل ہونے سے تمام بھائی کسی ایک مصیبت میں اکٹھے گرفتار نہیں ہوسکتے تھے۔ برادران حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ علیہ السلام اپنے چھوٹے بھائی بن یمین کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے مگر کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ حکم فرمایا ان لوگوں کو شاہی مہمان خانے میں بڑی عزت وتکریم کے ساتھ بطور مہمان خاص ٹھہرا کر ان کی ہر اعتبار سے خاطر مدارات کی جائے۔ چندروز مصر میں ٹھہرے جب برادران یوسف نے کنعان جانے کی اجازت طلب کی حضرت یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ گروہ کنعان کے اونٹوں پر اس قدر غلہ لاد دیا جائے جتنا وہ اٹھا سکیں۔ پھر بڑی عزت کے ساتھ اس قافلے کو روانہ کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام چاہتے تھے کہ اپنے بھائی بن یمین کو مصر میں اپنے پاس روک لیں مگر مصری قانون کے مطابق کسی معقول وجہ کے بغیر ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک تدبیر فرمائی کسی کو اطلاع دیئے بغیر چاندی کا وہ پیمانہ جس سے وزن کیا جاتا تھا بن یمین کے کجاوہ میں رکھوا دیا۔ کنعانیوں کا یہ قافلہ جب روانہ ہوگیا تو شاہی کارندوں کو علم ہوا کہ چاندی کا پیمانہ غائب ہے۔ فوراً سرکاری اہل کار قافلے کے پیچھے دوڑے اور کچھ دور جا کر

قافلے کو روک کر تلاشی لی۔ بن یمین کے کجاوے سے وہ پیمانہ مل گیا۔ اس طرح ان کو چوری کے الزام میں روک لیا گیا۔

برادران یوسف نے جب دیکھا کہ بن یمین چوری کے الزام میں پکڑا گیا ہے تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے آگے رورو کر منت سماجت کرنے لگے کہ اے عزیز مصر ہمارے اس بھائی کو چھوڑ دیا جائے پہلے ہی اس کا بڑا بھائی بھیڑیئے کی نظر ہو چکا ہے۔ جس کے غم میں ہمارے والد ہر وقت روتے رہتے ہیں اور ایسا کرنے سے ان کی بینائی ہی جاتی رہی ہے۔ اب اگر بن یمین بھی ہمارے ہمراہ واپس نہ گیا تو ہمارے والد یہ صدمہ برداشت نہیں کرسکیں گے۔ عزیز مصر نے کہا اس شخص پر چوری کرنا ثابت ہو چکا ہے اس لئے قانون کے مطابق اس کو چھوڑ دینا ظلم ہے جو میں ہرگز نہیں کرسکتا۔ اب برادران یوسف سر جوڑ کر بیٹھے اور سوچنے لگے کیا کیا جائے ادھر حضرت یوسف علیہ السلام نے بن یمین سے فرمایا تمہیں گھبرانے کی ہرگز ضرورت نہیں میں تمہارا کھویا ہوا حقیقی بھائی یوسف ہوں۔ یہ سن کر بن یمین فرط مسرت سے یوسف علیہ السلام کے گلے لگ گئے مدتوں کے بچھڑے ہوئے آج جس انداز سے مل رہے تھے وہ نظارہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائی سے فرمایا دوسرے بھائیوں کو ہرگز علم نہ ہو کہ میں یوسف ہوں اور تمہیں تمام حالات کا علم ہو چکا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا لوٹ آنا

برادران یوسف علیہ السلام بڑی پریشانی کے عالم میں کنعان واپس جارہے تھے بن یمین ان کے ہمراہ نہیں تھا۔ راستے میں سب سوچتے جارہے تھے کہ والد اس خبر کو سن کر کیسے برداشت کریں گے بہر حال یہ لوگ وطن واپس آئے اور سارا واقعہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے گوش گزار کیا۔ آپ علیہ السلام یہ سب کچھ سن کر سخت اداس ہو گئے۔ بہر حال حضرت یعقوب علیہ السلام ایک دفعہ پھر اللہ کی رضا کے لئے خاموش ہو گئے۔

صحیح روایت میں آتا ہے کہ برادران یوسف علیہ السلام جب تیسری دفعہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں مصر پہنچے تو آپ علیہ السلام نے ان کا حال سنا۔ وہ سخت مصیبت میں تھے اور آپ علیہ السلام سے غلہ حاصل کرنے کی درخواست کر رہے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں اور والد ماجد کی پریشانی کا حال سنا تو دل بھر آیا ضبط نہ فرما سکے کہ مزید خود کو بھائیوں سے چھپائیں ارشاد فرمایا: سورۃ یوسف آیت 89

قَالَ هَلۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا فَعَلۡتُمۡ بِيُوسُفَ وَاَخِيۡهِ اِذۡ اَنۡتُمۡ جٰهِلُوۡنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ۔ ”کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا معاملہ کیا جبکہ تم جہالت میں غرق تھے“۔

برادران یوسف نے یہ غیر متوقع گفتگو عزیز مصر کی زبانی سنی تو پریشان ہو گئے کہ کہاں عزیز مصر اور کہاں یوسف (علیہ السلام)، پھر عزیز مصر کے لب ولہجہ پر غور کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی شکل مبارک آنکھوں کے سامنے آ گئی فوراً بول اٹھے۔ (سورہ یوسف آیت 90)

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۹۰

ترجمہ۔ ''انہوں نے کہا کیا تم واقعی یوسف (علیہ السلام) ہی ہو؟ کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی اللہ نے ہم پر احسان کیا۔ بے شک جو پرہیز گار اور صبر کرے تو اللہ نیکوں کی نیکی ضائع نہیں کرتا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ہاں بے شک میں ہی یوسف (علیہ السلام) ہوں۔ بھائی یہ سن کر ندامت، شرمساری اور خفت سے زمین میں گڑے جارہے تھے۔ ادھر سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے پیغمبرانہ شان کے مطابق عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے بھائیوں کو معاف فرما دیا اور اپنا کرتہ (قمیض) مبارک انہیں دے کر فرمایا واپس کنعان چلے جاؤ۔ میرا یہ کرتہ (قمیض) والد محترم کی آنکھوں پر لگانا انشاء اللہ بصیرت واپس آجائے گی۔ پھر سب اہل خاندان کو لے کر مصر چلے آئیں یہاں میں تم لوگوں اور اہل خاندان کو بڑی عزت و تکریم سے آباد کروں گا۔ برادران کرتہ مبارک لے کر مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوئے ادھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اہل خاندان سے ارشاد فرمایا مجھے یوسف علیہ السلام کی مہک آرہی ہے۔ اہل خاندان نے خیال کیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف (علیہ السلام) کی محبت میں اس حد تک گرفتار ہیں کہ اکثر ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد برادران یوسف والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی شان اور بلند مرتبہ کا بتا کر یوسف علیہ السلام کا کرتہ (قمیض) والد کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کرتہ (قمیض) آنکھوں سے لگایا تو فوراً بینائی لوٹ آئی۔ سبحان اللہ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اور اہل خاندان مصر میں

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اہل خاندان سے فرمایا دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ برادران یوسف والد صاحب کے سامنے سخت شرمندہ ہوئے سر جھکائے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام سے عرض کی خدا سے ہمارے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں کیونکہ اب ظاہر ہو چکا ہم سخت قصوروار اور خطا کار ہیں۔ برادران یوسف علیہ السلام کی یہ درخواست سن کر والد گرامی نے فرمایا میں اللہ سے تمہارے لئے مغفرت طلب کروں گا۔ ان لوگوں نے مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام سے مغفرت کی درخوست کی تھی جو انہوں نے کمال شفقت سے منظور فرمالی تھی۔ بہر حال حضرت یعقوب علیہ السلام اہل خاندان کے ہمراہ جن کی تعداد بقول اصحاب سیر بہتّر (72) تھی مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر جب حضرت یوسف علیہ السلام کو اطلاع ملی کہ والد گرامی اہل خاندان کے ہمراہ شہر کے قریب پہنچ چکے ہیں تو فوراً استقبال کے لئے شہر سے باہر تشریف لائے۔ حضرت یعقوب اور

حضرت یوسف علیہم السلام کی ملاقات کا منظر بڑا ہی پر اثر اور رقت آمیز تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو مدتوں کے بعد مل رہے تھے۔

حضرت یعقوب وحضرت یوسف علیہم السلام کی ملاقات

حضرت یعقوب علیہ السلام بمعہ خاندان مصر شہر سے تھوڑا سا دور خیمہ زن تھے کہ ادھر سے لختِ جگر حضرت یوسف علیہ السلام والد گرامی کی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ دونوں مدتوں کے بعد ایک دوسرے سے مل رہے تھے کچھ دیر قریب کھڑے خاموشی سے دیکھتے رہے۔ پھر یک دم بغل گیر ہو گئے۔ دونوں کی آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ ملاقات کے وقت دونوں بزرگوں کی بشری کیفیت کیا ہوگی اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جن کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا ہو۔ دوسرے تو صرف لفظوں کے استعمال سے ہی کیفیت بیان کر سکتے ہیں۔ کافی دیر تک یہ رقت آمیز منظر لوگوں نے دیکھا۔ جب دونوں جی بھر کر مل چکے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کیا اب آپ علیہ السلام خاندان سمیت امن وحفاظت اور عزت واحترام کے ساتھ شہر میں تشریف لے چلیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے اہل خاندان بڑی عزت وتکریم کے ساتھ شاہی سواریوں پر بیٹھ کر شہر میں داخل ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم پر شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور اہل خاندان کو بڑی شان وشوکت کے ساتھ شاہی محل میں بطور معزز مہمان ٹھہرایا گیا۔

خاندان حضرت یوسف علیہ السلام کا دربار شاہی میں آنا

حضرت یوسف علیہ السلام جب والد بزرگ وار اور اہل خاندان کو عزت کے ساتھ شاہی محل میں ٹھہرا چکے تو آپ علیہ السلام نے اپنے والد گرامی اور اہل خاندان کو دربار میں طلب کرنے کا ارادہ فرمایا تاکہ مصری اہل ثروت و درباری ان کے ساتھ شرف ملاقات حاصل کر سکیں اور یوں اہل مصر حضرت یعقوب علیہ السلام کے رتبہ سے باخبر ہو سکیں۔ بہر حال اگلے روز دربار منعقد کرنے کا حکم دیا۔ والد گرامی قدر حضرت یعقوب علیہ السلام کو تخت شاہی پر جگہ دی گئی۔ جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام محل سے نکل کر شاہی دربار میں تشریف لائے اور تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئے۔ تمام اہل دربار مصری قانون کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کے تخت شاہی کے سامنے تعظیم کے لئے سجدہ ریز ہو گئے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر یوسف علیہ السلام کے اہل خاندان بھی سجدہ میں گر گئے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو بچپن میں نظر آنے والا خواب یاد آ گیا۔ والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام سے عرض کرنے لگے اے والد بزرگ وار یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو مدت گزر جانے کے بعد اللہ کے کرم نے آج پوری فرمائی۔ اس طرح میرے خواب کو اللہ کریم نے سچ ثابت کر دکھایا۔ اللہ کریم کی کرشمہ سازیوں کو وہ خود یا اس کے نبی ورسول ہی سمجھ سکتے ہیں۔ مخلوق ان باریک نکتوں کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔ حضرت یوسف

علیہ السلام کی زندگی مبارکہ میں قدم قدم پر پیش آنے والے حالات وواقعات اس کا کھلا ثبوت ہیں۔

خاندان حضرت یوسف علیہ السلام کا مصر میں مستقل آباد ہونا

تورات میں آتا ہے: (باب پیدائش آیات 33-34) فرعون نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنے خاندان کو کنعان سے ہجرت کے بعد مصر میں لاکر آباد کریں۔ میں ان کو ہر قسم کی عزت دوں گا اور ان لوگوں کو نہایت عمدہ اور زرخیز زمین پر آباد کروں گا۔ فرعون نے یہ بات بڑے اصرار کے ساتھ کہی چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کہنے پر جب اہل خاندان مصر پہنچے تو آپ علیہ السلام نے ان لوگوں کو اچھی طرح سمجھادیا کہ جب فرعون آپ لوگوں سے مصر میں مستقل آباد ہونے کی درخواست کرے تو تم اس سے فلاں جگہ کی زمین طلب کرنا اور کہنا کہ ہم لوگ قبائلی زندگی بسر کرنے کے عادی ہیں اس لئے ہم شہریوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ فرعون نے جب اہل خاندان سے مصر میں آباد ہونے کی درخواست کی تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق رہنے کے لئے جگہ کا مطالبہ کیا جسے فرعون نے فوراً منظور کرلیا۔ یوں حضرت یوسف علیہ السلام کا خاندان اپنی مطلوبہ جگہ پر آباد ہوگیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس فرمان کا حقیقی مقصد یہ تھا کہ میرے اہل خانہ مصریوں سے دور رہ کر اپنے دین پر قائم رہیں گے اور یوں مصریوں کی بت پرستی اور دیگر برے کاموں سے محفوظ رہیں گے۔ مختصراً اس طرح بنی اسرائیل کنعان سے ہجرت کرنے کے بعد مصر میں مستقل آباد ہوگئے۔

بقول ابن اسحاق حضرت یعقوب علیہ السلام (17) سترہ سال تک مصر میں اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کے پاس مقیم رہے۔ وفات کے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ مجھے مصر سے لے جاکر میرے والد حضرت اسحاق اور دادا حضرت ابراہیم علیہم السلام کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو حسب وصیت مصر سے شام لے جاکر حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے پہلو میں المنارہ کے مقام پر دفن کیا گیا۔ اس جگہ کو حبرون بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا عقد مبارک

حضرت یوسف علیہ السلام حکومت مصر کے مالک ومختار بن گئے۔ فرعون مصر نے سب اختیارات آپ علیہ السلام کو پیش کردیئے۔ فرعون مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تخت شاہی پر بٹھایا۔ آپ علیہ السلام کے سر پر تاج شاہی رکھا۔ جو جواہرات سے مرصع تھا۔ پھر خود آپ علیہ السلام کے تابع ہوکر زندگی بسر کرنے لگا۔ اسی زمانے میں عزیز مصر کا انتقال ہوگیا۔ فرعون مصر نے زلیخا کو آپ علیہ السلام کے عقد میں دے دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے زلیخا یہ حالت اس سے بہتر نہیں جو تم چاہتی تھی۔ زلیخا نے عرض کیا اے صدیق مجھے ملامت نہ کریں اس وقت میں خوبصورت وجوان تھی عیش وعشرت میرے قدموں میں تھا۔ میرا خاوند عزیز مصر عورتوں

سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتا تھا یعنی وہ عورت کے قریب جانے کے قابل نہیں تھا۔ آپ علیہ السلام خوبصورت اور حسن و جمال کے پیکر تھے میرا دل اختیار سے باہر ہو گیا مگر اللہ کریم نے آپ علیہ السلام کو معصوم رکھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو باکرہ پایا اللہ کی قدرت کہ زلیخا کا حسن لوٹ آیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے زلیخا کے ہاں دو فرزند افرائیم اور میشا پیدا ہوئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا وصال

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی مبارک زندگی کا طویل عرصہ مصر میں بسر فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے اپنے وصال شریف سے پہلے اہل خاندان سے یہ عہد لیا کہ مجھے مصر کی سرزمین میں دفن نہ کرنا بلکہ بطور امانت میرا جسم یہاں رہنے دینا پھر جب اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے یعنی بنی اسرائیل دوبارہ اپنے اجداد کی سرزمین فلسطین میں واپس آباد ہو جائیں تو میرا جسم وہاں لے جا کر دفن کرنا۔ اہل خاندان نے وعدہ کیا چنانچہ جب آپ علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو اہل مصر آپ علیہ السلام کے جسم اطہر کو بطور امانت اپنے گھروں اور محلوں میں دفن کرنے پر اصرار کرنے لگے۔ یوسف علیہ السلام کا سلوک اہل مصر کے ساتھ اس قدر بہتر اور شفقت آمیز تھا کہ یہ لوگ ایسا کرنے پر اصرار کر رہے تھے۔ آخر کافی سوچ بچار کے بعد یہ طے پایا کہ آپ علیہ السلام کے جسم اطہر کو سنگ مرمر کے تابوت میں محفوظ کر لیں اور یہ تابوت دریائے نیل میں رکھ دیا جائے تاکہ پانی اس تابوت شریفہ سے مس ہو کر گزرے اور یوں اہل مصر کے لئے باعث برکت بن جائے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام کے تابوت شریفہ کو دریائے نیل میں ہی بطور امانت رکھا گیا۔ پھر چار سو سال (400) بعد جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ لاکھ بنی اسرائیل کے ہمراہ مصر سے ہجرت فرما کر فلسطین کی طرف جاتے ہوئے دریائے نیل سے گزرے تو اس تابوت شریفہ کو اپنے ہمراہ لے گئے اور آباء و اجداد کی سرزمین میں لے جا کر بلاط کے مقام پر دفن کیا۔ بلاط فلسطین کے علاقہ نابلس کا ایک گاؤں ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا مزار پر انوار مقام بلاط میں ایک درخت کے نیچے ہے۔ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کا جب وصال شریف ہوا تو اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو دس (110) سال تھی۔ اور ایک دوسری روایت کے مطابق 120 سال تھی۔ بی بی زلیخا سے دو فرزند افراھیم اور منشا اور ایک لڑکی جس کا نام رحمت تھا حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد ہوئی۔ رحمت بنت یوسف کا نکاح حضرت ایوب علیہ السلام سے ہوا تھا جس نے بیماری میں اُن کی خدمت کی تھی اور افراھیم کی اولاد میں یوشع بن نون پیدا ہوئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفیق تھے۔ ابن اسحاق نے حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکل جائیں تو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں نہ چھوڑیں بلکہ ملک شام لے جا کر اپنے آباء و اجداد کے پاس دفن کریں اسی حکم کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تفتیش کر کے معلوم کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت سنگ مرمر کے تابوت میں دریائے نیل میں ہے پھر آپ علیہ السلام ان کو فلسطین میں لے گئے اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے برابر دفن کر دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد قوم عمالقہ مصر پر مسلط ہو گئے بنی اسرائیل کو غیر ملکی تصور کرتے ہوئے قسم قسم کے عذاب اور ایذائیں دی جاتی تھیں۔

یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ان کو اس عذاب سے نکالا۔

از البدایہ والنہایہ جلد 1 صفحہ 245 تا 256

قصص القرآن

قصص الانبیاء

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے۔ قرآن مجید میں آپ علیہ السلام کا ذکر پاک موجود ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام، سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اس قدر مقرب اور صاحب صبر نبی تھے کہ صبر ایوب (علیہ السلام) ضرب المثل کا درجہ رکھتا ہے۔ آپ علیہ السلام پر وحی الٰہی کا نزول ہوتا تھا۔ قرآن کریم کی سورہ النساء میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ النساء آیت 163

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾

ترجمہ۔ ''بے شک اے محبوب ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اس کے بعد پیغمبروں کو بھیجی، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان (علیہم السلام) کو وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی''۔ (سورۃ النساء آیت 163)

حضرت ایوب علیہ السلام کا سلسلہ نسب

حضرت ایوب علیہ السلام بن موص بن زراح بن عیص بن حضرت اسحاق علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا عہد مبارک

حضرت ایوب علیہ السلام کا عہد نبوت قریباً 1500 ق م اور 1300 ق م کے درمیان بیان کیا جاتا ہے۔ اس طرح آپ علیہ السلام کا عہد حضرت اسحاق و یعقوب علیہم السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ مبارک کے درمیان ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے پہلے ہے جس کی دلیل توراۃ کے بیان کردہ اس انکشاف سے ہوجاتی ہے۔ صحیفہ ایوب علیہ السلام کو عربی زبان سے عبرانی زبان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہی ترجمہ کیا تھا اور یہ کہ مجموعہ تورات میں سب سے قدیم صحیفہ سفر ایوب ہی ہے۔ حضرت ایوب علیہ

السلام عرب ہیں۔اس پر تمام اہل سیر کا اتفاق ہے۔آپ علیہ السلام بنی ادوم میں سے تھے۔حضرت ایوب علیہ السلام کے عہد مبارک کے بارے میں مورخین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔طبری آپ کو حضرت شعیب علیہ السلام کے بعد مبعوث ہونا تحریر کرتے ہیں جبکہ ابن اسحاق تحریر کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے ہیں مگر زمانہ معلوم نہیں ہے۔ابن عساکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہونا لکھتے ہیں۔کانٹ نے آپ علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا معاصر تحریر کیا ہے۔حضرت ایوب علیہ السلام کا زمانہ قرین قیاس اور صحت کے قریب وہی ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔زمانے کے علاوہ تمام مورخین آپ علیہ السلام کے عرب پھر بنی ادوم اور اللہ کے نبی ہونے پر متفق ہیں۔

قرآن مجید میں آپ علیہ السلام کا ذکر مبارک

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر مبارک سورہ النساء، سورہ انعام، سورہ ص، سورہ انبیاء یعنی چار سورتوں میں فرمایا ہے۔ان مذکورہ سورتوں میں سورہ انعام اور سورہ انبیاء میں محض اسم گرامی کا ذکر ہی فرمایا ہے۔جبکہ سورہ نساء اور سورہ ص میں حضرت ایوب علیہ السلام کا مجمل ذکر آتا ہے۔ان سورتوں میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام پر سخت آزمائش اور صبر وامتحان کا وقت آیا جو آپ علیہ السلام نے نہایت تحمل، صبر وشکر، بردباری اور حوصلے سے گزارا۔باوجود اتنی سخت آزمائش کے زبان پر حرف شکایت تک نہ لائے۔اللہ کریم نے حضرت ایوب علیہ السلام کے اس صبر کی وجہ سے تمام آزمائشیں اور سختیاں دور فرما کر آپ علیہ السلام کو اپنی جملہ آسائشوں، راحتوں اور فضل وعطا سے مالا مال فرما دیا۔

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل سورتوں میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے:۔

(1)	سورۃ النساء	آیت162
(2)	سورۃ الانعام	آیت 85
(3)	سورۃ الانبیاء	آیت 83
(4)	سورۃ ص	آیت41

قرآن کریم اور حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ

قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کا سورہ انبیاء اور سورہ ص میں مجمل ذکر کیا گیا ہے۔ان آیات مقدسہ میں حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعات کو مختصر بیان کیا گیا ہے۔مگر ان مختصر بیانات میں الفاظ ومعنی کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن ہے۔تورات میں سفر ایوب کے عنوان سے ایک طویل صحیفہ مذکور ہے مگر جس قدر جامعیت قرآن کریم کے مختصر بیان میں موجود ہے وہ تورات میں نہیں ہے۔حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء ورسل کی جماعت میں ایک نام شامل ہے۔وہ ہے ایوب علیہ السلام۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ؕ﴿۴۱﴾
اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌ ۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾

ترجمہ۔ اور یاد کرو ہمارے بندے ایوب کو۔ جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا لگا دی۔ ہم نے فرمایا زمین پر اپنا پاؤں مار یہ ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو۔ (سورہ ص آیت 42،41)

قرآن پاک میں حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا۔ سورۃ انعام آیت 84

وَوَهَبْنَا
لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ
وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَ
هٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۙ﴿۸۴﴾

ترجمہ۔ ''اور ہم نے ان کو (ایک بیٹا) اسحاق اور (ایک پوتا) یعقوب اور ہر ایک کو طریق حق کی ہم نے ہدایت اور (ابراہیم سے) پہلے زمانے میں ہم نے نوح کو ہدایت کی اور ان (ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔''

اس آیت مقدسہ میں جو ضمیر ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا۔ (سورہ النساء آیت 163)

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ

ترجمہ۔ ''بے شک اے محبوب ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اس کے بعد پیغمبروں کو بھیجی اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان ے بیٹوں اور عیسیٰ اور ایوب کو''۔

حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ دولت اور ثروت اور کثرت اہل وعیال کے اعتبار سے بہت ہی خوش بختی اور فیروز مندی عطا فرما رکھی تھی۔ پھر اچانک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ علیہ السلام کو سخت آزمائش میں مبتلا کر دیا۔ آپ علیہ السلام کا تمام مال ومتاع برباد ہو گیا اہل وعیال ہلاک ہو گئے اور آپ علیہ السلام کے جسم مبارک کو سخت قسم کا روگ لگ گیا۔ ان تمام مصائب کے باوجود آپ علیہ السلام کی زبان مبارک پر شکایت وشکوہ کا ایک حرف بھی نہ آیا۔ آپ علیہ السلام نے نہایت صبر وشکر کے ساتھ اللہ کریم سے صرف عرض حال ہی بیان فرمایا۔ قرآنِ کریم میں

یوں ارشاد ہوتا ہے۔(سورۃ الانبیاء آیات 83،84)

''جب ایوب علیہ السلام نے ہمیں پکارا اور عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ تو ہم نے ان کی فریاد سنی اور انہیں بتایا کہ انہیں کیا بیماری ہے اور ان کے ساتھ ان کے اہل کر دیئے اور انہی جیسے اور بھی جن میں ہماری رحمت بھی شامل تھی اور ہمارا ذکر عابدین کے لئے ہے۔'' اسی طرح سورہ ص میں بھی ارشاد فرمایا ''وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ (الخ)۔''(سورۃ ص آیت 41)

حضرت ایوب علیہ السلام اور آپ کی زوجہ

حضرت ایوب علیہ السلام کو جب جسمانی بیماری نے گھیر لیا تو آپ سخت تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ اس قدر شدید تکلیف کے باوجود صبح وشام اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے۔ جسمانی بیماری نے جب مزید شدت اختیار کر لی تو تمام عزیز واقارب آپ علیہ السلام سے دور ہو گئے۔ صرف آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ رحمت بنت یوسف علیہ السلام ابتداء سے انتہاء تک آپ علیہ السلام کے ساتھ تیمارداری میں مصروف رہیں۔ شب وروز آپ علیہ السلام کی مکمل دیکھ بھال کرتی تھیں۔ وہب کے بقول حضرت ایوب علیہ السلام متواتر تین سال اس جسمانی بیماری میں مبتلا رہے۔ ابن جریر اور ابن حاتم کہتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام اٹھارہ سال تک اس جسمانی بیماری میں شدید تکلیف کے ساتھ مبتلا رہے۔ اس مشکل وقت میں آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ہمہ وقت دیکھ بھال میں مصروف رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کو بہت اچھے الفاظ میں یاد کیا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی مدت بیماری کو ہم نے مذکورہ حوالوں سے یہاں بیان کیا ہے۔ یہ حوالہ جات کسی قدر صحیح ہیں اس سلسلے میں کوئی واضح تاریخی ثبوت تو میسر نہیں ہے۔ اصل حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا شفایاب ہونا

حضرت ایوب علیہ السلام طویل عرصہ جسمانی تکلیف میں مبتلا رہنے کے بعد صحت یاب ہوئے۔ آپ علیہ السلام کی صحت یابی کے لئے کتب تاریخی وتفسیر میں دو واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ وہ دونوں واقعات یہاں درج کر رہا ہوں۔ ان دونوں واقعات میں سے صحیح کونسا ہے اس سلسلے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی کونسا واقعہ اصل ہے اور کونسا نہیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ کوشش قبول فرمائے۔

حافظ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔ ''اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی جگہ سے اٹھو اور زمین پر ٹھوکر مارو۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے حکم خداوندی کے تحت زمین پر ٹھوکر ماری تو ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ آپ علیہ السلام نے حکم خداوندی کے مطابق اس چشمے میں غسل کیا۔ غسل کے بعد جسم کا تمام روگ فوری ختم ہو گیا۔ آپ علیہ السلام نے دوبارہ ٹھوکر ماری تو دوسرا چشمہ ابل پڑا۔ آپ علیہ السلام نے اس چشمہ سے پانی

نوش فرمایا فوری جسم کے اندرونی حصے کا روگ جاتا رہا۔ یوں آپ علیہ السلام پہلے سے بھی زیادہ تروتازہ اور صحت مند ہو گئے اور آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکرادا فرمایا۔

(تفسیر ابن کثیر)

(فتح الباری۔ جلد6۔ صفحہ326)

یہاں ایک اہم سوال ذہن میں آتا ہے کہ چشمہ ایک تھا یا دو بہرحال ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اس امر کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ قدرت نے حضرت ایوب علیہ السلام کے مرض کو ختم کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار فرمایا تھا وہ عین فطرت کے مطابق تھا۔ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ آج بھی ایسے چشمے موجود ہیں جن میں معدنی اجزاء شامل ہوتے ہیں اور ان میں نہانے سے بہت سے امراض یا تو بالکل ختم ہو جاتے ہیں یا ان میں بہت زیادہ افاقہ ہو جاتا ہے۔ یہاں فرق صرف اس قدر ہے کہ اس چشمے کا حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے ظہور اعجازی تھا جبکہ عام حالات میں ایسا اسباب کے تحت ہوا کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ارشاد فرماتے ہیں کہ صحت ایوب علیہ السلام کے سلسلے میں جو روایت صحت کو پہنچ سکی ہے وہ یہ ہے جسے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا حضرت ایوب علیہ السلام تقریباً بارہ تیرہ سال سخت مصیبت اور امتحان میں مبتلا رہے۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کے تمام عزیز واقارب ساتھ چھوڑ گئے۔ مگر دو عزیز جن کا نام تورات نے تمینی، الیفر سوخی بلدو بتایا ہے، آپ علیہ السلام کے ساتھ رہ گئے۔ وہ دونوں صبح وشام آپ علیہ السلام کے پاس آتے رہتے۔ ایک روز ان میں سے ایک کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے حضرت ایوب علیہ السلام نے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے ان کو ایسی مصیبت پیش آئی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا ان پر مہربان ہو کر شفا نہ بخش دیتا؟۔ دوسرے ساتھی نے حضرت ایوب علیہ السلام کو پہلے ساتھی کے خیالات سے آگاہ کر دیا جسے سن کر آپ علیہ السلام سخت بے چین ہوئے اور اللہ کے حضور سربسجود ہو کر دعا مانگی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد رفع حاجت کے لئے اپنی جگہ سے اٹھے اور بیوی کا ہاتھ تھام کر حاجت والی جگہ پر تشریف لے گئے۔ رفع حاجت سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی ارشاد فرمایا (سورۃ ص آیت 42) ''اے ایوب (علیہ السلام) اپنا پاؤں زمین پر مارو''۔ آپ علیہ السلام نے حسب حکم ایسا ہی کیا فوراً ''اس جگہ پر پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ آپ علیہ السلام نے چشمے میں غسل فرمایا تو پہلے سے بھی زیادہ صحت منداور توانا نظر آنے لگے پھر واپس جب اپنی بیوی کے پاس تشریف لائے تو وہ آپ علیہ السلام کی اس قدر عمدہ صحت دیکھ کر ان کو پہچان ہی نہ سکیں۔ زوجہ محترمہ ایوب علیہ السلام سے مخاطب ہو کر ایوب علیہ السلام کے بارے میں ہی دریافت کرنے لگیں۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ایوب میں ہی ہوں اور یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہوا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس روزمرہ کھانے کے لئے ایک گیہوں کی گٹھڑی ہوتی تھی اور ایک جو کی۔ اللہ کریم نے آپ علیہ السلام کی دولت میں اضافہ فرمانے کے لئے اس گیہوں اور جو کو سونے اور چاندی سے بدل دیا۔

(از فتح الباری۔ جلد2۔ صفحہ۔326)

تفسیر ابن کثیر میں بھی اس طرح کا ملتا جلتا واقعہ ابن ابی حاتم کی زبانی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ ان دونوں واقعات کا ماخذ سفر ایوب از توراۃ میں بنی اسرائیل کی روایات سے لیا گیا ہے۔ توراۃ کے محققین کا یہ دعویٰ ہے کہ سفر ایوب عربی زبان کا قدیم شاعرانہ کلام ہے۔ یہ ایسا کلام ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس طرح سفر ایوب قدیم ترین ولازوال نظم ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم کا پورا ہونا

قرآن مجید کی سورہ ص میں ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ ص آیت 44

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

ترجمہ۔ ''پھر اپنے ہاتھوں میں ایک جھاڑو لے کر پھر اس سے مار دے اور قسم نہ توڑ بے شک ہم نے ان کو صابر پایا اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہوتے تھے''۔ (سورۃ ص آیت 44)

قرآن کریم کے اس فرمان کا اشارہ کس طرف ہے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں اس کی تفصیل موجود نہیں۔ البتہ محققین ومفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے ایام میں ہر قسم کی بردباری اور صبر وتحمل کے بعد جب ان کی بیوی کے علاوہ کوئی بھی ان کا ہمدرد قریب نہیں آتا تھا صرف آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ہر وقت دیکھ بھال اور تیمارداری میں مصروف رہتی تھیں۔ ایک روز انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی شدید تکلیف کے پیش نظر کچھ ایسے کلمات کہہ دیئے جو صبر ایوبی کے خلاف تھے اور وہ کلمات اللہ کریم کے لئے شکوہ کا پہلو رکھتے تھے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی اس قدر ہمدرد اور نیک سیرت بیوی کے یہ کلمات برداشت نہ فرما سکے اور آپ علیہ السلام نے قسم اٹھا کر ارشاد فرمایا میں تمہیں سو کوڑے لگاؤں گا۔ جب حضرت ایوب علیہ السلام صحت مند ہو چکے تو قسم پوری کرنے کا سوال سامنے آیا۔ یاد رہے نبی جب کوئی قسم اٹھائے تو اس کو ہر حال میں پورا کرتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام فکر مند ہوئے کہ ایک طرف نہایت وفا شعار، ہمدرد، غم خوار اور خدمت بجا لانے والی بیوی ہے اور دوسری طرف اٹھائی ہوئی قسم کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اللہ کریم کی ذات نے نیک پارسا اور وفا شعار بیوی کو شوہر کے ساتھ نیک اور ہمدردانہ سلوک کے اجر میں حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ سو تنکوں کا ایک مٹھا بنائیں اور اس سے اپنی بیوی کو ماریں اس طرح آپ علیہ السلام کی قسم پوری ہو جائے گی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا وصال شریف

حضرت ایوب علیہ السلام بیماری سے تندرست ہونے کے بعد روم میں ستر سال تک مقیم رہے۔ اللہ کریم نے

آپ علیہ السلام کو آپ کی فرمانبردار بیوی رحمت کے بطن سے ستائیس (27) بیٹوں کی دولت سے نوازا۔ ابن جریر اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے ترانوے (93) سال کی عمر میں وصال پایا۔ آپ علیہ السلام کا مزار شریف دمشق (شام) میں ہے۔

ایک دوسری روایت میں یوں آتا ہے۔ تورات سفر ایوب میں ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے ایک سو چالیس (140) سال کی عمر مبارکہ میں وصال پایا۔

از فتح الباری۔ جلد 6 صفحہ 326 وغیرہ۔

از البدایہ والنہایہ۔ جلد 1 صفحہ 40-41-58-59-257

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحب زادے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ قدرت نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بے شمار خوبیاں عطا فرما رکھی تھیں۔ آپ علیہ السلام بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ شیریں کلامی، حسن خطابت آپ علیہ السلام کا طرہ امتیاز تھا۔ ان اوصاف حمیدہ کی بنا پر آپ علیہ السلام کو خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دین حق پر چلنے کی متواتر تبلیغ فرمائی مگر بدقسمت قوم نے آپ علیہ السلام کی بات نہ مانی اور آخر عذاب الٰہی نے اس قوم کو اس طرح نیست و نابود کر دیا کہ ان کا نام ونشان ہی مٹ گیا۔ یوں قوم شعیب (علیہ السلام) کی تباہی و بربادی آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے نشان عبرت بن گئی۔

قرآن کریم اور ذکر حضرت شعیب علیہ السلام

قرآن مجید فرقان حمید میں حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر سورہ اعراف، سورہ ہود اور سورہ شعراء میں قدرے تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے علاوہ سورہ حجر اور سورہ عنکبوت میں بھی مختصر ذکر پاک موجود ہے۔ قرآن کریم میں حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر مختلف مقامات پر گیارہ مرتبہ آیا ہے۔ ہم ذیل میں نقشے کی مدد سے ان مقامات کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

نام سورہ مبارک	شمار آیات	تعداد ذکر مبارک
اعراف	92/90-88-85	5 دفعہ
ہود	94-91-87-84	4 دفعہ
شعراء	177	1 دفعہ
عنکبوت	36	1 دفعہ

حضرت شعیب علیہ السلام اور قوم

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت مبارکہ مدین میں فرمائی۔ مدین یا مدیان کسی مقام کا نام نہیں بلکہ ایک قبیلے کا نام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحب زادے کا نام مدین تھا جو آپ علیہ السلام کی تیسری بیوی حضرت قطورا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ مدین اپنے والد گرامی سے رخصت ہو کر اپنے سوتیلے بھائی سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قریب حجاز مقدس میں آ کر آباد ہوئے۔ آہستہ آہستہ یہ قبیلہ افراد کے اعتبار سے بڑا ہوتا گیا۔ اس طرح جس مقام پر یہ لوگ آباد ہوئے وہ مقام مدین کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اہل مدین بنی قطورا کہلاتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اسی نسل سے تھے اس لئے بعثت کے بعد یہی لوگ قوم شعیب علیہ السلام کہلائے۔ قوم شعیب علیہ السلام جس مقام پر آباد تھی اس کے بارے میں قرآن کریم میں (سورۃ الحجر آیت 79) ارشاد فرمایا گیا کہ ''وہ لوگ امام مبین پر آباد تھے''۔ جغرافیہ عرب پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ جو شاہراہ حجاز کے تجارتی قافلوں کو شام، فلسطین، یمن اور مصر تک لے جاتی تھی وہی شاہراہ قرآن کریم میں ''امام مبین'' کے نام سے مذکور ہے۔ یہ شاہراہ بحر قلزم سے ہو کر گزرتی ہے۔ امام مبین کا معنی کھلی اور صاف شاہراہ ہے۔ یہ شاہراہ کیونکہ موسم گرما اور سرما میں اہل قریش کے قافلوں کے لئے کھلی رہتی تھی اس لئے امام مبین کہلاتی تھی۔ پھر یہ شاہراہ گزرنے والوں کو برّی اور بحری دونوں راستوں کی سہولت بہم پہنچاتی تھی۔

مقام مدین کے بارے میں قرآن کریم دوسری جگہ اس کو اصحاب ایکہ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ایکہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی سرسبز و شاداب جھاڑیاں ہیں۔ ایسی سرسبز و شاداب جھاڑیاں جو ہرے بھرے درختوں کی کثرت کی وجہ سے جنگلوں میں اگ آتی ہیں۔ قرآن کریم میں مذکور دونوں ناموں سے یہ بات آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ قبیلہ مدین بحر قلزم کے مشرقی کنارے اور عرب کے شمال مغرب میں ایسی جگہ آباد تھا جسے شام کے متصل حجاز کا آخری حصہ کہا جا سکتا ہے۔ یاد رہے یہ جگہ مقام تبوک کے بالمقابل واقع ہے۔ مفسرین مدین اور ایکہ کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں ایک گروہ کا خیال ہے کہ مدین اور ایکہ دو الگ الگ قبیلے تھے جبکہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ ایک ہی قبیلے کے دو نام ہیں۔ مفسرین کے اقوال کی اگر تشریح کی جائے تو موضوع بہت ہی طویل ہو جائے گا اس لئے ہم مذکورہ حقائق کی روشنی میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ مدین اور ایکہ ایک ہی قبیلہ تھا۔ باپ کی نسبت سے اس کو مدین کہا جاتا تھا جبکہ طبعی اور جغرافیائی حیثیت سے ان کو اصحاب ایکہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ (واللہ اعلم)

قرآن کریم میں مدین کا ذکر

(1) سورۃ الاعراف آیات 111,85

(2) سورۃ توبہ آیت 70

(3) سورۃ ھود آیات 95,84

(4) سورۃ طٰہٰ آیت 40
(5) سورۃ الحج آیت 44
(6) سورۃ القصص آیات 45,23
(7) سورۃ العنکبوت آیت 36

قرآن کریم میں اصحاب الایکہ کا ذکر

(1) سورۃ ص آیت 13
(2) سورۃ الحجر آیت 78
(3) سورۃ ق آیت 14
(4) سورۃ شعراء آیات 176

قرآن کریم میں اصحاب الحجر کا ذکر

(1) سورۃ الحجر آیت 80

قرآن کریم میں ذکر امام مبین

(1) سورۃ الحجر آیت 79

حضرت شعیب علیہ السلام کا زمانہ بعثت

حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانہ بعثت مبارکہ کے سلسلے میں بھی مفسرین کے ہاں کسی حد تک اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا آپ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے یا بعد میں۔ ہمیں اس اختلاف میں پڑنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ قرآن عزیز میں زمانہ کے بارے میں نص قطعی موجود ہے۔ سورہ اعراف میں حضرت نوح، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے ذکر مبارک کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ الاعراف آیت 103

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ
فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ۔ ”پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا۔ تو انہوں نے انہیں جھٹلایا (کفر کیا) تو دیکھو کیسا انجام ہوا مفسدوں کا“۔ سورۃ الاعراف آیت 103

پس قرآن کریم نے جب زمانہ شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں واضح ارشاد فرما

دیا تو پھر کسی دوسری دلیل کی حاجت ہی باقی نہیں رہ جاتی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت حق

اللہ کریم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو دعوت حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ قوم خداوند کریم کی نافرمان ہے اور بے شمار بداعمالیوں میں مبتلا ہے جن کو وہ فخریہ انداز میں سرانجام دیتی ہے۔قوم شعیب علیہ السلام بے شمار بداعمالیوں میں گرفتار تھی جن میں سے چیدہ چیدہ یہ تھیں۔

(1) پوری قوم شرک کی لعنت میں بری طرح گرفتار تھی۔

(2) مشرکانہ رسومات اور عقائدان کی رگ رگ میں بس چکے تھے۔

(3) فروخت میں کم تولنا اور خرید میں پورا لیناان کی عادت بن چکی تھی۔

(4) ڈاکہ زنی عام تھی اور اس فعل پر فخر کیا کرتے تھے۔

(5) ہر چیز میں کھوٹ اور ملاوٹ کرنا طرہ امتیاز خیال کیا جاتا تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو مذکورہ بداعمالیوں میں غرق دیکھا تو آپ علیہ السلام کو سخت دکھ ہوا۔ قوم کو رشد وہدایت کی طرف بلایا۔آپ علیہ السلام بڑے فصیح وبلیغ مقرر تھے۔عمدہ طرز بیان، حسن خطابت اور شیریں کلام کی وجہ سے آپ علیہ السلام کو خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔آپ علیہ السلام نے قوم کو جو دعوت حق دی یہاں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ارشاد فرمایا۔ ''اے قوم اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو۔اس ہستی کے علاوہ دوسرا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔خرید وفروخت میں ناپ تول کو پورا رکھو۔لوگوں کے ساتھ معاملات میں کسی قسم کی کھوٹ اور بے ایمانی نہ کرو۔حق تم تک پہنچ چکا ہے۔اس کو اختیار کرلو اور باطل پرستی سے باز آجاؤ۔اگر تم لوگوں میں حق وصداقت موجود ہے تو سمجھ لو کہ جو راستہ میں تمہیں بتارہا ہوں وہی فلاح و بہبود کا راستہ ہے۔اے قوم اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب تم بہت تھوڑے تھے اس وقت اللہ کریم نے تمہیں امن وعافیت عطا فرما کر تمہاری تعداد کو بہت زیادہ کردیا۔'' حضرت شعیب علیہ السلام کی ان تمام نصیحتوں کے بعد چند لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے مگر وہ بھی کمزور اور دنیاوی اعتبار سے صاحب ثروت نہ تھے۔باقی قوم بدستور گمراہی اور بداعمالیوں میں مصروف رہی۔ان لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کرلیا کہ راستوں پر بیٹھ جاتے اور حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جانے والے لوگوں کو لوٹ لیتے۔اس کے باوجود اگر کوئی دعوت حق قبول کرلیتا تو اس کو ڈراتے دھمکاتے رہتے۔ ان تمام حالات کے باوجود حضرت شعیب علیہ السلام نے دعوت حق کا فریضہ (مشن) جاری رکھا۔حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں سے سردار قسم کے لوگ جن کو اپنی طاقت وشان وشوکت پر غرور تھا آپ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے اے شعیب (علیہ السلام) دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہو کر رہے گی یا تو ہم تمہیں اور تمہارے ماننے والوں کو اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے یا پھر تمہیں مجبور کردیں گے کہ تم ہمارے مذہب میں آجاؤ۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان لوگوں کی یہ بات سن کر ارشاد فرمایا "میں اگر تم لوگوں کے مذہب میں آجاؤں تو نعوذ باللہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے جھوٹ بول کر اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے جو کہ ناممکن بات ہے۔ اللہ جو ہمارا خالق و مالک ہے، جو بہتر چاہے گا کرے گا۔ ہم تو اس کی ذات پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں"۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے اللہ کے حضور یوں عرض کی۔ "اے میرے پروردگار تو ہمارے اور قوم کے درمیان حق اور سچائی کا فیصلہ فرمادے۔ تو ہی بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے"۔ پھر قوم سے یوں خطاب فرمایا "اے قوم میں جو تمہیں رشد و ہدایت کا درس دیتا ہوں اس کے بدلے کسی قسم کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا کیونکہ میرا اجر تو اللہ کریم کے پاس ہے۔ تم لوگ اب بھی میری بات نہیں مانو گے تو مجھے اندیشہ ہے گزشتہ اقوام کی طرح اللہ تم پر اپنا عذاب نازل فرما کر تمہیں تباہ و برباد کردے گا۔ اللہ کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ کو رد کرسکے"۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے آپ علیہ السلام کی صداقت و حق پر مبنی گفتگو سننے کی باوجود کہا اے شعیب (علیہ السلام) تمہاری باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ تو ہم سب سے کمزور اور غریب ہے اگر تیری باتیں سچی ہوتیں تو تیری زندگی ہم سے اچھی ہوتی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کا یہ جواب سن کر ارشاد فرمایا "افسوس میرا خاندان تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ جبکہ میرا رب تمہارے تمام اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہ سب سے زیادہ دانا و بینا ہے۔ میری تمام تر کوششوں کے باوجود اگر تم میری بات نہیں مانتے تو تم جانو۔ عنقریب میرا رب فیصلہ فرمادے گا کہ عذاب کا مستحق کون ہے"۔

قوم شعیب علیہ السلام پر عذاب الٰہی

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے ساتھ وہی ہوا جو قانون قدرت کے مطابق گمراہ، مشرک اور بداعمال قوموں کے ساتھ ہوتا تھا۔ یعنی ایسی قوموں کا نام ونشان تک مٹ جاتا ہے اور وہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے نشان عبرت بن جاتی ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ قوم شعیب علیہ السلام کو دو قسم کے عذاب نے آلیا۔ پہلا عذاب شدید ترین زلزلے کی صورت میں نازل ہوا اور دوسرا عذاب آسمان سے آگ کی بارش کی شکل میں آیا۔ ایک رات قوم شعیب علیہ السلام اپنے گھروں میں آرام سے سو رہی تھی کہ اچانک شدید ترین آواز کے ساتھ ہولناک زلزلہ آیا۔ قوم گھبرا کر اٹھی اور اپنے بچاؤ کی کوشش کرنے لگی۔ زلزلے کی ہولناکی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ اچانک آسمان سے آگ برسنا شروع ہوگئی۔ ساری رات یہ سلسلہ جاری رہا۔ صبح کے وقت دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کل کی سرکش و مغرور قوم کے تمام افراد گھٹنوں کے بل اوندھے جھلسے ہوئے پڑے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر جو عذاب نازل ہوا اس کا ذکر قرآن کریم کی سورہ اعراف۔ ع۔ 11' آیات 85 تا 93 سورہ الشعراء۔ آیات 177 تا 191 ع۔ 10' سورہ ہود۔ ع۔ 8۔ آیات 84 تا 95 میں تفصیلاً موجود ہے۔ متلاشیان علم ان مبارک سورتوں سے مراجعت کرسکتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا وصال شریف اور مزار پر انوار

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر جب عذاب الٰہی نازل ہوا اور وہ لوگ اپنے انجام کو پہنچ چکے تو حضرت شعیب علیہ السلام اپنے ماننے والوں کے ہمراہ عذاب الٰہی کے نازل ہونے سے پہلے ہی حضر موت ہجرت فرما گئے۔ اہل حضر موت کا دعویٰ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام مدین سے ہجرت فرما کر یہاں آباد ہوئے اور پھر اسی مقام پر آپ علیہ السلام کا وصال ہوا۔ حضر موت کے مشہور شہر ''سیون'' کے مغرب میں ایک مقام ہے جسے ''شبام'' کہتے ہیں۔ اس جگہ کوئی آبادی نہیں ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار پر انوار جہاں ہے وہ زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آبادی سے دور ہٹ کر یہ مزار پر انوار موجود ہے۔ اس مقام پر زائرین صرف زیارت مزار شریف کے لئے ہی آتے ہیں۔ دعا ہے اللہ کریم ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو اس مزار پر انوار کی زیارت کا شرف بخشے۔ آمین۔

از معجم البلدان۔ جلد 5 صفحہ 418۔

البدایہ والنہایہ۔ جلد 1 صفحہ 267۔268۔269

سورہ اعراف۔ ع۔ 11 اور سورہ الشعراء۔ ع۔ 8۔

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت یونس علیہ السلام بھی اللہ کے کے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں۔ آپ علیہ السلام نینویٰ میں پیدا ہوئے اور آپ علیہ السلام کا وصال مبارک بھی نینویٰ میں ہی ہوا' قبر انور بھی اسی مقام پر ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام اللہ کے وہ واحد برگزیدہ نبی ہیں جن کو دریا میں مچھلی نے نگل لیا تھا پھر کچھ عرصہ بعد اللہ کے حکم سے مچھلی نے آپ علیہ السلام کو زندہ دوبارہ باہر اُگل دیا۔ آپ علیہ السلام عرصہ تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد وثنا میں مشغول رہے۔ مچھلی کے پیٹ سے باہر تشریف لاکر دوبارہ نینویٰ تشریف لے آئے اور قوم کو رشد وہدایت کی تبلیغ فرماتے رہے۔ آپ علیہ السلام کی قوم تبلیغ حق کے نتیجہ میں راہ راست پر آگئی۔ آپ علیہ السلام کی حیات مبارکہ رشد وہدایت کا بے پناہ خزانہ ہے جس کے مطالعہ سے متلاشی علم کو بے شمار سبق آموز واقعات اور رموز الٰہی کا علم ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ہم یہاں بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کا سلسلہ نسب

تمام مورخین تاریخ عالم اور علماء کتب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کے نسب مبارک کے سلسلے میں صرف اس قدر معلومات ملتی ہیں کہ آپ علیہ السلام کے والد کا نام متی تھا۔ جو نینویٰ کے رہنے والے تھے۔ قدیم روایات میں آتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کا نام یوناہ اور والد کا نام متی تھا۔ بہر حال یونس بن متی اور یوناہ بن

متی میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ بلکہ یہ عبرانی اور عربی زبانوں کے الفاظ تعبیری کا فرق ہے۔قرآن کریم میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر مبارک جن سورتوں میں آتا ہے ان میں سے سورہ انبیاء اور سورہ القلم میں نام کی بجائے ان کی صفت کا ذکر کیا گیا ہے۔گویا اس طرح ذاتی نام کی بجائے صفاتی نام سے تعارف کرایا گیا ہے۔ جیسے سورہ انبیاء میں فرمایا ''ذوالنون''۔قدیم عربی زبان میں اس لفظ یعنی ''نون'' کا معنی مچھلی کے آتے ہیں۔ پھر سورہ القلم میں فرمایا ''صاحب الحوت'' حوت بھی عربی زبان میں مچھلی کو کہتے ہیں حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کا واقعہ پیش آیا تھا اس لئے آپ علیہ السلام کا لقب مبارک ہی ''مچھلی والا'' مشہور ہو گیا۔حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جسے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے صحیح بخاری شریف کتاب الانبیاء میں نقل کیا ہے۔فرماتے ہیں حضرت یونس علیہ السلام کے والد کا نام متی تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا زمانہ مبارک

حضرت یونس علیہ السلام کے زمانہ مبارک کے سلسلے میں محققین واصحاب سیر کے مختلف اقوال ہیں۔سب اقوال بیان کرنا تو موضوع کی طوالت کا سبب ہوگا اس لئے ہم یہاں چند اقوال ہی بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔آخر میں صحیح بخاری کتاب الانبیاء کے حوالے سے قول ذکر کریں گے جو اکثریت کے نزدیک صحیح ہے۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

مشہور زمانہ محقق، مفسر و عالم دین حافظ ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ تاریخی اعتبار سے حضرت یونس علیہ السلام کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض مورخیں کے نزدیک آپ علیہ السلام کا زمانہ نبوت ایران میں طوائف الملوکی کا دور تھا کہ اس وقت آپ علیہ السلام نینویٰ میں مبعوث ہوئے۔جدید محقق حکومت فارس کے تین دور بیان کرتے ہیں یعنی پہلا دور سکندر کے حملہ سے دوصدیاں قبل تقریباً 559 ق م دوسرا دور پارتھوی حکومت کا زمانہ جو تقریباً 372 ق م کا ہے۔جبکہ تیسرا دور عہد ساسانی ہے جس کا زمانہ تقریباً 372 ق م سے شروع ہو کر 150 ق م تک جاتا ہے۔اس طرح حضرت یونس علیہ السلام کا دور 372 قبل مسیح بنتا ہے۔مگر یہ نظریہ تاریخی حقائق کے خلاف ہے کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام کے وصال کے بعد جب اہل نینویٰ دوبارہ کفر و شرک میں مبتلا ہو گئے تو 690 ق م میں ان لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ کریم نے بنی اسرائیل سے ''ناحوم'' نامی نبی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔قوم نے ان کی رشد و ہدایت کو نہ مانا اور یوں ''ناحوم'' علیہ السلام کی پیش گوئی کے مطابق ستر برس بعد 612 ق م میں نینویٰ تباہ و برباد ہو گیا۔اس حساب سے حضرت یونس علیہ السلام کا عہد مبارک 690 ق م سے ملحق ذرا پہلے بنتا ہے۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب الانبیاء میں جو اپنی ترتیب بابت انبیاء علیہم السلام بیان فرمائی ہے اس کے مطابق حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے درمیان بیان کیا ہے جو ہمارے خیال میں زیادہ صحیح ہے۔(واللہ اعلم)

قرآن مجید میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر مبارک

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر اپنی سچی کتاب قرآن مجید فرقان حمید کی چھ سورتوں میں چھ (6) مرتبہ فرمایا ہے۔ پہلی چار سوتوں میں نام مبارک مذکور ہے جبکہ دوسری دو سورتوں میں ''ذوالنون'' اور ''صاحب الحوت'' یعنی مچھلی والا کہہ کر فرمایا ہے۔ قرآن کریم کی جن سورتوں میں ذکر یونس علیہ السلام آیا ہے ان کی تفصیل یوں ہے۔

نام سورہ مبارک	شمار آیات مبارکہ	تعداد ذکر مبارک
سورہ نساء	163	1 مرتبہ
سورہ انعام	86	1 مرتبہ
سورہ یونس	98	1 مرتبہ
سورہ الصافات	139	1 مرتبہ
سورہ القلم (صاحب الحوت)	48	1 مرتبہ
سورۃ الانبیاء (ذوالنون)	87	1 مرتبہ

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ

قرآن کریم کی روشنی میں حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کو مفسرین نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔
حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ کریم نے نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے جب اعلان نبوت کیا اس وقت عمر مبارکہ 28 (اٹھائیس) سال تھی۔ آپ علیہ السلام کو اہل نینویٰ کی طرف معبوث فرمایا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام ایک عرصہ تک قوم کو رشد وہدایت کی تبلیغ فرماتے رہے مگر قوم نے آپ علیہ السلام کے پیغام حق کو قبول نہ کیا۔ مسلسل تبلیغ کے جواب میں قوم نے جب اپنی غلط روش نہ چھوڑی تو آپ علیہ السلام قوم سے ناراض ہو کر بددعا کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہو گئے۔ چلتے چلتے دریائے فرات کے کنارے تشریف لے گئے۔ دریا کے کنارے موجود کشتی مسافروں سے بھری ہوئی تھی آپ علیہ السلام بھی کشتی میں سوار ہوئے۔ کشتی نے لنگر اٹھایا اور چل پڑی۔
راستے میں طوفانی لہروں نے کشتی کو گھر لیا۔ جب کشتی طوفان اور ہوا کے زور سے بے قابو ہو گئی اور اس کے غرق ہونے کا یقین ہو گیا تو کشتی میں سوار مسافروں نے اپنے عقیدہ کے مطابق کہا کشتی میں کوئی ایسا غلام سوار ہے جو اپنے آقا کے ہاں سے بھاگ کر آیا ہے۔ جب تک وہ غلام کشتی میں موجود ہے اس کشتی کا بچ جانا مشکل ہے۔ لوگوں کی یہ باتیں سن کر حضرت یونس علیہ السلام علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ کریم کو میرا حکم کے بغیر نینویٰ چھوڑنا پسند نہیں آیا' میں نے وحی الٰہی کا انتظار نہیں کیا اس لئے یہ میری آزمائش کی گھڑی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام یہ سوچ کر کشتی میں

کھڑے ہوئے اور کشتی والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا میں ہی وہ غلام ہوں جو اپنے آقا سے بھاگ کر آ رہا ہوں۔ مجھے دریا میں پھینک دو۔ کشتی والے دورانِ سفر آپ علیہ السلام کی شخصیت و پاکبازی سے اس قدر متاثر ہو چکے تھے کہ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تمام کشتی والوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ قرعہ اندازی کی جائے جس کا نام قرعہ میں نکل آئے اس کو دریا میں پھینک دیا جائے۔

فیصلہ کے مطابق تین بار قرعہ ڈالا گیا مگر ہر بار حضرت یونس علیہ السلام کا ہی نام مبارک نکلا۔ آخر مجبوراً کشتی والوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو دریا میں ڈال دیا یا پھر شاید آپ علیہ السلام خود ہی دریا میں کود پڑے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بڑی مچھلی حاضر ہوئی جس نے آپ علیہ السلام کو نگل لیا۔ مچھلی کو صرف نگلنے کا حکم تھا اللہ کریم نے مچھلی کو یہی حکم فرمایا تھا کہ حضرت یونس علیہ السلام کے جسم اطہر کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائے گی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے خود کو مچھلی کے پیٹ میں زندہ پایا تو وحی کے بغیر نینویٰ سے چلے آنے پر ندامت محسوس کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور عفو و درگزر کے لئے یوں دعا مانگی۔ سورۃ انبیاء آیت 87۔

لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾

ترجمہ۔ ''الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی یکتا ہے میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں بے شک میں اپنے نفس پر خود ہی ظلم کرنے والا ہوں''۔

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کتنے دن رہے اس سلسلے میں سعید بن ابوالحسن اور ابو مالک کا قول ہے کہ شاید آپ علیہ السلام چالیس روز یا اس سے کچھ کم و بیش عرصہ تک مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس علیہ السلام کی درد بھری آواز کو اللہ کریم نے سنا اور عفو و درگزر کی شان کریمی جوش میں آئی۔ حضرت یونس علیہ السلام کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشا مچھلی کو حکم دیا کہ میرے یونس (علیہ السلام) کو ساحل پر اگل دے۔ مچھلی نے حسب حکم خداوندی آپ علیہ السلام کو ساحل پر اگل دیا۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے حضرت یونس علیہ السلام کا جسم مبارک ایسا ہو گیا تھا جیسے کسی پرندے کا نو زائدہ بچہ جس کا جسم نہایت نرم اور بالوں کے بغیر ہوتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام سخت نحیف و کمزوری کی حالت میں خشکی پر اگل دیئے گئے۔ اللہ کریم کے حکم سے فوراً وہاں کدو کی بیل اگ آئی جس کے سایہ میں انہوں نے رہنا شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حکم الٰہی کے مطابق اس بیل کی جڑ کو کیڑا لگ گیا اور یوں بیل سوکھنے لگی جسے دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کو بہت صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضرت یونس علیہ السلام کو خطاب فرمایا ''اے یونس اس حقیر سی بیل کے سوکھنے کا تمہیں اس قدر رنج ہوا ہے مگر تم نے یہ نہ سوچا کہ نینویٰ کے ایک لاکھ سے زائد لوگ اور دیگر جاندار زندہ ہیں کیا ان کو برباد کر دینے میں ہم کو کوئی ناگواری نہیں ہوگی اور کیا ہم ان کے لئے زیادہ شفیق اور مہربان نہیں ہیں۔ تم نے وحی کا انتظار بھی نہ کیا اور ان کے لئے بددعا کر کے ان کے درمیان سے نکل آئے ایسا کرنا ایک نبی کی شان کے

لئے مناسب نہ تھا کہ وہ اپنی قوم کے حق میں عذاب کی بددعا کرنے کے بعد نفرت سے جدا ہو جائے اور عجلت میں وحی الٰہی کا بھی انتظار نہ کرے''۔

قوم یونس علیہ السلام کا حال

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے گزشتہ اقوام کی مانند جب آپ علیہ السلام کی دعوت حق کو نہ مانا تو آپ علیہ السلام ان کو عذاب کی بددعا دے کر نینویٰ سے تشریف لے گئے۔ قوم نے بددعا کے کچھ آثار دیکھے اور پھر حضرت یونس علیہ السلام کا بستی چھوڑ کر چلے جانا ان کے علم میں آیا تو ان لوگوں کو آپ علیہ السلام کے پیچھے پیغمبر ہونے کا یقین ہو گیا۔ قوم نے سمجھ لیا کہ اب ہماری تباہی یقینی ہے کیونکہ یونس علیہ السلام کی بددعا ضرور قبول ہوگی ورنہ وہ ہمیں چھوڑ کر نہ جاتے۔ یہ سوچ کر قوم کا ہر فرد اور خود بادشاہ حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تا کہ آپ علیہ السلام کے ہاتھ پر دین حق کی بیعت کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ قوم کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرنے لگا۔ توبہ و استغفار کی کیفیت یہ تھی کہ لوگ گھروں سے باہر نکل کر میدان میں جمع ہوئے بچوں کو ان کی ماؤں سے جدا کر دیا یہاں تک کہ اپنے جانور بھی ہمراہ لے آئے۔ اس طرح تمام کے تمام لوگ سجدہ میں گر کر خلوص دل سے اللہ کریم کے سامنے گریہ وزاری کرنے لگے۔ سورۃ یونس آیت 98 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾

ترجمہ: ''ہاں یونس کی قوم جب ایمان لائی ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی میں اٹھا دیا اور ایک وقت تک انہیں برتنے دیا''۔

اللہ تعالیٰ نے قوم یونس علیہ السلام کی توبہ کو اپنے دربار میں شرف قبولیت بخشا اور ان کو ایمان کی لازوال دولت عطا فرمائی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قوم یونس علیہ السلام کو عذاب سے محفوظ رکھا۔ حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ نینویٰ تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ القلم کی آیت 50 میں ارشاد فرماتا ہے:۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ ''تو اسے اس کے رب نے چن لیا اور اپنے قرب خاص کے سزاواروں میں کر لیا''۔

قوم نے آپ علیہ السلام کو سرآنکھوں پر بٹھایا اور آپ علیہ السلام کی راہ نمائی میں دین حق پر چلتے ہوئے اللہ کریم کے فضل و کمال سے اپنے دامن بھرنے لگے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا وصال شریف

حضرت یونس علیہ السلام کا وصال شریف کتنی عمر میں ہوا کتب تاریخ اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ البتہ آپ علیہ السلام کا وصال کس جگہ ہوا اور مزار پر انوار کہاں ہے اس سلسلے میں دو روایات ملتی ہیں۔ پہلی روایت کے مطابق آپ علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے وہ مقام نینویٰ میں آباد تھی۔ آپ علیہ السلام کا وصال اپنی قوم میں ہی مقام نینویٰ پر ہوا اور مزار پر انوار اسی جگہ واقع ہے۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام فلسطین کے علاقہ میں مشہور شہر خلیل کے قریب واقع حلحول نامی گاؤں میں رہائش پذیر تھے اور اسی جگہ آپ علیہ السلام کا وصال ہوا۔ اس مقام پر دو قبریں موجود ہیں جن میں ایک قبر انور آپ علیہ السلام کی ہے اور دوسری آپ علیہ السلام کے والد متی کی۔ دونوں روایات تو ہم نے تحریر کر دی ہیں مگر پہلی روایت حقائق کے زیادہ نزدیک ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔ کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ سے باہر تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ اپنی قوم کے پاس رشد و ہدایت کے لئے نینویٰ تشریف لے گئے تھے۔ تیسری بار نینویٰ سے رخصت ہونا ثابت نہیں۔ اس پر ہی اجماع اصحاب سیر ہے اس لئے پہلا قول ہی صحیح ہے۔ (واللہ اعلم)

از البدایہ والنہایہ۔ جلد 1 صفحہ 270۔271۔272۔273

روح المعانی سورہ یونس و فتح الباری جلد 6 صفحہ 342۔350۔351

تفسیر ابن کثیر۔ جلد 4 صفحہ 26 صحیح بخاری کتاب الانبیاء وغیرہ۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نہایت برگزیدہ اور اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ آپ علیہ السلام کو یہ خصوصی اعزاز عظیم حاصل ہے کہ آپ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے جا کر خالق کائنات کے ساتھ ہم کلامی کا شرف حاصل کیا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ السلام کو کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہی آپ علیہ السلام کے چچازاد بھائی حضرت ہارون علیہ السلام موجود تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو پیچھے قوم کی دیکھ بھال کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا قائم مقام چھوڑ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف نبی اور رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ قرآن عزیز کی 514 آیات میں حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہم السلام اور فرعون و بنی اسرائیل کا ذکر آتا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہم السلام کے ذاتی اسماء گرامی قرآن کریم میں 155 مقامات پر آتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل عرصہ دراز مصری فرعونوں کی غلامی میں رہ کر نہایت سست اور

بے کار ہو چکی تھی۔ اس قوم نے مصر سے ہجرت کرنے سے لے کر آخر تک سیدنا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو نئی سے نئی آزمائش میں مصروف رکھا۔ بنی اسرائیل کی حالت اس حد تک ناگفتہ بہ ہو چکی تھی کہ اٹھ کر ایک تنکا بھی نہیں توڑ سکتی تھی ہر حال اور ہر وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا امتحان لینے کے چکر میں رہتی۔ اللہ کریم کے فضل و کرم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کی طرف سے پیدا کی جانے والی ہر آزمائش و فرمائش میں پورے اترے۔ فرعون مصر کو اس کے جادوگر یہ بتا چکے تھے کہ بنی اسرئیل میں اس سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو اس کے ملک اور تخت و تاج کو تہس نہس کر دے گا۔ فرعون مصر نے اس کو غلط ثابت کرنے کے لئے بنی اسرائیل کی ساری اولا د نرینہ اور نومولود لڑکوں کو قتل کرانا شروع کر دیا۔ مگر خالق کائنات کی مرضی کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جراءت نہیں ہو سکتی۔ اللہ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش ہی فرعون کے گھر میں فرمائی اور یوں آپ علیہ السلام کے ہاتھوں یہ ظالم شخص اپنے انجام کو پہنچا۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات مقدسہ نے رشد و ہدایت کے چراغ ہر سو روشن فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کا ہر سو چرچا ہونے لگا۔ سیدنا حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی حیات مبارکہ کا مکمل بیان ہمارے موضوع کو بہت طویل کر دے گا۔ البتہ آپ علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے چیدہ چیدہ واقعات بیان کرنے کی کوشش کروں گا دعا ہے اللہ کریم میری طرز تحریر میں وہ اثر رکھے کہ جسے پڑھنے والا ان ایمان افروز واقعات سے دین و دنیا کی بھلائیاں اور رفعتیں حاصل کرے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شجرہ نسب

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب مبارک چند واسطوں کے بعد سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ شجرہ نسب یوں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام بن عمران بن قامت بن عازر بن لادی بن حضرت یعقوب علیہ السلام بن حضرت اسحاق علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علیہ السلام بن آزر (تارخ) بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالح بن عابر بن شالح بن ارفخشند بن سام بن نوح علیہ السلام۔

فرعون مصر کا خواب

کتب تاریخ میں آتا ہے جسے السدی نے ابی صالح، ابی مالک ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ فرعون مصر نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک عظیم آگ پیدا ہوئی جس نے قبط سمیت سارے مصر کو جلا کر بھسم کر ڈالا مگر بنی اسرائیل اس آگ سے محفوظ رہے۔ فرعون یہ خواب دیکھ کر سخت پریشان ہوا اس نے اپنے تمام کاہن اور جادوگر و نجومیوں کو دربار میں طلب کیا اور اپنا خواب بیان کرنے کے بعد اس کی تعبیر دریافت کی۔ کاہنوں، نجومیوں اور قیافہ شناسوں نے فرعون کو بتایا کہ تیرے ملک میں بنی اسرائیل کے ہاں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تیری حکومت کو تباہ و برباد کرنے کے ساتھ ساتھ تیرا بھی خاتمہ کر دے گا۔
فرعون مصر نے تعبیر سن لینے کے بعد ملک میں اعلان کر دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو اسے فوراً

قتل کر دیا جائے۔تورات میں آتا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کے ہاں نومولود کی پیدائش سے باخبر ہونے لئے بہت سی دائیاں مقرر کر دی تھیں۔مقرر شدہ دائیوں کے دل میں قدرت نے ایسا جذبہ پیدا کر دیا کہ انہوں نے فرعون کے حکم پر عمل نہ کیا۔فرعون کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو اس نے سب دائیوں کو طلب کر کے باز پرس کی۔سب نے یک زبان جواب دیا اے فرعون بنی اسرائیل کی عورتیں شہری عورتوں کی طرح نازک مزاج نہیں ہیں وہ خود ہی بچہ جن لیتی ہیں اور ہمیں بالکل خبر نہیں ہوتی۔اس پر فرعون نے ایک مردوں کی جماعت مقرر کی جو بنی اسرائیل کے گھر گھر جا کر پیدا ہونے والے بچے کی خبر رکھتے۔جہاں لڑکا پیدا ہوتا اس کو قتل کر دیتے جبکہ لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔انہی ایام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت شریفہ ہوئی اور قدرت نے آپ علیہ السلام کی پرورش کا بندوبست ہی فرعون کے گھر میں فرما دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ

فرعون مصر نے جب بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کر دینے کا حکم دے رکھا تھا انہیں ایام میں عمران کے ہاں آپ علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔اہل خاندان سخت پریشان تھے کہ بچے کو فرعون کی نظروں سے کیسے محفوظ رکھا جائے۔تین ماہ کا عرصہ تو انہوں نے کسی نہ کسی طرح آپ علیہ السلام کو ہر ایک کی نگاہ سے پوشیدہ رکھا مگر جاسوسوں کے ڈر اور حاسدوں کے حسد کے خوف سے مزید ایسا کرنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔اس سخت ترین وقت میں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی والدہ جن کا اسم گرامی یوکابد اور بعض کے نزدیک ایاذخت تھا کے دل میں القا کیا کہ ایک مضبوط تابوت نما صندوق بناؤ جس پر رال اور روغن اس طرح کر دو کہ پانی صندوق کے اندر نہ جا سکے پھر بیٹے کو اس میں لٹا کر دریائے نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دو اللہ اس کی خود حفاظت فرمائے گا۔موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے ایسا ہی کیا مگر والدہ نے فطری محبت کی وجہ سے یہ دیکھنے کے لئے کہ اللہ کریم میرے بیٹے کی حفاظت کس طرح فرماتا ہے اپنی بیٹی اور موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کو حکم دیا کہ تم دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ صندوق پر نظر رکھتے ہوئے دیکھو کہ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کی حفاظت کا وعدہ کس طرح پورا فرماتا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ صندوق پر برابر نظر رکھے کنارے کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔اچانک قدرت خداوندی سے وہ صندوق اس نہر کی لہر میں آ گیا جو فرعون کے محل میں پانی پہنچانے کے لئے دریائے نیل سے نکالی گئی تھی۔حسن اتفاق سے اس وقت فرعون کی بیوی اپنی خادماؤں کے ہمراہ وہاں موجود تھی اس نے حکم دیا کہ صندوق پکڑا جائے حکم کی فوری تعمیل ہوئی صندوق کو شاہی محل میں لے جایا گیا۔یہ سب کچھ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ بہت خوش ہوئیں اور مزید تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے شاہی محل کی خادماؤں میں شامل ہو کر فرعون کے محل میں پہنچ گئیں۔

کچھ اہل تفسیر و تاریخ حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کی ولادت مبارکہ کو مذکورہ بیان کے مطابق تحریر کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کے سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں۔اس روایت کو امام ابن کثیر (رحمتہ اللہ علیہ) نے البدایہ والنہایہ میں تحریر کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ جب مصر کے قبطیوں کو معلوم ہوا کہ فرعون بنی

اسرائیل کے پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کروا دیتا ہے تو انہوں نے انسانی ہمدردی کے تحت بنی اسرائیل سے کہا تمہارے ہاں جب لڑکا پیدا ہو تو اس کو تابوت نما ٹوکری میں ڈال کر لمبی رسی ٹوکری کے ساتھ باندھ کر دریائے نیل میں بہا دیا کریں ہم یعنی قبطی اس رسی کی مدد سے ٹوکری پکڑ لیا کریں گے اور تمہارے بیٹوں کو زندہ رکھتے ہوئے ان کی پرورش کیا کریں گے یوں فرعون کو علم بھی نہیں ہوگا اور تمہارے بیٹے موت سے بچ جایا کریں گے۔ انہی ایام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور فرعون کو ان کی پیدائش کی خبر نہ ہو سکی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش

فرعون مصر کے ہاں اولاد نرینہ نہ تھی اس کی بیوی حضرت آسیہ (سلام اللہ علیہا) نے فرعون سے کہا کہ ہم اولاد نرینہ سے محروم ہیں اس لئے میری شدید خواہش ہے کہ تم بنی اسرائیل کو چھوڑ کر کسی قبطی گھرانے سے کوئی لڑکا حاصل کر لو تاکہ میں اس کی پرورش کر کے اپنی اس مراد کو پورا کر سکوں فرعون اپنی بیوی کی اس بات کو ماننے کے لئے تیار ہو گیا۔ انہی ایام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صندوق پانی میں بہتا ہوا فرعون کے محل میں پہنچ گیا۔ خادمہ وہ صندوق لے کر آسیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی صندوق کھولا تو اس میں نہایت حسین و جمیل لڑکا بڑی بے نیازی سے لیٹا انگوٹھا چوس رہا تھا۔ آسیہ (سلام اللہ علیہا) بچے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اسے اپنا بیٹا بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ قرآن کریم شاہی خاندان کی اس عورت کو جس نے آپ علیہ السلام کو صندوق سے نکال کر بیٹا بنانے کا فیصلہ کیا تھا فرعون کی بیوی بتاتا ہے۔ فرعون کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ محل میں آیا۔ خوبصورت بچہ دیکھ کر کچھ دیر خاموش رہا پھر کسی نے کہا یہ بچہ تو بنی اسرائیل کا معلوم ہوتا ہے۔ اسے فوراً قتل کر دینا چاہیئے اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ یہی بچہ تمہاری بربادی کا سبب بن جائے۔ فرعون کے دل میں خوف پیدا ہوا اور اس نے بچے کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ اس پر فرعون مصر کی بیوی آسیہ (سلام اللہ علیہا) کہنے لگیں اے بادشاہ اس معصوم بچے کو قتل مت کرو عین ممکن ہے یہی بچہ جوان ہو کر تیری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے اور یوں یہ ہمارے لیے نفع بخش ثابت ہو۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ بچہ بنی اسرائیل میں سے ہی ہے تو کیا عجب ہماری تربیت اس کو ہمارے لئے نقصان کا باعث بننے کی بجائے فائدہ کا سبب بنا دے۔ فرعون آسیہ کے ان دلائل کا قائل ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کرنے پر رضا مند ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیں کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا بندوبست بھی آپ علیہ السلام کے سب سے بڑے دشمن کے گھر میں ہی فرما دیا۔ سبحان اللہ اللہ کریم خالق و مالک ہے جو چاہے اور جب چاہے جہاں چاہے اپنی قدرت کاملہ سے پورا فرما دیتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تیرے بیٹے کی حفاظت میں کروں گا اس کو یوں پورا فرمایا کہ آپ علیہ السلام کی طبیعت مبارکہ میں یہ عادت رکھ دی کہ محل کی تمام عورتوں نے باری باری کوشش کی کہ بچے کو دودھ پلایا جائے مگر آپ علیہ السلام نے کسی عورت کے پستان کو منہ تک نہ لگایا سب تھک ہار کر بیٹھ گئیں۔ یہ دیکھ آپ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے فرعون مصر کی بیوی سے درخواست کی کہ مجھے ایک دایہ کا

پتہ ہے جونہایت نیک اور عبادت گزار ہے اگر آپ اجازت دیں تو اس دایہ کو یہاں لے آؤں مجھے امید قوی ہے کہ یہ بچہ اس کا دودھ ضرور پینے لگے گا۔فرعون مصر کی بیوی آسیہ (سلام اللہ علیہا) نے کہا فوراً جاؤ اور اس دایہ کو ہمراہ لے کر محل میں واپس آؤ۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ اسی وقت خوشی خوشی گھر تشریف لے گئیں تا کہ والدہ کو خوشخبری سنائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے والدہ کو پورا حال سنایا جسے سن کر وہ اللہ کریم کا شکر بجالائیں اور بیٹی کے ہمراہ شاہی محل تشریف لائیں۔اپنے لختِ جگر نورِ نظر کو سینے سے لگایا اور اللہ کریم کا صد شکرادا کیا جس نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا۔

سورہ طٰہٰ آیات 38 تا 40 اور قصص آیات 7 تا 13 میں اس واقعہ کی تفصیل موجود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر سے ہجرت کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک عرصہ تک فرعون مصر کے محل میں رہائش پذیر رہے۔آپ علیہ السلام جب عہد شباب میں داخل ہوئے تو نہایت حسین وجمیل قوی اور جوانمرد بہادر جوان نکلے۔آپ علیہ السلام کے چہرہ مبارک سے جلال اور وقار عظمت ٹپکتی تھی۔دیکھنے والا پہلی نظر میں ہی آپ علیہ السلام کا گرویدہ ہو جاتا۔آپ علیہ السلام اچھی طرح جانتے تھے کہ میرا تعلق بنی اسرائیل سے ہے مصری خاندان سے میرا کوئی قرابتی رشتہ نہیں ہے۔آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ بنی اسرائیل پر سخت ظلم وتشدد کیا جاتا ہے۔آپ علیہ السلام اکثر بنی اسرائیل کی مدد فرمایا کرتے تھے۔تاریخ طبری میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام کی مدد سے بنی اسرائیل پر ظلم وتشدد میں کچھ کمی آگئی تھی۔آپ علیہ السلام کے حسن سلوک' تدبر' دوراندیشی اور حکیمانہ سلوک کی بدولت بنی اسرائیل آپ علیہ السلام کی بڑی قدر کرتے تھے۔مصری خاندان آپ علیہ السلام کے کاموں میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے آپ علیہ السلام کو فرعون مصر نے اپنا متبنیٰ بنایا ہوا ہے۔

قرآن کریم اور کتب سیر میں آتا ہے کہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام حسب عادت مصر کی ایک آبادی کے کنارے کنارے تشریف لے جارہے تھے۔آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک مصری قبطی ایک اسرائیلی کو زبردستی گھسیٹ کرلے جارہا تھا۔ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک قبطی ایک اسرائیلی پر ظلم وتشدد کر رہا تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو ایسا کرنے سے روکا اور فرمایا اس کمزور اسرائیلی پر ظلم نہ کرے۔وہ ظالم مصری قبطی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منع کرنے پر بھی اپنی حرکت سے باز نہ آیا۔یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کے ایک طمانچہ یا مکہ رسید کر دیا۔وہ قبطی اس ضرب کو برداشت نہ کرسکا اور اسی وقت مر گیا۔یہ دیکھ کر آپ علیہ السلام کو بڑا افسوس ہوا کیونکہ آپ علیہ السلام کا مقصد اس قبطی کو مارنا نہیں بلکہ سمجھانا اور ظلم سے باز رکھنا تھا۔آپ علیہ السلام نے فوراً اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب فرمائی اللہ تعالیٰ نے اسی وقت آپ علیہ السلام کو مغفرت کی بشارت سے نوازا۔قبطی کے مرنے کی خبر پورے شہر میں پھیل گئی۔مقتول کے وارثوں نے فرعون مصر کے پاس استغاثہ کیا۔فرعون نے کہا جب تک قاتل کا علم نہ

ہو جائے ساری قوم بنی اسرائیل سے تو بدلہ نہیں لیا جا سکتا اس لئے ضروری ہے کہ جلد از جلد قاتل کو تلاش کیا جائے تا کہ اسے قرار واقعی سزا دی جا سکے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام دوسرے روز پھر سیر فرماتے ہوئے شہر کے کنارے جا پہنچے وہاں دیکھا کہ کل والا اسرائیلی پھر ایک قبطی سے جھگڑ رہا ہے۔ آپ علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا تو ایک طرف قبطی کی حرکت پر سخت افسوس فرمایا اور دوسری طرف اسرائیلی کی حرکت کو پسند نہ فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے مصری کو اس کی حرکت سے باز رکھنے کے لئے اپنا ہاتھ مبارک اس کی طرف بڑھایا اور ساتھ ہی اس اسرائیلی کو سخت سست کہا۔ فرمایا کہ تو بلا شک وشبہ کھلا ہوا گمراہ ہے۔ اسرائیلی نے جب دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میری طرف بڑھ رہے ہیں اور مجھے تلخ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں تو اس نے کہا جس طرح تم نے کل ایک قبطی کو ہلاک کیا تھا مجھے بھی ہلاک کرنا چاہتے ہو۔ مصری قبطی نے جب یہ سنا تو وہ شور کرتا ہوا مصریوں کے پاس گیا اور سارا حال بیان کیا کہ اصل میں کل مرنے والے قبطی کے قاتل حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہوئی فرعون مصر تک پہنچی۔ اس نے فوراً سپاہی دوڑائے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو گرفتار کرنے کے بعد میرے سامنے پیش کیا جائے۔

فرعون کے درباریوں میں ایک مصری ایسا بھی تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محبت رکھتا تھا اس کا ایمان تھا کہ اسرائیلی مذہب حق ہے۔ وہ شخص دربار سے اٹھا اور سیدھا آپ علیہ السلام کی خدمت میں دوڑتا ہوا حاضر ہوا اور سارا قصہ خدمت اقدس میں بیان کیا اور عرض کی حضرت میرا مشورہ ہے کہ آپ علیہ السلام مصر سے کہیں دور ہجرت فرما جائیں کیونکہ یہ لوگ آپ علیہ السلام کو نقصان پہنچائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اس مخلص شخص کا مشورہ قبول فرماتے ہوئے خاموشی سے مدین کی طرف روانہ ہو گئے۔ قرآن کریم نے ارشاد فرمایا ہے۔ القصص آیت 20۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى

ترجمہ۔ ''اور شہر کے آخری کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا''۔ (القصص آیت 20)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ارض مدین میں آمد

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب مصر سے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو مدین کو دار الہجرت قرار دیا۔ امام طبری حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے ہجرت فرما کر مدین کو منتخب فرمایا۔ مدین کی آبادی مصر سے آٹھ منازل کی مسافت پر واقع تھی۔ آپ علیہ السلام نے مدین کو ہجرت کے لئے اس واسطے پسند فرمایا کہ یہ مقام آپ علیہ السلام کے قرابت داروں کی جائے رہائش تھا۔ آپ علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور قبیلہ مدین حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھائی مدین بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے اکیلے ہی نکلے تھے دور دراز کا علاقہ پیدل ہی طے فرمایا۔ متواتر چلتے رہنے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کے مبارک پاؤں کی کھال تک متاثر ہو گئی تھی۔ چلتے چلتے آخر کار سرزمین

مدین میں پہنچ گئے۔ سفر کی تکلیف اور متواتر چلتے رہنے کی وجہ سے آپ علیہ السلام حد درجہ نڈھال ہو چکے تھے۔

مدین کا کنواں

حضرت موسیٰ علیہ السلام سرزمین مدین میں تشریف لائے تو آبادی کے باہر ایک کنواں دیکھا جہاں لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے وہاں بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ بھیڑ سے ہٹ کر دو لڑکیاں اپنے مویشیوں کے ساتھ کھڑی تھیں جب ان کے مویشی پانی پینے کے لئے آگے بڑھتے تو وہ انہیں روک دیتے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ یہاں بھی ظلم و جبر کا راج ہے۔ کمزور کو اس کے حق سے دور رکھا جا رہا ہے۔ یہ دونوں لڑکیاں کیونکہ کمزور ہیں اس لئے سرکش اور جابر لوگ ان کو پانی کے قریب نہیں آنے دیتے۔ یہ لوگ جب اپنے مویشیوں کو سیراب کر چکیں گے تب بچا کھچا پانی ان لڑکیوں کے مویشیوں کے کے حصے میں آئے گا۔ یہ سب کچھ آپ علیہ السلام کے لیے برداشت کے قابل نہ تھا۔ آپ علیہ السلام آگے بڑھے اور ان لڑکیوں سے دریافت فرمایا کہ تم اپنے مویشیوں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں۔ ان لڑکیوں نے جواب دیا ہم کمزور ہیں' ہمارا باپ بوڑھا ہے' کوئی طاقت ور شخص ہمارے ساتھ نہیں ہے' اس لئے دیگر طاقت ور لوگ ہمیں کنویں کے نزدیک نہیں جانے دیتے۔ اس مجبوری کی وجہ سے ہم الگ کھڑی رہتی ہیں۔ جب سب طاقتور لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلالیں گے تو بعد میں بچا ہوا پانی ہی ہمارے حصے میں آئے گا اور یہی ہمارا روزانہ کا دستور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کمزور لڑکیوں کی مجبوری کو سنا تو آپ علیہ السلام ہمت اور جوش سے لوگوں کی بھیڑ کو چیرتے ہوئے کنویں کی طرف بڑھے۔

لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس طرح بزور بازو آگے بڑھنا پسند تو نہ آیا مگر آپ علیہ السلام کا پر جلال چہرہ مبارک' وجاہت اور جسمانی قوت کو دیکھ کر الگ ہٹ گئے اور تعجب سے آپ علیہ السلام کو دیکھنے لگے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اکیلے ہی وہ ڈول پانی سے بھر کر باہر کھینچا جس کو کئی آدمی مل کر کھینچتے تھے تو سب لوگ دم بخود ہو کر آپ علیہ السلام کو دیکھنے لگے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ کنویں کے منہ پر ایک بھاری پتھر رکھا ہے جس کو کئی آدمی مل کر ہٹاتے اور پانی حاصل کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے اکیلے ہی اس پتھر کو ایک طرف کیا اور لڑکیوں کے مویشیوں کو پانی پلایا۔ حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو دوسری روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ قرآن کریم میں اس کی تصریح موجود ہے۔ سورہ قصص (آیت 23) میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۖ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۖ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: ''اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا اس پر ایک جماعت پانی پلا رہی ہے اور ان سے اس طرف دو عورتیں دیکھیں کہ اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم دونوں کا کیا حال ہے وہ بولیں ہم پانی نہیں پلاتے جب تک سب چرواہے پلا کر پھیر نہ لے جائیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں'' (سورۃ القصص آیت 23)۔

یہاں قابل غور یہ امر ہے کہ اگر کنویں کے منہ پر پتھر رکھا ہوا تھا یا پھر وہ دوسرا کنواں تھا تو لوگ پتھر کی موجودگی میں پانی کیسے حاصل کر رہے تھے۔ پھر قرآن کریم میں دوسرے کنویں کا ذکر بھی نہیں ہے اس لئے پہلی روایت ہی صحیح ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک وہاں دو کنویں تھے۔ ہوسکتا ہے بعد میں اسلامی عہد میں وہاں دوسرا کنواں موجود ہو اس لئے مفسرین نے دو کنوؤں کا ذکر کر دیا ہے۔ (واللہ اعلم)

بہرحال جب لڑکیوں کے مویشیوں نے پانی پی لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جو متواتر پیدل سفر کی وجہ سے سخت تھک چکے تھے کنویں سے ذرا ہٹ کر ایک سایہ دار درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گئے۔ ادھر لڑکیاں جب مویشیوں کو پانی پلا کر جلد واپس گھر پہنچیں تو ان کے والد نے جلد لوٹ آنے کی وجہ دریافت فرمائی۔ لڑکیوں نے اپنے والد ماجد کو سارا حال سنایا کہ کس طرح اللہ کے ایک نیک بندے نے جو نہایت جری اور رعب و جمال کا مالک تھا ان کی مدد کی۔ پورا قصہ سن کر والد ماجد نے فرمایا فوراً جاؤ اور اس نیک سیرت شخص کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس کا شکریہ ادا کرسکوں۔

ان میں سے ایک لڑکی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس دوبارہ آئی تو آپ علیہ السلام اس وقت درخت کے نیچے سخت تھکاوٹ اور بھوک کی حالت میں تشریف فرما تھے۔ لڑکی نے آپ علیہ السلام سے گزارش کی کہ میرے ساتھ تشریف لے چلیں میرے والد آپ (علیہ اسلام) کو بلا رہے ہیں تاکہ اس احسان کا بدلہ دے سکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو شرم و حیا کے پیکر تھے نظریں نیچی کئے لڑکی کی گفتگو سنتے رہے۔ پھر اس لڑکی کی گزارش کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے ارشاد فرمایا میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں مگر شرط یہ ہے کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلو گی اور مجھے آواز یا اشارے سے اپنے گھر کا راستہ بتاتی جاؤ گی۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اس لڑکی کے ہمراہ اس کے گھر کی طرف چل پڑے۔

شیخ مدین سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سسرالی رشتہ

حضرت موسیٰ علیہ اسلام لڑکی کے ساتھ چلتے ہوئے اس کے گھر تشریف لے گئے۔ شیخ مدین نے آپ علیہ السلام کو بڑی عزت و تکریم سے خوش آمدید کہا۔ لڑکی نے باپ سے درخواست کی کہ آپ اس نیک بخت کو اپنی بھیڑ بکریوں کو چرانے اور پانی پلانے کے لئے مزدوری پر رکھ لیں کیونکہ مزدور وہی بہتر ہے جو قوی اور امانت دار ہو جبکہ اس نیک سیرت انسان نے اپنے عمل سے قوی اور ایمان دار صاحب حیا ہونا ثابت کر دیا ہے۔ باپ نے لڑکی کی بات کو پسند کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اگر تم آٹھ سال تک میرے مویشیوں کی دیکھ بھال کا ذمہ اٹھا لو تو میں اپنی اس بیٹی جس کا نام ''صفورہ'' ہے اس کی شادی آپ کے ساتھ کر دوں گا۔ پھر اگر تم آٹھ سال کی مدت بڑھا کر مزید دو

سال اور شامل کردو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا اور یہی مدت اس لڑکی کا مہر ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شیخ مدین کی شرط مان کر ارشاد فرمایا کہ آٹھ سال یا دس سال کی مدت میں سے جسے میں پسند کروں گا اس پر عمل کروں گا یعنی اگر میں آٹھ سال کے بعد مزید دو سال حق مہر کے ادا کرنا چاہوں تب بھی میری مرضی ہوگی اور اگر دس سال پورے نہ کرنے چاہوں تو بھی مجھے ہی اختیار حاصل ہوگا۔ شیخ مدین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ بات مان لی یوں باہمی رضامندی سے طرفین کے درمیان معاہدہ طے پا گیا۔ بعض مفسرین بیان کرتے ہیں کہ مقررہ مدت ختم ہونے کے بعد ہی نکاح عمل میں آیا۔ قرآن کریم کی سورہ قصص۔ آیات 28-27 میں اس معاہدہ کا تفصیلی ذکر مذکور ہے۔ اس سورۃ سے مراجعت کی جاسکتی ہے تاکہ مزید تفصیل معلوم ہو سکے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کا اسم گرامی

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کون تھے' ان کا نام کیا تھا' اس سلسلہ میں مورخین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پھر قرآن کریم میں جہاں خسر کا ذکر آیا ہے پورے واقعات بیان کرنے کے باوجود ان کے نام کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ مدین کے ایک شیخ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ مفسرین کی کثیر تعداد جن میں اہل تاریخ بھی شامل ہیں بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کا نام مبارک حضرت شعیب علیہ السلام تھا۔ امام طبری کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کا اسم گرامی حضرت شعیب علیہ السلام تھا۔

تاریخ طبری کی طرح حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ نیز فرماتے ہیں کہ ابن ابی حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سند کے ساتھ حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر تھے۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ شیخ مدین کا نام ''یژون'' تھا اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ تاریخ طبری میں ہی امام طبری تحریر کرتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ مدین کے جس شیخ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا اجیر (مزدور) بنایا تھا وہ حضرت شعیب علیہ السلام کے برادر زادہ ''یژون'' تھے۔ سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مدین میں جس شیخ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا اجیر بنایا ان کا نام ''یژی'' تھا۔ تورات ان کا نام ''یژو'' بتاتی ہے۔

کچھ مورخین تحریر کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجیر بنانے والا شخص حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ایک مردِ مومن تھا۔ ہم آخر میں ایک جماعت کا خیال رقم کرتے ہیں ان کے نزدیک شیخ مدین نہ تو حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور نہ ہی ان کے بھتیجے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ

السلام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے بہت پہلے تھا اس میں صدیوں کا فاصلہ ہے۔ اگر حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر ہوتے تو قرآن کریم ان کے اسم گرامی کا ذکر ضرور کرتا۔ ہم نے کتب تاریخ سے حاصل شدہ اقوال تحریر کر دیئے ہیں آخر میں عرض کرتے ہیں کہ شیخ مدین کے نام کی تصریح کہیں نہیں ملتی اس لئے ضروری یہی ہے کہ اس مسئلے کو اللہ تعالیٰ کے علم پر ہی چھوڑ دیا جائے۔ پھر قرآن کریم میں بھی اتنا ہی ارشاد موجود ہے، فرمایا۔ (سورۃ القصص آیت 23) ''وَ اَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ'' ترجمہ: اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین میں زمانہ قیام

حضرت موسیٰ علیہ السلام شیخ مدین کے ساتھ طے شدہ معاہدے کے مطابق دس سال بکریاں چرانے کا کام کرتے رہے۔ مدت معاہدہ پوری ہونے کے بعد شیخ مدین نے اپنی بیٹی کا عقد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کر دیا۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں 20 سال کا عرصہ رہے۔ اس روایت کے برعکس جمہور پہلی روایت کو صحیح خیال کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں کل کتنا عرصہ قیام پذیر رہنے کے بعد مصر کی طرف روانہ ہوئے اس سلسلے میں بھی مورخین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں کیونکہ اس بات کا ذکر نہیں کہ آپ علیہ السلام مدت پوری ہونے کے کتنا عرصہ بعد مصر کو روانہ ہوئے اس لئے مورخین نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ کچھ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ مدت پوری ہوتے ہی مال واسباب اور اپنی زوجہ کو ہمراہ لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے جبکہ بعض کے نزدیک آپ علیہ السلام مدت پوری ہونے کے مزید دس سال بعد مصر روانہ ہوئے۔ حقیقت حال کیا ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ بہر حال قرآن کریم کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام بذات خود مصر کی طرف تشریف نہیں لے گئے بلکہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا کیا۔ ارشاد خداوندی ہے۔ سورۃ القصص آیت 33۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾

ترجمہ۔ ''موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پالنے والے میں نے ان مصریوں کے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا اس لئے مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں (اگر میں مصر چلا گیا)۔''

اسی طرح سورۃ الشعراء میں ارشاد ہوتا ہے۔ (سورۃ الشعراء آیت 14)

وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ:۔ ''اور ان مصریوں کا میں نے ایک گناہ کیا ہے پس میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھ کو (قبل تبلیغ رسالت) قتل کر دیں گے''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا ہم تمہارے نگہبان اور محافظ ہیں، تم مصر چلے جاؤ اور بنی اسرائیل کی مدد و ہدایت کرو جن پر مصریوں نے ظلم کے پہاڑ توڑ رکھے ہیں۔ اس حکم خداوندی کے مطابق آپ علیہ السلام مصر کو روانہ ہوئے۔ (سورۃ الشعراء آیات 15 تا 16)

مدین سے مصر کو روانگی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر نے اپنی بیٹی کا عقد آپ علیہ السلام کے ہمراہ کرنے کے بعد بھیڑ بکریوں کا ریوڑ بھی آپ علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی زوجہ محترمہ اور بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ مدین سے کافی دور نکل گئے۔ بھیڑ بکریاں سارا دن چرتی رہیں۔ رات کے وقت آپ علیہ السلام نے جنگل میں ہی ڈیرے ڈال دیئے۔ سخت سردی کا زمانہ تھا آپ علیہ السلام کو آگ کی شدید ضرورت محسوس ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس جگہ پر تشریف فرما تھے اس کے سامنے کوہ سینا کا سلسلہ موجود تھا۔ یہ مقام بحر قلزم کے دو شاخے کے درمیان مصر کو جاتے ہوئے واقع تھا۔ آپ علیہ السلام نے چقماق (پتھر) کی مدد سے آگ روشن کرنے کی کوشش فرمائی مگر سخت خنکی کی وجہ سے خشک گھاس اور پتوں نے آگ نہ پکڑی۔ آپ علیہ السلام نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی اچانک دیکھا کہ ''طویٰ'' یعنی کوہ طور پر آگ روشن ہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنی زوجہ محترمہ صفورہ سے فرمایا تم یہیں ٹھہرو میں سامنے پہاڑ سے آگ لے کر آتا ہوں اور اگر وہاں کوئی رہبر ہوا تو اس سے بھولے ہوئے راستہ کا بھی معلوم کروں گا۔ قرآن مجید کی سورہ طٰہٰ آیت 10 میں اس کا ذکر یوں آتا ہے۔

إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿١٠﴾

ترجمہ:۔ ''پھر موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی بیوی سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید اس میں سے کوئی چنگاری تمہارے لئے لاسکوں یا وہاں الاؤ پر کسی رہبر کو پاسکوں۔ (تاکہ اس سے صحیح راستے کی سمت معلوم کرسکوں)''۔

بعثت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام چلتے چلتے جب پہاڑ پر پہنچے تو یہ دیکھ کر سخت حیران ہوئے کہ دور سے نظر آنے والی آگ نہایت عجیب وغریب ہے۔ اس آگ کی نورانی روشنی نے ایک درخت کو بقعہ نور بنا رکھا ہے۔ آگ سے نہ تو درخت ہی جل رہا ہے اور نہ ہی وہ آگ بجھ رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آگ کو حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھے آپ جوں جوں آگے بڑھتے جاتے آگ دور ہو جاتی۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت حیران ہوئے اپنی جگہ کھڑے ہوگئے اور واپسی کا ارادہ فرمایا اسی وقت آگ بھی رک گئی اور آپ علیہ السلام کے قریب آگئی جس درخت پر اس کی نورانی روشنی پڑ رہی تھی اس میں سے آواز آئی۔ سورۃ القصص آیت 30۔

أَن يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٠﴾

ترجمہ:۔ ''اے موسیٰ بے شک میں اللہ ہوں جہانوں کا پروردگار''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی ذات نے مخاطب ہو کر یوں ارشاد فرمایا۔ سورۃ طٰہٰ آیات 12 تا 16۔

اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًىؕ ﴿۱۲﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾

ترجمہ۔ ''موسیٰ میں تو تمہارا پروردگار ہوں تم اپنی جوتیاں اتار دو تم یہاں پاک میدان طویٰ میں ہو اور میں نے تمہیں (نبی بنانے کے لیے) پسند کیا۔ پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سنو۔ بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کو پوشیدہ رکھوں تا کہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کی جزا پائے۔ تو جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے تم کو کہیں اس سے روک نہ دے تو ایسی صورت میں پھر تو ہلاک ہو جائے۔'' (سورہ طٰہٰ آیت 12 تا 16)

حضرت موسیٰ علیہ السلام آواز اور کلام سن کر ٹھہر گئے۔ آپ علیہ السلام کا رخ قبلہ کی طرف تھا اور وہ درخت جس پر نورانی روشنی پڑ رہی تھی آپ علیہ السلام کی داہنی جانب سے مغرب میں تھا۔ اہل کتاب کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو آگ دیکھی تھی وہ اس قدر خیرہ کن تھی کہ انہوں نے اپنا چہرہ ایک طرف کر کے اپنی آنکھوں پر ہاتھ مبارک رکھ لئے تھے کہ کہیں بصارت کو ہی نقصان نہ پہنچ جائے۔ یہاں ایک اہم بات کی وضاحت کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں وہ بات یہ ہے۔

اللہ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اپنی جوتیاں اتار کر آؤ جس کا ذکر مذکورہ سورۃ (طٰہٰ آیت 12) میں گزر چکا ہے۔ ایسا فرمانے کی کیا وجہ تھی جب کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو پاک صاف جوتوں سمیت نماز ادا کرنے کی اجازت ہے۔ اس بات کا جواب صحیح حدیث جس کو فتح البیان اور تفسیر کبیر میں بیان کیا گیا ہے جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام کو جوتیاں اتار کر مقدس وادی طویٰ میں آنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ ان کی جوتیاں مردہ گدھے کی کھال سے دباغت کے بغیر بنی ہوئی تھیں۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

ترجمہ۔ ''موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں مردہ گدھے کی کھال سے بنائی گئی تھیں''۔

شرعی حکم کے مطابق مردہ گدھے کی کھال اگر دباغت کے بغیر جوتیاں تیار کرنے کے لئے استعمال کی جائے

وہ ظاہر نہیں ہوتی۔ سورہ طٰہٰ میں مزید ارشاد ہوا کہ اللہ کریم نے موسیٰ علیہ السلام پر اپنی احدیت و معبودیت کا اظہار فرما کر انہیں اپنی عبادت اور ذکر کی تاکید فرمائی اور مزید ارشاد فرمایا کہ قیامت ضرور آئے گی اس لئے بنی آدم کو ہر وقت اس کے لئے تیار رہنا چاہئے اور اس تیاری کی صورت یہ ہے کہ حکم الٰہی کے مطابق اپنے اعمال بہتر رکھے تاکہ قیامت کے روز اس کو بہتر اجر مل سکے۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور اپنی قسمت پر ناز کرتے ہوئے بے حد خوش ہوئے۔ کلام الٰہی کی شیرینی کی وجہ سے والہانہ فریفتگی میں حیرت زدہ کھڑے رہے کیونکہ پہلی بار ذات الٰہی براہ راست مخاطب ہوئی تھی۔ اس وقت اللہ کریم نے پھر کلام فرماتے ہوئے سوال کیا۔ سورۃ طٰہٰ آیت 17۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ﴿۱۷﴾

ترجمہ:۔ ''اے موسیٰ (علیہ السلام) تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے''۔

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خالق کائنات کے دوبارہ اس سوال کرنے پر وہ لطف محسوس فرمایا جس کا اندازہ عاشق صادق ہی کر سکتا ہے۔ محبوب سوال کرنے والا ہو تو عاشق کی دلی آرزو یہی ہوتی ہے جواب میں زیادہ سے زیادہ تفصیل بیان کرے تاکہ محبوب حقیقی کی توجہ کا مرکز بنا رہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سوال کرنے والی ذات لازوال کے ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ جواب سوال کے مطابق ہی دیا جائے یعنی اگر سوال مختصر ہے تو جواب بھی مختصر ہی ہونا چاہئے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عشق کی وارفتگی میں جواب یوں ارشاد فرمایا۔ سورۃ طٰہٰ آیت 18۔

قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ﴿۱۸﴾

ترجمہ۔ ''عرض کی (یا الٰہی) یہ میری لاٹھی ہے۔ (بکریاں چراتے وقت) اس کا سہارا لیتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑ لیتا ہوں اور اس میں میرے اور کام بھی (نکلتے) ہیں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام محبت کے ولولہ میں ہم کلامی کو طول دے کر اللہ تعالیٰ کی تجلیات اور لطف و کرم سے بہرہ مند ہونا چاہتے تھے۔ پھر اچانک جذبہ عشق و محبت کی جگہ محبوب حقیقی کا پاس ادب اجاگر ہوا اور خیال پیدا ہوا کہیں میری طول بیانی گستاخی اور بے ادبی کا سبب نہ بن جائے۔ اس لئے فوراً بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ ''میرے لئے اس لاٹھی سے متعلق اور ضروریات بھی ہیں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات کا عطا کیا جانا

کوہ طور پر اللہ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوتے ہوئے ان کو پیغمبری کی خوشخبری سنائی اور ارشاد فرمایا کہ اب تم مصر جا کر بنی اسرائیل کو میرا رشد و ہدایت کا پیغام پہنچاتے ہوئے ان کی مدد کرو اور ان کو ظالم مصریوں کے مظالم سے نجات دلاؤ۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات عطا فرمائے جو نبی برحق کا طرہ امتیاز ہوتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہونے والے معجزات کا مختصراً ذکر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے

ہیں۔ اللہ کریم نے جب موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ان لازوال نعمتوں سے نوازا اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارکہ چالیس (40) سال تھی۔

عصا (لاٹھی) موسیٰ علیہ السلام

اللہ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کو آپ علیہ السلام کا معجزہ بنا دیا بعد میں اسی لاٹھی نے مشرکین و کفار کو حیرت زدہ کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے اسی لاٹھی کی مدد سے عقل کو حیران کر دینے والے کام لئے جن کی بدولت بے شمار بھٹکے ہوئے لوگ راہ مستقیم پر آ کر دائرہ امن و سلامتی میں داخل ہوئے۔ یاد رہے نبی ہر وقت اپنے معجزات کا اظہار نہیں فرمایا کرتے بلکہ ضرورت کے تحت معجزہ دکھاتے تھے تاکہ لوگ ان کا برحق نبی ہونا تسلیم کریں اور اسلام قبول کر کے جہنم کا ایندھن بننے سے بچ سکیں۔ کوہ طور پر اللہ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی کا معجزہ یوں عطا کیا ارشاد فرمایا۔ سورۃ طٰہٰ آیت 19۔

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿١٩﴾

ترجمہ۔ ''اے موسیٰ (علیہ السلام) اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دو''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہاتھ میں پکڑی ہوئی لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا۔ (سورۃ طٰہٰ آیت 20)

فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾

ترجمہ۔ ''جیسے ہی (موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو) زمین پر ڈالا اچانک وہ اژدھا (سانپ) بن کر دوڑنے لگا''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ لاٹھی اژدھا بن گئی ہے تو آپ علیہ السلام بشری تقاضہ کے مطابق وقتی طور پر متاثر ہو گئے۔ اسی وقت اللہ کریم نے ارشاد فرمایا (سورۃ طٰہٰ آیت 21) ''اے موسیٰ (علیہ السلام) اپنی اسی لاٹھی یا عصا کو بے خوف پکڑ لو ہم اس کو دوبارہ اژدھا سے لاٹھی کی شکل میں لوٹا دیں گے۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا دوشاخہ تھا۔ اس وقت وہی دوشاخہ جو اژدھا کا منہ بنا ہوا تھا۔ آپ علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق بے خوف اس دوشاخے پر ہاتھ ڈال دیا جو فوراً ہی دوشاخہ لاٹھی بن گیا۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی کی شکل میں یہ معجزہ عطا فرمایا گیا۔ بعد میں اس لاٹھی نے فرعون کے دربار میں اژدھا بن کر جادوگروں کے تمام سانپوں کو ہڑپ کر لیا۔ اسی لاٹھی کو دریائے نیل کے پانی پر مارا تو مختلف راستے بن گئے۔ صحرا میں اس لاٹھی کو پتھر پر مارا تو مختلف چشمے پھوٹ نکلے۔ غرض اس لاٹھی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیگر اور معجزات بھی دکھائے۔

معجزہ ید بیضاء

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزے عطا فرمائے تھے۔ عصا موسیٰ علیہ السلام اور ید بیضاء۔ عصا

موسیٰ کا ذکر اوپر ہو چکا اب ہم ید بیضاء کا ذکر بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا۔
سورۃ طٰہٰ آیت 22۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾

ترجمہ۔ "اور اپنے ہاتھ کو اپنی بغل کے ساتھ ملا دیجئے وہ روشن ہو کر نکل آئے گا کسی مرض کے بغیر یہ دوسری نشانی ہے۔"
(سورہ طٰہٰ آیت 22)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ دوسرا ید بیضاء کا معجزہ عطا فرمایا جو نہایت ہی حیران کن تھا۔ ویسے تو معجزہ کہتے ہی اس عمل و فعل نبی کو ہیں جو احاطہ عقل سے باہر ہو اور یہی نبی کی امتیازی شان بھی ہوتی ہے۔ مگر ید بیضاء عجیب شان کی چیز تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنا ہاتھ مبارک اپنی بغل شریفہ کے ساتھ مس فرما کر باہر نکالتے تو اندھیری رات کے باوجود ہاتھ مبارک نورانی روشنی سے اس قدر چمکنے لگتا تھا کہ ہر سو روشنی ہو جاتی۔ اللہ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ دو معجزے عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ اب تم مصر چلے جاؤ اور وہاں جا کر فرعون اور اس کی قوم کو راہ ہدایت دکھاؤ کیونکہ ان لوگوں نے نافرمانی اور سرکشی، غرور و تکبر کی انتہا کر رکھی ہے بنی اسرائیل کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کر رہے ہیں۔ ان کا چھٹکارہ آپ علیہ السلام کے ذریعے ہی ہوگا۔ (سورۃ طٰہٰ آیت 23،24۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے درخواست

اللہ تعالیٰ کا حکم سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ اقدس میں عرض کیا اے خالق کائنات تو نے مجھے اس منصب جلیل سے سرفراز فرمایا ہے میری درخواست ہے کہ میرے سینے کو فراخ اور نور سے معمور فرما کر میری زبان میں پڑی ہوئی گرہ کو کھول دے تا کہ لوگوں سے ہم کلام ہوتے ہوئے مجھے کسی قسم کی رکاوٹ محسوس نہ ہو اور لوگ میری بات کو آسانی سے سمجھ لیں اس کے علاوہ میرے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو بھی نبوت سے سرفراز فرما کر میرا خاص رفیق کار اور مددگار بنا دے وہ نہایت ہی فصیح الکلام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم کسی خوف و خطرہ کے بغیر مصر جا کر فریضہ تبلیغ ادا کرو ہم نے تمہاری گزارش کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے تمہاری زبان کی گرہ بھی کھول دی اور ہارون (علیہ السلام) کو تمہارا رفیق خاص بنا دیا۔ (سورۃ طٰہٰ آیات 25 تا 36)

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس گذارش کہ اے اللہ میری زبان کی گرہ کو کھول دے کی تفصیل عرض کر دینا اشد ضروری خیال کرتا ہوں مفسرین ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام زمانہ طفولیت (بچپن) میں ایک روز فرعون کی آغوش میں تشریف فرما تھے۔ فرعون ہمیشہ اپنی داڑھی کو جواہرات اور موتیوں سے مرصع رکھتا تھا آپ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی پر لگے ہوئے موتیوں کو اس قدر زور سے کھینچا کہ موتیوں کے ہمراہ فرعون کی داڑھی کے چند

بال بھی اکھڑ گئے۔

فرعون مصر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس فعل مبارک پر اس قدر ناراضگی اور برہمی کا مظاہرہ کیا کہ آپ علیہ السلام کو فوری قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ فرعون کی زوجہ آسیہ نے خاوند کا یہ ارادہ بھانپ کر بڑی عاجزی سے عرض کیا اے بادشاہ یہ بچہ ہے اس کے نزدیک تو تمرہ (کھجور) اور جمرہ (چنگاری) دونوں برابر ہیں۔ اسے بادشاہ کی عزت وتکریم سے کیا واقفیت۔ فرعون مصر نے اپنی زوجہ کی یہ بات سن کر کہا بہت اچھا میں ابھی اس کا امتحان کرتا ہوں اگر اس نے انگارہ دیکھ کر اپنا ہاتھ اس کی طرف نہ بڑھایا تو میں اسے ضرور قتل کروا دوں گا اور اگر اس نے انگارے کو پکڑ لیا تو تمہاری بات سچ ہونے کی صورت میں اس کو چھوڑ دوں گا۔ فرعون نے یہ کہا اور حکم دیا کہ چند کھجور کے دانے اور دہکتی آگ کے کچھ انگارے حاضر کئے جائیں حکم کی تعمیل میں دونوں چیزیں حاضر کر دی گئیں ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھا گیا۔ اللہ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کا وعدہ فرما رکھا تھا اس لئے حکم ہوا اے موسیٰ علیہ السلام انگاروں کو اٹھا کر منہ میں رکھ لو۔ آپ علیہ السلام نے حسب حکم ایسا ہی کیا یہی وجہ تھی کہ آپ علیہ السلام کی زبان مبارکہ میں لکنت آ گئی۔ اور یوں مسلسل گفتگو کے دوران رکاوٹ پیدا ہونے لگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر اسی گرہ کو کھولنے کی التجا کی تھی جسے اللہ کریم نے قبول فرمایا۔ مفسرین کا بیان کردہ قول نقل کر دیا ہے یہ بیان کس حد تک صحیح ہے۔ (واللہ اعلم)۔ ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ لکنت پیدائشی تھی اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر میں دوبارہ آمد

حضرت موسیٰ علیہ السلام وادی مقدس یعنی طور سے نیچے تشریف لائے سیدھے اپنی زوجہ محترمہ صفورہ کے پاس گئے۔ اسے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا پورا حال بتایا پھر سیدھے ان کو ہمراہ لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ منزل پر منزل طے فرماتے ہوئے جب شہر مصر میں داخل ہوئے تو رات ہو چکی تھی۔ گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا اندھیرے کی وجہ سے اہل گھرانہ پہچان نہ سکے کہ کون ہے۔ دریافت کرنے پر بتایا مسافر ہوں۔ آپ علیہ السلام کا گھرانہ بنی اسرائیل میں مہمان نوازی کی وجہ سے اہم مقام رکھتا تھا۔ والدہ نے اندر بلا لیا اور بطور مہمان بہت خاطر مدارات کی اسی دوران حضرت ہارون علیہ السلام بھی گھر تشریف لے آئے۔ اللہ کریم نے حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر میں آمد سے پہلے بذریعہ وحی منصب رسالت مل جانے کے متعلق آگاہ فرما دیا تھا۔ حضرت ہارون علیہ السلام گھر داخل ہوتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لپٹ گئے۔ گھر والوں کو سارا حال سنایا والدہ اور دیگر اہل گھرانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر خوشی ومسرت سے باری باری بغل گیر ہوئے۔ یوں دونوں بھائیوں کو اکٹھا دیکھ کر والدہ محترمہ کو مکمل سکون قلب حاصل ہوا۔ اگلے روز جب بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ مصر میں تشریف لانے کی خبر ہوئی تو لوگ خوشی کے مارے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے ہر ایک شادمان وکامران نظر آ رہا تھا۔ ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے غرض ہر طرف خوشی کا سماں تھا۔ قرآن مجید میں مختلف مقام پر حضرت موسیٰ علیہ

السلام کے حالات کا مکمل ذکر موجود ہے ہم یہاں نقشہ کی مدد سے ان آیات کو دو حصوں میں بیان کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں پہلا حصہ یہ واضح کرے گا کہ حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہم السلام بنی اسرائیل اور فرعون کے حالات وواقعات کا کن کن سورتوں اور کتنی آیات میں ذکر ہے۔ جب کہ دوسرے حصہ میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہم السلام کے اسماء مبارکہ کہاں کہاں آئے ہیں اور ان کی مجموعی تعداد کتنی ہے۔ امید ہے متلاشیان علم ان نقشوں کی مدد سے جہاں استفادہ کریں گے وہاں مجھ ناچیز کے حق میں دعا خیر ضرور فرمائیں گے۔

(1) قرآن کریم میں واقعات حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر

سورہ	آیات	تعداد
(1)نساء	153تا156،164	12دفعہ
(2)یونس	75تا93	20دفعہ
(3)بقرہ	47تا61،63تا75،83تا87،92،93،108تا136،243تا251	65دفعہ
(4)مائدہ	12،13،20تا25،32،45،70،71،78،79	37دفعہ
(5)انعام	84تا90،146،154،189	21دفعہ
(6)اعراف	103تا157،159تا171	68دفعہ
(7)انفال	54	1دفعہ
(9)شعراء	10تا66	57دفعہ
(10)نمل	7تا14	8دفعہ
(11)قصص	3تا48	46دفعہ
(12)احزاب	7	1دفعہ
(13)عنکبوت	39،40	2دفعہ
(14)سجدہ	23،24	2دفعہ
(15)مومن	23تا53	30دفعہ
(16)الصفّٰت	114تا122	9دفعہ
(17)زخرف	46تا56	11دفعہ
(18)دخان	17تا33	17دفعہ
(19)ھود	96تا99،110	5دفعہ

(20)ابراہیم	8,6,5	3دفعہ
(21)نحل	124	1دفعہ
(22)بنی اسرائیل	2تا8،101تا104	11دفعہ
(23)الکھف	60تا110	23دفعہ
(24)مریم	51تا53	3دفعہ
(25)طٰہٰ	90تا98	9دفعہ
(27)مومنون	45تا49	5دفعہ
(29)الذاریات	38تا40	3دفعہ
(30)قمر	41تا55	15دفعہ
(31)صف	5	1دفعہ
(32)جمعہ	6,5	2دفعہ
(35)مزمل	16,15	2دفعہ
(36)النّزٰعٰت	15تا25	11دفعہ
(38)الانبیاء	48،49	2دفعہ
(39)جاثیۃ	16،17	2دفعہ
(40)الفرقان	35،36	2دفعہ
(41)الفجر	10تا13	4دفعہ
(42)الحآقۃ	9،10	2دفعہ
(43)التحریم	11	1دفعہ

کل= 514دفعہ

قرآن کریم میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام وحضرت ہارون علیہ السلام کا مشترکہ ذکر

(1) سورۃ البقرآیت248

(2) سورۃ الانعام آیت85

(3) سورۃ الاعراف آیات142,122

(4) سورۃ یونس آیت 75

(5) سورۃ طٰہٰ آیت 70

(6) سورۃ الانبیاء آیت 48

(7) سورۃ المومنون آیت 45

(8) سورۃ الفرقان آیت 35

(9) سورۃ الصّٰفّٰت آیات 120,114

کل = 12 دفعہ

قرآن مجید میں حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر

(1) سورۃ مریم آیت 53

(2) سورۃ طٰہٰ آیات 92,90,30

(3) سورۃ الشعراء آیت 13

(4) سورۃ القصص آیت 34

(5) سورۃ النساء آیت 163

کل 7 = دفعہ

(2) قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا قرآن کریم میں جتنی بار ذکر آیا ہے ذیل میں اس کا نقشہ درج کیا جاتا ہے۔

سورہ	آیات	شمار (حضرت موسیٰ علیہ السلام)	شمار حضرت ہارون علیہ السلام)
(1) بقرہ	108,92,87,67,61,60,55,54,53,51, 248,246,136	13 دفعہ	1 دفعہ
(2) نساء	153 تا 164	3 دفعہ	1 دفعہ
(3) مائدہ	24,22,20	3 دفعہ	-
(4) انعام	155,92,84	3 دفعہ	1 دفعہ
(5) اعراف	128,127,122,117,115,104,103, 148,144,143,142,138,134,131, 160,159,155,154,150	21 دفعہ	2 دفعہ
(6) یونس	88,87,84,83,81,80,77,75	8 دفعہ	1 دفعہ

(7)ھود	110,96,17	3دفعہ	ـ
(8)ابراہیم	8,6,5	3دفعہ	ـ
(9)بنی اسرائیل	101,2	3دفعہ	ـ
(10)کہف	66,60	2دفعہ	ـ
(11)مریم	51	1دفعہ	1دفعہ
(12)طٰہٰ	,49,40,36,19,17,11,9,7 91,88,86,83,77,67,65,61,57	17دفعہ	4دفعہ
(13)النازعات	15	1دفعہ	ـ
(14)قصص	29,20,19,18,15,10,7,3 ,48,44,42,43,38,37,36,31,30	18دفعہ	1دفعہ
(15)شعراء	65,63,61,52,48,45,43,10	8دفعہ	2دفعہ
(16)مومنون	49,45	2دفعہ	1دفعہ
(17)نمل	10,9,7	3دفعہ	ـ
(18)فرقان	35	1دفعہ	1دفعہ
(19)زخرف	46	1دفعہ	ـ
(20)مومن	53,37,27,26,23	5دفعہ	ـ
(21)ذاریات	38	1دفعہ	ـ
(22)صف	5	1دفعہ	ـ
(23)الصافات	120,114	2دفعہ	2دفعہ
(24)احزاب	69,7	2دفعہ	ـ
(25)سجدہ	23	1دفعہ	ـ
(26)انبیاء	48	1دفعہ	1دفعہ
(27)العنکبوت	39	1دفعہ	ـ
(28)آل عمران	84	1دفعہ	ـ
(29)الحج	44	1دفعہ	ـ
(30)حم سجدہ	45	1دفعہ	ـ
(31)الشوریٰ	13	1دفعہ	ـ
(32)الاحقاف	30,12	2دفعہ	ـ

(33) النجم	36	1 دفعہ
(34) الاعلیٰ	19	1 دفعہ
	136 دفعہ	19 دفعہ

حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام فرعون کے دربار میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر واپس تشریف لے آئے تو آپ علیہ السلام کی قوم نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی نہایت محبت واحترام سے پیش آئے۔ فرعون مصر کو آپ علیہ السلام کی آمد کا علم ہوا تو وہ آگ بگولہ ہو کر سخت پیچ و تاب کھانے لگا اور سوچنے لگا کہ آپ علیہ السلام کو کس طرح سزا دی جائے۔ وہ آپ علیہ السلام کی موجودگی کو اپنے اور اپنی حکومت کے لئے سخت خطرہ خیال کرتا تھا۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے باہمی مشورہ فرما کر فیصلہ کیا کہ ہمیں فرعون کے دربار میں جا کر اسے اور اس کے امراء ووزراء کو دین حق کی تبلیغ کرنا چاہیے۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہم السلام فیصلہ کر لینے کے بعد سیدھے بے خوف وخطر فرعون کے دربار میں تشریف لے گئے۔

دعوت حق

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے تخت کے قریب جا کر اسے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اے فرعون ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ورسول کی حیثیت سے تمہارے پاس بھیجا ہے تا کہ تمہیں دین حق کی تبلیغ کریں۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ واحدہٗ لاشریک خالق کائنات پر ایمان لے آؤ اس واحد علیم وحکیم وخبیر کی عبادت کرو جس نے زمین، سورج، چاند، آسمان، ستارے غرض ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ دوسرا بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر دو اور انہیں ہمارے ساتھ پیغمبروں کی اس سرزمین پر جانے کی اجازت دے دو جہاں اللہ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کسی دوسرے کی پرستش نہیں کی جاتی اور یہی اس قوم کے آباؤ اجداد کا طریقہ ہے۔ اے فرعون میں جو کچھ تم سے کہہ رہا ہوں اس میں نہ تو کسی قسم کا جھوٹ ہے اور نہ ہی کوئی تصنع وبناوٹ کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ورسول ہوں اور ہر قسم کی غلطی سے پاک دوسرا ہم اللہ کریم کے ذمہ کسی قسم کی غلط بیانی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم کی سورہ اعراف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے ساتھ گفتگو یوں بیان کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ الاعراف آیات 104 تا 105۔

قَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِىَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ۔ ''اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا اے فرعون! میں جہانوں کے پروردگار کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ میرے لئے کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ جہانوں کے مالک پر حق و سچ کے علاوہ کچھ اور کہوں بلاشبہ میں تمہارے لئے پروردگار کے پاس سے دلیل اور نشانی لایا ہوں۔ پس تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے یا چھوڑ دے۔''

فرعون مصر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ گفتگو سن کر آگ بگولہ ہو گیا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق نہایت سکون واطمینان کی حالت میں رہے۔

فرعون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا آج تم پیغمبر کی حیثیت سے میرے سامنے بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کر رہے ہو کیا وہ دن بھول گئے جب تم نے میرے گھر میں ہی پرورش پائی بچپن کے ایام بسر کئے اور کیا تم یہ بھول گئے کہ تم نے ایک مصری کو قتل کیا اور پھر مصر سے ہجرت کر گئے۔ فرعون کی یہ گفتگو سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا مجھے یاد ہے اور تمہاری یہ بات سچ ہے کہ میں نے تمہارے ہاں پرورش پائی اور یہ بھی یاد ہے کہ غلطی سے ایک مصری کو تھپڑ مارا اور وہ مر گیا جبکہ میرا اس مصری کو قتل کرنے کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں تھا پھر میں مصر سے ہجرت کر گیا یہ بھی حقیقت ہے۔ یہ میرے پروردگار کی رحمت لازوال کا کرشمہ تھا کہ اس نے تمام مجبوریوں کے ہوتے ہوئے ان حالات میں میری پرورش تمہارے محل میں کرائی پھر اپنی سب سے بڑی نعمت عظمیٰ نبوت و رسالت سے مجھے سرفرازی عطا فرمائی۔ اللہ کریم نے اس مصری کے قتل سے مجھے اپنی رحمت کے صدقے درگزر فرما دیا۔ اے فرعون اب تو ہی بتا کہ یہ کونسا عدل وانصاف کا تقاضہ ہے کہ میری پرورش کے بدلے تو پوری قوم بنی اسرائیل کو ہی اپنا غلام بنائے رکھے؟ سورہ شعراء آیات 17 تا 22 میں مفصل ذکر موجود ہے۔ اہل علم مفصل تفصیل کے لئے سورہ شعراء سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں گفتگو

اہل مصر کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کا بادشاہ صرف عام معنوں میں ہی بادشاہ نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ ''راع'' یعنی سورج دیوتا کی طرف سے ترتیب کائنات کا مالک ہوتا تھا اسی وجہ سے شاہ مصر کو فرعون کہا جاتا تھا۔ یعنی دنیا کے سب سے بڑے ''راع'' سورج دیوتا کا اوتار۔ یہی وجہ ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کے دوران آپ علیہ السلام کو جو طعنہ دیا تھا کہ تو نے میرے ہاں پرورش پائی ہے تو اس کی مراد صرف مربی ہونا ہی نہ تھی بلکہ ایسا کہنے میں فرعون کا اصل مقصد اپنے عقیدہ کے مطابق آپ علیہ السلام پر اپنا رب ہونا خیال کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا ''میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔'' یہ الفاظ سن کر فرعون سخت برہم ہوا اور کہنے لگا

میرے علاوہ بھی تیرا کوئی رب ہے جس کو تم رب العالمین کہہ رہے ہو؟ پھر اس نے آپ علیہ السلام سے مناظرہ شروع کر دیا اور (سورۃ الشعراء آیت 23) کہا اپنے رب کی حقیقت بیان کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اے فرعون سن میرے رب کی حقیقت یہ ہے کہ (سورۃ الشعراء آیات 24،25،26)۔

''وہ وحدہٗ لاشریک ہے جس کے قبضہ قدرت میں زمین و آسمان' سورج' چاند ستارے غرض دنیا کی ہر چیز ہے اور وہی حقیقت میں ہر چیز کا مختار کل ہے۔ اے فرعون کیا تو یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ زمینوں اور آسمانوں کے درمیان جو چیز بھی ہے۔ اس کو تو نے پیدا کیا ہے۔ یہ سارا کارخانہ قدرت تیرے ہاتھ میں ہے اس کا جواب بلاشبہ یہ ہے کہ نہیں۔ تو پھر رب العالمین کی ربوبیت سے کیوں انکار کر رہا ہے؟'' فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان سن کر لاجواب ہو گیا۔ اپنی خفت مٹانے کے لئے درباریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا ''الا تستمعو ن'' کیا تم سن رہے ہو یہ (موسیٰ علیہ السلام) کیسی عجیب بات کہہ رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا۔ رب العالمین وہ ذات مقدسہ ہے جس کی ربوبیت سے تیرا اور تیرے باپ دادا کا وجود بھی خالی نہیں۔ تو اور تیرا باپ دادا اس عالم میں نہیں تھے۔ رب العالمین خالق کائنات نے ان کو وجود عطا کیا وہ اس عالم میں آئے۔ فرعون اس زبردست دلیل کو سن کر لاجواب ہو گیا پھر جاہلیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے درباریوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ''مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ (موسیٰ علیہ السلام) مجنون و پاگل ہیں۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس احمقانہ بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا اور فرمایا اے فرعون یہ مشرق و مغرب اور ساری کائنات کے درمیان جو کچھ نظر آتا ہے اور موجود ہے یہ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے جسے میں ''رب العالمین'' کہتا ہوں۔ اگر تم تھوڑی سی عقل سے بھی کام لو تو اس حقیقت کو پا سکتے ہو۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر سوال کیا کہ اگر تمہاری سب باتیں صحیح اور حق ہیں تو پھر ہمارے باپ دادوں اور پہلے لوگوں کا کیا حشر ہو گا جو تیرے عقیدہ پر نہ تھے۔ کیا وہ سب عذاب میں گرفتار' دوزخ کا ایندھن بن چکے ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کا یہ سوال سن کر فوراً سمجھ لیا کہ یہ شخص مجھے ادھر ادھر کی باتوں میں الجھا کر اصل حقیقت سے ہٹانا چاہتا ہے آپ علیہ السلام نے پیغمبرانہ تدبر سے فرمایا ''اے فرعون ان لوگوں پر کیا گزر رہی ہے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا۔ اس کی ذمہ داری نہ تو تم پر ہے اور نہ ہی مجھ پر۔ اس کا علم تو خالق کائنات کو ہے جو کہ ہر قسم کی بھول چوک سے پاک ہے۔ یہ جواب دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گفتگو کا رخ اصل موضوع کی طرف پھیرتے ہوئے رب العالمین کے اوصاف کی مزید مستحکم طریقے سے وضاحت فرمائی۔ سورہ طٰہٰ۔ آیت 49 تا 57 میں اس کی مکمل وضاحت موجود ہے۔ متلاشیان علم وہاں سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

ہامان کو مینار بنانے کا حکم

فرعون مصر نے جب دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوی دلائل حق کے جواب میں اس کے پاس کوئی دلیل اور حل نہیں تو اس نے اپنے درباریوں میں سے ایک کو جس کا نام ہامان تھا حکم دیا کہ اینٹیں پکاؤ اور پھر ایک بلند مینار

تعمیر کرو تا کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ علیہ السلام کے خدا کا پتہ معلوم کر سکوں کیونکہ میرے نزدیک موسیٰ علیہ السلام سچے نہیں ہیں قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ القصص آیت 38۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ
يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي
يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَل لِّي صَرْحًا لَّعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ
إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٣٨﴾

ترجمہ۔ ''اور فرعون بولا اے درباریو میں تمہارے لیے اپنے سوا کوئی خدا نہیں جانتا اے ہامان اینٹیں پکا کر ایک بہت بلند عمارت (مینار) بنا شاید میں اس پر چڑھ کر موسیٰ (علیہ السلام) کے خدا کا پتہ لگا سکوں اور میں تو بلاشبہ موسیٰ (علیہ السلام) کو جھوٹا خیال کرتا ہوں۔''

فرعون کے حکم پر ہامان نے ایک بلند مینار تعمیر کیا تا کہ فرعون حسب خواہش اس پر چڑھ کر موسیٰ علیہ السلام کے رب کو دیکھ سکے یا اس کا علم حاصل کر سکے۔ قرآن مجید میں اس بات کا ذکر موجود نہیں کہ ہامان فرعون کے دربار میں کس منصب پر فائز تھا یا اس کا فرعون کے ساتھ کوئی رشتہ وغیرہ تھا یا نہیں۔ قرآن کریم میں ہامان کا ذکر اور اس کو بلند عمارت تعمیر کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا اس کا ذکر سورہ قصص آیت 38 میں جس قدر موجود ہے ہم نے تحریر کر دیا ہے۔ ہامان نے عمارت تعمیر کی فرعون نے اس پر چڑھ کر کیا کیا اس سلسلے میں قرآن کریم فرقان حمید میں کوئی وضاحت بیان نہیں کی گئی۔ البتہ مفسرین کی کثیر تعداد نے لکھا ہے کہ جب ہامان نے حسب حکم مینار تعمیر کر دیا تو فرعون کو اطلاع دی فرعون تیر کمان ہاتھ میں لے کر اس بلند مینار پر چڑھا اور اوپر جا کر آسمان کی طرف تیر پھینکا قدرت خداوندی کہ وہ تیر خون آلود ہو کر واپس آیا۔ یہ دیکھ کر فرعون بہت خوش ہوا اور نہایت غرور کے ساتھ کہنے لگا اے مصریو! دیکھو میں نے موسیٰ علیہ السلام کے خدا کا قصہ تمام کر دیا ہے (نعوذ باللہ) اس قصہ میں کہاں تک صداقت ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام

فرعون بظاہر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہر بات کا انکار کر رہا تھا تا کہ اس کے درباریوں اور اہل مصر پر اس کا رعب قائم رہے اور وہ اس کو ہی خالق مانتے رہیں مگر اندر سے وہ اور اس کے درباری اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو کچھ فرماتے ہیں وہی حق ہے۔ مگر برا ہو نفس کا جو فرعون کو ہٹ دھرمی پر قائم رکھے ہوئے تھا۔ فرعون کو اس کشمکش میں واضح نظر آ رہا تھا کہ اس کی حکومت کو سخت خطرے سے دوچار ہونا پڑے گا اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لئے اس نے گزشتہ ہٹ دھرمی، ضدی اور جابر حکمرانوں والا طریقہ اختیار کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو مرعوب کرنے کے لئے کہا اگر تم لوگوں نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو میں تمہیں قید میں ڈال

دوں گا۔فرعون کی یہ بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشادفرمایا میں اپنے رب کی طرف سے واضح نشانی لے کر آیا ہوں پھر میں کیسے غلط راستہ اختیار کرسکتا ہوں۔فرعون کہنے لگا اگر تم واقعی اس سلسلے میں سچے ہوتو اپنے رب کی طرف سے لائی ہوئی نشانی مجھے دکھاؤ۔سورہ شعراء اور اعراف میں اس کا ذکر موجود ہے ارشادخداوندی ہے۔سورۃ الشعراء آیات29تا31۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَأْتِ بِهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣١﴾

ترجمہ۔''فرعون نے کہا اگر تو نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں تجھے ضرور قید کردوں گا۔موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اگرچہ میں تیرے پاس ظاہر نشان لایا ہوں تب بھی کہا تو لاؤ اگر سچے ہو۔''

سورۃ الاعراف آیت106 میں فرمایا ہے:۔

قَالَ إِن كُنتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٠٦﴾

ترجمہ۔''فرعون نے کہا اگر تو اپنے رب کے پاس کوئی نشانی لایا ہے تو اگر سچا ہے تو وہ (نشانی) دکھا۔''

فرعون کی یہ بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے ملنے والی نشانیوں میں سے پہلی نشانی جو عصاء (موسیٰ علیہ السلام) کی شکل میں تھی دکھائی۔آپ علیہ السلام نے اپنا عصاء فرعون کے سامنے دربار کے فرش پر ڈال دیا عصاء کلیم نے فوراً اصل اژدھا کی شکل اختیار کرلی۔فرعون اور اہل دربار کے ہوش وحواس جاتے رہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصاء مبارک کو پکڑ لیا تو وہ پھر اژدھا سے لاٹھی بن گیا۔اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ مبارک بغل یا جیب میں ڈالنے کے بعد باہر نکالا تو وہ ایک روشن ستارے کے مانند چمکنے لگا۔فرعون اور اہل دربار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ دونوں معجزے دیکھ کر بھی حق کی طرف نہ آئے بلکہ وہ سب اپنی عیاں شکست کو دیکھ کر تلملا اٹھے اور یک زبان کہنے لگے بلاشبہ یہ بہت بڑا جادوگر ہے جو اپنے جادو کے زور پر مصر کی حکومت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔اس کے بعد فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام سے کہا ہمیں کچھ مہلت دو تاکہ ہم ملک کے بڑے بڑے جادوگروں کو دربار میں جمع کرکے ان کے ہاتھوں تمہیں شکست دلاسکیں۔اب تیرے اور ہمارے درمیان مقابلہ کا دن طے کرنے کا معاہدہ ہونا چاہیئے جس کے مطابق نہ ہم اس وعدہ کی خلاف ورزی کریں اور نہ ہی تم وعدہ خلافی کرو۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشادفرمایا مجھے تمہاری یہ بات منظور ہے اس کام کے لئے سب سے بہتر دن ''یوم الزینت'' (جشن کا روز) ہے۔اس دن ہم سب میدان میں اکٹھے ہوں گے اور حق و باطل کا فیصلہ ہوجائے گا۔اس معاہدے کے بعد حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام دربار سے تشریف لے گئے۔ادھر

فرعون نے سارے مصر میں اپنے اعیان و عہدے داروں کو احکام جاری کئے کہ ملک میں جتنے مشہور اور بڑے بڑے جادوگر ہیں ان کو فوراً میرے حضور حاضر کیا جائے۔ (سورۃ الاعراف آیات 107 تا 112)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مصری جادوگر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اہل دربار نے عظیم جادوگر اس لئے کہا کہ ان کے نزدیک لاٹھی کا اژدھا بن جانا اور آپ علیہ السلام کے ہاتھ مبارک کا ستارے کی مانند چمکنا کوئی معجزہ نہیں بلکہ جادو تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں مصر کی تمدنی تہذیب میں جادوگری اور جادو کو بڑی ہی اہمیت حاصل تھی۔ جادوگری اس زمانے میں ایک مستقل علم وفن کی حیثیت رکھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جادوگروں کو شاہی دربار میں بڑا اثر ورسوخ حاصل تھا۔ یہ جادوگر مذہبی اعتبار سے بھی بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ ماہرین آثار قدیمہ نے جو قدیم شاہی مقبروں اور حنوط شدہ فرعونوں کی ممیوں کے ساتھ دفن شدہ خطوط و دستاویزات حاصل کی ہیں ان سے ہماری مذکورہ تحریر کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ جادو کے اس فن کو صرف مصر میں ہی اہمیت حاصل نہ تھی بلکہ چین، بابل اور ہندوستان اس لعنت میں بری طرح گرفتار تھے۔ ان علاقوں کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا اشد ضروری ہے کہ معجزے اور جادو میں کیا فرق ہے۔ معجزہ چونکہ عام عادت کے خلاف فعل کا نام ہے اس لیے اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی فاتر العقل معجزہ کو بھی جادو نہ سمجھ لے۔ معجزہ اور جادو میں یہ فرق ہے کہ جادو کرنے والے کی عام زندگی خوف، دہشت و بدعملیوں سے عبارت ہوتی ہے۔ لوگ جادوگروں کی حرکات و افعال سے خوف کھاتے ہیں اور ان کی عادت کے خلاف حرکات وعمل کے سامنے مرعوب ہو جاتے ہیں اور یوں جادو کرنے والے کی ہر بات ماننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات عطا کرتا ہے گو وہ بھی عام عادت و افعال کے برعکس ہوتے ہیں مگر ان پاک ہستیوں کی تمام زندگی صداقت، امانت اور خلوص کا عملی ثبوت ہوتی ہے۔ ہمدردی، غمگساری، تقویٰ وطہارت اور انسانی خدمت ان کا طرہ امتیاز ہوتی ہے۔ پھر معجزہ جادوگری کی طرح پیشہ نہیں ہوتا بلکہ اللہ کے حکم سے خاص خاص موقعوں پر لوگوں کو حق و صداقت کا ثبوت وحمایت کے لئے ظاہر کیا جاتا ہے۔ نبی ہمیشہ اس موقع پر معجزہ دکھاتا ہے جبکہ دشمن بھی اس کی عصمت و صداقت اور کردار کی پاکیزگی کا اعتراف کر لیتا ہے مگر بدقسمتی سے نبی کی دعوت حق کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتا ہے یا پھر خود نبی سے سوال کرتا ہے کہ اگر تو سچا ہے تو مجھے کوئی معجزہ دکھا جو تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ اس بات کے ثبوت میں گزشتہ اوراق میں لاتعداد مثالیں تحریر کر چکے ہیں اور آئندہ بھی تحریر کریں گے۔ ایک خاص بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ سحر (جادو) اور معجزہ کا جب بھی مقابلہ ہوا معجزہ کے سامنے سحر ہمیشہ ذلیل وخوار ہی ہوا۔ قرآن کریم اور تاریخ عالم اس بات کی گواہ ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کریم نے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے برعکس معجزے بھی عطا فرمائے جو اس وقت جادو کا مکمل توڑ تھے۔ ان معجزات کو دیکھ کر بڑے بڑے جادوگر پکار اٹھے کہ موسیٰ علیہ السلام جو کمالات رکھتے ہیں وہ انسانی طاقت کے بس میں نہیں بلکہ یہ تو اللہ کی طرف سے اپنے سچے نبی اور رسول کو عطا شدہ معجزات ہی ہیں۔

مقابلے کی ابتداء اور انجام

فرعون کے حکم پر جب اطراف سے تمام بڑے بڑے جادوگر اس کے پاس پہنچ گئے ادھر یوم جشن بھی آ پہنچا۔ اہل مصر جوق در جوق اس مقابلے کو دیکھنے کے لئے میدان میں اکٹھے ہو گئے۔ تب تخت شاہی آراستہ کیا گیا۔ فرعون بڑے تکبر اور غرور سے تخت شاہی پر آ کر بیٹھا۔ تمام درباری حسب مراتب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ ایک طرف تمام جادوگر اپنے اپنے ساز و سامان کے ساتھ لیس کھڑے تھے۔ فرعون نے ان لوگوں کو جیت کی صورت میں گراں قدر انعامات دینے کا وعدہ کیا تھا۔ دوسری طرف حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے برحق نبی سچائی و حق کے پیکر بڑی شان سے جلوہ افروز تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس موقع پر بھی حق تبلیغ ادا فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:

''اے لوگو تمہاری حالت پر سخت افسوس ہے، یہ تم کیا کر رہے ہو، عقل سے کام لو؟ تم لوگ ہمیں جادوگر کہہ کر اللہ پر جھوٹا بہتان لگا رہے ہو، مجھے سخت اندیشہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اس بہتان تراشی کی وجہ سے سخت عذاب میں مبتلا نہ کر دے جیسا گزشتہ امتوں کے ساتھ ہوا کیوں کہ جب بھی کسی نے بہتان باندھا وہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہی رہا۔'' ہجوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد سنا تو آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ فرعون کے درباریوں نے لوگوں کی یہ کیفیت دیکھ کر جادوگروں سے کہا کہ یہ دونوں بھائی (نعوذ باللہ) جادوگر ہیں۔ اس سے پہلے کہ عوام ان کے جادو سے متاثر ہو جائیں تم مقابلہ شروع کر دو۔ آج اگر تم اس مقابلے میں کامیاب ہوئے تو بادشاہ کی طرف سے گراں قدر انعام کے مستحق ٹھہرو گے۔

جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب آ کر بولے مقابلے کی ابتداء آپ کی طرف سے ہو گی یا ہم پہل کریں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تم لوگ ہی ابتداء کرو اور اپنی حسرت پوری کر لو۔ جادوگروں نے اپنی رسیاں، بان اور لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں جو فوراً ہی سانپ اور اژدھے کی شکل اختیار کر کے بھاگنے لگیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ سب کچھ نظر کا دھوکہ تھا اصل میں ان رسیوں اور لاٹھیوں میں پارہ بھرا ہوا تھا جو سورج کی گرمی لگنے کی وجہ سے حرکت میں آیا اور ساتھ ہی یہ رسیاں اور لاٹھیاں بھی ہلنے لگیں جنہیں دیکھ کر لوگ جادوگروں کے کمال پر عش عش کر اٹھے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلی سانپوں والی روایت ہی سچ ہے دوسری روایت محض دماغی سوچ ہے جسے اہل سیر کی کثیر تعداد تسلیم نہیں کرتی۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ رسیاں، بان اور لاٹھیاں سانپ بن گئی ہیں تو آپ علیہ السلام نے اپنا عصاء (لاٹھی) کو زمین پر ڈال دیا جس نے فوراً عظیم اژدھا کی شکل اختیار کر لی اور جادوگروں کے تمام سانپوں کو نگل لیا۔ اب میدان صاف تھا۔ سورہ یونس آیت 83 تا 93 اور سورۃ شعرا آیات 10 تا 68 اور سورۃ طٰہٰ آیات 55 تا 79 اور سورۃ الاعراف آیات 103 تا 136 میں اس کی مفصل تفصیل موجود ہے۔ متلاشیان علم ان قرآنی سورتوں سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

جادوگر جو کہ اپنے فن میں ماہر تھے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کرشمہ دیکھ کر تمام حقیقت حال سے واقف ہو گئے جو فرعون اور اس کے درباریوں نے ان سے پوشیدہ رکھی ہوئی تھی۔ تمام کے تمام جادوگر یک زبان پکار اٹھے۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل مبارک ہرگز جادو نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والا عظیم معجزہ ہے۔ اس کے بعد وہ سب سجدہ میں گر پڑے اور اعلان کر دیا کہ ہم سب کے سب حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کے پروردگار پر ایمان لائے جو کہ ''رب کائنات'' ہے۔ قرآن عزیز فرماتا ہے۔ سورۃ طٰہٰ آیت 70۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوٓا آمَنَّا بِرَبِّ هَٰرُونَ وَمُوسَىٰ ۞

ترجمہ۔ ''پس سب جادوگر سجدے میں گر گئے اور کہنے لگے ہم حضرت ہارون اور موسیٰ (علیہم السلام) کے رب پر ایمان لے آئے''۔ (سورۃ طٰہٰ آیت 70)

فرعون اور اہل دربار نے جب دیکھا کہ ہمارا سارا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا ہے۔ ہم اہل مصر کے سامنے ذلیل و رسوا ہو گئے ہیں۔ اب کہیں ایسا نہ ہو موسیٰ (علیہ السلام) اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر ہمارا سب کچھ برباد کر دیں تو انہوں نے فوراً ایک نئی چال چلتے ہوئے کہا ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ تم سب جادوگروں نے اپنے استاذ موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ مل کر سازش تیار کر رکھی تھی جبھی تو تم لوگ میری اجازت کے بغیر موسیٰ (علیہ السلام) کے خدا پر ایمان لے آئے ہو۔ اس جرم کی تمہیں سخت اور عبرتناک سزا دی جائے گی۔ وہ سزا یہ ہو گی کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں کٹوا کر سولی پر چڑھا دوں گا۔ سورہ طٰہٰ رکوع 3 میں یہ گفتگو موجود ہے۔

مقابلہ کا نتیجہ

جادوگروں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہونے والے مقابلے کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام جادوگر ہی نہیں بلکہ اسرائیلی و مصریوں کی ایک جماعت (جس کی تعداد سورۃ الاعراف آیت 127 کی تشریح بیان کرتے ہوئے بعض مفسرین نے چھ لاکھ بتائی ہے) نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ یہ جماعت اس وقت فرعون کے ڈر سے اپنے اسلام کا اعلان نہ کر سکی مگر جادوگروں کی جماعت نے فوراً اسلام لانے کا اعلان کر دیا اور فرعون کی دھمکی کے باوجود حق و صداقت پر قائم رہی۔ یہ مذہب حق کا اعجاز ہے کہ جب کوئی صدق دل سے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تو پھر بڑے سے بڑا لالچ اور دھمکی بھی اس کے اسلام کو کبھی متزلزل نہیں کر سکتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسلام لانے والوں سے فرمایا لوگو! اسلام لانے کے بعد اب تمہارا واحد سہارا صرف اللہ کریم کی ذات مقدسہ ہے جو ہر حال میں تمہاری حفاظت کرے گا۔ لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد مبارک پر لبیک کہا انہوں نے خدائے بزرگ و برتر کے حضور سر بسجود ہو کر صدق دل سے مغفرت کی دعا کی اور ظالموں کے ظلم و ستم سے محفوظ رہنے کی التجا بھی کی۔ سورہ یونس آیت 84، 85، 86، 87 میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

فرعون کے مظالم کی انتہاء

فرعون نے اہل مصر کے سامنے خود کو ذلیل ورسوا ہوتا دیکھ کر بنی اسرائیل پر مظالم کے لئے احکام جاری کردیئے ۔اس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کی اولاد نرینہ کو قتل کردیا جائے' لڑکیوں کو خدمت کے لئے زندہ رہنے دیا جائے۔اس کے علاوہ ان جادوگروں کو جو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے ان پر مظالم کی انتہا کرنے کا حکم دیا اس طرح ان میں سے بہت سے لوگ ظلم کی سختیاں برداشت نہ کرسکے اور شہادت کے رتبہ پر فائز ہوئے۔حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ان لوگوں نے صبر واستقامت پر قائم رہتے ہوئے ایمان کے ساتھ مرنے کی دعا کی جسے اللہ کریم نے شرف قبولیت بخشا۔قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔سورۃ اعراف آیت 126۔

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ؏ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: ''(انہوں نے جواب دیا) اور تو نے ہم میں کون سا عیب دیکھا بجز اس کے کہ ہم اپنے رب کے احکام پر ایمان لے آئے۔جب وہ احکام ہمارے پاس آئے اے ہمارے رب ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں مسلمان اٹھا''۔

فرعون نے بنی اسرائیل کی اولاد نرینہ کو قتل کردینے کا یہ حکم دوسری دفعہ دیا۔اس ظالم کے حکم سے لاتعداد بنی اسرائیل کے نومولود اور دیگر لوگوں کو قتل کردیا گیا۔ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہم السلام کو فرعون کے ظلم وجبر سے محفوظ رکھا۔یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم تھا۔آپ علیہ السلام لوگوں کو صبر واستقامت کی متواتر تلقین فرماتے رہے۔قوم موسیٰ علیہ السلام نے نہایت بردباری اور تحمل سے فرعون کے ہر ظلم کو برداشت کیا۔قارون جو تاریخ میں بے پناہ دولت کی وجہ سے مشہور ہے اپنی اس فنا ہونے والی دولت کو بچانے کے لیے فرعون سے ملا رہا حالانکہ اس کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔قارون کے بارے میں ہم آگے چل کر مفصل روشنی ڈالیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم

کتب تاریخ کا مطالعہ کر لیجئے ایک بات نہایت وضاحت کے ساتھ عملی طور پر کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جو اقوام عرصہ دراز تک غلامی کی زندگی بسر کرتی رہتی ہیں وہ زبوں حالی' کمزور' کم ہمت اور پستی کا شکار ہو کر نہایت بزدل اور نکمی ہو جاتی ہیں۔یہی حال بنی اسرائیل کا ہو چکا تھا یہ قوم صدیوں سے غلامی کی زندگی بسر کرتے کرتے مذکورہ خامیوں کا عملی نمونہ بن چکی تھی۔بنی اسرائیل کی ہمت، عقل وشعور سب کچھ غلامی کی نذر ہو چکا تھا۔قوم جب ان حالات سے دوچار رہو اور پھر اللہ کریم ان کی تعلیم وتربیت اور حوصلہ مندی کے لئے اپنا برحق نبی مبعوث فرمائے تو یہ بات سننا اور اس پر عمل کرنا اس قوم کے لئے سخت مشکل اور ناممکن نظر آتا ہے۔یہاں بھی یہی کیفیت موجود تھی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کی راہ نمائی کے لئے تشریف لائے تو اس قوم نے ابتداء میں ان کی ہر بات پر شک کیا

بعد میں سچائی کو دیکھ کر آہستہ آہستہ آپ علیہ السلام پر ایمان لانے لگے مگر جب فرعون نے ان پر سخت مظالم کیے تو وہ لوگ اپنی پرانی ڈگر پر چل نکلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے ہم عرصہ دراز سے ظلم کی چکی میں شب و روز پس رہے تھے۔ آپ علیہ السلام کے تشریف لانے پر ہمیں نجات کی صورت نظر آنے لگی تھی۔ اس لئے ہم آپ علیہ السلام کی دعوت کو لبیک کہتے ہوئے آپ علیہ السلام کے قریب ہو گئے مگر کچھ عرصہ بعد وہی پرانی ظلم و جبر کی چکی دوبارہ ہمارا کام تمام کرنے کے لئے چل پڑی ہے اس لئے ہم سخت مشکل میں گرفتار ہوتے جا رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کی بات سن کر ارشاد فرمایا تم لوگ گھبراؤ نہیں اور ہرگز مایوس نہ ہو زمین کا مالک فرعون یا اس کی قوم نہیں بلکہ اللہ رب العالمین ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کا مالک بنا دے مگر آخر کار فتح و نصرت اہل حق کے حصہ میں ہی آتی ہے۔ یقین رکھو اللہ کریم ہمیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا وہ یقیناً ہماری مدد فرمائے گا۔ پس تم لوگ سختی سے راہ حق پر گامزن رہو۔ سورہ اعراف رکوع 15 (آیت 127 تا 129) میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد سن کر قوم کو کچھ تسلی ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ فرعون کے مظالم حد سے بڑھتے جا رہے ہیں اور وہ اپنی طاقت و دولت کے نشے میں شب و روز بنی اسرائیل پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہا ہے۔ میری کسی نصیحت کو قبول نہیں کر رہا تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی۔ عرض کیا "اے رب العالمین تو نے فرعون کو جو دولت و طاقت عطا فرما رکھی ہے اس پر تیرا شکر ادا کرنے کی بجائے تیری مخلوق پر ظلم و ستم کر رہا ہے نہ تو خود حق کو قبول کرتا ہے اور نہ دوسروں کو ایسا کرنے دیتا ہے۔ اے اللہ اس کی دولت و ثروت کو تباہ و برباد فرما کر اس پر اپنا عذاب مسلط فرما دے تا کہ اس کی داستان دوسرے لوگوں کے لئے عبرت بن جائے۔" اللہ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی۔ ادھر فرعون نے اپنے درباریوں سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ہی قتل کر دیا جائے، اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو یہ پوری قوم کے مذہب کو آہستہ آہستہ اپنے ساتھ ملا کر ہم کو تباہ و برباد کر دے گا۔ اہل دربار نے فرعون کے اس مشورہ کو اتفاق رائے سے منظور کر لیا اور اس پر عمل کرنے کو تیار ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ اسلام کو جب فرعون کی نیت کا علم ہوا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں فرعون کے تکبر و طاقت سے ہرگز نہیں ڈرتا کیونکہ یہ جاہل شخص خدا کے یوم حساب سے نہیں ڈرتا۔ مجھے کوئی خوف یا ڈر نہیں کیونکہ میرا پشت پناہ تو میرا خالق حقیقی ہے' میں صرف اسی کی پناہ چاہتا ہوں۔ فرعون میرے ساتھ جو معاملہ کرنا چاہتا ہے بصد شوق کر کے دیکھ لے۔ سورہ مومن آیات 23 تا 30 میں موسیٰ علیہ السلام کی یہ گفتگو مذکور ہے۔

ایک مرد مومن

فرعون اور اہل دربار جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف نظام العمل بنانے میں مصروف تھے تو اس

وقت درباریوں میں ایک مصری مرد مومن ایسا بھی موجود تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا مگر اس نے اپنے ایمان لانے کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ اس مومن شخص نے فرعون اور درباریوں کی گفتگو سن کر انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا ''تم لوگ ایسے مردِ حق کو قتل کر دینا چاہتے ہو جو سچی بات کہتا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف سے سچی نشانیاں لایا ہے جن کا مظاہرہ تم دیکھ چکے ہو۔ پھر بھی اگر وہ تمہارے خیال میں سچا نہیں تو تمہیں اس کی طرف سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور اگر وہ سچا ہے تو اس کی ان باتوں اور عذاب سے ڈرو جو وہ تم کو خدا کی طرف سے سناتا ہے۔ اے لوگو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارا انجام بھی گزشتہ اقوام عاد، ثمود اور قوم نوح جیسا نہ ہو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتا جب تک قومیں خود اپنے اوپر ظلم کر کے عذاب الٰہی کی مستحق نہ ٹھہریں۔ تم لوگ دولت کی وجہ سے آج دنیا کی وجاہت اور جھوٹی شان کے پیچھے لگ کر حق سے منہ موڑے ہوئے ہو مگر میں تم لوگوں کو اس دن سے ڈرا رہا ہوں جو قیامت کا ہے اس روز تم ایک دوسرے کو پکارو گے مگر تمہیں خدا کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اے مصر والو تمہارا حال تو یہ ہے کہ اس سرزمین پر جب حضرت یوسف علیہ السلام نے خدا کا پیغام سنایا تب بھی تمہارے اجداد نے اس پیغام کو شک کی نگاہوں سے دیکھا اور ان پر ایمان نہ لائے۔ پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو کہنے لگے اب خدا اپنا کوئی اور رسول نہیں بھیجے گا۔ آج صدیاں گزر جانے کے باوجود تم لوگ اپنے اجداد کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی وہی سلوک کر رہے ہو۔ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں اب بھی وقت ہے اپنی ان حرکتوں سے باز آ جاؤ فائدہ میں رہو گے۔'' قرآن کریم کی سورہ مومن آیات 28 تا 35 میں اس مردِ مومن کی گفتگو تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ متلاشیانِ علم اس سورہ مبارکہ سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

اہلِ مصر پر اللہ تعالیٰ کا قہر

فرعون اور اس کے لوگوں نے مقابلے میں سخت ذلت اٹھائی۔ جادوگر اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئے۔ یہ سب کچھ فرعون کے لئے ناقابلِ برداشت تھا اس نے اپنی ذلت کا بدلہ لینے کے لئے بنی اسرائیل پر ظلم کی انتہا کر دی۔ ان کی اولادِ نرینہ کو بے دھڑک قتل کرنا شروع کر دیا۔ شب و روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم سمیت تنگ کرنے لگا اور اپنی ربوبیت کا زور شور سے سلسلہ تبلیغ شروع کر دیا۔ فرعون کے مظالم جب حد سے بڑھ گئے تو اللہ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعے فرمایا کہ فرعون سے فرما دو اگر تو نے اپنی یہ حرکات ختم نہ کیں تو عنقریب اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس اطلاع کے باوجود اپنی ظالمانہ کارروائیاں جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی قوم سے فرما دیں کہ وہ اپنے لئے الگ مساجد کی طرز پر مکان تعمیر کریں تاکہ فرعون اور اس کے اہل کاروں کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔ مکانات ایسے ہوں کہ ضرورت پڑنے پر انہیں اکھاڑ کر سواریوں پر لاد کر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جہاں چاہیں لے جا سکیں۔ مذکورہ روایات اور آیات قرآنی کی تشریح مجاہد، ابو مالک، ابراہیم نخعی، زید بن اسلم اور ان کے

بیٹے عبدالرحمٰن رحمہما اللہ سے منقول ہیں۔

جوؤں کا عذاب

فرعون مصر پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کا کچھ اثر نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اہل فرعون کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیا۔ فرعون اور اس کی قوم پر جوؤں کا عذاب مسلط کر دیا گیا۔ اہل مصر میں سے کوئی بھی ایسا نہ بچا جس کے جسم کو جوؤں نے چھوڑ دیا ہو۔ خون چوس چوس کر ان لوگوں کا سکون و آرام ختم کر دیا۔ اس عذاب سے تنگ آ کر فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمیں اس عذاب سے بچالیں ہم لوگ ایمان لے آئیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی اور یوں فرعون اور اس کی قوم سے جوؤں کا عذاب ٹل گیا۔ عذاب کے ٹلتے ہی فرعون اور اس کی قوم دوبارہ اپنی فطرت کے مطابق ظلم وستم پر اتر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر اپنا دوسرا عذاب مسلط فرما دیا۔

قمل یعنی گھن کا عذاب

ایک مہینہ عافیت سے گزرنے کے بعد جب پھر اعمال خبیثہ میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے قمل بھیجے اس میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ قمل گھن ہے بعض کہتے ہیں ایک چھوٹا سا کیڑا ہے۔ اس کیڑے نے جو کھیتیاں اور پھل باقی رہے تھے وہ کھا لیے۔ کپڑوں میں گھس جاتا تھا اور جلد کو کاٹتا تھا کھانے میں بھر جاتا تھا اگر کوئی دس بوری گیہوں چکی پر لے جاتا تو تین بوری واپس لاتا باقی سب کیڑے کھا جاتے یہ کیڑے فرعونیوں کے بال بھنویں اور پلکیں چاٹ گئے جسم پر چیچک کی طرح بھر جاتے اور سونا دشوار کر دیا اس مصیبت سے فرعونی چیخ اٹھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس بلا سے جان چھڑا دینے کی دعا کے لیے عرض کی دعا سے بلا رفع ہوئی مگر فرعونیوں نے پھر عہد شکنی کی۔

مینڈکوں کا عذاب

فرعون اور اس کی قوم پر یہ عذاب مینڈکوں کی شکل میں نازل ہوا۔ ان لوگوں کے اٹھنے بیٹھنے‘ سونے جاگنے‘ کھانے پینے کے برتنوں غرض کوئی ایسی جگہ نہ بچی جہاں مینڈک ہی مینڈک نہ ہوں۔ مینڈکوں کے اس عذاب نے فرعون اور اس کی قوم کا زندہ رہنا محال کر دیا۔ تنگ آ کر ان لوگوں نے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا اس دفعہ ہم پکا وعدہ کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اس لئے ہمیں اس عذاب سے بچالیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درگزر سے کام لیتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں درخواست کی کہ مینڈکوں کا یہ عذاب ختم فرما دے۔ ان کی دعا قبول ہوئی اور یوں فرعون اور اس کی قوم کو عذاب سے نجات ملی۔ جیسے ہی عذاب ختم ہوا وہ بدبخت لوگ اپنے وعدہ سے پھر کر ظلم وستم میں مشغول ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مصری قوم کو بدعہدی اور ظلم وستم کے جرم میں پھر عذاب میں

مبتلا کر دیا۔

خون کا عذاب

اس دفعہ فرعون اور اس کی قوم پر خونی عذاب مسلط کیا گیا۔ اس عذاب کی شکل یہ تھی کہ بحرِ قلزم کا پانی اور دیگر تمام کنوؤں کا پانی خون آلود ہو گیا۔ اس طرح پورے ملک میں پانی کا ایک قطرہ بھی ایسا نہ رہا جو خون آلود نہ ہو۔ لوگ پیاس کے ہاتھوں قریب المرگ ہو گئے۔ خون کا یہ عذاب کتنے روز تک جاری رہا اس کی تفصیل تو نہیں ملتی بہر حال گزشتہ عادت کے مطابق فرعون اور اس کی قوم پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور نہایت عجز و انکساری کے ساتھ درخواست کی کہ اے موسیٰ علیہ السلام اس عذاب کو ہم سے دور فرما دیں ہم صدق دل سے پکا وعدہ کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے۔ اس مرتبہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیغمبرانہ شان کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اللہ کے حضور عذاب ختم کرنے کی التجا کی جو قبول ہوئی اور یوں فرعون اور اس کی قوم سے یہ عذاب بھی اٹھا لیا گیا۔ گزشتہ روایت کے مطابق اس دفعہ بھی فرعون اور اس کی قوم نے بدعہدی کا ثبوت دیتے ہوئے سرکشی اور ظلم کا راستہ اختیار کیا۔ فرعون اور اس کی قوم نے بار بار عہد شکنی کرتے ہوئے عذابوں سے نجات حاصل کر لی مگر اب اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اپنا آخری عذاب نازل کیا جس سے قوم دریا میں غرق ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون مصر اور اس کی قوم کو غرق کرنے سے پہلے نو (9) قسم کے عذاب ان پر مسلط فرمائے۔ وہ لوگ ہر بار اسلام لانے کا وعدہ کر کے عذاب سے بچ جاتے مگر بعد میں عہد شکنی کرتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آخر میں ان لوگوں کو غرق کر دیا اور یوں بدعہد قوم اپنے انجام کو پہنچی۔ ہم نے یہاں قرآن کریم اور مفسرین سے میّسر معلومات کی بنا پر تمام عذابوں کا ذکر کر دیا ہے۔ اگر سب کی تفصیل لکھی جاتی تو موضوع بہت طویل ہو جاتا۔ متلاشیان علم کے لئے ان عذابوں کی تعداد کے اعتبار سے نام تحریر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم پر درج ذیل عذاب مسلط فرمائے۔

(1) قحط کا عذاب

(2) فصلوں کی تباہی کا عذاب

(3) طوفان کا عذاب

(4) ٹڈی دل کا عذاب

(5) چچڑی کا عذاب

(6) مینڈکوں کا عذاب

(7) خون کا عذاب

(8) قمل یعنی گھن (کیڑے کا عذاب)

(9) رجز (طاعون یعنی وبائی امراض وغیرہ)

سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس قدر معجزات عطا فرمائے گئے ان کا ایک حصہ بحر قلزم کو عبور کرنے سے پہلے تھا جب کہ دوسرا حصہ بحر قلزم کو عبور کرنے کے بعد تھا۔ پہلے حصہ میں تعداد 9 ہے اور یہ سب فرعون مصر اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان حق و باطل کے معرکہ کی وجہ سے تھے۔ باقی چھ معجزے بنی اسرائیل کی ہدایت و آزمائش کے لئے تھے۔

بنی اسرائیل کا ہجرت کرنا اور فرعون کا تعاقب

اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم پر بنی اسرائیل کو ناحق تنگ کرنے، انہیں قتل کرنے اور نومولود بیٹوں کی گردن زنی کے جرم میں عذاب نازل کئے۔ ہر دفعہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آ کر معافی مانگ لیتے اور عذاب دور کرنے کی التجا کرتے مگر جیسے ہی عذاب دور ہوتا وہ لوگ پھر اپنے ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیتے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو غرق کرنے کا فیصلہ فرما لیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وقت آ گیا ہے تم اپنی قوم کو مصر سے نکال کر اپنے باپ دادا کی سرزمین فلسطین یا کنعان کی طرف لے جاؤ۔

مصر سے کنعان یا ارض فلسطین جانے کے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ خشکی کی طرف سے جاتا ہے جو کہ فلسطین سے بہت دور ہے جبکہ دوسرا بحر احمر یا قلزم کو پار کرنے کے بعد اس سرزمین پر پہنچتا ہے۔ بحری راستے کے بعد لق و دق صحرائے سینا جس کو تیہ بھی کہتے ہیں عبور کرنا پڑتا ہے۔ دوسرا راستہ نسبتاً کم لمبا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندری راستہ اختیار کرنے کا حکم اس لئے فرمایا کہ اگر آپ علیہ السلام خشکی کے راستے ہجرت فرماتے تو فرعون اور اس کی افواج سے جنگ کا امکان تھا مگر اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے فرعون کو غرق کرنا تھا۔ سمندری راستے سے ہجرت کے دوران گو فرعون بنی اسرائیل کے سروں پر پہنچ چکا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو تعاقب کرتے ہوئے عین سمندر کے وسط میں فوج سمیت غرق کر دیا۔ جنگ کی صورت میں صدیوں سے غلامی کی زندگیاں بسر کرنے والے اسرائیلی کبھی بھی فرعون کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ کرتے۔ اسی لئے خالق کائنات نے قریب کا سمندری راستہ ہی موسیٰ علیہ السلام اور قوم کے لئے ہجرت کرتے ہوئے اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب وحی کے ذریعے حکم ہو چکا کہ آپ علیہ السلام تمام بنی اسرائیل اور مال مویشیوں کے ہمراہ رات کے وقت مصر سے فلسطین کی طرف ہجرت کر جائیں۔ تو اس حکم کے ملتے ہی آپ علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ رات کے وقت اپنے ساز و سامان کے ہمراہ بحر احمر کی طرف کوچ کرنا ہے۔ ساری قوم تیار ہو گئی۔

بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی

بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سربراہی میں حکم خداوندی کے مطابق رات کے وقت اپنے بال بچوں، مال و متاع اور مویشیوں کے ہمراہ سرزمین فلسطین کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خشکی کے راستے

کی بجائے سمندری راستہ اختیار فرمانے کا قصد کیا۔ اہل سیر اور تورات کے مطابق بچوں کے علاوہ بنی اسرائیل کی تعداد قریبا چھ لاکھ تھی۔ یہ لوگ جیسے ہی مصر سے روانہ ہوئے فرعون کے جاسوسوں نے اسے باخبر کر دیا۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا رات کے وقت ہجرت کر جانا سنا تو اس نے صبح کے وقت فوج کو تیاری کا حکم دیا اور یوں کثیر سپاہ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی قوم کے تعاقب میں نکل پڑا۔ فرعون کی فوج نے جلد ہی بنی اسرائیل کو جا لیا۔ تورات کے بیان کے مطابق بنی اسرائیل نے جب دیکھا کہ فرعون فوج کثیر کے ساتھ ان کے سر پر پہنچ چکا ہے۔ تو گھبرا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے ''مصر میں قبریں نہ تھیں جو تم ہم کو مرنے کے لئے بیابان میں لے آئے ہو؟ تم نے ہم سے یہ کیا کیا کہ ہم کو مصر سے نکال لائے؟ کیا ہم تم سے مصر میں یہ بات نہیں کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دو کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں؟ کیوں کہ ہمارے لئے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہے۔''

(خروج باب 14 آیات 1'11'12)

ہم نے اوپر تورات کا بیان تحریر کر دیا ہے اس بیان میں کہاں تک صداقت ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے ہوئے بحر قلزم کے قریب ان کو پا لیا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کے واسطے بنی اسرائیل کو فرعون کی پہنچ سے محفوظ رکھا۔

فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا

بنی اسرائیل بحر قلزم کے عین کنارے پر پہنچ چکے تھے جب فرعون ان کے تعاقب میں ان کے سروں پر آ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی گھبرائی ہوئی قوم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تم لوگ کسی قسم کا خوف نہ رکھو خدا کا وعدہ سچا ہے۔ وہ ضرور ہماری مدد کرے گا پھر بارگاہ خداوندی میں دست دعا بلند کیا۔ اسی وقت وحی الٰہی کے ذریعے آپ علیہ السلام کو حکم ملا اپنا عصاء (لاٹھی) پانی پر مارو اس طرح پانی پھٹ جائے گا اور اس کے درمیان راستہ پیدا ہو جائے گا۔ اس راستے سے تم اپنی قوم کو لے کر سمندر عبور کر جاؤ۔ ارشاد خداوندی ہے۔ سورۃ الشعراء آیت 63۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ
فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۚ﴿۶۳﴾

ترجمہ۔ ''ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی فرمائی کہ دریا (سمندر) پر اپنا عصاء مار تو جبھی دریا پھٹ گیا پھر ہر ایک جانب ایک بڑے پہاڑ کی مانند ہو گئی''۔ (الشعراء آیت 63)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق اپنی لاٹھی کو پانی پر مارا تو بحر قلزم کا پانی پھٹ کر دونوں جانب دو پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا اور درمیان میں راستہ پیدا ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ سمندر کے اندر پیدا ہونے والے اس خشک راستے میں اتر جاؤ۔ ساری قوم حسب حکم اس راستے پر چل پڑی اور بغیر

کسی نقصان کے بحر قلزم پار کر گئی فرعون جب بحر قلزم کے کنارے پہنچا تو بنی اسرائیل نصف سمندری راستہ عبور کر چکے تھے۔فرعون نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ بے دھڑک تم بھی اسی راستے کو اختیار کرو،ہم جلد ہی بنی اسرائیل کو قابو کر لیں گے' ساتھ ہی اس نے اپنے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگ کسی قسم کا خوف محسوس نہ کرو کیونکہ سمندر کا پھٹ کر راستہ دینا اصل میں میری کرشمہ سازی ہے۔یہ سن کر فرعون اور اس کا سارا لشکر بنی اسرائیل کے پیچھے اسی راستے پر چل پڑا۔ ادھر جب بنی اسرائیل کا ہر فرد اپنے سامان سمیت دوسرے کنارے پر سلامتی کے ساتھ پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر کا پانی اپنی اصل حالت پر آ گیا۔اس طرح فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو گیا۔غرق ہونے سے پہلے فرعون نے پکار کر کہا۔(سورۃ یونس آیت 90)''میں اسی وحدہٗ لاشریک پر صدق دل سے ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور اس کا فرمانبردار بن گیا ہوں''۔فرعون کی یہ پکار سن کر جو کہ فریب کاری تھی حقیقت سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتی تھی اللہ تعالیٰ نے یوں جواب ارشاد فرمایا۔(سورہ یونس آیت 91)

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٩١﴾

ترجمہ۔''اب تو کہہ رہا ہے حالانکہ اس سے پہلے جو اقرار کا وقت تھا اس میں انکار ہی کرتا رہا اور درحقیقت تو مفسدوں میں سے تھا''۔

فرعون کی یہ پکار حقیقت میں ایمان لانے والے کی پکار نہیں تھی بلکہ یہ تو وہ تھی جو عذاب الٰہی کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس اضطراری کیفیت میں نکلتی ہے۔اصل میں فرعون کی یہ پکار عذاب الٰہی کے وقت اس دعا کا نتیجہ تھی جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی تھی''یہ لوگ یعنی اہل مصر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک اپنی ہلاکت اور عذاب کو آنکھوں سے نہ دیکھ لیں''۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا''اے موسیٰ (علیہ السلام) بلاشبہ تم دونوں یعنی ہارون (علیہ السلام) اور تمہاری دعا قبول کر لی گئی۔''اللہ تعالیٰ نے فرعون کی پکار پر اسے یوں جواب دیا قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔سورۃ یونس آیت 92۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ
اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٢﴾

ترجمہ۔''آج ہم تیری لاش کو اتار دیں گے کہ تو اپنے پچھلوں کے لئے نشان عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں۔اور حقیقت یہ ہے کہ پھر بھی بہت سے آدمی ہماری (ایسی ایسی) نشانیوں سے (یعنی عبرتوں سے) غافل ہیں (اور احکام الٰہیہ سے نہیں ڈرتے)''۔ (سورۃ یونس آیت 92)

باوجودیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ حضرت یوسف علیہ السلام سے چار سو سال بعد کا ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل اتنی بڑھائی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل مصر سے نکلے

تو چھ لاکھ سے زیادہ تھے۔

بہر حال فرعون اپنے لشکر سمیت بحر قلزم میں غرق ہو گیا اور بنی اسرائیل نے مصریوں کی لاشوں کو پانی میں تیرتے ہوئے دیکھا۔ بقول اصحاب تاریخ فرعون مصر کا نام منفتاح یا ریمسس ثانی تھا۔ اللہ کریم کے مذکورہ ارشاد کے مطابق اس فرعون کی لاش لوگوں کے لئے نشان عبرت کے طور پر آج تک مصر کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ جن لوگوں نے اس لاش کو دیکھا ہے ان کے بقول کچھ عرصہ پانی میں رہنے کی وجہ سے فرعون کی ناک کو مچھلی نے کھا لیا تھا۔ فرعون اور اس کے لشکریوں کی غرقابی کے بعد سمندر کے پانی نے ان کی لاشیں کنارے پر پھینک دی تھیں تا کہ لوگوں کے لئے عبرت ہو۔ البدایہ والنہایہ میں حافظ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں کہ فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی کا واقعہ عاشورہ کے دن پیش آیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے صحیح بخاری کی ایک حدیث پیش کی ہے۔ "سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مدینہ منورہ کے یہودی یوم عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے کیونکہ مدینہ منورہ کے یہودیوں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ "اگر تم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر چلتے ہو تو اس روز یعنی یوم عاشورہ کو روزہ رکھا کرو جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر فتح کامل عطا فرمائی تھی۔" اس حدیث کو امام مسلم نے بھی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کی روانگی، فرعون اور اس کے لشکر کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات کا ذکر تفصیل سے تو نہیں فرمایا مگر اس واقعہ کے متعلق عبرت، بصیرت اور موعظت کے معاملہ کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ علم حاصل کرنے کے متلاشی سورہ طٰہٰ ع 3 اور 4، سورہ الشعراء۔ ع۔4، سورہ الاعراف۔ ع۔ 16، سورہ یونس۔ ع۔9، سورہ الدخان۔ ع۔2، سورہ بنی اسرائیل۔12، اور سورہ الذاریات۔ ع۔2 سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

اہم وضاحت

یہاں ایک امر کی وضاحت کر دینا اشد ضروری خیال کرتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ دریا چیرنے والے معجزہ مبارک پر غیر مسلم مورخین نے اعتراض کرتے ہوئے اسے محض جوار بھاٹا ثابت کر کے آپ علیہ السلام کے اس معجزہ مبارک کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے اور بدقسمتی سے اس سلسلے میں مسلمانوں میں سے بھی چند افراد غیر مسلم مورخین کے ہم خیال بن کر اس معجزہ کو بھی مادیت یعنی مادیات تک محدود رکھنے میں کوشاں تھے۔ مذکورہ سوچ و فکر رکھنے والے مادیات پرست لوگوں کا شروع سے ہی یہی اعتقاد چلا آ رہا ہے کہ صرف میٹیر یا مادہ کو ہی تسلیم کیا جائے۔ مادہ پرستی کا اعتقاد رکھنے والے یہ لوگ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اور یہ لوگ ہمیشہ پورے زور و شور سے معجزات کا انکار کرتے ہوئے اللہ کریم کے کسی فعل کو بھی کسی حالت میں مادی دنیا کے اسباب و علل سے مستثنیٰ مان لینے کو تیار نہیں۔ اللہ کریم ان مغربی زندیقوں اور ان کے ہم مسلک لوگوں سے ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔ یہاں ہم بحر قلزم کے اس حصے کی مختصر وضاحت کر رہے ہیں جہاں سے بنی اسرائیل نے سمندر پار کیا۔ اس وضاحت کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا یا مادہ پرستی پر اعتقاد رکھنے والوں کی خام خیالی۔

بحراحمر یعنی بحر قلزم یا ریڈ سی (Red Sea) اصل میں بحر عرب کی ایک شاخ ہے جس کے مشرق میں سرزمین عرب اور مغرب میں مصر واقع ہے جبکہ شمال میں اس کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ ان دو شاخوں میں سے ایک شاخ خلیج عقبہ جزیرہ نمائے سینا کے مشرق میں اور دوسری خلیج سویز کے مغرب میں واقع ہے۔ دوسری شاخ پہلی کی نسبت بڑی ہے اور شمال میں بڑی دور تک چلی گئی ہے۔ بنی اسرائیل اسی شاخ کے درمیان سے گزرے تھے۔ اس شاخ کے شمالی دہانہ کے سامنے ایک اور سمندر واقع ہے جسے بحر روم کہتے ہیں۔ بحر روم اور بحر احمر (ریڈ سی) کے شمالی دہانہ کے درمیان تھوڑا سا خشکی کا حصہ ہے یہ ہی وہ راستہ ہے جہاں سے مصر، فلسطین اور کنعان جانے والوں کو بحر احمر (ریڈ سی) عبور کرنا پڑتا تھا۔ اس وقت اسی راستے کو قریب ترین خیال کیا جاتا تھا بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی راستے کو ہجرت مصر کے وقت اختیار کیا تھا۔ اب اسی راستے یعنی خشکی والی زمین کھود کر یوں بحر احمر کو بحر روم کے ساتھ ملا دیا گیا ہے اور یوں اس ٹکڑے کا موجودہ نام نہر سویز رکھا گیا ہے۔ بحر احمر کے شمالی دہانہ پر اب سویز نامی شہر آباد ہے جو مصر کی بندرگاہ شمار کی جاتی ہے۔ اب قرآن کریم کی آیات جو سورہ بقرہ اور سورہ شعراء میں بیان کی گئی ہیں ان پر باریک بینی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ان آیات میں دو باتوں یعنی ''فلق یا فرق بحر'' یعنی دریا کا پھٹ جانا یا پھاڑ دینا اور دوسرا دونوں جانب پانی کا پہاڑ کی طرح کھڑا ہو جانا جس کے درمیان راستہ پیدا ہو گیا کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ سورۃ الشعراء آیت 63

فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ﴿٦٣﴾

ترجمہ۔ ''پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا (وحی فرمائی) کہ اپنے عصاء کو دریا پر مارو۔ (چنانچہ انہوں نے اس پر عصاء مارا جس سے) تو جبھی سمندر (دریا) پھٹ گیا تو ہر حصہ ہو گیا جیسے بڑا پہاڑ''۔ (سورہ الشعراء آیت 63)

عربی لغت کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ''فرق'' کے معنی دو ٹکڑے کر کے جدا کرنے کے ہیں۔ سر کے بالوں میں جو مانگ نکالی جاتی ہے اسے بھی عربی زبان میں فرق اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ سر کے بالوں کو دو جدا حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ اسی طرح ''فلق'' کے معنی بھی کسی چیز کے ٹکڑے کر دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پتھر کے درمیان پڑنے والی دراڑ کو ''فالق'' کہا جاتا ہے۔ مذکورہ عربی زبان کی لغوی تصریحات کے بعد قرآن کریم کی ان دو آیات مبارکہ کا واضح مطلب یہ ہوا کہ دریا کے پانی کو دو ٹکڑے کر دیا گیا یا دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا اور یوں وہ دونوں ٹکڑے یا حصے دو کھڑے ہوئے پہاڑ کی مانند بن گئے جس کے درمیان راستہ بن گیا۔ اسی طرح یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ بنی اسرائیل نے بحر قلزم کے ایسے حصہ سے اس کو عبور کیا جو دہانہ اور کنارے کے سامنے کا حصہ نہیں تھا بلکہ پانی کا ایسا حصہ تھا جو درمیان سے پھٹ کر دو حصے بن گیا ہو۔ اب علم جغرافیہ کی رو سے دیکھیں تو مدوجزر یا جوار بھاٹا کبھی بھی طولانی حصہ میں پیدا نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ دہانے یا کنارے کی جانب ہوتا ہے۔ جب سے دنیا بنی ہے اس میں دریا اور سمندر چل

رہے ہیں ان کے عرض میں پانی کبھی بھی دونوں جانب نہیں سمٹا اور یوں اس کے درمیان راستہ پیدا نہیں ہوا۔ جیسا کہ بحر قلزم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی مارنے سے ہوا۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عظیم معجزہ کا انکار کرنا اور اسے روزمرہ کے مادی اسباب میں سے خیال کرنا کھلی گمراہی اور قرآن کریم کی نص قطعی کا انکار ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والوں کی قسمت میں تباہی و بربادی اور دین و دنیا کی رسوائی ہی لکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو ایسے گمراہ عقیدہ سے بچا کر اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل کے مطالبات

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدقے بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کے لشکر سے آزادی نصیب ہوئی۔ پوری قوم کسی نقصان کے بغیر بحر قلزم کے پار پہنچ گئی۔ فرعون اور اہل فرعون سے نجات مل جانے پر پوری قوم بشری تقاضے کے مطابق بے حد خوش تھی یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی عورتوں نے خاص طور پر دف پر خوشی کے گیت گائے ہر ایک بے حد شادمان و کامران نظر آتا تھا۔ بنی اسرائیل کی لڑکیاں دف بجا بجا کر گیت گاتی تھیں خوشی کے موقع پر ایسا کرنا اس وقت کے رسم و رواج میں شامل تھا۔ اہل عرب کے ہاں بھی یہ رواج عام تھا یہی وجہ ہے کہ ہجرت مدینہ کے وقت بنی نجار کی عورتوں نے دف بجا کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کیا تھا وہ سب مل کر ''طلع البدر علینا'' گا رہی تھیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایسا کرنے سے منع نہیں فرمایا تھا۔ بہر حال فرعون سے نجات حاصل کرنے کے بعد بنی اسرائیل نے سکھ کا سانس لیا۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک روز اپنی قوم کو جمع کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں تم لوگوں سے یوں خطاب کروں'' میں (اللہ) وہ ہوں جس نے تم سب کو اس زبردست فتنہ سے نجات عطا فرمائی اس لئے تم میرا شکر ادا کرو اور میری ہی بندگی کرو'' اس ارشاد کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو ہمراہ لے کر لق و دق صحرا سے گزرتے ہوئے۔ سینا کے مقام پر پہنچے۔ مقام سینا پر بنی اسرائیل نے دیکھا کہ قوم بت کدوں میں بتوں کی پوجا میں مشغول ہے۔ چار سو سال سے زائد عرصہ مصریوں کی غلامی کرنے والی اس قوم کے مزاج ہی غلامانہ بن چکے تھے محنت صبر اور شکر نام کی چیز ان کے پاس نہ تھی قوم نے آزادی دیکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبات شروع کر دیئے۔ بنی اسرائیل نے جو مطالبات کئے ان سب کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کر رہا ہوں۔ یہاں یہ بات خاص طور پر ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ بنی اسرائیل میں اس وقت حضرت ہارون اور حضرت یوشع علیہم السلام بھی شامل تھے۔ حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے داماد بھی تھے۔

پہلا مطالبہ۔ بت پرستی کی اجازت مانگنا

بنی اسرائیل نے قوم سینا کو بت پرستی میں مشغول دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ اسلام سے کہا آپ علیہ السلام

ہمیں بھی ایسے ہی بت بنا دیں تاکہ ہم بھی اسی طرح جیسے اہل سینا بت پرستی کر رہے ہیں بتوں کی پرستش کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کی زبانی یہ مشرکانہ مطالبہ سنا تو آپ علیہ السلام سخت ناراض ہوئے اور ڈانٹ کر ارشاد فرمایا ''اے بدبخت قوم تمہیں شرم نہیں آتی کچھ حیا کرتے ہوئے عقل سے کام لو خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرنا چاہتے ہو اور اس کی تمام نعمتوں کو بھول گئے ہو جن کو تم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔''
بنی اسرائیل کے اس مطالبہ کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ غلامی کی زندگی بسر کرنے والی یہ قوم کیسی عجیب و غریب اور حیران کن طبیعت کی مالک تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے قوم کے اس مشرکانہ مطالبہ کو بڑی سختی کے ساتھ رد فرما دیا۔ بنی اسرائیل گو انبیاء علیہم السلام کی اولاد تھی مگر صدیوں اہل مصر کی غلامی کرنے کی وجہ سے مصریوں کو بت پرستی کرتا دیکھتی رہی تھی اس لئے غلامانہ ذہنیت رکھنے کی وجہ سے بت پرستی کا جذبہ ان کے اندر بھی سرایت کر چکا تھا جس کے تحت انہوں نے اہل سینا کو دیکھ کر بت پرستی کا مطالبہ کیا۔ قرآن مجید کی سورہ اعراف۔ آیت 138 میں اس کا ذکر موجود ہے اہل علم اس سورہ سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

دوسرا مطالبہ طلب پانی

بحر قلزم کے مشرق میں سرزمین عرب واقع ہے جو کہ لق و دق بے آب و گیاہ حد نظر تک صحرا ہے۔ اسے وادی تیہ بھی کہتے ہیں۔ یہ وادی کوہ طور کے دامن تک وسیع ہے۔ یہاں شدید ترین گرمی پڑتی ہے حد نگاہ تک نہ سبزہ ہی ہے اور نہ پانی نام کی کوئی چیز۔ بنی اسرائیل جب اس سرزمین پر پہنچے تو شدید گرمی اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے سخت گھبراہٹ کا شکار ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگے کہ ہم اس قدر شدید گرمی میں پانی کہاں سے پئیں۔ اگر ہمیں پانی نہ ملا تو ہم تڑپ تڑپ کر پیاسے مر جائیں گے۔ اس لئے آپ علیہ السلام اپنے رب سے دعا کریں ہمارے لئے پانی کا بندوبست کرے۔ حضرت موسیٰ السلام نے اللہ کریم کے حضور پانی کے لئے درخواست کی بذریعہ وحی حکم ہوا۔
''اے موسیٰ (علیہ السلام) اپنا عصاء پہاڑ کی چٹان پر مارو'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم خداوندی کے مطابق اپنا عصاء چٹان پر مارا تو فوراً بارہ چشمے ابل پڑے۔ اس طرح قدرت نے بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لئے الگ الگ چشمے جاری فرما دیئے۔ سب بہت خوش ہوئے اور ان چشموں کے شفاف اور میٹھے پانی سے جی بھر کر سیراب ہوئے۔ قرآن مجید کی سورہ بقرہ۔ آیت۔ 60 میں اس کا ذکر موجود ہے۔

تیسرا مطالبہ بابت خورد و نوش

اللہ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرماتے ہوئے بنی اسرائیل کے لئے پانی کے بارہ چشموں کا انتظام فرما دیا۔ قوم بنی اسرائیل پانی مل جانے کے بعد پھر موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہنے لگی کہ پانی کا انتظام تو ہو گیا ہے مگر زندگی بسر کرنے کے لئے صرف پانی ہی تو کافی نہیں ہم لوگ بھوکے بھی ہیں۔ یہاں کھانے کی کوئی چیز

موجود نہیں آپ علیہ السلام ہمارے لئے کھانے کا بندوبست کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہم غیب سے کھانے کا بندوبست فرما کر بنی اسرائیل کا یہ مطالبہ بھی منظور کر رہے ہیں۔ دوسرے روز صبح سویرے جب بنی اسرائیل سو کر اٹھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آسمان سے ''من وسلویٰ'' (سورۃ البقرہ آیت 57، طٰہٰ 80) نازل فرمایا۔ ''من'' نہایت ہی شیریں ذائقہ چیز تھی جبکہ ''سلویٰ'' بھنے ہوئے بٹیر نما پرندے تھے۔ ''من وسلویٰ'' نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کو تنبیہہ فرما دی تھی کہ وہ لوگ اپنی ضرورت کے مطابق روزانہ نازل ہونے والا ''من وسلویٰ'' استعمال کریں اسے دوسرے روز کے لئے ذخیرہ نہ کریں کیونکہ ہم ہر روز اس نعمت کو نازل کیا کریں گے۔ تفسیر کبیر جلد اول صفحہ۔ 95 پر اس کی تفصیل موجود ہے۔ یہ لوگ مصر میں رہتے ہوئے صدیوں سے عام لوگوں کی طرح زمین سے اگنے والی اجناس ہی بطور خوراک استعمال کرتے تھے۔ یہاں ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ ہجرت کرتے ہوئے گویا ان پر احسان کیا تھا اس لئے قدم قدم پر آپ علیہ السلام سے مطالبات کرتے رہے۔ صدیوں سے غلامی کی زندگیاں بسر کرنے والی قوم سستی کاہلی اور بد اطواری کے علاوہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ غلامی کی زندگی بسر کرنے سے بہتر ہے کہ انسان آزادی حاصل کرنے کے لئے جان قربان کر دے جو غلامی کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر وافضل ہے۔

چوتھا مطالبہ گرمی کی شدت سے نجات

مصر سے ہجرت کرنے کے بعد لق ودق صحرا میں پہنچنے تک بنی اسرائیل قدم قدم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو مطالبہ کرتے رہے آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو پورا کیا۔ پانی اور من وسلویٰ مل جانے کے بعد بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک اور مطالبہ کر دیا۔ کہنے لگے اس لق ودق صحرا میں شدید گرمی ہے دن کے وقت دھوپ سے بچنے کے لئے نہ کوئی سایہ دار درخت ہے اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی اور سایہ میسر ہے۔ اس شدید گرمی سے ہم سخت پریشان ہیں اور ہمیں ڈر ہے کہ کہیں گرمی کی شدت ہمارا خاتمہ ہی نہ کر دے۔ آپ علیہ السلام ہماری اس پریشانی کا حل فرمائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اے قوم گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ اس پریشانی کو بھی دور فرمائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خالق کائنات کے حضور درخواست کی اللہ کریم نے بنی اسرائیل کے لئے بادلوں کو مقرر فرما دیا قوم جس سمت بھی سفر کرتی دن کے وقت یہ بادل ان پر سایہ فگن رہتے اور یوں بنی اسرائیل شدید دھوپ کے ہوتے ہوئے بادلوں کے سایہ میں آرام سے سفر کرتے۔ (سورۃ البقرہ آیت 57)

سورہ بقرہ۔ ع۔ 6۔ 7

سورہ اعراف۔ ع۔ 20

سورہ طٰہٰ۔ ع۔ 4

میں ان انعامات کا ذکر کیا گیا ہے۔

پانچواں مطالبہ اجناس کی پیداوار

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدقے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر احسانات کی متواتر بارش فرمائی اور یوں صدیوں سے غلامی کی چکی میں پسنے والی اس قوم کے عزائم اخلاقی کمزوری اور ہمت وشجاعت کی کمی اور مستقل مایوس و نا امید قوم کو کامیابی نظر آنے لگی۔ بڑی حد تک ان لوگوں کی ڈھارس بندھی مگر افسوس اس قوم پر ان احسانات کا وہ اثر نہ ہوا جو ہونا چاہیئے تھا لاتعداد نعمتیں حاصل کرنے کے بعد پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک ایسا مطالبہ کر دیا جسے سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آ گیا۔ کہنے لگے ''اے موسیٰ علیہ السلام ہم ہر روز من وسلویٰ کھاتے کھاتے تھک گئے ہیں۔ اب ہمیں اس کی ضرورت نہیں خدا سے دعا کریں کہ ہمارے لئے کھیرا، کدو، باقلاء ککڑی، دال مسور، لہسن اور پیاز وغیرہ زمین سے پیدا کرے (سورۃ البقرہ آیت 61)۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''تم لوگ کس قدر جاہل اور احمق ہو کہ ایک عمدہ نعمت الٰہی کو چھوڑ کر اس کے مقابلے میں گھٹیا اشیاء کے طالب ہو یہ اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات کی ناشکری ہے۔ اگر میری اس گفتگو کے بعد بھی تم لوگ اپنی بات منوانا چاہتے ہو تو جو چیزیں تم لوگ مانگ رہے ہو ان کو حاصل کرنے کے لئے درگاہ خداوندی میں دعا کرنے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے جاؤ کسی قریبی بستی یا شہر میں چلے جاؤ وہاں تمہیں یہ سب چیزیں مل جائیں گی۔'' سورۃ البقرہ۔ع۔7 میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب تفصیل سے موجود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تجلّیِ الٰہی

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ جب تمہاری قوم فرعون کی غلامی سے آزاد ہو جائے گی تو تمہیں شریعت عطا کروں گا۔ اب قوم غلامی سے آزاد ہو چکی تھی اس لئے وحی الٰہی کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر پہنچنے کا حکم ہوا۔ آپ علیہ السلام' حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا قائم مقام بنا کر قوم کے پاس چھوڑ گئے اور خود طور پر جا کر چالیس روز کے اعتکاف میں بیٹھ گئے۔ اعتکاف کی مدت ختم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف بخشا۔ ہم کلامی کا کیف وسرور حاصل کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا یا خدا جب تو نے مجھ پر اتنا احسان عظیم فرماتے ہوئے مجھے ہم کلامی کی نعمت لازوال سے نوازا ہے تو مزید کرم فرماتے ہوئے مجھے اپنے دیدار کی عظیم دولت بھی عطا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''اے موسیٰ (علیہ السلام) تو میرے مشاہدہ ذات کی تاب نہیں لا سکے گا۔'' قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا ''رب ارنی'' اللہ کریم نے جواب فرمایا'' لن ترانی ''۔ پھر ارشاد فرمایا ''اے موسیٰ (علیہ السلام) میں اپنی ذات کی تجلی کا ظہور تمہارے سامنے والے پہاڑ پر کر رہا ہوں اگر وہ پہاڑ میری تجلی برداشت کرتے ہوئے اپنی جگہ پر قائم رہا تو پھر تم اپنا سوال کرنا۔'' اس طرح اللہ کریم نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام

اس تجلی الٰہی کی تاب نہ لاتے ہوئے۔ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بزرگی و برتری اور حمد وثنا کے بعد اپنے سوال سے رجوع کیا اور کہا میں اقرار کرتا ہوں اور ایمان لاتا ہوں کہ تیرے جلال و جمال کی تجلی و عرفان میں کوئی کمی نہیں نقصان صرف میری اپنی ہستی کی عجز و بیچارگی کا ہے۔
سورہ اعراف۔ع۔17 میں اس امر کا ذکر موجود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کا عطا کیا جانا

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرنے کے بعد ان کو تورات کا تحفہ عطا فرمایا۔ یاد رہے تورات قرآن کریم کی طرح آہستہ آہستہ موقعہ محل کی مناسبت وضرورت کے مطابق کئی سالوں میں نازل نہیں ہوئی بلکہ یہ ایک بار ہی نازل ہوئی اور دوسرا یہ تختیوں پر تحریر کی شکل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے تورات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے کرتے وقت ارشاد فرمایا ''اس پر مضبوطی سے قائم رہنا'' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم فرمایا کہ ''اس میں درج تمام احکامات پر اس طرح عمل کریں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرسکیں۔'' ''اس کتاب میں دین ودنیا میں فلاح پانے کی تمام تفصیلات بیان کر دی گئی ہیں۔ حلال وحرام، محاسن واخلاق اور دیگر اوامر ونواہی سب کھول کر بیان کر دیئے ہیں۔ یہی میری (موسیٰ علیہ السلام کی) شریعت ہے''۔ قرآن کریم کی سورہ اعراف۔ع۔17 میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اسی سورہ مبارکہ (آیت 145) کے آخر میں ''دار الفسقین'' کے الفاظ مبارکہ درج ہیں مفسرین نے یہاں ''دار'' سے عاد و ثمود کے کھنڈرات مراد لئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے ''دار'' سے مراد بنی اسرائیل کا مصر میں دوبارہ داخل ہونا ہے۔ یہ مفسرین کے اپنے ذاتی خیالات ہیں جبکہ جمہور کے نزدیک جن میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں یہاں ''دار'' سے عمالقہ قوم کے جابر بادشاہوں کی حکومت مراد لیتے ہیں اور یہی قول صحیح ہے۔ قوم عمالقہ نہایت مغرور، سفاک اور ظالم و جابر تھی۔ اللہ تعالیٰ اس قوم پر بنی اسرائیل کو غالب کرنا چاہتا تھا اسی لئے ارشاد فرمایا ''میں عنقریب تم کو نا فرمانوں کے گھر دکھاؤں گا۔ مراد یہ تھی کہ ان پر تمہیں غالب کروں گا بعد میں حکم الٰہی کے مطابق ایسا ہی ہوا۔ اہل یہود کہتے ہیں کہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الواح عطا کئے گئے تھے یعنی صرف احکامات جنہیں قانون کہا جاتا ہے۔ مثلاً زنا پر پابندی، چوری نہ کرنا، غیر اللہ کو نہ پوجنا وغیرہ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احکام عہد کی الواح نہیں بلکہ آسمانی کتاب ''تورات'' عطا فرمائی تھی۔ تورات (توریت) میں شریعت، قانون اور احکام کی مفصل تفصیل موجود تھی۔

بنی اسرائیل کا بچھڑے کو پوجنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام حکم الٰہی کے مطابق کوہ طور پر تشریف لے گئے اپنی غیر حاضری میں حضرت ہارون

علیہ السلام کو اپنا قائم مقام بنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے فرمایا کہ تیس (30) روز بعد واپس آؤں گا۔ آپ علیہ السلام کی غیر حاضری میں بنی اسرائیل نے ایسی حرکت کا مظاہرہ کیا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی اعتبار سے قابل معافی نہیں تھی یعنی قوم شرک میں مبتلا ہو گئی۔ قوم نے شرک کا جو طریقہ اختیار کیا اس سے بنی اسرائیل کی پست ذہنیت اور اخلاقی پستی عیاں ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ قوم کا نہایت افسوس ناک عمل یہ تھا کہ اس نے گوسالہ (بچھڑا) پرستی شروع کر دی۔

واقعہ کی تفصیل جس پر جمہور علماء کرام متفق ہیں کچھ یوں ہے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طُور پر تشریف لے جانے لگے تو قوم سے فرمایا "میں ایک اعتکاف کے بعد تمہارے پاس واپس آؤں گا ہارون (علیہ السلام) میری غیر حاضری میں تمہارے راہ نما اور نگران ہوں گے۔" آپ علیہ السلام یہ فرما کر کوہ طُور پر تشریف لے گئے۔ وہاں مدت اعتکاف تیس (30) روز کی بجائے چالیس (40) روز ہو گئی۔ آپ علیہ السلام کی اس تاخیر سے سامری نامی ایک شخص نے فائدہ اٹھایا۔ یہ شخص حقیقت میں کفر و شرک کی نجاست کا مرکب تھا مگر ظاہر میں مسلمان کہلاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سامری بنی اسرائیل میں سے نہیں تھا بلکہ اس کا تعلق سمیری قوم سے تھا۔ وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ بنی اسرائیل میں شامل ہو گیا اور ان کے ساتھ ہی مصر سے ہجرت کر آیا تھا۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی میں تاخیر کی وجہ سے پریشان تھے۔ سامری نے ان کی پریشانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بنی اسرائیل سے کہا تم لوگ سونے کے وہ تمام زیورات جو مصری خواتین سے ادھار مانگ کر لائے تھے اور وہ اب تمہارے ہی پاس ہیں مجھے لا کر دو پھر میں تمہیں نہایت ہی فائدہ مند بات بتاؤں گا جسے سن کر تم سب خوش ہو جاؤ گے۔ بنی اسرائیل سامری کی باتوں میں آ گئے اور اپنی خواتین سے تمام سونے کے زیورات لا کر سامری کے حوالے کر دیئے۔ سامری نے وہ زیورات بھٹی میں ڈال کر گلائے اور پھر گلے ہوئے سونے کی مدد سے ایک بچھڑے کا جسم تیار کیا اس کے بعد بچھڑے کی دبر میں ایک مٹی کی مشت (مٹھی) ڈالی۔ البدایہ والنہایہ میں امام ابن کثیر تحریر کرتے ہیں کہ بچھڑے کی دبر میں سامری نے کوئی چیز ڈالی اور پھر اس چیز کو بچھڑے کے منہ سے نکال لیا۔ اس طرح وہ بچھڑا ڈکارنے یا گائے کی طرح بھائیں بھائیں کرنے لگا۔ ان دونوں روایتوں میں بچھڑے کے اندر کسی چیز کا ڈالنا ثابت ہوتا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے جس چیز کا ذکر فرمایا ہے عین ممکن ہے اس سے مراد بھی مٹی ہی ہو۔ بہر حال جب بچھڑا بولنے لگا تو سامری نے بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا (نعوذ باللہ) موسیٰ (علیہ السلام) سے بھول ہو گئی کہ وہ خدا سے ملاقات کرنے کوہ طور چلے گئے جبکہ اصل معبود تو یہ موجود ہے۔ پس تم لوگوں کو چاہیئے کہ اس بچھڑے کو معبود مانتے ہوئے اس کی پوجا شروع کر دو۔ صدیوں غلامی کی زندگی بسر کرنے والی قوم اہل مصر کو بھی بچھڑے کی پوجا کرتے دیکھتی چلی آئی تھی۔ انہوں نے فوراً سامری کی بات پر لبیک کہتے ہوئے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی یہ مشرکانہ حرکت دیکھی تو ارشاد فرمایا "اے قوم اپنی اس حرکت سے باز آ جاؤ یہ کھلی گمراہی اور شرک ہے۔" بنی اسرائیل نے حضرت ہارون علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا جب تک موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف نہیں لاتے ہم تمہاری کوئی بات نہیں مانیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام کی واپسی اور قوم پر غیظ وغضب

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر اپنے مالک حقیقی کے ساتھ راز ونیاز میں مصروف تھے کہ پیچھے قوم نے گوسالہ (بچھڑا) پرستی شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تم جس قوم کے لئے ہدایت حاصل کرنے میں عجلت کے ساتھ میرے پاس یہاں آئے ہو وہ گمراہ ہوگئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ فرمان الٰہی سنا تو بہت رنجیدہ ہوئے فوراً قوم کے پاس تشریف لائے۔ ان کو گوسالہ پرستی میں مبتلا دیکھ کر ارشاد فرمایا ''تم لوگوں نے یہ کیا کیا؟ مجھ کو کونسی اتنی دیر ہوگئی تھی یا تم پر کیا مصیبت نازل ہوئی تھی جو تم اس شرک میں مبتلا ہوئے۔''
حضرت موسیٰ علیہ السلام نہایت جلالی نبی تھے۔ آپ علیہ السلام قوم سے گفتگو فرماتے ہوئے غیظ وغضب سے کانپ رہے تھے یہاں تک کہ اس حالت میں تورات کی الواح (تختیاں) بھی زمین پر ایک طرف رکھ دیں۔ بنی اسرائیل نے آپ علیہ السلام کی یہ کیفیت دیکھ کر کہا ہمارا کوئی قصور نہیں سامری نے ہم سے مصریوں کے تمام زیورات لے کر بچھڑا بنایا اور یوں ہمیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غضب کی اسی کیفیت میں حضرت ہارون علیہ السلام کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ کر کھینچے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا ''اے میرے برادر! قوم کے اس عمل میں میرا بالکل قصور نہیں ہے۔ میں نے ان لوگوں کو بار بار ایسا کرنے سے روکنا چاہا ان کو بہت سمجھایا مگر انہوں نے میری ایک نہیں مانی اور یہی کہتے رہے کہ جب تک موسیٰ علیہ السلام واپس نہ آجائیں ہم تیری کوئی بات نہیں مانیں گے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے مجھے کمزور پا کر میرے قتل کا ارادہ کر لیا۔ میں نے جب ان کی یہ کیفیت دیکھی تو خیال کیا کہ اگر میں ان لوگوں سے لڑ پڑا یعنی آپ علیہ السلام کے سچے ماننے والوں اور ان گمراہ لوگوں میں جنگ شروع ہوگئی تو مجھ پر کہیں یہ الزام نہ آجائے کہ میں قوم میں تفرقہ ڈالنے والا ہوں اس لئے خاموش رہا۔'' آپ علیہ السلام کا ان کی طرف سے دل صاف ہوگیا۔ یوں دونوں بھائیوں کے درمیان پیدا ہونے والی غلط فہمی دور ہوگئی۔
سورہ اعراف۔ ع۔ 18 میں حضرت موسیٰ وہارون علیہم السلام کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

سامری کا انجام

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے دریافت فرمایا کہ تو نے یہ کیا سوانگ یا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔
سامری نے جواب دیا اے موسیٰ (علیہ السلام) جب ہم بحر قلزم پار کر چکے تو میں نے ایک ایسی بات دیکھی جو میرے سوا کوئی دوسرا اسرائیلی نہ دیکھ سکا وہ یہ کہ جب فرعون اور اس کے سپاہی غرق ہو رہے تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام ان فرعونیوں اور بنی اسرائیل کے درمیان حائل تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام جس گھوڑے پر سوار ہیں اس گھوڑے کے سم خاک پر جہاں جہاں لگ رہے تھے وہاں سبزہ اگ آتا ہے گھوڑے نے جب آگے کی طرف بڑھتے ہوئے پاؤں اٹھایا تو میں نے پاؤں کے نیچے والی مٹی اٹھا کر اپنے پاس محفوظ کر لی پھر میں نے سونے کا بچھڑا بنایا

تو وہ مٹی اس کے پیٹ میں ڈال دی مجھے یقین کامل تھا کہ بچھڑے میں حیات ضرور پیدا ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بچھڑا بولنے لگا۔ پھر میرے کہنے پر بنی اسرائیل نے اس بچھڑے کی پوجا شروع کردی۔ سامری کی یہ گفتگو سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''اب تیری سزا یہ ہے کہ تو پاگلوں کی مانند ادھر ادھر بھاگتا پھرے گا جب کوئی انسان تیرے قریب آئے گا تو تو اس سے دور بھاگتے ہوئے کہے گا دیکھنا مجھے ہاتھ مت لگانا یوں تو اسی حالت میں مارا جائے گا۔ اے سامری یہ تو تجھ پر دنیاوی عذاب ہوگا پھر قیامت میں تجھ جیسے نافرمان اور مشرک کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو عذاب تیار کر رکھا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ قیامت کا عذاب کس قدر شدید ہوگا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا اے سامری تو نے جس بچھڑے کے ذریعے بنی اسرائیل کے کمزور ایمان والوں کو گمراہ کیا ہے اس بچھڑے کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔'' یہ فرمانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کو آگ میں ڈال دیا جب وہ جل کر خاک ہو گیا تو اس کی خاک کو اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔ پھر ارشاد فرمایا ''اے سامری اور دیگر بنی اسرائیل یعنی بچھڑے کو پوجنے والو اچھی طرح دیکھ لو تمہارے جھوٹے خدا کی یہ قدر و قیمت اور طاقت ہے کہ وہ تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ اے عقل کے اندھو یہ تمہارا کیسا معبود تھا جو اپنی ذات کو ہی تباہ و برباد ہونے سے نہ بچا سکا تمہاری کیا مدد کرتا۔ تم لوگوں کی عقل میں یہ بات نہ آسکی کہ خالق حقیقی وہ ذات مقدسہ ہے جو تمام کائنات سے افضل، برتر و اعلیٰ اور ابدی ہے۔ وہ ہلاک ہونے یا تباہ و برباد ہو کر نیست و نابود ہونے سے پاک ہے۔''

سورہ طہ۔ ع۔4۔5 میں مذکورہ ارشاد موسیٰ علیہ السلام کا ذکر موجود ہے۔ متلاشیان علم مزید تحقیق کے لئے اس سورہ مبارکہ سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

گمراہ ہونے والے بنی اسرائیلیوں کی سزا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب گوسالہ پرستی کرنے والوں کی تحقیق و دیگر معاملات سے فارغ ہوئے تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ بنی اسرائیل میں گمراہ ہونے والوں، بے دین اور ارتداد کے مرتکب لوگوں کی سزا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''شرک کرنے والوں کی سزا یہ ہے کہ وہ لوگ خود اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ختم کرلیں''۔ حدیث شریف کی کتاب نسائی کا مطالعہ کریں تو اس سلسلے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ بیان کی گئی ہے۔ جس میں ارشاد فرمایا ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تمہاری توبہ قبول ہونے کی ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ مجرموں (مشرکوں) کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ شرک کرنے والوں میں جو شخص جس سے زیادہ قریب ہے وہ اپنے اس عزیز کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔ چاہے باپ بیٹا ہو یا بھائی بھائی بنی اسرائیل نے اس صورت کو تسلیم کرلیا۔ یوں باپ نے بیٹے کو بیٹے نے باپ کو اور بھائی نے بھائی کو قتل کرنا شروع کیا۔ اس طرح تین ہزار بنی اسرائیل قتل ہوئے۔'' بعض کتب اسلامی میں آتا ہے کہ قتل ہونے والوں

کی تعداد تین ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ قتل ہونے والوں کہ تعداد میں جب اس قدر اضافہ ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کی ''اے میرے مالک حقیقی اب میری قوم پر رحم فرما اور ان کی خطاؤں کو معاف کر دے''۔ ''اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت فرماتے ہوئے قاتل اور مقتول دونوں کو بخش دیا نیز فرمایا ''جو زندہ ہیں اور انہوں نے شرک کا گناہ عظیم کیا ہے۔ میں اپنے صفت رحمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کو بھی معاف کرتا ہوں۔ اے موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کو اچھی طرح سمجھا دیں کہ وہ آئندہ شرک کا گناہ عظیم نہیں کریں''۔ سورہ بقرہ۔ ع۔ 6 میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

بنی اسرائیل کے سردار کوہ طور پر

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش پر اللہ کریم نے بنی اسرائیل کے شرک کو معاف فرما دیا تو آپ علیہ السلام نے قوم سے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کی ہدایت وراہ نمائی کے لئے اپنی یہ کتاب تورات مجھ پر نازل فرمائی ہے۔ جو تختوں پر لکھی ہوئی ہے۔ اب تم لوگوں کا فرض ہے کہ اس کتاب مقدس پر ایمان لا کر اس میں ارشاد شدہ تمام احکام کی دل وجان سے عملی پیروی کرو تا کہ ہدایت پاسکو۔'' بنی اسرائیل نے پھر اپنی گزشتہ روایت کے مطابق ہٹ دھرمی اور میں نہ مانوں والی عادت کا ثبوت دیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔

''اے موسیٰ علیہ السلام ہم صرف تیرے کہنے پر کیسے یقین کر لیں کہ تورات اللہ ہی کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے۔ ہم اس کتاب پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ کو خود اپنی آنکھوں سے بے حجاب نہ دیکھ لیں اور وہ (اللہ) ہم سے خود نہ فرمائے کہ یہ تورات میری کتاب ہے۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے اس جاہلانہ اور بیوقوفی پر مبنی سوال کو سن کر ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ کو کسی نے بے حجاب نہیں دیکھا اور تمہارا یہ مطالبہ کبھی پورا نہیں ہوسکتا۔'' بنی اسرائیل بدستور اپنی ضد پر قائم رہے اور متواتر اصرار کرتے رہے کہ جب تک ہماری شرط پوری نہیں ہو جاتی ہم تورات پر ایمان نہیں لائیں گے۔ بنی اسرائیل کا اصرار جب حد سے بڑھ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''ٹھیک ہے۔ میں تم سب کو تو کوہ طور پر نہیں لے جاسکتا تم ایسا کرو کہ چند سردار منتخب کر لو وہ میرے ساتھ چلیں اگر واپس آ کر وہ میری تصدیق کر دیں تو پھر ان کی تصدیق کو تسلیم کرتے ہوئے تورات پر ایمان لے آنا۔'' آپ علیہ السلام کی یہ بات سُن کر بنی اسرائیل نے ستر (70) سرداروں کا انتخاب کیا اور یوں حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سرداروں کو ہمراہ لے کر کوہ طُور پر تشریف لے گئے۔

سرداران بنی اسرائیل کی موت اور دوبارہ حیات

حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے ہی سرداران بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر کوہ طُور پر پہنچے آپ علیہ السلام کو ایک سپید بادل کی طرح نور نے گھیر لیا یوں خالق کائنات کے ساتھ ہم کلامی شروع ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے اللہ

تعالیٰ سے درخواست کی کہ تو بنی اسرائیل کے تمام حالات سے اچھی طرح واقف ہے قوم کے اصرار پر ستر آدمیوں کو ہمراہ لایا ہوں۔ مہربانی فرما کہ یہ لوگ ہماری ہم کلامی کو سن لیں اور واپس جا کر بنی اسرائیل سے تصدیق کے قابل ہو جائیں۔ اللہ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا اور یوں بنی اسرائیل کے سرداروں نے نور کے احاطہ میں اللہ کریم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام فرماتے سن لیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ نور کا پردہ ہٹ گیا سرداروں نے گو اللہ تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کے کلام کو سن لیا تھا مگر صد افسوس سردار پھر اپنی پرانی ضد یعنی اللہ کو بے حجاب دیکھنے پر اصرار کرنے لگے۔ ان لوگوں کے اس احمقانہ اصرار پر غیرت الٰہی جوش میں آئی اور سخت کڑک، ہیبت ناک چمک اور زلزلے نے ان لوگوں کو جلا کر خاک کر دیا۔ یہ سارا قصہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درگاہ خداوندی میں درخواست کی "یا الٰہی یہ لوگ تو سخت احمق اور نادان تھے تو اپنی رحمت کے صدقے ان کو معاف فرما دے تاکہ یہ واپس جا کر میری تصدیق کر سکیں۔" اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے ان سرداروں کو دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ اس طرح سرداران بنی اسرائیل نے ایک دوسرے کو اپنی آنکھوں سے دوبارہ زندگی ملتے دیکھی۔ پورا واقعہ سورہ بقرہ۔ ع۔ 6 سورہ الاعراف۔ ع۔ 19
میں بیان کیا گیا ہے۔ متلاشیان علم ان سورتوں سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

بنی اسرائیل پر کوہ طور کا معلق ہونا

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ستر (70) سرداروں کو جنہیں دوبارہ زندگی ملی تھی ہمراہ لے کر کوہ طور سے واپس تشریف لائے ان سرداروں نے قوم کو تمام حالات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے برحق نبی ہیں اور ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل نے اپنے ہی سرداروں کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور تورات کے احکامات کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار سمجھانے کی باوجود میں نہ مانوں کے اصول پر کار بند رہتے ہوئے آپ علیہ السلام کے ارشادات کو ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے نکال دیتے۔ بنی اسرائیل کی اس ہٹ دھرمی اور جاہلانہ رویے کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے بارہ گاہ خداوندی میں ان کی بے راہ روی کا شکوہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "اے موسیٰ (علیہ السلام) میں تجھے ایک اور حجت (معجزہ) عطا کر رہا ہوں"۔

اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کو حکم فرمایا "بنی اسرائیل کے سروں پر معلق ہو جا اور ان لوگوں کو بتا کہ موسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے برحق نبی ہیں۔" چنانچہ کوہ طور قوم کے سروں پر معلق کر دیا گیا اور اس مین سے آواز آئی "اے بنی اسرائیل میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں، تورات آسمانی کتاب ہے اور آپ علیہ السلام کئی دفعہ میرے اوپر تشریف فرما ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ تم لوگ اچھی طرح دیکھ لو میں قدرت الٰہی کا مظہر ہوں اور اس کے حکم سے ہی پتھروں کا مجموعہ ہوتے ہوئے بھی اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر رہا ہوں۔ افسوس صد افسوس تم انسان ہوتے ہوئے بھی اس خالق کائنات اور اس کے سچے رسول کی مخالفت کر رہے ہو۔

اگر تم اب بھی باز نہ آئے تو تباہی و بربادی تمہارا مقدر ہوگی۔'' بنی اسرائیل نے جب کوہ طور کو اپنے سروں پر معلق دیکھا تو اپنی جانوں کے خوف سے فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اس کے تمام احکامات کو ماننے کا اقرار کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''اے بنی اسرائیل ہم نے جو احکامات اپنی اس کتاب (تورات) میں حکم فرمادیئے ہیں ان کی تعمیل میں لگ جاؤ تاکہ تم پرہیزگار اور متقی بن سکو۔'' مگر افسوس صد افسوس یہ فطرتی قوم اپنی کم بختی کی وجہ سے کج روی کی طرف لوٹ گئی اور یہ اقرار وقتی ثابت ہوا۔ بنی اسرائیل کے سروں سے جیسے ہی کوہ طور کو ہٹالیا گیا انہوں نے کچھ عرصہ بعد ہی اپنی خراب ذہنیت اور گزشتہ عادات کے مطابق احکام خداوندی کی مخالفت شروع کردی۔ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کی ان حرکات اور رویہ کو مختصراً مگر بڑے ہی جامع الفاظ میں سورۃ بقرہ۔ ع۔ 8۔ 11۔ اور سورہ اعراف۔ ع۔ 21 میں بیان فرمایا ہے۔

قرآن کریم میں طور پہاڑ کا ذکر

(1) سورۃ البقر آیات 63۔93
(2) سورۃ النساء آیت 154
(3) سورۃ مریم آیت 52
(4) سورۃ الطّور آیت 1
(5) سورۃ طٰہٰ آیت 80
(6) سورۃ المومنون آیت 20
(7) سورۃ القصص آیات 29۔46
(8) سورۃ التین آیت 2
(9) سورۃ الاعراف آیت 171

ارض مقدس اور بنی اسرائیل

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو قدم قدم پر ان کی حکم عدولی پر رحم فرماتے ہوئے معاف فرمانے کا سلسلہ جاری رکھا تاکہ ان کو یہ کہنے کا موقع نہ مل سکے کہ آخری انجام تک پہنچنے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت اختیار کرنے کا موقع نہیں دیا۔ بنی اسرائیل جس وادی یعنی سینا میں ٹھہرے ہوئے تھے وہ وادی ارض فلسطین سے بہت قریب تھی۔ یہ ارض مقدس وہ مقام تھا جہاں سیدنا حضرت ابراھیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے مزارات مقدسہ تھے اور اللہ کریم نے ان برگزیدہ ہستیوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں تمہاری اولاد کو پھر دوبارہ اس مقدس سرزمین کا مالک بنادوں گا۔ جہاں ان کی اولاد خوب ترقی کرے گی اب وقت آپہنچا تھا اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا ''اپنی قوم سے فرمادیں کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی سرزمین میں داخل ہوں اور وہاں کے جابر و ظالم حکمران کو نکال دیں اور خود عدل و انصاف کی زندگی بسر کریں۔ ہمارا یہ وعدہ ہے کہ فتح بنی اسرائیل کی ہی ہوگی۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو حکم الٰہی سے باخبر فرمایا۔ قوم یہ حکم سن کر اپنی ذلیل ترین عادت کے مطابق کہنے لگی جب تک وہ ظالم حکمران اس پاک سرزمین سے نکل نہیں جاتے ہم اس بستی میں داخل نہیں ہوں گے۔ بدبخت قوم نے یہ بالکل نہ سوچا کہ جب

تک وہ شجاعت جوانمردی سے ان ظالموں حکمرانوں کے خلاف لڑ کر انہیں وہاں سے نہیں نکالیں گے وہ حکمران خود بخود کیسے نکل جائیں گے۔

بنی اسرائیل میں سے ہی یوشع علیہ السلام اور کالب نامی شخص نے ان سے کہا ہمت کرتے ہوئے آگے بڑھو ہم یقیناً ظالم حکمرانوں سے لڑ کر فتح حاصل کریں گے۔ یہ سن کر بزدل قوم نے جواب دیا اے موسیٰ علیہ السلام ہم ہرگز اس شہر میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ ظالم حکمران وہاں موجود ہیں پس تم اور تمہارا رب جاؤ اور ان ظالم حکمرانوں سے لڑو ہم تو یہاں بیٹھ کر تماشہ دیکھتے ہیں۔ سورہ مائدہ۔ ع۔ 4 میں اس کا ذکر موجود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ جواب سن کر بارگاہ خداوندی میں عرض کی "اے میرے پروردگار میں اور ہارون ہی تیرے فرمانبردار بندے ہیں جو تیرے حکم پر لبیک کہتے ہیں۔ ہمارے سوا کوئی اور ایسا نہیں کرتا اس لئے میری التجا ہے کہ تو ہمارے اور اس ذلیل نافرمان قوم کے درمیان جدائی فرمادے تاکہ اس سخت نااہل قوم کو سبق مل سکے۔" اللہ کریم نے بذریعہ وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "اس قوم کی نافرمانی کا تجھ پر کوئی وزن نہیں ہے۔ ہم نے اس قوم کے لئے سزا مقرر فرمادی ہے اور وہ سزا یہ ہے کہ یہ لوگ چالیس سال تک بے سروسامانی کی حالت میں اسی میدان وصحرا میں بھٹکتے ہوئے ذلیل وخوار ہوں گے۔ ہم نے ارض مقدس کو اس قوم پر حرام کردیا ہے۔" چنانچہ حکم الٰہی کے مطابق ایسا ہی ہوا بنی اسرائیل چالیس سال تک اس بے آب وگیاہ صحرا میں بھٹکتے رہے۔ پھر جب ان تمام لوگوں کا انتقال ہوگیا جنہوں نے شہر میں داخل ہونے سے انکار کیا تھا اور ادھر حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہم السلام بھی اس فانی دنیا سے رحلت فرماگئے تو حضرت کالب اور یوشع علیہ السلام کی سرکردگی میں یہ قوم شہر (اریحاء) میں داخل ہوسکی۔

بنی اسرائیل اور گائے کا واقعہ

گائے کے اس واقعہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس سورہ کا نام ہی سورہ بقرہ (گائے) رکھ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل میں عامیل نامی شخص بڑا مالدار تھا مگر اولاد کی نعمت سے محروم تھا اس کے چچا زاد بھائی نے مال اور میراث کے لالچ میں اسکو قتل کردیا اور لاش کو رات کے اندھیرے میں دوسری بستی کے دروازے کے قریب پھینک آیا۔ صبح کے وقت خود ہی مقتول کے خون کا مدعی بن کر سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور خون کا الزام اس بستی کے لوگوں پر لگا کر انصاف کا طالب ہوا۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بستی کے لوگوں سے قتل کے بارے میں پوچھا۔ اہل بستی نے قتل سے صاف انکار کرتے ہوئے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ حقیقت حال ظاہر فرمادے تاکہ ہم لوگ خون خرابے سے بچ جائیں۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ اللہ کریم نے بذریعہ وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں سے فرمادیں کہ کسی گائے کو ذبح کریں اور اسکے گوشت کے ٹکڑے کو

مقتول کے جسم کے ساتھ لگائیں وہ زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دے گا۔

جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو بتایا کہ اللہ کریم نے فرمایا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو اور اسکے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے جسم سے لگاؤ وہ زندہ ہو کر قاتل کا پتہ بتا دے گا۔ یہ بات سن کر قوم اپنی بری عادت کے مطابق کہنے لگی اے موسیٰ علیہ السلام'' (سورۃ البقرآیت 67) کہا کہ آپ ہم کو مسخرہ بنا کر مذاق کر رہے ہیں کیوں کہ ہم تو کہہ رہے ہیں کہ ہمیں قاتل کا پتہ بتائیے جبکہ آپ (علیہ السلام) ہمیں گائے ذبح کرنے کا کہہ رہے ہیں''۔ (اس جواب کا ہمارے سوال کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ قوم کا جواب سن کر) سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''اعوذباللہ'' ''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ اس قسم کی بات کر کے میں جاہلوں میں سے نہ ہو جاؤں''۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ قوم سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان مبارک سن کر کوئی سی بھی گائے ذبح کر کے حسب حکم عمل کرتی تا کہ فوری طور پر جھوٹ اور سچ کا فیصلہ ہو جاتا مگر قوم نے اپنی پرانی عادت کے مطابق سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ گائے کیسی ہو، کتنی عمر کی ہو۔ اس کا رنگ کیسا ہو، جوان ہو یا بوڑھی ہو، موٹی ہو یا پتلی ہو وغیرہ وغیرہ۔ قوم نے سوال کرتے ہوئے خود اپنے اوپر بہت سی پابندیاں لگالیں۔ یوں قوم نے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حجت کا مظاہرہ ہوئے بہت سا قیمتی وقت ہی برباد نہ کیا بلکہ مطلوبہ گائے کی تلاش میں ادھر ادھر ماری ماری پھرتی رہی اور بڑی سخت محنت کے بعد مطلوبہ گائے حاصل کر سکی۔ (از تفسیر عزیزی)

کتب تفسیر میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نہایت ہی نیک شخص تھا جسکا ایک نابالغ لڑکا تھا جو کہ اس کی اکلوتی اولاد تھی۔ اس شخص نے ایک بچھڑی بڑی محنت سے پال رکھی تھی۔ جب اس شخص کی موت کا وقت قریب آیا تو مرنے سے پہلے وہ اس بچھڑی کو لے کر جنگل میں چلا گیا اور اللہ کریم سے یوں دعا کی۔ اے میرے مالک و مولا میں اس بچھڑی کو تیرے حوالے و تیرے سپرد کرتا ہوں۔ جب میرا بیٹا جوان ہو اور یہ بچھڑی مکمل گائے بن جائے تو میرا بیٹا اس گائے کو حاصل کر کے فوائد اٹھائے۔ وہ شخص بچھڑی کو جنگل میں اللہ کے سپرد کرنے کے بعد گھر واپس آیا اور اپنی بیوی کو پوری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شخص فوت ہو گیا۔ دن ہفتے مہینے سال گزرتے رہے لڑکا والدہ کے پاس پرورش پاتا رہا اور بچھڑی جنگل میں۔ مرحوم کا بیٹا نہایت سعادت منداور نیک تھا۔ ایک روز اسکی والدہ نے بیٹے سے کہا تیرے والد نے فلاں جنگل میں ایک گائے کی بچھڑی اللہ کے نام پر چھوڑ رکھی ہے جواب جوان ہو چکی ہو گی ادھر تم بھی اس قابل ہو کہ گائے کی دیکھ بھال کر سکو۔ جاؤ اور اس گائے کو پکڑ لاؤ۔ والدہ نے بیٹے کو گائے کی نشانیاں بتا دیں۔ بیٹا والدہ کے حکم کے مطابق جنگل میں گیا اور جلد ہی اس گائے کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ گائے کو پکڑا اور گھر لے آیا۔ والدہ نے دیکھا کہ گائے نہایت ہی فربہ اور خوبصورت ہو چکی ہے۔ والدہ نے بیٹے سے کہا اس گائے کو بازار لے جاؤ اور تین اشرفیوں کے عوض فروخت کر دینا مگر ایک بات یاد رکھنا کہ جب سودا ہونے لگے تو مجھ سے اجازت ضرور لے لینا۔ سعادت مند بیٹا والدہ کے حکم کی تعمیل کے لئے گائے کو لے کر بازار چلا گیا۔ اللہ کے حکم سے ایک فرشتہ انسانی شکل میں خریدار بن کر لڑکے کے پاس آیا اور گائے کی قیمت پوچھی۔ لڑکے نے کہا گائے کی قیمت تین

اشرفیاں ہیں۔ مگر سودا طے کرنے سے پہلے میری والدہ کی اجازت حاصل کرنا شرط ہے۔ فرشتے نے کہا کہ میں تمہیں گائے کی قیمت چھ اشرفیاں دیتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ اپنی والدہ سے اجازت نہ لو۔ بیٹے نے یہ سن کر فرشے سے کہا کہ اگر تم مجھے اس گائے کے برابر سونا بھی دو تب بھی میں اپنی والدہ کی اجازت کے بغیر یہ گائے فروخت نہیں کروں گا۔ خریدار یعنی فرشتے نے کہا اچھا جاؤ اپنی والدہ سے پوچھ لو۔ سعادت مند بیٹا گھر آیا اور والدہ کو سارا حال سنایا۔ والدہ نے کہا بیٹا جاؤ چھ اشرفیوں کے عوض گائے فروخت کر دو۔ لڑکا واپس بازار آیا اور خریدار سے کہا لاؤ چھ اشرفیاں دو اور گائے تمہاری، میری والدہ نے اجازت دے دی ہے۔ خریدار یعنی فرشتے نے کہا اچھا ایسے کرو کہ اب مجھ سے بارہ اشرفیاں لے لو مگر والدہ کی اجازت حاصل نہ کرو۔ لڑکے نے پھر وہی جواب دیا اور والدہ سے اجازت حاصل کرنے کے لئے پھر گھر آیا اور پورا حال والدہ کے گوش گزار کیا۔ والدہ عقل مند تھی فوراً سمجھ گئی کہ خریدار کوئی فرشتہ ہے جو ہماری آزمائش کر رہا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ہمیں عظیم فائدہ دینا چاہتا ہے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا پھر بازار جاؤ اگر وہ خریدار پھر ملے تو اس سے پوچھنا کہ ہم یہ گائے فروخت کریں یا نہ کریں۔ لڑکا حسب حکم بازار گیا خریدار فرشتہ وہاں موجود تھا۔ لڑکے نے اس سے پوچھا میری والدہ پوچھ رہی ہیں کہ ہم یہ گائے فروخت کریں یا نہ کریں۔ خریدار فرشتے نے کہا اپنی والدہ سے کہنا ابھی گائے فروخت نہ کریں۔ بہت جلد بنی اسرائیل کو اس گائے کی ضرورت پڑے گی۔ قوم یہ گائے ہر حال میں خریدے گی اور اسکے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عظیم معجزہ ظاہر ہوگا۔ جب بنی اسرائیل اس گائے کو خریدنے آئیں تو ان سے کہنا گائے کو ذبح کرنے کے بعد اسکی کھال سونے سے بھر دو تب فروخت کروں گا۔ لڑکا خریدار فرشتے کا مشورہ سن کر گائے کو واپس گھر لے آیا اور اپنی والدہ کو سارا حال بتایا۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد بنی اسرائیل کے چند افراد گائے کی تلاش میں اس لڑکے کے گھر پہنچ گئے۔ گائے میں ساری نشانیاں موجود تھیں۔ اسے دیکھ کر گائے خریدنے کا اظہار کیا لڑکے نے مذکورہ قیمت مانگی جو انہوں نے ادا کر دی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے یتیم بچے کو اپنی رحمت بے کراں سے مالا مال فرما دیا۔ بنی اسرائیل نے گائے کو ذبح کیا اور اسکے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے جسم کے ساتھ لگایا تو وہ فوراً زندہ ہو گیا اور اپنے قاتل کا نام بتا دیا۔ قاتل کو اس کے جرم کی سزا دی گئی اور یوں قوم سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ کی بدولت کشت وخون سے بچ گئی۔

سورہ بقرہ کی مذکورہ تفصیل کے مطالعہ سے جو فوائد سامنے آتے ہیں وہ تحریر کئے جا رہے ہیں تا کہ اگر کوئی نکتہ تشنہ تشریح رہ گیا ہو تو انشاء اللہ اسکی وضاحت بھی ہو جائے گی۔

پہلا فائدہ

اس واقعہ سے جو پہلا سبق یا فائدہ ہوا وہ یہ ہے کہ بزرگوں کے حکم پر اپنی عقل کے گھوڑے نہیں دوڑانے چاہئیں بلکہ اسے فوراً مان لینا چاہیے اسی میں فائدہ ہے۔ بزرگوں کے حکم پر اپنی عقل اور حواس سے بھی زیادہ اعتماد کرنا چاہیے۔ بنی اسرائیل کی مثال ہمارے سامنے ہے اگر وہ نبی کے حکم پر فوری عمل کرتے تو پریشانی و مالی نقصان سے بچ جاتے۔

دوسرا فائدہ۔

دوسرا سبق اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ بزرگوں سے زیادہ سوالات کرنا بھی خرابی کا باعث ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل نے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال در سوال کیے اور پریشانی ونقصان اٹھایا۔ اگر بزرگ خود سوالات کرنے کی اجازت دیں تو پھر سوالات کرنے چاہئیں۔ اس میں لاتعداد فوائد حاصل ہوں گے۔

تیسرا فائدہ۔

اس واقعہ سے یہ علمی فائدہ بھی حاصل ہوگا کہ احکام خداوندی اسکی رضا سے تبدیل بھی ہو سکتے ہیں اور ان میں بعض تبدیلیاں بھی ہوسکتی ہیں۔ جیسے گائے کے سلسلے میں پہلا حکم یہ تھا کہ کوئی بھی گائے ذبح کرلو مگر بنی اسرائیل کے پے در پے سوالات کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کو گائے کے انتخاب میں خاص فرما دیا۔

چوتھا فائدہ۔

ایک عظیم فائدہ یہ بھی حاصل ہوا کہ جو صحیح العقیدہ مسلمان اپنے بیوی بچوں کو اللہ کے سپرد کردے تو خالق کائنات انکی نہایت عمدہ پرورش فرماتا ہے اور انہیں دین ودنیا کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ بنی اسرائیل کے سچے مسلمان کا مذکورہ واقعہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

پانچواں فائدہ۔

اس واقعہ سے یہ بھی سبق ملا کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کی فرمانبردار اولاد کو بہت پسند کرتا ہے۔ علماء ومحققین ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان کو تمام نیک اعمال کا بدلہ آخرت میں ملے گا جبکہ والدین کی خلوص دل سے اطاعت اور فرمانبرداری کرنیوالوں کو اسکا بدلہ دنیا اور آخرت میں ملتا ہے۔

چھٹا فائدہ۔

اس واقعہ سے عظیم ایک سبق یہ بھی ملا کہ عظمت انبیاء علیہم السلام ہر چیز سے مقدم ہے۔ نبی کا حکم ہر حال میں میں تسلیم کرنا ضروری ہے چاہے وہ حکم سمجھ آئے یا نہ آئے۔ ان کے احکام کو غلطی یا دل لگی پر محمول کرنا بے ادبوں، گستاخوں اور بدبختوں کا طریقہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قارون

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک شخص نہایت ہی مالدار تھا۔ اس شخص کا مال ودولت تاریخ عالم میں

ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بعض مورخین کے نزدیک دنیا میں اس سے زیادہ مال دار شخص اور کوئی نہیں ہوا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس شخص کے خزانوں کی کنجیاں 60 اونٹ یا 60 نہایت جری اور طاقت ور پہلوان اٹھایا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے اس شخص کا نام ''قارون'' بتایا ہے۔ مال و دولت کی اس کثرت نے قارون کو بے حد مغرور اور سرکش بنا دیا تھا۔ قارون اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ نہایت برا سلوک کرتا تھا۔ غریب لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا۔ یہ فرعون کا درباری تھا اور اس نے تمام مال و دولت فرعون سے ہی حاصل کیا تھا۔ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دشمنی رکھنے میں فرعون سے بھی دو چار ہاتھ آگے تھا۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔ ابراہیم نخعی' عبداللہ بن الحرث بن نوفل، سماک بن حرب، قتادہ اور مالک بن دینار رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اس کا شجرہ نسب یوں بیان کیا ہے۔ قارون بن یصہر بن قامت۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شجرہ نسب یوں ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) بن عمران بن قامت بن لادی بن یعقوب علیہ السلام اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی اور بڑے بھائی تھے۔ صحیح بخاری شریف میں بھی یہی شجرہ نسب موجود ہے۔ قرآن کریم میں قارون کے بارے میں بعض جگہ تفصیل اور کہیں اجمالی طور پر اس کا ذکر موجود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے قارون کو راہ راست پر لانے کے لئے بہت دفعہ نصیحت کی مگر اس نے اپنی دولت کے غرور میں سرمست ان کی پرواہ نہ کی۔ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون سے ارشاد فرمایا ''تجھے یہ مال کثیر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس لئے تجھے چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر اور اس مال سے غریبوں، یتیموں، بیکسوں اور کمزوروں کی مدد کر۔ اگر تو نے اپنی سرکشی کو چھوڑ کر سیدھا راستہ اختیار نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ناشکری ہے۔ جس کی سزا بہت بری ہوگی۔'' قارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ نصیحت سن کر کہا'' میرا یہ مال و اسباب تیرے اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا نہیں بلکہ ذاتی محنت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے میں تیری بات مان کر اپنی یہ دولت برباد نہیں کر سکتا۔'' قارون کے اس جواب پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا فرض منصبی جاری رکھا اور اسے متواتر تبلیغ فرماتے رہے۔ قارون پر اس تبلیغی ارشادات کا بہتر اثر ہونا چاہیئے تھا مگر وہ بدبخت اسلام دشمنی میں اور زیادہ سرگرم ہو گیا اور یوں کھلے عام مخالفین کے ساتھ شامل ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں کمربستہ ہو گیا۔ ایک روز اپنی دولت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہت سے ملازمین کو ہمراہ لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے سے گزرا۔ اس وقت آپ علیہ السلام قوم کو دین حق کی تبلیغ فرما رہے تھے۔ قارون کہنے لگا ''عنقریب میں موسیٰ علیہ السلام کو شکست دے کر رہوں گا''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کا یہ مظاہرہ زر و جواہر اور غلاموں کی تعداد کو دیکھتے ہوئے اپنی قوم سے فرمایا ''اے لوگو قارون کے اس مکر و فریب اور تباہ و برباد ہونے والے اس جاہ و جلال کی نمائش کو خاطر میں نہ لانا فتح و کامرانی ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔ اور ہم ہی حق پر ہیں۔'' بنی اسرائیل میں سے بعض کے دلوں میں قارون کی دولت اور شان دیکھ کر انسانی کمزوری کے مطابق یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اے کاش ہم اس کی طرح مال دار

ہوتے۔ ادھر خالق کائنات نے قارون کے اس تکبر گمراہی اور بت پرستی کو حد سے بڑھتا ہوا دیکھ کر اس کو سزا دینے کا ارادہ فرمایا اور حکم فرمایا ''اس مغرور شخص کو اس کے تمام مال واسباب اور فانی شان وشوکت کے ساتھ زمین میں دفن کر دیا جائے''۔ حکم الٰہی کے مطابق اسی وقت قارون کے مال ودولت کو زمین کے اندر دھنسا دیا گیا۔ یوں بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے قارون اپنی طاقت اور مال ودولت کے ہمراہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زمین میں غرق کر دیا گیا۔ اس طرح آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا نشان بن گیا۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل سورتوں میں قارون اور اس کے انجام کے بارے میں ذکر موجود ہے۔

سورہ عنکبوت۔ ع۔ 4

سورہ قصص۔ ع۔ 8

حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال

بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری سے انکار کرتے ہوئے ارض مقدس میں داخل ہونے کی بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تم اور تمہارا خدا بستی والوں سے نمٹو ہم تو یہاں بیٹھ کر نظارہ کریں گے۔ اللہ کریم نے بنی اسرائیل کو اس نافرمانی کی سزا دیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ''آپ قوم کو بتا دیں کہ وہ چالیس سال تک اسی صحرا میں بھٹکتے رہیں گے اور جن لوگوں نے اس ارض مقدس میں داخل ہونے سے انکار کیا ہے ان میں سے ایک بھی اتنا عرصہ اس مقدس جگہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ میں یعنی موسیٰ اور ہارون علیہم السلام تمہارے درمیان موجود رہیں گے تا کہ تمہاری آنے والی نسلوں کو رشد وہدایت کی تلقین کریں۔'' اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق بنی اسرائیل میدان ''تیہ'' یا صحرا سینا میں بھٹکتے ہوئے اس پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچ گئے جس کا نام ''ہور'' تھا۔ حضرت موسیٰ وہارون علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے عبادت کے لئے ہور پہاڑ پر تشریف لے گئے۔

ہور پر پہنچ کر دونوں بزرگ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد حضرت ہارون علیہ السلام کو پیغام اجل آ پہنچا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی تجہیز وتکفین فرمائی اور پھر پہاڑ کی چوٹی سے نیچے تشریف لا کر قوم کو حضرت ہارون علیہ السلام کے وصال سے باخبر فرمایا۔ تورات گنتی باب۔ 2۔ آیات 22 تا 29 میں حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہم السلام کا ہور پر تشریف لے جانا وہاں عبادت الٰہی میں مصروف رہنا پھر ان کے وصال فرما جانے کا ذکر موجود ہے۔ آخری آیت تورات میں مذکور ہے کہ جب بنی اسرائیل کو علم ہوا کہ حضرت ہارون علیہ السلام وصال فرما گئے ہیں تو گھر گھر ماتم برپا ہو گیا۔ قوم نے متواتر تیس (30) روز تک حضرت ہارون علیہ السلام کے وصال کا سوگ منایا۔ (واللہ اعلم)

حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہم السلام

حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہم السلام کے واقعہ کو بیان کرنے سے پہلے اس واقعہ کی وجہ تسمیہ بیان کر دینا

ضروری خیال کرتا ہوں کہ یہ واقعہ کیوں اور کہاں پیش آیا۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام کے درمیان پیش آنے والے واقعہ کی تفصیل اور جگہ تو واقعہ پڑھ کر معلوم ہو جائے گی البتہ وجہ یعنی واقعہ کیوں پیش آیا کے سلسلے میں چند سطور تحریر کر رہا ہوں امید قوی ہے کہ ان سطور کو پڑھ کر واقعہ پیش آنے کی وجہ معلوم ہو جائے گی اور یوں ذہن میں پیدا ہونے والی الجھن یا سوال کا حل مل جائے گا اللہ توفیق عطا فرمائے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن بن عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے۔ فرماتے ہیں مجھ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ "ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے خطاب فرما رہے تھے کہ حاضرین میں سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ اس زمانے میں آپ (علیہ السلام) سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا مجھے خدا نے سب سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ بات پسند نہ آئی اور فرمایا "اے موسیٰ (علیہ السلام) تمہارا منصب تو یہ تھا کہ اس سوال کے جواب کو علم الٰہی کے سپرد کرتے ہوئے کہتے "واللہ اعلم" مگر تم نے ایسا نہ کیا۔ اب سنو جہاں دو سمندر ملتے ہیں وہاں ہمارا ایک بندہ ہے جو بعض امور میں تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے"۔ وحی الٰہی سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے خالق و مالک تیرے اس بندے تک میری رسائی کا کیا طریقہ ہے؟" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "مچھلی بھون کر اپنے توشہ دان میں رکھ لو اور میرے اس بندے کی تلاش میں نکل پڑو جس مقام پر وہ مچھلی زندہ ہو کر تمہارے توشہ دان سے خود بخود نکل کر پانی میں کود جائے گی میرا وہ بندہ تمہیں اسی مقام پر ملے گا"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمان خداوندی سن کر اس بندے یعنی خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکل پڑے۔ آپ علیہ السلام کے خلیفہ حضرت یوشع علیہ السلام اس سفر میں آپ کے شریک تھے۔ دونوں بزرگ اس مرد صالح کی تلاش میں کافی سفر کر چکے تو ایک مقام پر آرام کی غرض سے بیٹھ گئے۔ بیٹھے بیٹھے دونوں پتھر پر سر رکھ کر سو گئے۔ اسی مقام پر مچھلی میں زندگی پیدا ہوئی اور وہ خود بخود توشہ دان سے نکل کر سمندر میں کود گئی۔ مچھلی پانی میں بہتی ہوئی جہاں تک گئی وہاں کا پانی برف کی طرح جم کر ایک باریک راستہ کی شکل اختیار کر گیا۔ مچھلی جب پانی میں کودی اتفاقاً حضرت یوشع علیہ السلام اس وقت بیدار ہو گئے اور انہوں نے سارا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا کچھ دیر بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بیدار ہوئے۔ حضرت یوشع علیہ السلام ان کو مچھلی کا واقعہ بتانا بھول گئے اور دونوں نے پھر سفر شروع کر دیا۔ رات کو ایک جگہ آرام کیا صبح کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع علیہ السلام سے فرمایا بھوک محسوس ہو رہی ہے لاؤ وہ مچھلی تاکہ اسے تناول فرما کر بھوک دور کریں۔ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے عرض کیا یا حضرت راستے میں جب ہم آرام کی غرض سے چٹان کے پتھر پر سر رکھ کر سو گئے تھے تو اس وقت مچھلی توشتہ دان سے نکل کر سمندر میں کود گئی جسے میں نے دیکھا اور مچھلی کا راستہ سفید برف کی مانند بنتا چلا گیا۔ جب آپ علیہ السلام بیدار ہوئے تو میں یہ واقعہ بتانا

بھول گیا جو کہ شیطان کی طرف سے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہی جگہ تو ہماری منزل مقصود تھی۔ یہ فرما کر آپ علیہ السلام واپس پلٹے اور چلتے چلتے اسی چٹان کے پاس پہنچ گئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''سمندر کا وہ خط یعنی راستہ حضرت موسیٰ و حضرت یوشع (علیہم السلام) کے لئے عجب تعجب خیز تھا۔''

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام کی ملاقات

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مذکورہ چٹان کے قریب تشریف لائے تو وہاں نہایت ہی نورانی شکل وصورت کی ایک شخصیت کو بیٹھے دیکھا۔ آپ علیہ السلام نے السلام علیکم فرما کر اپنا تعارف کرایا۔ اس مرد صالح نے جواب میں وعلیکم السلام فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے مرد صالح (خضر علیہ السلام) میں آپ کے پاس وہ علم حاصل کرنے آیا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر آپ کو بخشا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا آپ (علیہ السلام) کو اللہ کریم نے تشریعی علم عطا فرمایا ہے جبکہ مجھے تکوینی رموز و اسرار کا علم دیا ہے۔ آپ (علیہ السلام) میرے ساتھ رہ کر میرے معاملات پر صبر نہیں کرسکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ مجھے انشاء اللہ صابر پائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب سن کر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو میری ایک شرط ماننا ہوگی۔ وہ شرط یہ ہے کہ میرے کسی کام کو دیکھ کر آپ کوئی سوال نہیں کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے یہ شرط منظور ہے۔ اس گفتگو کے بعد دونوں بزرگ ایک طرف چل پڑے۔ (سورۃ کہف آیات 60 تا 70)

حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی میں سوراخ کرنا

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام چلتے چلتے دریا کے کنارے پر پہنچ گئے دریا پار کرنے کے لئے کچھ دیر کسی کشتی کا انتظار کرتے رہے تھوڑی دیر گزری تھی کہ سامنے سے ایک کشتی آتی نظر آئی جو کنارے کے قریب آ کر رک گئی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے ملاح سے پوچھا دریا پار کرانے کا کتنا کرایہ لوگے۔ ملاح حضرت خضر علیہ السلام کو پہچانتے تھے انہوں نے کرایہ لینے سے انکار کر دیا اور اصرار کیا کہ آپ کشتی میں سوار ہوں یہ ہمارے لئے باعث مسرت ہوگا۔ دونوں بزرگ کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی میں سوار ہوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے سامنے والے حصہ کا تختہ اکھاڑ دیا جس سے کشتی میں سوراخ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام ضبط نہ فرما سکے اور بول پڑے اے خضر (علیہ السلام) یہ تو آپ (علیہ السلام) نے نہایت عجیب بات کی ہے۔ کشتی والوں نے ہمیں کنارے پر کھڑا دیکھ کر مفت سوار کیا۔ کیا اس احسان کا بدلہ یہ ہے کہ آپ نے کشتی میں سوراخ کر دیا تاکہ سب لوگ ڈوب جائیں یہ عمل برا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا میں نے پہلے ہی کہا تھا آپ (علیہ السلام) صبر نہیں کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا مجھے وہ بات فراموش ہو گئی اس لئے آپ بھول پر میرا مواخذہ نہ کریں۔ اور نہ ہی اس سلسلے میں سختی سے کام لیں (سورۃ الکھف آیات 71 تا 73)۔ حضرت خضر علیہ السلام

نے کہا بہت اچھا آئندہ احتیاط فرمائیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ کے بارے میں ارشاد فرمایا'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا اعتراض ان کی بھول کی وجہ سے ہی تھا۔''

حضرت خضر علیہ السلام کا لڑکے کو قتل کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کشتی کے ذریعے دریا کے دوسرے کنارے پر اترے اور ایک جانب چلنے لگے۔ چلتے چلتے ایک بستی کے قریب پہنچ گئے۔ بستی سے باہر ایک کھلا میدان تھا۔ جس میں کچھ لڑکے کھیل رہے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ان بچوں میں ایک بچے کو پکڑ کر مار ڈالا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نہایت ہی مقرب اور برگزیدہ، صاحب شریعت رسول تھے۔ وہ اس قسم کے واقعہ کو دیکھ کر کیسے صبر کر سکتے تھے۔ فوراً بول پڑے اے خضر (علیہ السلام) یہ آپ نے کیا ظلم کیا ایک بے گناہ لڑکے کو مار ڈالا جو کہ نہایت ہی بری بات ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام میں نے ابتداء میں ہی کہہ دیا تھا کہ آپ صبر نہیں کر سکیں گے۔ دیکھ لیں میری بات سچ ثابت ہوئی آپ (علیہ السلام) نے دوسری بار پھر اعتراض کر دیا ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا'' اے خضر (علیہ السلام) اس مرتبہ بھی میری اس بات پر کسی قسم کا مواخذہ نہ کریں۔ تیسری بار اگر مجھ سے صبر نہ ہو سکا تو پھر کسی قسم کے عذر کو قبول نہ کیجئے گا۔'' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ'' بچے کو قتل کر دینا کشتی کا تختہ اکھاڑ دینے کی نسبت بہت زیادہ سخت عمل تھا اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر وضبط نہ کر سکے کیونکہ وہ ایسا کرنے میں معذور تھے۔'' بہر حال اس واقعہ کے بعد دونوں بزرگ چلتے ہوئے بستی میں داخل ہو گئے۔ (سورۃ الکہف آیات 74 تا 76)

حضرت خضر علیہ السلام کا گرتی ہوئی دیوار کو مرمت کرنا

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام جس بستی میں داخل ہوئے وہاں کے لوگ خوش حال اور ہر قسم کی مہمان داری کرنے کے قابل تھے۔ دونوں بزرگوں نے اہل بستی سے کھانا طلب کیا اور ٹھہرنے کی جگہ مانگی مگر بستی والوں نے نہ تو ٹھہرنے کی جگہ دی اور نہ ہی کھانا دیا۔ دونوں بزرگ بستی سے گزر رہے تھے کہ راستہ میں ایک ایسا مکان نظر آیا جس کی ایک دیوار گرنے ہی والی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس گرتی ہوئی دیوار کو مرمت فرما کر گرنے سے بچا لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر بولے اے خضر (علیہ السلام) اس بستی کے لوگوں نے ہمارے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا پھر بھی آپ نے اس دیوار کو مرمت کر دیا (سورۃ الکہف آیت 77)۔ اگر آپ نے اس دیوار کو ضرور ہی مرمت کرنا تھا تو اس کے مالک سے اجرت طے کر لیتے تاکہ اجرت کی رقم سے ہم اپنی بھوک پیاس کو دور کر سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ تیسری دفعہ اعتراض سن کر حضرت خضر علیہ السلام نے کہا '' هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَ بَيْنِكَ '' (سورۃ الکہف آیت 78)۔ یعنی اب میری اور آپ (علیہ السلام) کی جدائی کا وقت آ گیا ہے۔ میرے جن کاموں پر آپ (علیہ السلام) نے خاموشی اختیار نہیں فرمائی تھی ان کاموں میں کیا بھید و رموز تھے ان کے بارے میں بتا

دیتا ہوں۔ میں نے جو کچھ کیا سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوالات جن واقعات کے بارے میں تھے اس کے متعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا ''ہمارا دل تو یہ چاہتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھوڑا اور صبر فرما لیتے اور یوں ہم کو اللہ تعالیٰ کے مزید اسرار و تکوینی علوم کا علم ہو جاتا۔'' حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے افعال کے رموز و اسرار بتاتے ہوئے فرمایا۔

حضرت خضر علیہ السلام کا معاملات کے بھید بتانا

(1) حضرت خضر علیہ السلام نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام سب سے پہلے میں نے جس کشتی میں تختہ اکھاڑ کر سوراخ کیا وہ کشتی چند غریب لوگوں کی ملکیت تھی جو سخت محنت کے بعد اس کشتی سے مسافروں کو دریا کے پار لے جا کر حاصل شدہ رقم سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ اس کے علاوہ ان غریب لوگوں کا اور کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ اس علاقے کا بادشاہ بڑا ظالم ہے وہ جس کسی کی اچھی کشتی دیکھتا اپنے سپاہیوں کے ذریعے زبردستی اس سے چھین لیتا۔ میں نے اس کشتی کا تختہ اکھاڑ کر اسے عیب دار بنا دیا اب جب بادشاہ کے سپاہی اس کشتی کو دیکھیں گے تو عیب کی وجہ سے چھوڑ جائیں گے بعد میں کشتی کے مالک اس تختہ کو دوبارہ اس جگہ لگا کر اپنا رزق کماتے رہیں گے۔

(2) اے موسیٰ علیہ السلام میرا دوسرا عمل میدان میں کھیلتے ہوئے لڑکے کو قتل کرنے کا تھا۔ اس لڑکے کے والدین مومن ہیں مجھے علم تھا کہ وہ لڑکا بڑا ہو کر بدکردار اور مذہب کا دشمن ہوتا۔ لڑکے کے افعال کا والدین پر اثر پڑ سکتا تھا اور یوں وہ دونوں بھی عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاتے اس لئے میں نے اس کو قتل کر دیا۔ اب اللہ تعالیٰ ان کو اس لڑکے سے بہتر بیٹا عطا فرمائیگا جو نہایت متقی و پرہیزگار ہوگا اور اپنے والدین کی بخشش اور درجات میں بلندی کا سبب ثابت ہوگا۔

(3) اے موسیٰ علیہ السلام میں نے بستی کے مکان کی گرتی دیوار کو مرمت کر دیا تا کہ وہ گرنے سے بچ سکے۔ اصل میں وہ مکان ایک محنتی ایمان دار اور صالح مرد کی ملکیت تھا۔ اس مرد نے مکان کی دیوار کے نیچے اپنی نیک کمائی کی رقم دفن کر دی تھی اس کے بچے ابھی چھوٹے اور نابالغ ہیں۔ باپ کا خیال تھا کہ بچے جب بڑے ہوں گے تو وہ خزانہ نکال کر اپنی زندگی سکون سے بسر کر سکیں گے۔ اگر میں اس دیوار کو مرمت نہ کرتا تو وہ گر جاتی خزانہ ظاہر ہو جاتا جسے لوگ لے جاتے اور یوں بچے جوان ہو کر تنگ دستی کا شکار ہو جاتے۔ میں نے یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی سرانجام دیئے ہیں (سورۃ الکھف آیات 79 تا 82)۔ سورہ کہف۔ ع۔ 9-10۔ میں حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہم السلام کے اس واقعہ و معاملات کی تشریح بیان کی گئی ہے۔ متلاشیان علم اس سورہ مبارکہ سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام کے اس قصے کے بارے میں مفسرین کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس لئے معبوث فرمایا تا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

معاونت کر سکیں۔ کیونکہ اللہ کریم نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا تھا کہ ان کے زمانے میں جو بھی دوسرا نبی مبعوث ہوگا وہ ہمیشہ ان کا مددگار رہوگا۔ مفسرین فرماتے ہیں جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام کو دوسرے فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل مبارکہ میں جتنے نبی پیدا ہوئے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں کو دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہر اعتبار سے حضرت خضر علیہ السلام پر فضیلت حاصل ہے۔ سورۂ کہف کی ان آیات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم پیغمبر اور جلیل القدر رسول تھے۔ تشریعی علوم واحکام کی تبلیغ فرمانا آپ علیہ السلام کا فرض منصبی تھا اس لئے وہ تکوینی اسرار کے مظاہر کو برداشت نہ فرما سکے اور شریعت کی بنا پر حضرت خضر علیہ السلام پر اعتراض فرماتے رہے۔ مختصراً مجموعہ کمالات نبوت ورسالت کے لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام و مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام سے بہت بلند ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی بھی ہیں اور رسول بھی آپ علیہ السلام صاحب شریعت بھی ہیں اور صاحب کتاب بھی جبکہ خضر علیہ السلام نہ تو صاحب کتاب ہیں اور نہ ہی صاحب شریعت۔ اس لئے حضرت خضر علیہ السلام کا وہ جزوی علم جو علم تکوین کے اسرار سے تعلق رکھتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جامع علم تشریعی پر فائق ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ضرور تھے۔ اس بات پر اجماع امت ہے کیونکہ قرآن کریم نے ان کا ذکر جس انداز سے فرمایا ہے وہ مقام نبوت پر ہی صادق آتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فضائل ومناقب

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی ورسول تھے۔ آپ علیہ السلام کے فضائل ومناقب کا ذکر قرآن عزیز اور حدیث شریف میں متعدد بار آیا ہے۔ آپ علیہ السلام کا ذکر خیر جس انداز سے کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام فخر کونین تاجدار عرب وعجم سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد دیگر تمام انبیاء اور رسل کرام علیہم السلام سے افضل ہیں اور آپ علیہ السلام کی قدرومنزلت نہایت ہی بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام پیدا شدہ مخلوق میں بنی اسرائیل کا ذکر سب سے زیادہ آتا ہے اور اس سے اصلاح ورشد وہدایت کے لئے متواتر کوشش کرنے کا ثبوت ملتا ہے جو آپ علیہ السلام نے فرمائی۔ اس امت کے علاوہ کسی دوسری امت کے لئے اس قدر کثیر مواد موعظت وبصیرت اور کہیں نہیں پایا جاتا۔ ویسے تو قرآن کریم کی اکثر آیات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جلالت اور اولوالعزم پیغمبر ہونے کا اظہار ہوتا ہے جو ان کے گزرنے والے واقعات کو بیان کرتی ہیں۔ مندرجہ ذیل سورتوں میں وضاحت کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے:۔

سورہ مریم۔ع۔4

سورہ الاعراف۔ع۔17 تا 20

سورۂ نساء۔ع۔22

سورہ الصافات۔ع۔4

سورہ احزاب۔ ع۔ 9

سورہ طہٰ۔ ع۔ 4۔ 5

سورہ قصص۔ ع۔ 1 تا 5

سورہ بقر۔ ع۔ 6 تا 10

ان سورتوں میں خصوصیت کے ساتھ آپ علیہ السلام کی ثناء، منقبت اور فضائل کا اعلان کیا گیا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ ایک روز سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ یہ اس لئے کہ قیامت کے روز لوگوں پر خوف کی وجہ سے دہشت طاری ہوگی اور وہ غش کھا جائیں گے۔ پھر سب سے پہلے میں ہوش میں آکر دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش الٰہی کا کنارہ پکڑے کھڑے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئیں گے یا ان پر بے ہوشی طاری ہی نہیں ہوگی۔ جو شاید کوہ طور پر بیہوش ہونے کا صلہ ہوگا۔'' امام حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ میں بیان کیا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ مجھے موسیٰ (علیہ السلام) پر فضیلت نہ دو حقیقت میں حضور علیہ السلام کے حسن اخلاق اور تواضع کی دلیل ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مقدسہ کا ایک نمونہ ہے۔ ورنہ بحیثیت نبی آخرالزماں خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ علیہ السلام کو تمام سابقہ انبیاء ورسل علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ ''میں فخر و مباہات کے بغیر کہتا ہوں کہ میں تمام اولاد آدم (علیہ السلام) کا سردار ہوں۔'' اس کے علاوہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا آپ علیہ السلام کی دیگر تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت کی نمایاں دلیل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ہاتھوں ان کی تکالیف اور اذیتوں کا ذکر فرما کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صبر کی تعریف و توصیف فرمائی۔

صحیح بخاری و مسلم میں حدیث اسراء کے تحت لکھا ہے کہ جب شب اسراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق پر تشریف لے جا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایک سرخ ٹیلے پر سے ہوا۔ آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر انور میں کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے۔ یوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فضائل و مناقب لاتعداد ہیں مگر موضوع کی طوالت کے خوف سے مذکورہ بیان پر ہی اکتفا کر رہا ہوں اللہ قبول فرمائے۔ آمین۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال

حضرت موسیٰ علیہ السلام شب و روز بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت میں مصروف رہتے باوجود اس کے کہ آپ علیہ السلام کی قوم نے بہت تکلیفیں اور قدم قدم پر مخالفت کی مگر اللہ کریم کے یہ بلند مرتبہ نبی اپنی شان نبوت کے مطابق قوم کو پیغام حق کی نصیحتیں فرماتے رہے۔ پھر وہ وقت بھی آ گیا جب داعی اجل کو لبیک کہنا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا شدہ مخلوق میں سے اس کے حکم کے مطابق ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو عزرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام اجل کو قبول فرمائیں۔ یہ بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عزرائیل علیہ السلام کے چہرے پر طمانچہ رسید کر دیا جسکی وجہ سے عزرائیل علیہ السلام کی آنکھ پھوٹ گئی۔ عزرائیل علیہ السلام فوری اس جگہ سے رخصت ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوئے اور شکایتاً عرض کیا یا الٰہی تیرا بندہ موت نہیں چاہتا اور اس نے مجھے طمانچہ رسید کر دیا ہے یوں میری آنکھ پھوٹ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل کی آنکھ دوبارہ دُرست فرما دی اور حکم فرمایا کہ دوبارہ میرے اسی برگزیدہ بندے کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ تم بیل کی کمر پر ہاتھ رکھو بیل کے جتنے بال تمہاری مٹھی میں آ جائیں گے ہر ہر بال کے بدلے تمہاری عمر میں ایک سال کا اضافہ کر دیں گے۔ حکم الٰہی کے مطابق عزرائیل علیہ السلام دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو پیغام الٰہی سنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا الٰہی اس کے بعد میرا کیا انجام ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آخر کار ''موت'' ہے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اگر طویل ترین زندگی کا آخر پھر موت ہی ہے تو میں ابھی اس کا ذائقہ چکھنے کو تیار ہوں مگر میری درخواست ہے کہ مجھے میرے آخری وقت میں ارض مقدس کے نزدیک کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس خواہش کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور انہیں ارض مقدس کے نزدیک کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مقام اریحاء میں سرخ ٹیلے پر تشریف فرما تھے تو حضرت عزرائیل علیہ السلام نے حکم خداوندی کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اجازت سے آپ علیہ السلام کی روح کو قبض فرمایا۔ یہاں ایک اہم وضاحت کرنا ضروری خیال کرتا ہوں تاکہ عزرائیل علیہ السلام کو تھپڑ مار کر آنکھ پھوڑ دینے والے مسئلہ کی وضاحت ہو جائے اور یوں حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ کی تعبیر و تشریح بھی ہو جائے۔

تعبیر الفاظ حدیث

حضرت عزرائیل علیہ السلام جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام اجل کو قبول فرمائیں اس وقت فرشتہ اجل انسانی روپ میں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرشتہ اجل کو پہچان نہ سکے اور یوں اس کی بے باکی پر اسے تھپڑ مار دیا جس سے فرشتے کی آنکھ پھوٹ گئی۔ ہماری اس دلیل کا ثبوت خود قرآن کریم فرقان حمید میں موجود ہے یعنی جب عذاب کے فرشتے انسانی روپ میں سیدنا حضرت ابراہیم و لوط علیہم السلام کے پاس حاضر ہوئے تو ان بزرگوں نے بھی فرشتوں کو نہیں پہچانا تھا بعد میں پہچان گئے۔ بالکل اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کو گوارا نہ فرمایا کہ ایک اجنبی شخص اجازت کے بغیر خلوت کدہ میں گھس کر ان کی موت کا پیغام دے۔ اس لئے آپ علیہ السلام نے تھپڑ مار کر اس اجنبی کی آنکھ پھوڑ دی۔ فرشتہ اجل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عمل کا مطلب نہ سمجھ سکا اور فوراً درگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے مالک کائنات تیرا بندہ

(موسیٰ علیہ السلام) موت نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کی یہ بات سن کران کو پھر ملکوتی شکل عطا فرمائی اور یوں وہ پھوٹ جانے والی آنکھ کے عیب سے بری ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ اجل کو دوبارہ پیغام دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ فرشتہ اجل نے اپنی اصل ہیئت میں وہ پیغام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سنایا تو انہوں نے فوراً پروردگار کے حکم کو مانتے ہوئے روح مبارکہ قبض کرنے کی اجازت عطا فرمادی۔ ہم مفصل ذکر پہلے بیان کر چکے ہیں۔ محققین کے مطابق آپ کا زمانہ تیرھویں یا چودھویں صدی قبل مسیح کا ہے۔

وصال کے وقت عمر مبارکہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دار فانی سے دار آخرت کی طرف سفر فرمایا اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارکہ ایک سو بیس (120) سال تھی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے وصال اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ کے درمیان بقول امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مصنف البدایہ والنہایہ تقریباً اڑھائی (250) سو سال کا عرصہ ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام 120 سال زندہ رہے اور حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کے گیارہ سال بعد ان کی وفات ہوئی۔ محققین نے آپ علیہ السلام کا زمانہ تقریباً 1500 ق م بیان کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور اریحاء کے مقام پر ایک سرخ رنگ کے ٹیلے (کثیب احمر) کے نزدیک ہے۔ یاد رہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وصال سے پہلے اللہ کریم سے درخواست کی تھی کہ میں وادی مقدس کے مقام پر اس فانی دنیا سے دار آخرت کی طرف کوچ کروں۔ اس درخواست کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا تھا۔ میدان تیہ جہاں اس وقت آپ علیہ السلام اپنی قوم کے ہمراہ تشریف فرما تھے کے سب سے قریب وادی مقدس کا جو علاقہ تھا اس کا نام اریحاء تھا جو کہ ایک بستی تھی۔ اس بستی اریحاء کے قریب ہی وہ سرخ ٹیلہ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور ہے۔ معراج شریف پر تشریف لے جاتے ہوئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس سرخ ٹیلے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر انور میں نماز ادا فرماتے ہوئے دیکھا تھا یہ وہی ٹیلہ ہے۔ حدیث شریف میں اس کا ذکر موجود ہے۔ صاحب فتح الباری کا یہ قول دیگر تمام اقوال تاریخی کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔

ماخذ کتب بابت بیان حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

(1) البدایہ والنہایہ جلد 1 صفحہ 274 تا 319

(2) روح المعانی۔ جلد 20 سورہ قصص۔ صفحہ 1

(3) تاریخ طبری۔ جلد 1 صفحہ 205

(4) تفسیر ابن کثیر جلد 7 صفحہ 137 جلد 1 صفحہ 249، 252، 420۔

(5) حاشیہ خازن جلد 5 صفحہ 143
(6) فتح البیان جلد 6 صفحہ 229
(7) فتح الباری جلد 1 صفحہ 174 ۔183 جلد 6 صفحہ 343
(8) ترمذی شریف کتاب التفسیر۔ جلد۔2 صفحہ 159
(9) روح المعانی۔ جلد 5 صفحہ 53 جلد 16. صفحہ 229
(10) بخاری شریف باب الفضائل۔
(11) مسلم شریف۔ باب الفضائل۔
(12) البحر المحیط۔ جلد 6
(13) حاشیہ تفسیر خازن۔ جلد 5۔ صفحہ 143
(14) تورات۔ کتاب پیدائش باب۔5 آیات 22۔26۔ باب۔13۔ آیت۔19
(15) تورات پیدائش۔ باب۔48۔ آیات۔5۔6۔11۔12۔27۔28 وغیرہ۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نیابت کا فخر حاصل ہے۔ تورات کا مطالعہ کریں تو حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کا کثرت سے ذکر موجود ہے۔ اصل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع علیہ السلام پر ظاہر فرما دیا تھا کہ تم میرے خاص بندے اور رفیق کار ہو۔ اور ساتھ ہی خوشخبری دی تھی کہ تم بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر بیت المقدس کو جابر مشرکین سے پاک کرو گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کے چند نوجوانوں کو کنعان کے مشرکین کا حال معلوم کرنے کے لئے روانہ فرمایا تو حضرت یوشع علیہ السلام بھی اس گروہ میں شامل تھے۔ واپسی پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو کنعان کے مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم فرمایا اور قوم نے لڑنے سے انکار کر دیا تو حضرت یوشع علیہ السلام نے ہی قوم کے سامنے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ لوگو! آگے بڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق مشرکین سے جنگ کرو۔ اللہ کریم کا وعدہ ہے فتح و کامرانی یقیناً تمہاری ہی ہوگی۔ مگر بدبخت قوم انکار پر ہی قائم رہی۔ حضرت یوشع علیہ السلام کو یہ فخر حاصل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد جب ان کو نبوت عطا ہوئی تو ان کی قیادت میں بنی اسرائیل نے قلیل وقت میں ارض مقدس، شام، عراق اور اردن وغیرہ کے تمام علاقے فتح کر لئے اور اس مقدس سرزمین کو مشرکین سے پاک کر دیا۔ حضرت یوشع علیہ السلام کے نبی ہونے پر اجماع امت ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "حضرت یوشع بن نون اللہ تعالیٰ کے برحق نبی تھے۔"

قرآن مجید میں حضرت یوشع علیہ السلام کا ذکر

گوقرآن کریم فرقان حمید میں حضرت یوشع علیہ السلام کے اسم گرامی کا ذکر نہیں ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک مخلص نوجوان رفیق کا دودفعہ ذکر ضرور موجود ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے جلیل القدر صحابی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن سے متعدد احادیث روایت ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخلص نوجوان رفیق کا اسم گرامی یوشع علیہ السلام تھا۔ اس طرح آپ علیہ السلام کا ذکر اس حوالے سے قرآن مجید (سورۃ مائدہ رکوع 4 اور سورۃ کہف رکوع 9) میں موجود ہے۔ تمام اہل کتاب کے نزدیک حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا نبی ہونا برحق ہے۔ توراۃ کے قدیم نسخوں میں حضرت یوشع علیہ السلام کی کتاب بھی باقاعدہ مستقل صحیفہ کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت یوشع علیہ السلام بنی اسرائیل کی اولاد میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے پوتے تھے اور ایک منفرد حیثیت کے مالک۔ تورات میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت یوشع علیہ السلام کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اسی لئے آپ علیہ السلام نے یوشع علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے درمیان کھڑا کرنے کے بعد ان کے سر پر اپنا دست شفقت رکھا تاکہ بنی اسرائیل ان کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کریں۔ از تورات گنتی باب 127۔ آیات۔19۔20۔

یوشع علیہ السلام کا شجرہ نسب

تاریخ میں حضرت یوشع علیہ السلام کا شجرہ نسب یوں تحریر کیا گیا ہے۔ یوشع علیہ السلام بن نون بن فراہیم بن حضرت یوسف علیہ السلام بن حضرت یعقوب علیہ السلام بن حضرت اسحاق علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

حکم الٰہی اور یوشع علیہ السلام

بنی اسرائیل کی متواتر نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ کریم نے ان کو یہ سزا دی کہ وہ چالیس سال تک صحرا میں بھٹکتے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد جب چالیس سال کا عرصہ پورا ہو گیا تو یشوع کی کتاب باب 5-1 میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع علیہ السلام کو حکم دیا کہ "تم بنی اسرائیل کے اس جم غفیر کے ہمراہ ارض مقدس کی آزادی کے لئے قوم عمالقہ اور دیگر مشرک قوموں کے ساتھ جنگ کرو اور انہیں شکست دو میری (اللہ تعالیٰ کی) مدد و نصرت تمہارے ساتھ ہے۔"

ارض مقدس کی فتح

حضرت یوشع علیہ السلام نے حکم خداوندی کے مطابق تمام بنی اسرائیل کو اکٹھا کیا اور انہیں حکم الٰہی سنایا۔ حکم الٰہی سن کر بنی اسرائیل صحرائے سینا سے نکلے اور حضرت یوشع علیہ السلام کی زیر قیادت ارض مقدس کو مشرکین کے پنجے سے آزاد کرانے چل پڑے۔ سب سے پہلے اریحاء شہر کی طرف بڑھے اور عمالقہ قوم کو جنگ کے لئے للکارا۔ عمالقہ قوم کیل

کانٹے سے لیس ہوکر شہر سے باہر نکلی اور بڑی دلیری سے جم کر بنی اسرائیل کے خلاف لڑنے لگی۔ بنی اسرائیل نے بھی حضرت یوشع علیہ السلام کی زیر قیادت بڑی جوانمردی کے جوہر دکھائے اور یوں شدید جنگ کے بعد عمالقہ قوم پر اس انداز میں فتح حاصل کی کہ عمالقہ قوم کی اکثریت میدان جنگ میں کام آئی۔ اس فتح کے بعد بنی اسرائیل آہستہ آہستہ حضرت یوشع علیہ السلام کی قیادت میں ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا علاقہ فتح کرتے ہوئے آخرکار ارض مقدس کو مشرکین سے پاک کرنے میں کامیاب ہوگئے اور یوں قوم بنی اسرائیل ایک مرتبہ پھر اپنے آبائی وطن کی مالکہ بن گئی۔ یہاں ایک سوال ہر ذہن میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل نے سب سے پہلے کونسا علاقہ فتح کیا گو ہم اوپر اس کا ذکر کر چکے ہیں مگر قرآن مجید میں اس علاقہ کا نام نہیں بتایا گیا بلکہ صرف لفظ ''قریہ'' استعمال کیا ہے۔ ہم نے جغرافیہ اور تاریخ کو مدنظر رکھتے ہوئے پہلے علاقے کا نام اریحاء تحریر کردیا ہے جو حقیقت کے عین مطابق معلوم ہوتا ہے۔ سورۃ مائدہ آیت 23 میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جن دو رفقاء کا ذکر فرمایا گیا ہے ان میں سے ایک حضرت یوشع علیہ السلام اور دوسرے کالب بن یوقنا تھے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ مریم بنت عمران کے شوہر تھے مگر نبی نہیں تھے۔

نقشہ پر غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ صحرائے سینا کو عبور کر کے یروشلم جانے کے لئے ہر حال میں کنعان سے ہی گزرنا پڑے گا۔ اب قرآن نے لفظ قریہ استعمال فرمایا ہے اور کنعان یقیناً ایک قریہ ہے پھر قرآن کریم کا واضح ارشاد موجود ہے۔ کہ ''اے بنی اسرائیل ہمارا تم سے وعدہ ہے کہ تمہیں تمہارے باپ دادا کی سرزمین میں واپس لے جائیں گے۔'' تاریخی حقائق موجود ہیں کہ ارض فلسطین بیت المقدس ہی صرف بنی اسرائیل کے آباء واجداد کی سرزمین نہیں تھی بلکہ کنعان بھی اس میں شامل تھا۔ جہاں سے حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل ہجرت کرنے کے بعد مصر میں آباد ہوئے۔ تورات کتاب یوشع باب 1-5 میں تحریر ہے کہ:۔

''جب بنی اسرائیل جنگ کے لئے تیار ہوئے تو خداوند کریم کے حکم سے تابوت سکینہ ان کو ملا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء (لاٹھی)، جبہ مبارک حضرت ہارون علیہ السلام اور من کا مرتبان بھی شامل تھا بطور تبرکات اس تابوت سکینہ میں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ تم من کو مرتبان میں محفوظ کرلو تاکہ تمہاری آئندہ آنے والی نسلیں اس انعام کا مشاہدہ کرتے ہوئے یقین کرلیں کہ ہمارے اجداد کو اللہ کریم یہ نعمت عظیم عطا فرمایا کرتا تھا۔'' (واللہ اعلم)

بیت المقدس کی فتح اور قوم کو نافرمانی کی سزا

بنی اسرائیل ارض مقدس فتح کرتے ہوئے آخر میں بیت المقدس کو بھی مشرکین کے ہاتھوں سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوگئے۔ قرآن مجید میں اس فتح کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ جب بنی اسرائیل بیت المقدس کو فتح کر چکے تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ تم لوگ اللہ کی طرف سے ملنے والی اس عظیم الشان فتح کے شکرانہ میں اللہ کے حضور نہایت

عجز وانکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے، جھکتے اور استغفار پڑھتے ہوئے شہر میں داخل ہونا۔ مگر ہائے ری بدقسمت سرکش اور مغرور قوم تمہاری اس عادت بد کا برا ہو جو تم نے کبھی نہ چھوڑی اور اس وقت سے لے کے آج تک اسی وجہ سے ذلیل وخوار ہو رہی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔ بنی اسرائیل نے یہاں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کی بجائے نہایت مغرورانہ طریقہ استعمال کیا اور اکڑتے ہوئے غرور کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ ان لوگوں نے سر اور گردنیں اکڑا رکھی تھیں اور سینہ تانے شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ حرکت اور حکم عدولی قطعاً پسند نہ آئی اور اس کی شان حمیت وغیرت جوش میں آ گئی اور اس نے جزاء وسزا کے قانون الٰہی کے مطابق بنی اسرائیل پر عذاب نازل فرمایا۔ نازل ہونے والے عذاب کی تفصیل تو قرآن کریم میں نہیں ملتی البتہ یہ ارشاد ضرور ہے کہ ہم نے اس قوم پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔ وہ آسمانی عذاب کیا تھا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

یہاں ایک وضاحت کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ آسمانی عذاب پوری قوم بنی اسرائیل پر نازل نہیں کیا گیا بلکہ یہ عذاب صرف ان لوگوں پر نازل ہوا جنہوں نے حکم الٰہی کی خلاف ورزی کی اس کے علاوہ بنی اسرائیل کی وہ جماعت اس عذاب سے محفوظ رہی جو حضرت یوشع علیہ السلام کی مخلص اور ان کے ہر حکم کو ماننے والی تھی۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”بنی اسرائیل شہر میں داخل ہوتے وقت اپنے سر جھکائے ہوئے چلنے کی بجائے اکڑتے ہوئے سر بلند کئے چل رہے تھے۔ یعنی جس طرح ایک متکبر اور مغرور انسان اکڑتے ہوئے مٹکتے ہوئے اپنے سینوں کو دائیں بائیں حرکت دے کر عجیب انداز سے چلتا ہے اس طرح بنی اسرائیل شہر میں داخل ہوئے اور یوں حکم خداوندی کی مخالفت کرتے ہوئے سزا وعذاب کے حق دار ٹھہرے۔ قرآن مجید نے دو جگہ اختصار کے ساتھ سورہ بقرہ (ع-6) اور سورہ اعراف (ع-20) میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ متلاشیان علم قرآن مجید کی ان سورتوں سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

بعض اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر آسمان سے طاعون کا عذاب نازل کیا جبکہ کچھ کے نزدیک برد (سخت خنکی، سردی) کا عذاب نازل کیا۔ کچھ راویوں نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر حکم عدولی کی وجہ سے سخت سردی اور طاعون دونوں کا اکٹھا عذاب نازل کیا (واللہ اعلم)

قرآنِ کریم میں نافرمانی اور سزا کا ذکر

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے:۔ سورۃ البقرہ آیت 58

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾

ترجمہ۔ ”اور جب ہم نے کہا۔ اس بستی میں داخل ہو اور اپنی مرضی کے مطابق جو چاہو کھاؤ اور شہر کے دروازے میں نیازمندی کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور یہ کہتے ہوئے جانا۔ الٰہی ہماری خطاؤں کو معاف فرما۔ ہم تمہاری خطاؤں کو بخش دیں گے اور عنقریب نیکوکاروں کو اور زیادہ دیں گے“۔ (”پس ظالموں نے اس قول کو جو اُن سے کہا گیا تھا دوسرے قول میں بدل دیا۔ پس ہم نے ظالموں پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے آسمان سے سخت عذاب بھیجا“)۔ (سورۃ البقرہ آیت 59)

قرآن کریم کی سورۃ الاعراف آیت 161، 162 میں ارشاد فرمایا:۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٢﴾

ترجمہ۔ ”اور پھر اُن سے کہا گیا تم اس بستی میں رہو اور جس طرح تمہارا جی چاہے کھاؤ پیو اور یہ کہتے ہوئے شہر میں جاؤ۔ اے خدا ہماری خطاؤں کو محو کردے۔ اور شہر میں نیازمندی کے ساتھ سجدہ ریز ہو کر داخل ہو تو ہم تمہاری خطاؤں کو بخش دیں گے اور عنقریب نیکوکاروں کو زیادہ دیں گے۔ پس ظالموں نے اس قول کو جو اُن کو بتایا گیا تھا دوسرے قول سے بدل ڈالا۔ پس ہم نے اُن پر آسمان سے عذاب نازل کر دیا ان کے ظالم ہونے کی وجہ سے۔“

حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات

وفات کے وقت حضرت یوشع علیہ السلام کی عمر شریفہ ایک سو ستائیس (127) برس تھی۔ اس طرح حضرت یوشع علیہ السلام سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال مبارک کے بعد ستائیس (27) سال تک حیات رہے۔

از البدایہ والنہایہ جلد 1 صفحہ 317، 318، 319

تفسیر ابن کثیر جلد 1 صفحہ 98 وغیرہ

حضرت حزقیل علیہ السلام

قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک بے شمار انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے ہیں۔ مفسرین کے نزدیک ان پاک ہستیوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ ان انبیاء علیہم السلام میں سے چند کے اسماء گرامی اور حالات زندگی مبارکہ تفصیل کے ساتھ

قرآن کریم میں مذکور ہیں جبکہ بعض کا ذکر اجمالی طور پر کیا گیا ہے اور چند کے صرف اسماء گرامی کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری طرف تورات میں قرآن مجید کی بیان کردہ تفصیل کے علاوہ چند اور انبیاء علیہم السلام کے حالات اور ناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے ان کی فہرست اور سلسلہ چلتے چلتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ ہم یہاں کوشش کریں گے کہ مفسرین کرام سے میّسر ان تمام انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی اور حالات زندگی کا ذکر تحریر کریں تاکہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام کا ذکر آ جائے۔ یہ ذکر کر دینا اس لئے ضروری ہے کہ ان تمام ہستیوں نے اصل میں اپنے اپنے زمانے میں تشریف لا کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی آمد مبارکہ کا ہی مژدہ سنایا تھا۔

نام ونسب حضرت حزقیل علیہ السلام

حضرت حزقیل علیہ السلام کے شجرہ نسب کے بارے میں کتب تاریخ خاموش ہیں البتہ تورات کے نسخوں میں ان کا حال اور والد کا نام آتا ہے۔ تورات میں ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام بوذی کے بیٹے تھے والدہ نے ان کا نام حزقی ایل رکھا۔ عبرانی زبان میں لفظ حزقی ایل کے معنی عالم شیخ کامل کے ہیں۔ حضرت حزقیل علیہ السلام کے والد کا جب انتقال ہوا تو آپ علیہ السلام بچے ہی تھے۔ بچپن کی عمر میں یتیمی دیکھی باقی عمر والدہ کے زیر سایہ بسر کرنے کے بعد جوان ہوئے۔ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہاں ''ابن العجوز'' کے نام سے مشہور تھے۔ العجوز کے معنی معمر کے ہیں۔ آپ علیہ السلام کی ولادت کے وقت والدہ بہت ہی ضعیف اور معمر ہو چکی تھیں اس لئے ابن العجوز کے لقب سے مشہور ہوئے۔

تبلیغ حق

حضرت حزقیل علیہ السلام نے عرصہ دراز تک بنی اسرائیل کو حق کی تبلیغ فرمائی۔ آپ لوگوں کو سیدھی راہ پر چلنے اور دین و دنیا کے معاملات میں ہدایت فرماتے رہے۔ گو حضرت حزقیل علیہ السلام کے اسم گرامی کا ذکر قرآن کریم میں نہیں آتا مگر سورہ بقرہ میں جو خاص واقعہ بیان کیا گیا ہے محققین اور مفسرین کے نزدیک اس واقعہ میں حضرت حزقیل علیہ السلام کا ہی ذکر ہے۔

قرآن مجید اور حضرت حزقیل علیہ السلام

قرآن مجید کی سورہ بقرہ میں ارشاد خداوندی ہے۔ (سورۃ البقر۔ آیت۔243)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٤٣﴾

ترجمہ۔ ''اے محبوب: کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے خوف سے ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکلے پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم سب مرجاؤ پھران کو زندہ فرما دیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ انسانوں پر مہربانی فرمانے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔''

کتب تفسیر میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے مذکور ہے کہ بنی اسرائیل میں حضرت حزقیل علیہ السلام نہایت ہی قابل قدر شخصیت تھے۔ جب آپ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم لوگ فلاں دشمن سے جنگ کرنے کو تیار ہو جاؤ تو بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت یہ حکم سن کر لڑنے کی بجائے اپنی جانوں کے خوف سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ ان لوگوں نے ایک دور دراز وادی میں جا کر ڈیرے ڈال دیئے اور یقین کرلیا کہ ہم لوگ موت سے دور بھاگ آئے ہیں۔ پیغمبر کی حکم عدولی کی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو یہ سزا دی کہ ان سب پر موت طاری فرمادی۔ بنی اسرائیل کی اس جماعت کی ہڈیاں گوشت کے گلنے سڑنے سے الگ الگ ہوگئیں۔ ان لوگوں کو مرے عرصہ گزر گیا۔ ادھر جب حضرت حزقیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعلان نبوت فرمایا تو کچھ روز بعد آپ علیہ السلام کا اس وادی میں سے گزر ہوا۔ آپ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی جماعت کو اس عبرت ناک حالت میں مرے ہوئے دیکھا تو بہت حیران ہوئے پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں ارشاد فرمایا کہ ''اے حزقیل (علیہ السلام) کیا تو ان لوگوں کو دوبارہ زندہ دیکھنا چاہتا ہے۔؟'' حضرت حزقیل علیہ السلام نے عرض کیا اے خداوند قدوس میں ان لوگوں کو دوبارہ زندہ دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ ان لوگوں کی زندگی دوسروں کے لئے عبرت وبصیرت بن جائے۔ اللہ کریم نے اپنے محبوب بندے کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور یوں وہ سب کے سب جن کی ہڈیاں بھی گوشت سے الگ ہوچکی تھیں دوبارہ زندہ ہوگئے۔ تفسیر ابن کثیر میں اس وادی کا نام ''افیح'' تحریر کیا گیا ہے۔ بہر حال اسرائیلیوں کی یہ جماعت موت کے عذاب کا مزہ چکھنے کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہوکر دنیا کے لئے باعث عبرت بنی۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے جس کو متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے روایت کیا ہے جن میں حضرت ابن عباس، حضرت مرہ، حضرت ابن مسعود رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین جیسی شخصیات شامل ہیں کہ سورہ بقرہ کی مذکورہ آیہ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت جو کہ داوردان گاؤں کی رہائشی تھی یہ گاؤں شہر ''واسط'' سے چند کوس کے فاصلے پر تھا طاعون کی بیماری سے ڈر کر بھاگ کھڑی ہوئی اور ایک وادی میں جا کر مقیم ہوئی۔ اللہ کریم کے حکم سے یہ بھاگ کر جانے والے سب لوگ اس وادی میں پہنچ کر مر گئے۔ ادھر جو لوگ طاعون کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مسلط شدہ بیماری جان کر اپنے گھروں میں ہی ٹھہرے رہے اللہ کریم نے ان سب لوگوں کو اس بیماری سے محفوظ رکھا۔ اللہ کریم اصل میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس کے بندوں میں سے جس کی موت کا وقت آچکا ہے وہ ٹل نہیں سکتا چاہے وہ کہیں بھی بھاگ کر چلا جائے۔ اور جس کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا وہ ہر جگہ محفوظ ہے۔ حضرت حزقیل

علیہ السلام کا عرصہ کے بعد اس وادی سے گزر ہوا تو انہوں نے اللہ جل شانہٗ کے حکم سے قدرت کا وہ کرشمہ دیکھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان مردوں کو زندہ فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی دعا قبول فرمائی اور یوں مدتوں کے بعد مردہ لوگ جن کی ہڈیاں تک خاک میں مل چکی تھیں یک زبان ہو کر اللہ اکبر کہتے ہوئے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی قوم میں واپس چلے گئے۔ وہ لوگ گو زندہ تھے مگر ان کے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ یہ لوگ بعد میں اپنی طبعی موت مرے۔

ہم نے یہاں حضرت حزقیل علیہ السلام کی قوم کے بارے میں کتب حدیث و تاریخ میں بیان شدہ دونوں روایات کا ذکر تحریر کر دیا ہے۔ بظاہر یہ دونوں روایتیں ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتیں کیونکہ پہلی روایت میں قوم کا جہاد سے منہ موڑ کر بھاگ جانا اور پھر وادی میں ان کو موت کا آ جانا مذکور ہے۔ جبکہ دوسری روایت میں بنی اسرائیل کے ایک مخصوص علاقہ میں طاعون کی وبا کا پھیل جانا اور قوم کا اپنی جانوں کو اس موذی وبا سے بچا کر وادی میں قیام پذیر ہو کر موت کی آغوش میں چلے جانے کا ذکر ہے۔ اگر بصیرت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو دونوں روایات کے راویوں میں سیدنا ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور حضرت مرہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین جیسی جلیل القدر ہستیاں شامل ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں روایتوں میں صحیح کونسی ہے کیونکہ ہم یہ کسی طرح نہیں کہہ سکتے کہ پہلی روایت درست ہے اور دوسری غلط یا دوسری صحیح ہے اور پہلی روایت غلط ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں روایات ہی صحیح ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ تحریر کرنے والوں نے جہاد اور طاعون کی وبا کا فرق لکھ دیا ہے جبکہ دیگر تمام واقعات ایک جیسے ہی ہیں۔ عین ممکن ہے مورخین نے تحریر کرتے وقت وہ ایک ہی بیان کی ہو مگر کاتب سے غلطی ہو گئی ہو یا پھر ہو سکتا ہے یہ واقعہ مذکورہ دو دفعہ پیش آیا ہو۔ (واللہ اعلم)

حضرت حزقیل علیہ السلام کی وفات

کتب آسمانی، کتب حدیث و تاریخ کا مطالعہ کریں تو سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام کے بعد جس نبی اور پیغمبر کا ذکر صراحت کے ساتھ آیا ہے وہ حضرت الیاس علیہ السلام ہیں۔ حضرت حزقیل علیہ السلام عرصہ دراز تک اپنے منصب کے مطابق بنی اسرائیل کو تبلیغ حق فرماتے رہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اس فانی دنیا سے ظاہری پردہ فرما گئے۔ آپ علیہ السلام کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام بنی اسرائیل میں ایلیا کے نام سے حضرت حزقیل علیہ السلام کی جانشینی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

از البدایہ والنہایہ جلد دوم صفحہ 33،34،35،36،332۔
تفسیر ابن کثیر جلد 2 صفحہ 2،134
روح المعانی جلد 2 صفحہ 2، 130

تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 283

صحیح بخاری و مسلم شریف کتاب الایمان و مستدرک امام حاکم۔ جلد۔2 صفحہ 259 سورہ بقرہ۔

حضرت الیاس علیہ السلام

قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کے بعد ان بزرگ ہستیوں کے ابتدائی جانشینوں کے اسماء گرامی مذکور نہیں ہیں۔ حضرت یوشع علیہ السلام کا ذکر ضرور آیا ہے مگر ایک جگہ لفظ ''جوان'' اور دوسری جگہ ''رجلان'' استعمال ہوا ہے جبکہ حضرت حزقیل علیہ السلام کا ذکر جمہور مورخین و محققین کی بیان کردہ روایات میں ہی مذکور ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کی کسی آیت میں بھی ان کا ذکر صراحت سے نہیں ملتا۔ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہم السلام کے بعد جس نبی و پیغمبر کا ذکر صراحت سے آیا ہے وہ حضرت الیاس علیہ السلام ہیں۔ قرآن مجید میں ان کا اسم گرامی حضرت الیاس علیہ السلام ہے جبکہ یوحنا کی انجیل میں ان کا اسم مبارک ''ایلیا'' تحریر کیا گیا ہے۔ بعض مورخین حضرت ادریس اور حضرت الیاس علیہم السلام کو ایک ہی شخصیت قرار دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کا ایک نام خیال کرنا غلط ہے کیونکہ ایسا کہنا واقعات و حالات کے ہی بالکل خلاف ہے۔ قرآن مجید کی سورہ ''انعام'' و سورہ ''الصفات'' میں حضرت الیاس علیہ السلام کے جو اوصاف و حالات بیان کئے گئے ہیں ان میں کوئی مخفی سا بھی ایسا اشارہ نہیں ملتا کہ یہی حضرت ادریس علیہ السلام بھی تھے۔ اسی طرح سورہ انبیاء کی جس آیت میں حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر آتا ہے اس میں کوئی ہلکا سا بھی ایسا اشارہ موجود نہیں کہ جس کو بنیاد بنا کر یہ کہا جاسکے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخصیت مقدسہ کے ہیں۔ اس کے علاوہ کتب تاریخ میں حضرت الیاس و حضرت ادریس علیہم السلام کا شجرہ نسب ہی الگ الگ مذکور ہے۔ پھر ایک ہی شخصیت کے دونوں نام کہنا حقیقت کے خلاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان دونوں پیغمبروں کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے درمیانی زمانے میں مبعوث ہوئے جبکہ حضرت الیاس علیہ السلام بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ بہرحال مذکورہ حقائق کی بنا پر حضرت الیاس اور حضرت ادریس علیہم السلام دونوں الگ الگ ہستیوں کے نام ہیں۔

نام و نسب حضرت الیاس علیہ السلام

مورخین نے حضرت الیاس علیہ السلام کا شجرہ نسب یوں بیان کیا ہے۔ حضرت الیاس بن یاسین بن فخاس بن عبداز بن ہارون علیہ السلام یا الیاس بن عازر بن عنیرار (نسی) بن ہارون علیہ السلام بن عمران۔

حضرت الیاس علیہ السلام اور اہل بعل بک

مورخین بیان کرتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اہل بعل بک کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ بعل بک قوم دمشق کے مغربی علاقے میں رہائش پذیر تھی۔ آپ علیہ السلام کی یہ قوم بت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھی۔ یہ قوم اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کو چھوڑ کر بعل بت کو پوجنے میں شب و روز مصروف رہتی۔ آپ علیہ السلام نے ان لوگوں کی اصلاح کیلئے اپنے فرض منصبی کے مطابق پوری کوشش فرمائی مگر قوم گزشتہ اقوام کی طرح اپنے اس عمل پر قائم رہی اور یوں اللہ تعالیٰ کی گرفت نے ان کو آلیا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم کا تعلق سامی نسل سے تھا۔ یہ قوم اس وقت کے مشہور بت بعل کی پوجا کرتی تھی۔ اس کے علاوہ ایک گروہ کواکب (ستارہ) پرست بھی تھا۔ یاد رہے یہی بعل بت حجاز کا مشہور ترین بت ہبل ہی تھا جس کا ذکر تاریخ عرب میں بہت دفعہ آتا ہے۔ دمشق کے مشرق میں آباد قبائل کنعانی، موآبی، مدیانی اور فینیقی اس بت کے پجاری تھے۔ کواکب پرست گروہ زحل اور مشتری کے پجاری تھے۔

مذکورہ قبائل اس بت اور ستاروں کی پوجا میں عرصہ دراز سے ملوث چلے آرہے تھے۔ ہم گزشتہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بھی یہ لوگ اس کی پوجا کرتے تھے اور یہ سلسلہ جاری تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا مدین اور اسی بت پرست قوم کے ساتھ واسطہ پڑا تھا۔ مذکورہ قبائل نے بعل یا بیل بت کے مختلف نام رکھے ہوئے تھے۔ بعل کو وہ زیر کے ساتھ بعل، بریث، فنور، بعلز، بوب، بیل، بیلوس اور بعلوس وغیرہ کے ناموں سے پکارتے تھے۔ ان مختلف ناموں کی وجہ علاقائی لہجہ تھا۔ اس کے علاوہ سامی اور عبرانی زبانوں میں ''بعل'' کے معنی حاکم، مالک، سردار اور پالنے والے کے ہیں مگر اہل عرب کے ہاں ''بعل'' شوہر کے لئے بولا جاتا ہے۔ عرب بعل پر جب الف لام لے آتے ہیں یا اس نام کی نسبت کسی دوسری چیز کی طرف بطور اضافت کرتے ہیں تو اس وقت مراد صرف اور صرف دیوتا یا معبود ہوتی ہے۔

کتب تفسیر میں آتا ہے کہ بعل کا بت خالص سونے کا بنا ہوا تھا۔ جس کا قد قریباً بیس (20) ہاتھ تھا اور اس کے چار منہ تھے۔ اس بت کی پرستش کے لئے بڑے بڑے ہیکل اور عظیم قربان گاہیں بنائی جاتی تھیں جہاں چار سو خادم ہر وقت خدمت میں مصروف رہتے۔ اس بت کو کاہن طرح طرح کی خوشبوؤں کی دھونی دیتے رہتے تھے۔ بعض اوقات انسان کی بھینٹ بھی دی جاتی تھی۔ حضرت الیاس علیہ السلام کو اسی قوم کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا گیا۔

قرآن مجید اور حضرت الیاس علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت الیاس علیہ السلام کا دو دفعہ ذکر فرمایا ہے۔ سورہ انعام اور سوہ الصافات میں۔ سورہ انعام کی آیات 84 تا 86 میں حضرت الیاس علیہ السلام کا صرف اسم گرامی دیگر انبیاء علیہم السلام کے اسماء

گرامی کے ساتھ بیان فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ الانعام آیات 84 تا 86۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝

ترجمہ۔ ''اور ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور ہم نے ہر ایک کو حق ہدایت عطا کی (ان میں سے) اور نوح کو ہدایت عطا کی ان سے پہلے اور ابراہیم کی نسل میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو بھی یہی راہ دکھائی اور ہم اسی طرح نیک لوگوں کو نیکی کا بدلہ دیتے ہیں۔ اور زکریا، یحیٰ، عیسیٰ اور الیاس کو بھی یہ سب صالح انسانوں میں سے تھے۔ اسماعیل، الیسع، یونس اور لوط کو بھی۔ ان سب کو ہم نے اس وقت میں دنیا والوں پر برتری عطا فرمائی۔''

سورہ الصّٰفّٰت کی آیات 123 تا 132 میں حضرت الیاس علیہ السلام کی بعثت اور قوم کی ہدایت کے سلسلے میں مختصر ارشاد فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ سورۃ الصفّٰت آیات 123 تا 132

ترجمہ۔ ''اور بے شک الیاس رسولوں میں سے ہیں اور وہ وقت ذکر کے قابل ہے جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں۔ کیا تم بعل کو پوجتے ہو اور سب سے اچھا پیدا کرنے والے (اللہ تعالیٰ) کو چھوڑ دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا اگلے باپ دادا کا معبود برحق ہے۔ پس انہوں نے (الیاس کو) جھٹلا دیا سو وہ دوزخ میں جائیں گے۔ اللہ کے خاص بندوں کے علاوہ۔ ہم نے پچھلوں میں اس کی ثنا باقی رکھی۔ سلام ہو الیاسین (الیاس) پر۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں۔''

قرآن مجید میں حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر

(1) سورۃ الانعام آیت 86

(2) سورۃ الصفّٰت آیات 123، 130

اہم نکتہ کی وضاحت

یہاں ایک اہم نکتہ کی وضاحت کرنا ضروری خیال کرتا ہوں تاکہ قرآن کریم میں بیان لفظ الیاسین کے بارے میں کوئی الجھن باقی نہ رہے۔ سورہ الصافات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الیاسین پر سلام ہو جبکہ ذکر حضرت الیاس علیہ السلام کا ہو رہا ہے۔ اصل میں یہ سلام ''علیٰ الیاس'' ہے کیونکہ اہل عرب اکثر ناموں کے آخر میں صرف نون کا الحاق

کرنے کے بعد بولتے اور لکھتے ہیں۔ جیسے اسماعیل کی جگہ اسماعین، اسرائیل کی جگہ اسرائین وغیرہ۔ اس کے علاوہ اہل عرب بعض اوقات ''نون'' سے پہلے حرف ''یا'' کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں جیسے الیاس کی جگہ اکثر الیاسین لکھتے اور بولتے ہیں۔ یہاں خالق کائنات نے اہل عرب کی اس عادت کے مطابق الیاس کی بجائے الیاسین استعمال فرمایا ہے۔ امید ہے لفظ الیاس والیاسین کے استعمال کے سلسلے میں اب کسی قسم کی الجھن باقی نہیں رہی ہوگی۔ مغربی مورخین نے آپ علیہ السلام کا زمانہ 870ق م-840ق م بیان کیا ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی وفات

حضرت الیاس علیہ السلام حکم الٰہی کے مطابق بنی اسرائیل کی مذکورہ جماعت کو رشد و ہدایت کی پیغمبرانہ شان سے تبلیغ فرماتے رہے۔ آپ علیہ السلام نے ایام جوانی میں ہی اپنے چچازاد بھائی حضرت الیسع علیہ السلام کو اپنی رفاقت میں لے لیا تھا۔ حضرت الیاس علیہ السلام جب حکم الٰہی کے مطابق اس فانی دنیا سے کوچ فرما گئے تو آپ کے چچازاد بھائی بطور جانشین بنی اسرائیل کی راہ نمائی فرمانے لگے۔ گمان غالب ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کا مزار پر انوار دمشق کی مغربی جانب مقام بعل بک میں ہے۔

(1) البدایہ والنہایہ۔ جلد 1 صفحہ 25 تا 28، 324

(2) روح المعانی۔ جلد 2 صفحہ 667 وغیرہ

حضرت الیسع علیہ السلام (850ق م- 795ق م)

حضرت الیسع علیہ السلام کے بارے میں ابو حذیفہ اسحاق بن بشر کہتے ہیں کہ انہیں سعید نے قتادہ وحسن کے حوالے سے بتایا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت الیسع علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی ہوئے۔ انہوں نے اللہ کے فضل وکرم سے نبوت کی ذمہ داریوں کو نہایت احسن طریقے سے پورا فرمایا۔ حضرت الیسع علیہ السلام نے حضرت الیاس علیہ السلام کی طرح بنی اسرائیل کو دعوت حق دی اور اپنے اس فریضہ کی ادائیگی میں شب وروز مصروف رہے۔ ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل پھر غلط حرکات اور کفر وضلالت میں مبتلا ہو گئے اور اسی قوم میں ایسے ظالم و جابر لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نہ صرف عوام الناس بلکہ انبیاء علیہم السلام کو بھی شہید کرنے سے دریغ نہ کیا۔ آخر عرصہ دراز اسی کیفیت میں مبتلا رہنے کے بعد قدرت نے پھر ایک بار اس قوم پر رحم فرمایا اور ان کی اصلاح کے لئے حضرت شمویل علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے پھر اس قوم کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا۔

نام ونسب حضرت الیسع علیہ السلام

محمد بن اسحاق نے حضرت الیسع علیہ السلام کا نام یسع بن اخطوب بتایا ہے جبکہ امام حافظ ابوالقاسم بن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت الیسع علیہ السلام یوسف بن یعقوب علیہم السلام کی اولاد میں سے تھے اور ان کا نسب

نامہ یوں بیان کیا ہے۔

الیسع علیہ السلام بن عدی بن شوتلم یا شوتم بن افرائیم (افراہیم) بن یوسف علیہ السلام بن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام۔ تورات میں آپ علیہ السلام کا اسم گرامی یسعیاہ بتایا گیا ہے۔

تبلیغ حق

حضرت الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے چچازاد بھائی اور ان کے نائب وخلیفہ ہیں۔ ابتداء سے ہی حضرت الیاس علیہ السلام کی رفاقت وتربیت میں رہے۔ پھر ان کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے حضرت الیاس علیہ السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہی خطوط پر بنی اسرائیل کو رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ کتب تاریخ میں اس بات کا ذکر نہیں کہ آپ علیہ السلام نے کتنا عرصہ فرائض تبلیغ ادا فرمائے اور کتنی عمر مبارکہ میں وفات پائی۔ بہر حال یہ بات ثابت ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی وفات کے بعد کئی سو سال بنی اسرائیل شدید زوال کا شکار رہے کیونکہ ان لوگوں نے پھر کواکب اور بت پرستی شروع کر دی تھی۔ قریباً چار سو ستر (470) سال کے بعد حضرت شمویل علیہ السلام نے تشریف لا کر اس قوم کی اصلاح فرمائی۔

قرآن مجید اور الیسع علیہ السلام

قرآن حکیم نے حضرت الیسع علیہ السلام کے حالات زندگی پر زیادہ روشنی نہیں ڈالی البتہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ الیسع علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ سورہ ص میں صرف آپ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ (سورہ انعام آیت 86)

وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَالۡيَسَعَ وَيُوۡنُسَ
وَلُوۡطًا‌ ؕ وَكُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ‏

ترجمہ۔ ''اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط (علیہم السلام) کو اور سب کو ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت عطا فرمائی۔''

اسی طرح قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ ص آیت 48۔

وَاذۡكُرۡ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ الۡيَسَعَ وَذَا الۡكِفۡلِ‌ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الۡاَخۡيَارِ ؕ‏

ترجمہ۔ ''اور ذکر کرو اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل (علیہم السلام) کا اور ان میں سے ہر ایک نیک انسانوں میں سے تھے۔''

حضرت الیسع علیہ السلام کی قوم کا انجام

حضرت الیسع علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کا یہ گروہ دوبارہ بت پرستی کی لعنت میں گرفتار ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ظالم اور جابر حکمران مسلط کردیئے جوان لوگوں کوظلم وستم کا نشانہ بنا کران لوگوں کے خون سے ہولی کھیلنے لگے۔ لگا تار شکستوں اور ظلم کی چکی میں پستے ہوئے عرصہ گزر گیا تو ان لوگوں نے ایک دفعہ باہم مل کر دشمن پر یلغار کردی اور علاقہ عسقلان پر قبضہ کرلیا۔ بنی اسرائیل کے اسی فاتح گروہ نے اپنی قوم پر ہی ظلم و جبر کے پہاڑ توڑنا شروع کردیئے۔ پھر یہ گروہ حکومت، اقتدار اور جاہ وحشمت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے لڑنے لگا۔ اس کشمکش میں ان لوگوں کی حالت بھیڑ بکریوں کے ایک ایسے گروہ یا ریوڑ کی ہوگئی جس کا نہ کوئی مالک ہوتا ہے نہ چرواہا۔ اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کی حالت پر رحم آ گیا اور اس نے حضرت شمویل علیہ السلام کو اس قوم میں مبعوث فرمایا جنہوں نے شب وروز محنت کرنے کے بعد اس قوم کو ذلت کے گہرے کھڈوں (گڑھوں) سے باہر نکالا۔

(1) البدایہ والنہایہ۔ دوم۔ صفحہ 337 تا 339

(2) قرآن کریم۔ سورہ انعام وسورہ ص۔

حضرت شمویل علیہ السلام (گیارھویں صدی ق م)

حضرت شمویل علیہ السلام کے حالات زندگی قلم بند کرنے سے پہلے ضروری خیال کرتا ہوں کہ بنی اسرائیل کی گزشتہ تاریخ مختصراً تحریر کردوں کیونکہ یہاں سے بنی اسرائیل عرصہ دراز ذلت کی زندگیاں بسر کرنے کے بعد دوبارہ اقتدار کی طرف پلٹے تھے جس کا سہرا آئندہ تشریف لانے والے انبیاء علیہم السلام کے سر ہے۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصریوں کے قبضے سے نجات دلا کر وادی فلسطین میں داخل فرمادیا تھا جس کی تفصیل ہم سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات مبارکہ میں بیان کر چکے ہیں۔ اس لئے یہاں اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں جب بنی اسرائیل مکمل طور پر فلسطین میں داخل ہوکر وہاں قابض ہوگئے تو یوشع علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ارض فلسطین کو بنی اسرائیل کے دوگروہوں میں تقسیم فرمادیا تاکہ وہ لوگ اپنے اپنے حصہ میں امن وسلامتی سے رہتے ہوئے دین حق کی اشاعت میں مصروف رہیں۔ خود حضرت یوشع علیہ السلام ان لوگوں کی قیادت ونگرانی فرماتے رہے۔ آپ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں کے فیصلے اور دیگر معاملات کو حل کرنے کے لئے قاضی مقرر فرمائے اور یوں یہ نظام سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال شریف کے قریباً ساڑھے تین سو سال بعد تک اسی طرح چلتا رہا۔

ساڑھے تین سو سال کے اس عرصہ میں بنی اسرائیل کے ہاں نہ تو کوئی مرکزی حکومت قائم تھی اور نہ ہی کوئی حکمران تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر انبیاء علیہم السلام اس قوم کو رشد وہدایت کی تبلیغ فرماتے رہے مگر یہ قوم اپنی

فطرت کے مطابق ان برگزیدہ ہستیوں کو تکلیفیں ہی پہنچاتی رہی۔ اس عرصہ میں بنی اسرائیل کی قوم بھیڑ بکریوں کے اس ریوڑ کی طرح تھی جس کا کوئی چرواہا ہی نہ ہو۔ اکثر ہمسایہ قومیں ان پر حملہ آور ہوتی رہتی تھیں اور بنی اسرائیل کو جانی و مالی نقصان سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ قوم عمالقہ، آرامی، فلسطینی اور مدیانیوں نے پے در پے حملوں سے بنی اسرائیل کا زندہ رہنا محال کر رکھا تھا۔ شب و روز کی اس لوٹ مار اور حملوں کے نتیجہ میں کبھی بنی اسرائیل غالب رہتے اور کبھی دیگر حملہ آور اقوام۔ بہرحال بنی اسرائیل مشکل ترین حالات سے دوچار تھے۔ غزہ کی فلسطینی قوم نے بنی اسرائیل پر اس قدر زوردار حملہ کیا کہ نہ صرف کثیر مال و دولت ہی لوٹ کر لے گئے بلکہ شدید جانی نقصان کرنے کے بعد بنی اسرائیل کا متبرک ترین صندوق ''تابوت سکینہ'' بھی اٹھا کر ہمراہ لے گئے۔

تابوت سکینہ

تابوت سکینہ نہایت ہی متبرک اور تاریخی اہمیت کا حامل صندوق تھا۔ اس صندوق میں سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی آسمانی کتاب تورات کا اصل نسخہ، آپ علیہ السلام کا عصاء اور لباس مبارک، من وسلوا کا مرتبان محفوظ تھا۔ فلسطینی اس تابوت کو اپنے ہمراہ لے گئے اور اپنے عبادت خانے ''بیت وجون'' میں رکھ دیا۔ یہ مندر ان لوگوں کے سب سے بڑے دیوتا ''وجون'' کے نام سے موسوم تھا۔ اس دیوتا کا جسم انسانی اور چہرہ مچھلی کے دھڑ سے ملتا جلتا تھا۔ بہرحال بنی اسرائیل کے ہاتھوں تابوت سکینہ کا نکل جانا ان کی سب سے بڑی بدقسمتی تھی۔ بنی اسرائیل کی اس تباہ کن حالت اور دربدر ہونے کی کیفیت کو دیکھ کر اللہ کریم کو ان پر پھر ترس آ گیا اور اس نے قوم کی مدد و اصلاح کے لئے حضرت شمویل علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا۔ جنہوں نے اپنی پاک تربیت اور حسن کلام و عمل سے اس ڈوبتی ہوئی قوم کو پھر سہارا دیا۔

شمویل علیہ السلام کی ولادت

حضرت الیسع علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی حالت پھر ابتر ہوگئی۔ اس قوم کی باہمی لڑائیوں اور جھگڑوں نے اس حد تک شدت اختیار کر لی کہ مصر و فلسطین کے درمیان آباد قوم عمالقہ کے ایک جابر حکمران نے بنی اسرائیل کی اکثر آبادیوں پر قبضہ کر لیا اور بے شمار لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بہت سے سرداروں کو قیدی بنا کر اپنے ہمراہ لے گیا اور بنی اسرائیل پر خراج مقرر کر دیا۔ اب بنی اسرائیل نہایت ہی ناگفتہ بہ حالت سے دوچار تھے۔ سلسلہ نبوت ختم ہو چکا تھا۔ السدی حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہی ایام میں بنی اسرائیل کی ایک لاولد عورت نے اللہ کریم سے دعا کی کہ مجھے ایک ایسا بیٹا عطا فرما جو تیری پاکی بیان کرے۔ اللہ کریم نے اس عورت کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور اس عورت کو بیٹے کی نعمت سے نوازا۔ بیٹے کی ولادت کے بعد اس کا نام شمویل (علیہ السلام) رکھا گیا۔

شمویل (علیہ السلام) نہایت ہونہار اور ذہین تھے۔ آپ کی پرورش بنی اسرائیل کے ایک صالح بزرگ نے فرمائی۔ سن بلوغت کو پہنچے تو تمام بنی اسرائیل میں زندگی کے ہر میدان میں ممتاز نظر آنے لگے۔ اللہ کریم نے آپ کو

منصب نبوت عطا فرمایا اور حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو نیک کام کی تعلیم دیں۔ حضرت شمویل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کو دین حق کی تعلیم دینے میں شب و روز مصروف ہو گئے۔ مورخین کے مطابق آپ کا زمانہ نبوت گیارھویں صدی ق م کا ہے۔

اعلان نبوت

حضرت شمویل علیہ السلام بلوغت کو پہنچے تو آپ کی زاہدانہ زندگی، علم وحکمت تمام بنی اسرائیل میں نمایاں تھی۔ لوگ آپ علیہ السلام کا بے حد احترام کرتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ ایک رات سوئے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آواز سنی کہ جیسے کوئی انہیں بلا رہا ہے۔ آواز سن کر ان کی آنکھ کھل گئی۔ بستر سے اٹھے اور اس بنی اسرائیلی بزرگ سے دریافت فرمایا کہ آپ نے مجھے آواز دے کر بلایا ہے؟

مرد صالح نے جواب دیا۔ نہیں میں نے تو تمہیں نہیں بلایا۔

مرد صالح کا جواب سن کر حضرت شمویل (علیہ السلام) نے فرمایا اے محترم بزرگ میں نے سوتے ہوئے ایسا سنا کہ مجھے کوئی آواز دے کر بلا رہا ہے۔ اسکے بعد حضرت شمویل علیہ السلام نے متواتر کئی راتیں سوتے ہوئے وہی آواز سنی۔ پھر ایک رات انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ حضرت جبریل علیہ السلام کی آواز تھی کیونکہ خود حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت شمویل علیہ السلام کے سامنے آ کر کہا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کیلئے نبوت کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے۔ (واللہ اعلم)

نسب نامہ حضرت شمویل علیہ السلام

اصحاب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت شمویل علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ان کا نسب نامہ یوں ہے۔

شمویل (علیہ السلام) بن بالی بن علقمہ بن یرخام بن یہو بن تہو بن صوف بن علقمہ بن ماحث بن عموص بن عزایا بن ہارون علیہ السلام۔

ابن کثیر میں آپ کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

شمویل بن بالی بن علقمہ بن ترخام بن یہد بن بہرض بن علقمہ بن ماجب بن عمرصاء بن عذریا بن صفیہ بن علقمہ بن ابویاشف بن قارون بن یصہر بن قامت بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام۔

حالات زندگی

حضرت شمویل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کو رشد و ہدایت کی تبلیغ فرماتے رہے۔ یہاں لفظ شمویل کی وضاحت کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ اشمویل عبرانی زبان کا لفظ ہے اور عربی میں اس کا ترجمہ اسماعیل کیا

جاتا ہے۔ کثرت استعمال کی وجہ سے یہ لفظ شمویل رہ گیا۔ قرآن کریم فرقان حمید میں حضرت شمویل علیہ السلام اوران کی قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ البقر آیات 246 تا 251۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ
مُوْسٰۤى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ
اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ
قَالُوْا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ
دِیَارِنَا وَ اَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا
مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ
قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ
عَلَیْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ
قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَیْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَ
الْجِسْمِ ؕ وَ اللّٰهُ یُؤْتِیْ مُلْكَهٗ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۷﴾
وَ قَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اٰیَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ
سَكِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ
تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۴۸﴾
فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِیْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ
فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ ۚ وَ مَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْۤ اِلَّا مَنِ
اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِیَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ
هُوَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ ؕ
قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ
غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَ لَمَّا
بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ
اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫
وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا
یَشَآءُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ
الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۵۱﴾

ترجمہ۔ ''کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر فرما دیجئے تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے فرمایا اگر تم (لوگوں) کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ تم لڑنے سے انکار کر دو۔ وہ کہنے لگے ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں کیوں نہیں لڑیں گے جبکہ ہم وطن سے (نکال دیئے گئے ہیں) اور بال بچوں سے جدا کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تو چند ایک کے علاوہ سب منہ پھیر گئے۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے خوب واقف ہے۔ اور پیغمبر نے ان سے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرما دیا ہے۔ وہ بولے کہ اسے (طالوت کو) ہم پر بادشاہی کا کیسے حق حاصل ہے بادشاہت کے مستحق تو ہم ہیں اور اس (طالوت) کے پاس بہت زیادہ مال و دولت بھی نہیں۔ پیغمبر نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر (فضیلت دی ہے بادشاہ) مقرر فرمایا ہے اس نے طالوت کو بہت سا علم بخشا ہے اور وہ جسمانی قوت میں بھی تم سب سے زیادہ فائق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو (اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی عطا فرمائے۔ وہ (اللہ تعالیٰ) بڑا کشائش والا اور دانا ہے۔ اور پیغمبر نے قوم سے فرمایا کہ (طالوت کی) بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسلی ہوگی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) چھوڑ گئے تھے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔ غرض جب طالوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (بنی اسرائیل سے) کہا اللہ تعالیٰ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا وہ میرا نہیں۔ اور جو پانی نہیں پیئے گا وہ میرا ہے۔ ہاں کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی لے لے (تو کوئی مضائقہ نہیں) تو چند لوگوں کے سوا باقی تمام نے پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اس کے ہمراہ تھے نہر کے پار ہو گئے تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے بارہا قلیل جماعت نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ لوگ جالوت اور اسکے لشکر کے سامنے آئے تو (اللہ سے) دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر کے دروازے کھول دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ۔ اور ہمیں کفار پر فتح عطا فرما۔ تو طالوت کی فوج نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جالوت کی فوج پر غلبہ پایا اور داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا (اسے) سکھایا۔ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے پر چڑھائی کرنے سے نہ ہٹاتا رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اہل دنیا پر بہت مہربان ہے۔''

مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ مذکورہ قصے میں حضرت شمویل علیہ السلام کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت شمویل علیہ السلام کے زمانہ میں جب عمالقہ قوم نے بنی اسرائیل پر فتح حاصل کرنے کے بعد ان کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے کی عادت جاری رکھی تو قوم نے پیغمبر سے درخواست کی کہ ہم پر کوئی بادشاہ مقرر فرما دیجیے تا کہ ہم اس کی زیر قیادت

جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے دشمنوں سے نجات حاصل کر سکیں۔

قرآن کریم کی مذکورہ آیات میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان لوگوں سے پیغمبر کے ذریعے دریافت فرمایا کہ اگر تم لوگوں کو جہاد کا حکم دیا جائے تو کیا تم جہاد کرو گے؟ وہ بولے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں ضرور جہاد کریں گے کیونکہ ہمیں جہاد کرنے سے کون سی چیز باعث رکاوٹ ہے جبکہ دشمن نے ہمیں ہمارے ملک اور بال بچوں سے دور کر دیا ہے۔

بنی اسرائیل کا یہ جواب سن کر حضرت شمویل علیہ السلام نے اتمام حجت کر لیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کی۔ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا "ہم نے بنی اسرائیل کی درخواست منظور کر لی ہے اور طالوت کو جو کہ علم، بردباری اور جسمانی اعتبار سے ان سب میں نمایاں ہے اسے بنی اسرائیل پر بادشاہ مقرر فرما دیا ہے"۔

طالوت کی بادشاہی (1040ق م-1012ق م)

اللہ کریم نے حضرت شمویل علیہ السلام کے اپنی بارگاہ میں رجوع فرمانے کے جواب میں بنی اسرائیل کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور حضرت شمویل علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ "قوم کو باخبر کر دیں ہم نے طالوت جو کہ علم اور جسمانی قوت دونوں اعتبار سے قوم میں نمایاں ہے اسے بادشاہ مقرر کر دیا ہے"۔ اب بنی اسرائیل کو چاہئے کہ وہ طالوت کا ہر حکم مانیں تاکہ وہ اس قوم کو اپنی سربراہی میں جالوت اور دیگر دشمنوں سے نجات دلا سکے۔ طالوت کا پورا نام طالوت بن قیش بن افیل بن صادر بن تحورت بن افیح بن انیس بن بنیامین بن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام بتایا گیا ہے۔ طالوت کا تعلق بنیامین کے گھرانے سے تھا جو کہ بنی اسرائیل کے ہاں مالی اعتبار سے کمزور تھا۔

بنی اسرائیل کا بغض وحسد

بنی اسرائیل کو جب علم ہوا کہ حضرت شمویل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے طالوت کو ان پر بادشاہ مقرر فرما دیا ہے تو یہ قوم اپنے سابقہ ماضی کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے حسد وعناد کی آگ میں جل کر رہ گئی۔ پوری قوم کو کامل یقین تھا کہ حضرت شمویل علیہ السلام بادشاہی کے منصب کا اعزاز سبط یہودا میں سے ہی کسی کو دیں گے کیونکہ سرداری اسی خاندان میں چلی آ رہی تھی مگر جب انہوں نے دیکھا کہ منصب شاہی تو بنیامین کے گھرانے میں منتقل ہو رہا ہے تو پوری قوم نے منہ بنایا اور سخت ناگواری کا مظاہرہ کیا۔ سرداران بنی اسرائیل کے دلوں میں سخت حسد پیدا ہو گیا اور وہ اس کی بادشاہی کو برداشت نہ کر سکے۔ بنی اسرائیل کی یہ عادت ان کے لئے طرۂ امتیاز بن چکی تھی کہ پہلے کسی بات کا فوری اقرار کر لیتے پھر وقت پڑنے پر انکار کر دیتے تھے۔ یہاں بھی اسی عادت کے مطابق پہلے انہوں نے بحالت مجبوری اس حکم کو تسلیم کر لیا مگر حسد کی آگ میں جلتے ہوئے بعد میں اس حکم کے خلاف ناگواری کا اظہار کرنے لگے۔ سرداران قوم نے حضرت شمویل علیہ السلام سے کہا یہ طالوت کس طرح ہمارا بادشاہ ہو سکتا ہے۔ اصل میں بادشاہت

کے لائق تو ہم ہیں۔ اس لئے ہم میں سے ہی کسی کو بادشاہ مقرر کیا جائے۔ عکرمہ اور اسدی کہتے ہیں کہ:۔

طالوت پیشے کے اعتبار سے سقہ گیری کا کام کرتے تھے۔ وہب کہتے ہیں وہ دباغ یعنی کھالوں کو پکا کر صاف کرنے کے پیشے سے منسلک تھے۔ اسی لئے بنی اسرائیل نے انہیں بادشاہ تسلیم کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اصل بادشاہی کے ہم حق دار ہیں ہم مال دار اور صاحب ثروت ہیں جبکہ طالوت کے پاس یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں۔

طالوت کی بادشاہی کی وجہ

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شمویل علیہ السلام کو بذریعہ وحی ارشاد فرمایا تھا کہ طالوت ہی وہ واحد شخص ہے جس کا قد تمہارے عصا کے برابر ہے۔ یاد رہے شمویل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنے ہاتھ میں لمبا عصاء رکھتے تھے۔ طالوت کے علاوہ بنی اسرائیل میں سے کسی کا قد ان کے عصاء کے برابر نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کریم نے اس کو بادشاہ مقرر فرمایا۔ اس وجہ کو چند مفسرین نے ہی رقم کیا ہے۔ جبکہ اکثریت کے نزدیک طالوت کا علم اور اس کی جسمانی قوت اصل میں بادشاہت کی وجہ تھی۔ ہمارے نزدیک بھی یہی وجہ صحیح ہے۔ بہرحال اللہ کریم نے طالوت کے ان دونوں اوصاف کی وجہ سے ہی اسے بادشاہ مقرر فرمایا۔ طالوت کو بادشاہ مقرر کرنے کی وجہ میں ایک تیسرا قول بھی ہے وہ یہ کہ طالوت اپنی تمام قوم میں سب سے زیادہ فنون حرب کا ماہر تھا اور یہ اس کی انفرادی وامتیازی قابلیت تھی۔ اس کے علاوہ وہ قوم میں سب سے زیادہ حسین وجمیل تھا۔ اس سے پہلے بنی اسرائیل میں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی دوسرا شخص حسن و جمال میں اس جیسا نہیں تھا۔ پھر بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس قوم میں طالوت سے زیادہ علم وعرفان اور جسمانی توانائی نہیں رکھتا تھا۔

حضرت شمویل علیہ السلام کا جواب

بنی اسرائیل نے طالوت کی بادشاہی پر جو اعتراضات کئے ان کے جواب میں حضرت شمویل علیہ السلام نے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''اے قوم میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تم لوگوں کی اخلاقی پستی اور بزدلی تمہارے وقتی جوش اور ولولہ کو کبھی پائیدار اور مستقل نہیں رہنے دے گی اور وقت آنے پر تمہاری یہ ساری گرم جوشی برف کی مانند سرد ہو کر رہ جائے گی۔ اسی لئے تم لوگوں نے اب حیلہ جوئی اور بہانے تلاش کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ اے قوم تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حکمرانی کا جو معیار تم لوگوں نے بنا رکھا ہے یعنی مال کی کثرت، تعداد کی زیادتی اور ظاہری شان وشوکت وہ قطعی غلط، بے بنیاد اور سرتا پا باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حکمرانی کے ذاتی اوصاف میں علم کی قوت اور جسمانی طاقت ضروری ہے کیونکہ یہ دونوں اوصاف حسن تدبیر، صحت فکر، جرأت اور شجاعت کے آئینہ دار ہیں اور طالوت ان اوصاف میں تمہاری پوری قوم میں سب سے زیادہ نمایاں اور قابل ہے''۔

بنی اسرائیل کا طالوت کے حق میں نشانی طلب کرنا

بنی اسرائیل اور حضرت شمویل علیہ السلام کے درمیان اس بحث نے طول کھینچا تو بنی اسرائیل نے حضرت شمویل علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اگر طالوت کا تقرر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی کوئی نشانی دکھایئے۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگوں کو اس سلسلے میں کوئی نشانی مطلوب ہے تو اتمام حجت کے لئے نشانی بھی عطا کی جارہی ہے۔ وہ نشانی یہ ہے کہ تمہارا انتہائی ہی متبرک صندوق (تابوت سکینہ) جو تم لوگوں سے دشمن چھین کر لے گیا ہے طالوت کی بدولت وہ صندوق عنقریب تمہارے پاس آجائے گا۔ اس تابوت کو تمہاری آنکھوں کے سامنے فرشتے لاکر تمہارے حوالے کردیں گے۔

تابوت سکینہ کی واپسی

حضرت شمویل علیہ السلام کا فرمانا حق ثابت ہوا اور فرشتے تابوت سکینہ کو بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے واپس لے آئے۔ اس طرح بنی اسرائیل پر عیاں ہوگیا کہ اب اگر یہ لوگ طالوت کی بادشاہت کو تسلیم کرلیں تو فتح و کامرانی ان کے قدم چومے گی کیونکہ طالوت واقعی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر بادشاہ مقرر ہوا ہے۔

یہاں ہم دلچسپی اور معلومات کے لئے توراۃ میں مذکور تابوت سکینہ کی واپسی کا واقعہ درج کررہے ہیں۔ سفر شموئیل میں لکھا ہے کہ قوم جالوت نے جب سے تابوت سکینہ کو اپنی عبادت گاہ ''بیت وجون'' میں لاکر رکھا تھا اس وقت سے ہر روز ان کی عبادت گاہ میں عجیب تماشہ رونما ہوتا تھا۔ فلسطینی جب صبح کے وقت روزانہ اپنی عبادت گاہ میں جاتے تو اپنے خود ساختہ بت ''وجون'' کو منہ کے بل اوندھا پڑا پاتے۔ پجاری اس بت کو فوری سیدھا کھڑا کردیتے اور اس کی پوجا میں مصروف ہوجاتے۔ رات گزرنے کے بعد دوسری صبح عبادت خانے میں آتے تو بت پھر اوندھے منہ پڑا ہوتا۔ یہ سلسلہ ہر روز جاری رہتا۔ اس کے علاوہ ایک اور عجیب واقعہ یہ رونما ہوا کہ سارے شہر میں اس کثرت سے چوہے پیدا ہوگئے کہ انہوں نے تمام اشیاء کو خراب اور تباہ و برباد کردیا۔ پھر شہریوں کے جسموں میں ایک خاص قسم کی گلٹیوں کی وبا پھوٹ نکلی جس نے ہر گھر کے ہر فرد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور یوں سخت مالی و جانی نقصان ہونے لگا۔ فلسطینیوں کی سخت محنت اور ہر کوشش کے باوجود یہ مصیبت ختم نہ ہوئی تو ان کو یقین ہوگیا کہ یہ سب کچھ اس صندوق ہی کا اثر ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ اپنی جانوں کو بچانے کے لئے جلد از جلد اس صندوق کو یہاں سے نکال کر بنی اسرائیل کے ہاں پہنچا دیا جائے۔ فلسطینیوں نے اپنے نجومیوں اور کاہنوں کو اس مصیبت سے آگاہ کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اس صندوق کو جلد از جلد یہاں سے نکال دیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ سونے کے سات چوہے بنائے جائیں اور سات ہی گلٹیاں۔ پھر ان سب کو تابوت کے ہمراہ بیل گاڑی پر رکھ کر گاڑی کے آگے ایسی دو گائیں جوڑی جائیں جو دودھ دے رہی ہوں اور یوں اس بیل گاڑی کو بستی سے باہر لے جاکر سڑک پر چھوڑ دیا جائے تاکہ جس طرف اس بیل

گاڑی کا رخ ہو وہ صندوق سمیت اسی طرف چلی جائے۔

فلسطینیوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور گاڑی کو بستی سے باہر لا کر سڑک پر چھوڑ دیا اور یوں گاڑی کا رخ بنی اسرائیل کی بستیوں کی طرف ہو گیا۔ بیل گاڑی چلتی چلتی ایک ایسے کھیت کے پاس رک گئی جہاں کچھ اسرائیلی کھیت میں کام کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے جب بیل گاڑی اور اس پر تابوت سکینہ کو دیکھا تو مسرت کے مارے مدہوش ہو گئے۔ بھاگم بھاگ شہر بیت شمس میں جا کر لوگوں کو اس خوشخبری سے آگاہ کیا۔ خبر سن کر بیت یصریم کے یہودی فوراً اس جگہ پہنچ گئے اور تابوت سکینہ کو بڑے احترام اور تقدس سے لا کر اینداب کے گھر جو ایک ٹیلے پر تھا بڑی حفاظت کے ساتھ رکھ دیا۔

یہاں یہ بات نہایت غور طلب ہے کہ اسرائیلی روایت کے مطابق تابوت سکینہ ایک بیل گاڑی پر رکھا ہوا اسرائیل کی سرحد میں داخل ہوا جس کو فلسطینیوں کی دو گائیں کھینچ کر لا رہی تھیں۔ جبکہ قرآن کریم کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ تابوت سکینہ کو دو فرشتوں نے بنی اسرائیل کے سامنے لا کر رکھ دیا تھا۔ اب ان دونوں واقعات میں سے سچ واقعہ کون سا ہے یہ معلوم کرنا ضروری ہے۔ یاد رہے واقعہ تو قرآن کریم کا ہی سچ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم سچ، حق اور پاک ہے۔ یہاں مفسرین نے اس واقعہ سے یہ استنباط کیا ہے کہ "اسے فرشتے اٹھا لائیں گے" سے مراد یہ ہے کہ اصل میں اس بیل گاڑی کو دو فرشتے ہی کھینچ کر لائے تھے جو بظاہر گائے کی شکل میں تھے۔ (واللہ اعلم)

طالوت اور جالوت کی جنگ

بنی اسرائیل نے حضرت شمویل علیہ السلام کو بار بار درخواست کی تھی کہ ہم پر بادشاہ مقرر فرمائیں۔ آپ نے قوم کی درخواست پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر فرمایا۔ قوم نے ابتداء میں طالوت کی بادشاہی پر رضامندی کا اظہار نہ کیا اور طرح طرح کی شرائط رکھیں۔ ان تمام شرائط کو اللہ کریم نے ایک ایک کر کے پورا فرما دیا۔ اب بنی اسرائیل کے پاس مزید انکار کی کوئی وجہ باقی نہ رہی اس لئے مجبوراً حضرت شمویل علیہ السلام کے الہامی فیصلے پر طالوت کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ طالوت نے بادشاہی کا منصب سنبھالتے ہی بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ فلسطینیوں یعنی دشمنوں کے خلاف جہاد کے لئے نکلیں۔ بنی اسرائیل اس حکم پر دشمن کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ راستے میں طالوت نے بنی اسرائیل کی ثابت قدمی کو آزمانے کا فیصلہ کیا تا کہ معلوم ہو سکے کہ یہ لوگ اپنے وعدہ پر قائم ہیں یا نہیں۔ کیونکہ اگر میدان جنگ میں اس قوم نے سابقہ روایات کے مطابق ثابت قدمی کا ثبوت نہ دیا تو نتیجہ شکست اور بربادی کے سوا کچھ نہیں نکلے گا۔ پھر اس موقع پر کچھ نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے جنگ سے پہلے ہی مناسب قدم اٹھاتے ہوئے سیاہ و سفید کا علم ہو جائے۔

بنی اسرائیل کی آزمائش

طالوت نے یہ سوچ کر بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ راستے میں جو نہر آ رہی ہے لشکریوں میں سے کوئی بھی اس نہر سے پیٹ بھر کر پانی نہیں پیئے گا البتہ ایک دو گھونٹ پی لینے میں کوئی حرج نہیں۔ طالوت نے کہا میرا یہ حکم اللہ کریم کے

فرمان کے مطابق ہے جو لوگ اس آزمائش میں ثابت قدم رہیں گے وہی میری جماعت میں شامل ہوں گے اور جن لوگوں نے حکم کی خلاف ورزی کی انہیں جماعت سے نکال دیا جائے گا۔

نہر اردن

اصحاب سیر بیان کرتے ہیں کہ طالوت نے بنی اسرائیل کو جس نہر سے پانی پینے کو منع کیا تھا کلام الٰہی کے مطابق اس نہر کا نام اردن تھا۔ وہ نہر آج تک اسی نام سے مشہور چلی آرہی ہے۔ بعض کے نزدیک اسی نہر کا نام دریائے اردن ہے۔ (واللہ اعلم)

لشکر طالوت کی تعداد

السدی کے بقول طالوت کے لشکر کی تعداد اسّی ہزار (80000) جوانوں اور امرائے لشکر پر مشتمل تھی۔ اس لشکر میں سے چھہتر ہزار (76000) ہزار افراد نے حکم الٰہی کے خلاف اس نہر سے پانی پی لیا تھا۔ اس طرح طالوت کے ہمراہ صرف چار ہزار (4000) افراد ثابت قدم رہ گئے تھے۔

صحیح بخاری باب المغازی میں قصہ بنی اسرائیل کے ضمن میں زہیر وثوری نے ابن اسحاق اور البراء بن عازب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ طالوت کے لشکر کی تعداد اصحاب بدر کے برابر یعنی 313 تھی۔ اس قدر قلیل تعداد کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے جالوت کے کثیر لشکر پر فتح عطا فرمائی۔ طالوت کی فوج جب نہر کو پار کرنے کے بعد دوسری طرف پہنچی تو جالوت اپنے کثیر لشکر کے ہمراہ وہاں پہلے ہی خیمہ زن تھا۔ طالوت کے وہ لشکری جنہوں نے نہر سے پانی پیا تھا جالوت کے کثیر لشکر کو دیکھ کر کہنے لگے ہم لوگ اتنی بڑی فوج اور جالوت جیسے قوی ہیکل انسان سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس وقت لشکر میں موجود وہ لوگ جنہوں نے طالوت کے حکم کو مانتے ہوئے نہر سے پانی نہیں پیا تھا وہ ضبط نفس اور اطاعت امیر کا ثبوت دیتے ہوئے کہنے لگے ہم گو تعداد میں کم ہیں مگر دشمن سے ضرور لڑیں گے کیونکہ اکثر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے چھوٹی جماعت کو بڑی جماعت پر غلبہ عطا فرمایا ہے۔ طالوت کی اس قلیل جماعت نے اصحاب بدر کی طرح ثابت قدم رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ ''یا اللہ ہم پر صبر کے دہانے کھول دے۔ ہمیں ثابت قدم رکھ اور کفار پر فتح کے لئے ہماری مدد فرما'' اللہ کریم نے ان لوگوں کی دعا کو شرف قبولیت بخشا کیونکہ ان لوگوں کے ظاہر و باطن ایک تھے۔

مذکورہ دعا کرنے کے بعد طالوت کے مخلص ساتھی جالوت کے لشکر کے مقابل صف آراء ہوئے۔ اصحاب سیر بیان کرتے ہیں کہ جالوت غیر معمولی شجاعت و بہادری کا نشان مانا جاتا تھا۔ اس لئے بنی اسرائیل اس کے ساتھ مبارزت کرتے ہوئے جھجک رہے تھے۔ جالوت متواتر بنی اسرائیل کو مبارزت کی دعوت دے رہا تھا مگر دوسری طرف سے خاموشی تھی۔

حضرت داؤد علیہ السلام اور جالوت

جالوت کی دعوت مبارزت کے جواب میں خاموشی دیکھتے ہوئے طالوت کی فوج سے ایک نوعمر جوان آگے تشریف لائے تا کہ جالوت کا مقابلہ کرسکیں۔ یہ سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام تھے۔ انہوں نے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعلان نبوت نہیں فرمایا تھا۔ اصل میں آپ علیہ السلام اپنے والد ایشا کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ آپ علیہ السلام کے دوسرے بھائی جنگ میں شرکت کے لئے طالوت کی فوج میں شامل تھے جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام والد کے حکم پر بھائیوں اور دیگر بنی اسرائیل کے حالات معلوم کرنے کے لئے وہاں تشریف لائے تھے۔ آپ علیہ السلام کا جنگ میں حصہ لینے کا ارادہ نہ تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام جالوت کی مبارزت کا جواب دینے کے لئے لشکر سے باہر آئے کیونکہ آپ علیہ السلام کی غیرت نے یہ برداشت نہ کیا کہ ایک دشمن خدا یوں میدانِ جنگ میں کھڑا اہل حق کو للکارے اور اس کو جواب نہ دیا جائے۔ بہرحال طالوت نے جب آپ علیہ السلام کو لڑنے کے لئے تیار دیکھا تو کہنے لگا تم ابھی نوعمر، نا تجربہ کار ہو، اس لئے جالوت جیسے قوی ہیکل شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آپ علیہ السلام نے بار بار اصرار فرمایا کہ میں اس موذی کا سر کچل سکتا ہوں اس لئے مجھے مقابلے کی اجازت دی جائے۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام کا اصرار شدت اختیار کر گیا تو طالوت نے آپ علیہ السلام کو مقابلے کی اجازت دے دی۔ حضرت داؤد علیہ السلام سینہ تانے میدان جنگ میں جالوت کے سامنے پہنچے۔ جالوت نے آپ علیہ السلام کی عمر کو دیکھتے ہوئے اندازہ کرلیا کہ میں اس نا تجربہ کار نوجوان کو فوری ڈھیر کر دوں گا۔ مگر جب مقابلہ شروع ہوا تو تھوڑی سی دیر میں ہی اسے احساس ہو گیا کہ میرا مد مقابل بے پناہ طاقت وشجاعت کا مالک ہے۔ کچھ دیر زور آزمائی ہوتی رہی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے زور آزمائی کے دوران اپنی فلاخن (گوپھن) سے پے درپے تین پتھر تاک کر اس انداز سے جالوت کے سر پر مارے کہ جالوت کا سر پاش پاش ہو گیا اور یوں وہ گوشت کا پہاڑ زمین بوس ہو کر واصل جہنم ہوا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کو لا کر طالوت کے سامنے ڈال دیا۔ تفسیر فتوحات الٰہیہ از سلیمان جمل (تفسیر جمل) میں ہے کہ طالوت نے اپنے نبی حضرت شمویل علیہ السلام سے عرض کیا کہ بارگاہ الٰہی میں دعا کریں۔ آپ (علیہ السلام) نے دعا کی تو، بتایا گیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام جالوت کو قتل کریں گے۔

بعض اسرائیلی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ طالوت نے جالوت کی طاقت کو دیکھتے ہوئے اعلان کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں سے جو شخص جالوت کو قتل کرے گا میں اپنی بیٹی ''میکال'' کی شادی اس کے ساتھ کر دوں گا اور اس کے علاوہ اسے حکومت میں حصہ دار بھی بناؤں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے میدان جنگ میں جالوت کو قتل کر دیا تھا۔ اس لئے اعلان کے مطابق طالوت نے اپنی بیٹی ''میکال'' کی شادی حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ کر دی اور ان کو حکومت میں حصہ دار بھی بنایا اور یوں وفائے عہد کا عملی ثبوت پیش کیا۔ یہ اسرائیلی روایت کہاں تک درست ہے

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم نے تو علمی ذوق کے لئے یہ روایت بھی تحریر کر دی ہے۔ طالوت نے چالیس سال تک بنی اسرائیل پر حکومت کی۔ طالوت کی زندگی میں ہی حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے۔ بعض روایات کے مطابق طالوت کی وفات کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ بنے اور آپ علیہ السلام نے اعلان نبوت فرمایا۔

(1) قرآن مجید۔ سورہ بقرہ۔ آیات 246 تا 251
(2) البدایہ والنہایہ۔ جلد 2 صفحہ 340 تا 349
(3) روح المعانی۔ جلد 2 صفحہ 143
(4) خازن۔ جلد 2 صفحہ 3 وغیرہ

حضرت داؤد علیہ السلام (1012-972 قبل مسیح)

حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبروں میں سے ہیں۔ آپ علیہ السلام کی عظمت کا اندازہ اللہ کریم کے اس فرمان مبارک سے کیا جا سکتا ہے جس میں اس نے داؤد علیہ السلام کو اپنا پیغمبر اور خلیفہ کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔ لفظ خلیفہ وہ عظمت والا عہدہ ہے۔ جو تمام انبیاء علیہم السلام میں سے صرف حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کے ساتھ جنگ میں کمال شجاعت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اس غیر معمولی طاقت رکھنے والے کو واصل جہنم کیا۔ آپ علیہ السلام کی اس شجاعت کو دیکھ کر بنی اسرائیل کے دلوں پر حضرت داؤد علیہ السلام کی عظمت اور شجاعت کا سکہ بیٹھ گیا۔ پوری قوم صدق دل سے آپ علیہ السلام کی عزت کرنے لگی اور یوں ان کی شخصیت بنی اسرائیل میں نمایاں ہوگئی۔ اللہ کریم نے آپ علیہ السلام کو نبوت کے جلیل قدر عہدے پر سرفراز فرمایا اور ساتھ ہی چند معجزات بھی عطا فرمائے جن میں لوہے کا آپ کے ہاتھوں میں آکر موم کی طرح نرم ہو جانا اور آپ علیہ السلام کی آواز مبارک یعنی تلاوت زبور کو سن کر چرند، پرند، شجر و حجر اور پہاڑوں کا بے خودی میں جھومنا شامل ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑی وسیع اور مضبوط حکومت وسلطنت عطا فرمائی تھی۔ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے شب و روز مصروف رہتے تھے۔ زبان مبارکہ میں اس قدر اثر تھا کہ سننے والا اسی وقت دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا۔ آپ علیہ السلام صاحب رائے اور مقدمات کا فیصلہ کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی عظیم احسان تھا کہ آپ کے صاحب زادے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی نبوت کے منصب اعلیٰ پر فائز فرمایا۔

شجرہ نسب

عربی کتب و تاریخ کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام کا شجرہ نسب یہ ہے۔ داؤد علیہ السلام بن ایشا بن عوبد بن عابر بن سلمون بن نخشون بن عونیا ذب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہودا بن حضرت یعقوب علیہ السلام بن

حضرت اسحٰق علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

حضرت داؤد علیہ السلام ارض بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ کے نبی کی حیثیت سے قیام پذیر رہے۔آپ علیہ السلام اسرائیلی اسباط میں یہودا کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اس پر مورخین کا اجماع ہے۔تورات کے مطابق ایشا کے بہت سے بیٹے تھے، جن میں سے حضرت داؤد علیہ السلام سب سے چھوٹے تھے۔

محققین کے مطابق آپ کا زمانہ 1012 ق م تا 972 قبل مسیح کا ہے۔

حلیہ مبارک

البدایہ والنہایہ میں حضرت امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن اسحٰق، وہب بن منبہ اور بعض دیگر اہل علم کے حوالے سے حضرت داؤد علیہ السلام کا حلیہ مبارک یوں تحریر کرتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا قد مبارک چھوٹا آنکھیں نیلگوں، جسم اطہر پر بال کم تھے۔مگر آپ علیہ السلام کا دل صاف اور طیب و طاہر تھا۔چہرہ مبارک سے پاکیزگی اور جلالت جھلکتی تھی۔

قرآن مجید اور ذکر داؤد علیہ السلام

قرآن مجید فرقان حمید میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر مبارک 9 سورتوں میں آیا ہے۔ان سورتوں میں 16 مقامات پر آپ علیہ السلام کا اسم گرامی مذکور ہے۔ان سورتوں میں کہیں مختصر اور بعض جگہوں پر تفصیل کے ساتھ آپ علیہ السلام کے حالات و واقعات اور رشد و ہدیت کا تذکرہ موجود ہے۔یہاں ہم درجہ ذیل نقشہ کی مدد سے ان سورتوں کے نام اور آیات قرآنی تحریر کر رہے ہیں۔حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر خیر سورہ بقرہ، سورہ نساء، سورہ مائدہ، سورہ انعام، سورہ اسراء، سورہ انبیاء، سورہ نمل، سورہ سبا اور سورہ ص میں آتا ہے جس کا نقشہ کچھ یوں بنتا ہے۔

نام سورہ مبارکہ	آیات مبارکہ	تعداد ذکر مبارک
(1) بقرہ	251	1 دفعہ
(2) نساء	163	1 دفعہ
(3) مائدہ	78	1 دفعہ
(4) انعام	84	1 دفعہ
(5) بنی اسرائیل (اسراء)	55	1 دفعہ
(6) انبیاء	78 تا 79	2 دفعہ
(7) نمل	15۔16	2 دفعہ

(8)	سباء	13-10	2دفعہ
(9)	ص	30،26،24،22،17	5دفعہ

نبوت، رسالت وبادشاہی

جالوت کے قتل ہو جانے کے بعد بنی اسرائیل نے سکھ کا سانس لیا۔ پوری قوم حضرت داؤد علیہ السلام کی گرویدہ ہوگئی اور یوں حضرت داؤد علیہ السلام بالاتفاق قوم بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے۔ بادشاہی کے منصب پر فائز ہونے کے بعد آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی نبوت ورسالت کا اعلان فرما دیا۔ آپ علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل کے ہاں یہ طریقہ رائج تھا کہ حکومت کی ذمہ داریاں ایک خاندان کے سپرد تھیں جبکہ نبوت کا منصب عظیم دوسرے خاندان کے پاس ہوتا تھا۔ اسطرح نبوت یہودا کے گھرانے میں چلی آرہی تھی جبکہ حکومت افراہیم کی اولاد کے پاس ہوتی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام وہ پہلی عظیم شخصیت ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بیک وقت نبوت اور حکومت سے سرفراز فرمایا۔ اس سلسلے میں قرآن کریم یوں ارشاد فرماتا ہے۔ سورۃ بقر آیت 251

فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ

وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿251﴾

ترجمہ۔ ''توانہوں نے (طالوت والوں نے جالوت والوں کو) شکست دے دی اللہ کے حکم سے اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ تعالیٰ نے اسے (داؤد علیہ السلام کو) حکومت اور حکمت (نبوت) بھی عطا فرمائی اور اپنی مرضی سے جو چاہا ان کو سکھایا اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعضے آدمیوں کو بعضوں کے ذریعہ سے دفع کرتے رہا کرتے ہیں تو سرزمین (تمام تر) فساد سے پُر ہو جاتی لیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہان والوں پر۔''

قرآن مجید میں دوسری جگہ سورہ ص میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔ (سورۃ ص آیت 26)

يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ

ترجمہ۔ ''اے داؤد بے شک ہم نے تم کو زمین میں اپنا نائب (خلیفہ) بنایا ہے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا۔''

قرآن حکیم میں تیسری جگہ یوں فرمایا۔ (سورہ انبیاء آیت 79)

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ

وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۖ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ

يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿٧٩﴾

ترجمہ۔ ''اور ہم نے (فیصلہ) کی سمجھ سلیمان کو دے دی اور دونوں (داؤد و سلیمان) کو حکومت بخشی اور علم عطا فرمایا اور داؤد کے ساتھ پہاڑ مسخر فرمادیئے کہ تسبیح کرتے پرندے اور یہ ہمارے کام تھے''

قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء اور رسل علیہم السلام میں سے صرف دو ہستیوں کو ہی خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب فرمایا ہے۔ ایک حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے حضرت داؤد علیہ السلام کو۔ حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کی اجتماعی خدمت سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ قوم کی اجتماعی حیات کی نگرانی بھی فرمایا کرتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی عظیم مملکت

کتب سماوی اور کتب تاریخ اس بات کی شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک عظیم الشان وسیع سلطنت عطا فرمائی تھی۔ آپ علیہ السلام شجاعت، جوانمردی، تدبر، حسن اخلاق، قوت اور تفکر معاشرہ کے تمام اوصاف کا مجموعہ تھے۔ آپ علیہ السلام کی ذات کامل ومکمل انسانیت کا عملی نمونہ تھی۔ اسی لئے فتح وکامرانی ہمیشہ آپ کے قدم چومتی تھی۔ آپ علیہ السلام مختصر سے مختصر جماعت کے ہمراہ جب بھی میدان جنگ میں نکلے تو بڑی سے بڑی دشمن کی فوج پر فتح حاصل کی۔ یہی وجہ ہے کہ مختصر عرصہ میں شام، عراق، فلسطین اور شرق اردن وغیرہ کے تمام علاقے آپ کی حکومت میں شامل ہو چکے تھے۔ کڑی سے کڑی مشکل پر آپ علیہ السلام وحی الٰہی کی مدد سے چند لمحوں میں قابو پالیتے تھے۔

پوری قوم اچھی طرح جانتی تھی کہ کسی قسم کا پیچیدہ مسئلہ ہو کوئی کتنا ہی ہوشیار وچالاک بن کر آپ علیہ السلام کے سامنے کذب بیانی کرے یا پھر قوم کو کیسا ہی مشکل وقت پیش آجائے آپ علیہ السلام وحی الٰہی کے ذریعے اس پر فوری قابو فرما کر اس مشکل کا حل فرمادیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قوم کا کوئی فرد حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے جھوٹ بولنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا اور نہ ہی کسی میں یہ طاقت تھی کہ آپ علیہ السلام کے حکم کی خلاف ورزی کر سکے۔ قرآن کریم نے آپ علیہ السلام کی اس عظمت شان اور مخصوص صفت کا یوں ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ ص آیت 20۔

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾

ترجمہ۔ ''اور ہم نے اس کی حکومت کو مضبوط کیا اور اس کو حکمت عطا فرمائی اور صحیح فیصلہ کی قوت بخشی۔''

سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کاروبار حکومت اس قدر عمدہ طریقے پر چلاتے تھے جس کی مثال مشکل سے ہی

ملتی ہے۔فن تقریر وخطابت پر آپ کو مکمل استعداد حاصل تھی۔جب گفتگو فرماتے تو ہر ہر لفظ اور فقرہ جدا جدا فہم وادراک کی بے نظیر مثال ہوتا، کلام فصاحت وبلاغت کا سمندر رہوتا تھا۔مختصراً حضرت داؤد علیہ السلام نے اس قدر وسیع حکومت کو جس انداز سے پرسکون اور کامیابی سے چلایا وہ اپنی مثال آپ تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے چند اہم فیصلے

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو مشکل سے مشکل فیصلوں کو نہایت آسانی سے قلیل وقت میں حل فرما دینے کی خاص صفت عطا فرما رکھی تھی۔ویسے تو آپ علیہ السلام نے لاتعداد مقدمات کے فیصلے فرمائے ان سب کا ذکر کرنا تو یہاں ممکن نہیں البتہ چند اہم مقدمات کے فیصلے تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

بیل کے مقدمے کا فیصلہ

ابن جریر اپنی تاریخ میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ دو آدمی ایک بیل کا مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں لائے۔ان دونوں میں سے ایک کا کہنا تھا کہ یہ بیل حقیقت میں میرا ہے جبکہ دوسرے نے اس پر زبردستی غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔حضرت داؤد علیہ السلام نے مقدمہ سن کر ارشاد فرمایا کہ اس کا فیصلہ کل یعنی آنے والے دن کروں گا۔دوسرے دن آپ علیہ السلام دربار میں رونق افروز تھے دونوں شخص حاضر خدمت ہوئے آپ علیہ السلام نے مدعی سے ارشاد فرمایا کہ رات مجھے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حکم فرمایا ہے کہ تجھے قتل کر دیا جائے۔اسلئے تم مجھے صحیح صحیح ساری بات بتا دو۔مدعی نے عرض کی اے اللہ تعالیٰ کے سچے نبی اس مقدمہ میں تو میرا دعویٰ بالکل سچا ہے البتہ میں نے اس سے پہلے مدعا علیہ (جس پر مقدمہ قائم کیا جائے) کے باپ کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا۔حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی کا یہ بیان سن کر اسے قتل کرنے کا حکم فرمایا اور یوں ایک قاتل اپنے انجام کو پہنچا۔

کھیتی برباد کرنے کے مقدمہ کا فیصلہ

قرآن مجید کی سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ انہوں نے دو شخصوں کے درمیان کھیتی کی بربادی کا فیصلہ کیا جس میں مدعی نے دوسرے پر دعویٰ کیا تھا کہ اس کی بکریوں نے کھیتی برباد کر دی ہے۔اس فیصلے کے وقت آپ علیہ السلام کے صاحب زادے حضرت سلیمان علیہ السلام بھی موجود تھے۔انہوں نے والد ماجد کو فیصلہ کرنے کے سلسلے میں مزید بہتر مشورہ عرض کیا جس کو حضرت داؤد علیہ السلام نے تسلیم فرماتے ہوئے بیٹے کی تعریف فرمائی۔اللہ تعالیٰ اس مقدمہ کے فیصلے کے ذریعے اصل میں دونوں باپ بیٹے کی حکمت و دانش کو دنیا پر عیاں فرما کر ان دونوں ہستیوں کی عظمت ظاہر فرمانا چاہتا تھا۔قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔سورۃ

الانبیاء آیات 78،79۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ

وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۖ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ۔ ''اور داؤد اور سلیمان (علیہم السلام کا واقعہ) جب کہ وہ ایک کھیتی کے معاملہ کا فیصلہ کر رہے تھے جس کو ایک فریق کی بکریوں کے ریوڑ نے رات کو خراب کر ڈالا تھا اور ہم ان کے فیصلہ کے وقت موجود (مشاہدہ کر رہے) تھے پھر ہم نے اس فیصلے کی (بہتر) سمجھ سلیمان کو عطا کی اور داؤد و سلیمان کو ہم نے علم و حکمت عطا کی اور داؤد کے ساتھ پہاڑ مسخّر فرما دیئے کہ تسبیح کرتے اور پرندے اور یہ ہمارے کام تھے۔''

اس آیت مقدسہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دو اشخاص حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے۔ مدعی کا دعویٰ تھا کہ مدعا علیہ کی بکریوں کے ریوڑ نے اس کی تمام کھیتی برباد کر دی ہے اور ساری فصل چر کے روند ڈالی ہے۔ اے اللہ کے نبی میری دادرسی فرمائیں تاکہ مجھ غریب کے نقصان کا ازالہ ہو سکے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی حکمت اور دانش کے مطابق مقدمہ سن کر فیصلہ ارشاد فرمایا کہ مدعی کے کھیت کا جتنا نقصان ہوا ہے مدعا علیہ کے ریوڑ کی قیمت قریباً اتنی ہی ہے اسلئے بکریوں کا پورا ریوڑ ہی تاوان میں مدعی کو دے دیا جائے۔ حسن اتفاق سے اس وقت سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اپنے والد گرامی سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کے قریب ہی تشریف فرما تھے۔ آپ علیہ السلام کی عمر مبارکہ قریباً 11 سال تھی۔ والد محترم کا فیصلہ سن کر عرض کی اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ علیہ السلام کا فیصلہ نہایت ہی صحیح اور مناسب ہے مگر میرے خیال میں مزید مناسب بات یہ ہوگی کہ مدعا علیہ کی بکریوں کا تمام ریوڑ مدعی کے سپرد کرتے ہوئے اسے حکم دیا جائے کہ وہ بکریوں کی اون اور دودھ کو اپنے استعمال میں لاکر پورا پورا فائدہ اٹھاتا رہے اور ادھر مدعا علیہ مدعی کے کھیت میں اس وقت تک مزدور کے طور پر کام کرتا رہے جب تک کھیت کی پیداوار اپنی اصل حالت میں نہ آجائے۔ جب کھیتی تیار ہو جائے تو مدعی بکریوں کا ریوڑ مدعا علیہ کو واپس کر دے۔ سیدنا حضرت داؤد علیہ لسلام نے ہونہار بیٹے کے اس فیصلے کو بہت پسند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ''سلیمان (علیہ السلام) کا فیصلہ زیادہ مناسب تھا۔'' اس واقعہ میں بظاہر حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلے کی حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے پر سبقت نظر آتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جو مقام منصب اور درجہ حضرت داؤد علیہ السلام کو حاصل ہے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حاصل نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا مذکورہ

فیصلہ قیاس کی بنا پر تھا جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ استحسانی تھا۔

دوعورتوں کے مقدے کا فیصلہ

حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر کے سلسلے میں صحیح بخاری و مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث شریف روایت کی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ ''دوعورتوں کے اپنے اپنے بیٹے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ وہ اکٹھی کسی جگہ اپنے اپنے بیٹوں کے ساتھ بیٹھی تھیں اچانک ایک بھیڑیا آیا اور ان دو بچوں میں سے ایک کو اٹھا کر لے گیا۔ دونوں عورتیں اس بات پر جھگڑنے لگیں۔ ایک کہتی تھی کہ موجودہ بیٹا میرا ہے بھیڑیا تمہارے بیٹے کو اٹھا کر لے گیا ہے۔ جب کہ دوسری کا دعویٰ تھا کہ بیٹا میرا ہے تمہارا بیٹا بھیڑیا لے گیا ہے۔ جھگڑے نے جب طول پکڑا تو دونوں عورتیں حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ آپ علیہ السلام نے اس مقدمہ کا فیصلہ فرماتے ہوئے بیٹا اس عورت کو دینے کا حکم فرمایا جو عمر میں بڑی تھی۔ فیصلہ سن لینے کے بعد دونوں عورتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنا مقدمہ ان کی خدمت میں بھی پیش کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مقدمہ سن کر فرمایا ایک چھری لائی جائے تاکہ میں بچے کو دو ٹکڑے کرنے کے بعد ایک ایک ٹکڑا دونوں عورتوں میں تقسیم کر دوں۔ چھری حاضر کی گئی جسے دیکھتے ہی ایک عورت نے کہا یا حضرت میں اپنے دعویٰ سے دستبردار ہوتی ہوں آپ یہ بچہ دوسری عورت کو دے دیں تاکہ اسکی پرورش کر سکے۔ بڑی عمر کی دوسری عورت یہ سب کچھ دیکھ کر بھی بچے کو چھری سے کٹوانے پر تیار ہوگئی۔ یہ دیکھتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بچہ چھوٹی عورت کے حوالے کر دیا جائے یہی اس کی حقیقی والدہ ہے۔ بڑی عمر کی عورت جھوٹی ہے بھیڑیا اس کے بیٹے کو ہی اٹھا کر لے گیا ہے''۔ یہاں سے ایک شرعی مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کسی مقدمہ میں گواہ موجود نہ ہوں تو حاکم کے لئے لازم ہے کہ وہ مقدمے کا فیصلہ قرائین و قیاس پر عمل کرتے ہوئے سنائے۔ ان واقعات کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام ہر مقدمہ کا فیصلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد کیا کرتے تھے۔

(از: صحیح بخاری و مسلم شریف)

سورہ ص اور واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کا یوں ذکر فرمایا ہے۔ سورہ ص کی آیات کا ذکر کرنے کے بعد مکمل واقعہ جو کہ کتب تفسیر و تاریخ اور قصص الانبیاء میں مذکور ہے تحریر کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ ص آیات 20 تا 26۔

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَاۤ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾

ترجمہ۔ ''اور ہم نے اسکی سلطنت کو مضبوط کیا اور اسے حکمت اور قول فیصل دیا اور کیا تمہیں اس دعویٰ والوں کی بھی خبر آئی جب وہ دیوار کود کر داؤد کی مسجد میں آئے جب وہ دروازے میں داخل ہوئے تو وہ ان سے گھبرا گیا انہوں نے عرض کی ڈریئے نہیں، ہم دو فریق ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ تو ہم میں سچا فیصلہ فرما دیجئے اور خلاف حق نہ کیجئے۔ اور ہمیں سیدھی راہ بتائیے بے شک یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے۔ اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دے اور اس بات میں مجھ پر زور ڈالتا ہے۔ داؤد نے کہا بے شک یہ تجھ پر زیادتی کرتا ہے کہ تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کو مانگتا ہے اور بے شک اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور وہ بہت تھوڑے ہیں۔ اب داؤد سمجھا کہ ہم نے یہ اس کی جانچ کی تھی۔ تو اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑا۔ اور رجوع کیا تو ہم نے اسے معاف کیا اور بے شک اسکے لئے ہماری بارگاہ میں ضرور قرب اور اچھا ٹھکانہ ہے۔ اے داؤد بے شک ہم نے تجھے زمین میں اپنا نائب

(خلیفہ) مقرر کیا۔ تو لوگوں میں سچا حکم کر اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی بے شک وہ جو اللہ کی راہ سے بہکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس پر کہ وہ حساب کے دن کو بھول بیٹھے۔"

قرآن کریم کی مذکورہ آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک امتحان کا ذکر ہے جو اللہ کی طرف سے ان کو پیش آیا۔ ابتداء میں حضرت داؤد علیہ السلام اس امتحان کو نہ جان سکے۔ مگر فوراً ہی خیال شریف میں آ گیا کہ یہ تو اللہ کی جانب سے میری آزمائش تھی۔ اس خیال کے آتے ہی فوراً اللہ سے رجوع کیا، استغفار کیا، جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشتے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام کے مزید درجات بلند فرمائے۔ دونوں سائلوں کا یہ قول ایک مسئلہ کی فرضی شکل پیش کر کے اصل میں جواب حاصل کرنا تھا۔ شرعی قاعدہ بھی یہی ہے کہ کسی مسئلہ کے متعلق حکم معلوم کرنے کے لئے فرضی صورتیں مقرر کر لی جاتی ہیں اور معین اشخاص کی طرف ان کی نسبت کر دی جاتی ہے تاکہ مسئلہ کا بیان بہت واضح طریقہ پر ہو سکے اور یوں کسی قسم کا شک یا ابہام باقی نہ رہے۔ اس مقام پر بھی جو صورت حال ان دو فرشتوں نے پیش کی ان کا اصل مقصد حضرت داؤد علیہ السلام کو توجہ دلانا تھی اس خاص واقعہ کی طرف جو انہیں پیش آیا تھا۔

پیامِ نکاح

واقعہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے ازواج تھیں۔ آپ علیہ السلام نے ایک اور عورت کو نکاح کا پیام بھیجا اس عورت کو ایک مسلمان جس کا نام اوریاہ تھا پہلے ہی نکاح کا پیام بھیج چکا تھا۔ جب عورت کے گھر والوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کا پیام ملا تو انہوں نے اپنی خوش بختی خیال کرتے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام کا پیام نکاح منظور کر لیا۔ اور یوں حضرت داؤد علیہ السلام کا اس عورت کے ساتھ نکاح ہو گیا۔ ایک دوسری روایت میں یوں آتا ہے کہ اس عورت کا پہلے نکاح ہو چکا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس مسلمان سے اپنی رغبت کا اظہار فرمایا اور چاہا کہ وہ مسلمان اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ وہ مسلمان آپ کی شخصیت اور مرتبہ کو دیکھ کر انکار نہ کر سکا اور اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ پھر عدت گزرنے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت سے نکاح فرما لیا۔ مدارک میں ہے کہ اس زمانے میں یہ معمول تھا کہ اگر کسی شخص کو کسی کی عورت کی طرف رغبت ہوتی تو وہ اس سے درخواست کر کے طلاق دلوا دیتا تھا، پھر عدت گزر جانے کے بعد اس عورت سے نکاح کر لیتا۔ یہ بات نہ تو شرعاً ناجائز تھی اور نہ ہی اس وقت کے رسم و رواج کے خلاف تھی۔ مگر کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی شان مبارک نہایت ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے اس لئے ایسا کرنا شان رسالت کے عظیم الشان منصب کے خلاف تھا۔ اس لئے اللہ کریم کی مرضی ہوئی کہ آپ علیہ السلام کو اس (عمل) پر آگاہ کیا جائے چنانچہ اس نے دو فرشتوں کو مدعی اور مدعا علیہ کی شکل میں حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس بھیجا۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب اوریاہ کی طلاق یافتہ سے نکاح فرمایا تو چند روز بعد ہی اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے آپ علیہ السلام کے پاس بھیجے جو ایک مقدمہ لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ تفسیر میں آتا ہے کہ وہ دونوں فرشتے حضرت جبریل و میکائیل علیہم السلام تھے۔ (واللہ اعلم)۔ جب

دونوں فرشتے اس عبادت گاہ میں داخل ہونے لگے جہاں حضرت داؤد علیہ السلام مصروف عبادت تھے تو محافظوں نے انہیں اندر جانے سے روکا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ دو شخص تھے جو حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں اپنا مقدمہ پیش کرنے کے لئے عبادت گاہ میں جانا چاہتے تھے جن کو نگرانوں نے روک لیا۔ بہر حال مدعی اور مدعا علیہ فرشتے تھے یا انسان۔ نگرانوں کے روکنے پر وہ لوگ جب دیوار کے قریب ہوئے تو دیوار قدرت الٰہی سے شق ہو گئی اور یوں وہ دونوں حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان دونوں کو یوں اچانک عبادت گاہ میں داخل ہوتے دیکھا تو آپ علیہ السلام کو تعجب ہوا کہ یہ لوگ میری اجازت کے بغیر اندر کس طرح داخل ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا گھبرانا اس لئے ہو کہ وہ دونوں دیوار کے شگافتہ ہونے سے اندر داخل ہوئے تھے۔ مختصراً حضرت داؤد علیہ السلام نے ان سے پوچھا، تمہیں میرے پاس کس نے بھیجا ہے اور تم کون ہو؟ دونوں نے جواب دیا آپ علیہ السلام تعجب نہ فرمائیں، ہم دونوں کے درمیان ایک جھگڑا چل رہا ہے اور ہم آپ علیہ السلام کے پاس اس غرض سے حاضر ہوئے ہیں کہ ہمارے درمیان انصاف فرماتے ہوئے جھگڑے کا فیصلہ فرما دیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے دریافت فرمایا تمہارے درمیان کیا جھگڑا ہے مجھے بتاؤ۔ ایک نے عرض کی حضرت میرے پاس ایک ہی دنبی ہے اور اس دوسرے کے پاس ننانوے (99) دنبیاں ہیں یہ پھر بھی مجھ سے جھگڑ رہا ہے کہ وہ ایک دنبی بھی مجھے دے دو تا کہ میرے پاس پوری سو (100) ہو جائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی کا دعویٰ سن کر مدعا علیہ سے فرمایا اگر حقیقت یہی ہے جو مدعی نے بتائی ہے تو اے دوسرے شخص تو ظالم ہے اور اکثر شریک ظالم ہوتے ہیں مگر وہ نہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ فیصلہ سن کر مدعی، مدعا علیہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور پھر دونوں حضرت داؤد علیہ السلام سے رخصت لے کر چلے گئے۔ دونوں کے چلے جانے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ گئے کہ اصل میں یہ خود ان کے اپنے عمل کی طرف اشارہ ہے۔ آپ علیہ السلام نے رب العالمین سے فوری معافی مانگی اور سجدے میں گر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف فرما دیا۔

حضرت علامہ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم التنزیل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باسناد صحیح حدیث روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ ”حضرت داؤد (علیہ السلام) نبی نے جب ایک عورت کو دیکھا تو بنی اسرائیل کے لشکر کو لڑائی پر روانہ کیا اور لشکر کے سردار سے فرمایا کہ فلاں شخص کو تابوت (سکینہ) کے آگے کر دینا۔ بنی اسرائیل کے ہاں یہ بات مشہور تھی کہ جو شخص تابوت سکینہ کے آگے ہو کر دشمن سے لڑتا وہ اپنی جان میدان جنگ میں قربان کر دیتا تھا، پیچھے نہیں ہٹتا تھا۔ چنانچہ حسب حکم اس عورت کا شخص تابوت کے آگے رہتے ہوئے لڑتا رہا اور یوں لڑتے لڑتے شہید ہو گیا، پھر دو فرشتے حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے پورا قصہ بیان کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کریم سے اپنے اس عمل کی مغفرت طلب کی اور سجدے میں گر پڑے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو معاف فرما دیا“۔

حضرت کعب احبار، وہب ابن منبہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ جب

فرشتوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ عرض کیا تو آپ علیہ السلام اپنا احوال سمجھ گئے اور چالیس روز سجدہ میں پڑے متواتر استغفار کرتے رہے۔اس دوران نماز اور دیگر حاجات ضروریہ کے واسطے اٹھتے۔ آپ نے اس دوران کھانا پینا ترک کر دیا تھا یہاں تک کہ سر کے گرد گھاس اُگ آئی۔واللہ اعلم۔

سورہ ص کی آیاتِ کی تفسیر

سورہ ص کی سات آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر ہے۔آپ علیہ السلام نے جب دنبیوں کے مقدمے کا فیصلہ فرما دیا تو فوراً خیال مبارک آیا کہ یہ تو میری آزمائش تھی۔آپ علیہ السلام فوراً سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔یوں آپ علیہ السلام کی استغفار بارگاہ ایزدی میں قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے مراتب مزید بلند فرمائے۔

مذکورہ بالا سطور میں ہم نے قرآن کریم کی سورہ ص کی آیات کی وہ تفسیر بیان کی ہے جو عام لوگ جانتے ہیں۔ اس تفسیر میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے بعض مفسرین نے اس کو اپنی تفاسیر میں تحریر کر دیا جبکہ اکثر مفسرین نے اس واقعہ کو بے بنیاد اور لغو قرار دیتے ہوئے محض یہودیوں کی اسرائیلی روایات سے اخذ شدہ ثابت کرتے ہوئے اسے ماننے سے انکار کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ مذکورہ آیات کی تفصیل کیونکہ قرآن کریم نے بیان نہیں فرمائی اس لئے بعض مورخین نے توراۃ اور اسرائیلی روایات کو اختیار کرتے ہوئے اسے حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش کے واقعہ سے منسلک کر دیا ہے جبکہ اس واقعہ کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ یہ پوری داستان اول سے لے کر آخر تک یہودیوں کی من گھڑت اور بہتان سے پر روایت ہے۔جن مفسرین و مورخین نے اسے محض من گھڑت اور لغو قرار دیا ہے وہ اپنے اپنے وقت کے مشہور جلیل القدر مفسر اور تاریخ نویس تھے۔ان کے اسماء گرامی ان کی کتب کے ناموں کے ساتھ درج ذیل ہیں۔

(1)	حضرت علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ	تفسیر ابن کثیر والبدایہ والنہایہ
(2)	حضرت علامہ حافظ ابو محمد بن حزم رحمۃ اللہ علیہ	کتاب الفضل
(3)	حضرت علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ	نسیم الریاض
(4)	حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ	شفا شریف
(5)	حضرت علامہ ابو حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ	بحر المحیط
(6)	حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ	تفسیر کبیر
(7)	حضرت علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ	تفسیر ابن حزم
(8)	حضرت علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ	روح المعانی

اس واقعہ کے وجود سے مذکورہ شخصیات نے انکار کرتے ہوئے اپنی اپنی تصانیف میں مدلل دلائل پیش کئے ہیں یہاں سب دلائل تحریر کرنا تو موضوع کی طوالت کا باعث ہوگا اس لئے چند بزرگوں کے دلائل تحریر کرنے پر ہی اکتفا کر رہا ہوں۔

(1) تفسیر ابن کثیر

سورہ ص کی آیات بیس (20) تا چھبیس (26) میں مفسرین نے ایک ایسا قصہ بیان کیا ہے جس کا اکثر حصہ بلاشبہ اسرائیلیات سے لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے ایک بھی حدیث نہیں ملتی جس کی پیروی کی جائے۔ (از تفسیر ابن کثیر)

(2) کتاب الفصل

حضرت حافظ ابو محمد بن حزم کتاب الفصل میں سورہ ص کی آیات کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ قرآن مجید کا یہ قول سچا اور صحیح ہے اور یہ کسی طرح بھی اس روایت پر دلالت نہیں کرتا جس کو ان مسخروں کاذبوں نے بیان کیا ہے جو ایسی خرافات سے لپٹے رہتے ہیں جن کو یہودیوں نے ایجا کیا ہے۔ (از کتاب الفصل جلد 4 صفحہ 14)

(3) البدایۃ والنہایۃ

حضرت امام حافظ علامہ عماد الدین ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ میں ارشاد فرماتے ہیں ”اور بہت سے اگلے اور پچھلے مفسرین نے سورہ ص کی آیات کی تفصیل میں چند قصے اور حکایتیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے اکثر یہودیوں کی من گھڑت روایتیں ہیں ان میں سے بعض تو یقینی طور پر جھوٹی اور باطل ہیں۔ ہم نے ان تمام حکایات کو قصداً بیان نہیں کیا۔ بس اس قدر ہی بیان کیا ہے جتنا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔“

(از البدایۃ والنہایۃ جلد 2 صفحہ 352)

(4) علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ سورہ ص کی ان آیات کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہ واقعہ بس اس قدر ہی ہے کہ دو شخص اچانک حضرت داؤد علیہ السلام کی محراب میں داخل ہوئے جب وہ عبادت میں مصروف تھے۔ ان دونوں کا معاملہ واقعی اور حقیقی تھا جسے وہ حل کرانے میں عجلت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عبادت گاہ میں دروازے پر نگرانوں کے روکنے کی وجہ سے دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کا مقدمہ سماعت فرمایا اور مدعی کی گفتگو کے پیش نظر پہلے ان کو وعظ ونصیحت کرتے ہوئے زمانے کے فسادات اور حال کا ذکر فرمایا کہ لوگ کس طرح زیردستوں پر ظلم وجبر کرتے ہوئے ان کی زندگیوں کو صرف اپنی راحت کا آلہ کار خیال کرتے ہیں جو کہ نہایت بری بات اور زیادتی ہے۔ البتہ وہ لوگ جو اہل ایمان ہیں اور اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہیں اس زیادتی سے ہمیشہ خود کو محفوظ رکھتے ہیں۔ مگر افسوس ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔ یہ نصیحت فرمانے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے اس مقدمہ کا انصاف پر مبنی فیصلہ فرما دیا جو کہ مدعی کے حق میں ہی تھا۔ جب فریقین چلے گئے تو حضرت داؤد علیہ السلام کے خیالات عظمیٰ نے آپ علیہ السلام کے دل ودماغ کو اس طرف متوجہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو انہیں اس قدر

عظیم الشان حکومت اور طاقت عطا فرمائی ہے۔ حقیقت میں یہ بہت بڑی آزمائش ہے۔ میں (داؤد علیہ السلام) اس عظیم نعمت کا اپنی عملی زندگی میں کس طرح شکر ادا کرتا ہوں۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر اس سوچ مبارکہ کا اس قدر اثر ہوا کہ فوراً سجدے میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ کے حضور مغفرت طلب فرمانے لگے کہ اے مالک سماوات والارض، تیری اس عظیم الشان عطا کا حق ادا کرنا اور ان ذمہ داریوں کو پورا کرنا میری اپنی طاقت میں نہیں جب تک تیری مدد و اعانت میرے شامل حال نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ انداز عجز و انکساری اس حد تک پسند آیا کہ اسکی مغفرت نے فوراً آپ علیہ السلام کو اپنی آغوش میں ڈھانپ لیا اور آپ (علیہ السلام) کے مزید درجات بلند فرمائے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "ہم نے داؤد کی آزمائش کی"۔ یہاں کسی خطا یا گناہ کا قطعاً ذکر نہیں۔ پھر آزمائش کے لئے یہ بات ہرگز ضروری نہیں کہ اسکا تعلق کسی گناہ یا خطا سے ہو۔ اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ لیجئے۔ ان سے نہ کوئی خطا ہوئی اور نہ ہی کسی قسم کا گناہ سرزد ہوا مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو عرصہ تک آزمائش سے دوچار رکھا۔ اسی طرح اور واقعات بھی ہیں۔ اصل میں اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو ایسی آزمائش میں ڈال کر ان کے درجات بلند کرتا رہتا تھا۔ یہاں بھی صورت حال یہی تھی۔ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ ص کی مذکورہ آیات کی جو تفسیر بیان فرمائی ہے وہ انہوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر کی ہے کیونکہ سورہ کی جو تفسیر کی گئی ہے وہ کسی قرآنی آیت یا حدیث شریف میں موجود نہیں۔ اس لئے ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ ان کی اجتہادی تفسیر ہی ہے۔ (از کتاب الفصل۔ جلد 4۔ صفحہ 14)

(5) روح المعانی

حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کو جسے قرآن پاک کی سورہ ص میں بیان کیا گیا ہے تشریح و تفسیر کرتے ہوئے حضرت علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف جو کہ مشہور زمانہ ہے یعنی روح المعانی میں تحریر کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ اس قسم کی لغزشوں پر اپنے مقرب بندوں کو فوراً متنبہ فرما دیتا ہے۔ اسی لئے حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی اس قصہ میں تنبیہ کی جو کہ اصل میں آپ کی آزمائش تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اسی وقت اللہ تعالیٰ کے حضور مغفرت کے طالب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت کو شرف قبولیت سے نوازا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے اس پسندیدہ عمل کی وجہ سے ان کے درجات اور شان کو مزید رفعت و بلندی عطا فرمائی۔"

آیات قرآنی کی مذکورہ تفسیر بھی استنباط اور اجتہاد سے ہی تعلق رکھتی ہے مگر یہ اجتہاد آیات قرآنی کے نظم و ربط کے ساتھ بہت زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مفسرین کی نگاہ میں حضرت شہاب الدین محمود آلوسی صاحب روح المعانی کا یہ اجتہادی خیال بہت مقبول ہے۔ شرعی قاعدے کے مطابق بھی اگر کسی مسئلے کا جواب قرآن و حدیث میں نہ ملتا ہو تو فقہ سے رجوع کیا جاتا ہے۔ اگر وہاں سے بھی مقصد حل نہ ہو تو صاحب عقل و دانش عالم و فاضل

اور محقق شخصیت جس کو قرآن وسنت پر عبور حاصل ہوا جتہاد کے ذریعے اس مسئلے کا حل بیان کرتے ہیں۔ اسی اصول کے مطابق صاحب روح المعانی نے ان آیات کی تفسیر اجتہاد کے ذریعے فرمائی ہے جو آیات قرآنی کے نظم و ربط سے بڑی حد تک مطابقت رکھتی ہے۔ اسی طرح دیگر اور مفسرین نے بھی ان آیات مبارکہ کی تفسیر اجتہادی نکتہ نظر سے کی ہے۔

سورہ ص کی مذکورہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے ابو مسلم تحریر کرتے ہیں کہ جب دو شخصوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مقدمہ پیش کیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی کا بیان سماعت فرما کر مدعا علیہ کو صفائی کا موقعہ دیئے بغیر نصیحت میں اس قسم کی باتیں ارشاد فرمائیں جن سے مدعی کی تائید ہوتی تھی۔ یہ طریقہ عام حالات میں بھی انصاف کے خلاف تھا اگر چہ آپ علیہ السلام کا ارشاد گرامی ان کو نصیحت کرنا تھا کسی کی ناجائز طرفداری کرنا نہ تھا، مگر یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر کی شان کے مطابق نہ تھا، اسلئے اسے (فتنہ) کہا گیا جس میں حضرت داؤد علیہ السلام پڑ گئے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ علیہ السلام کی آزمائش تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کی اسی طرح آزمائش کیا کرتا ہے۔

ابو مسلم کی مذکورہ تشریح کو پڑھنے کے بعد ہر قاری کے ذہن میں ایک سوال یقینی طور پر پیدا ہوگا، ایک خلش سی محسوس ہوگی کہ جب عام اصول یہ ہے کہ کوئی بھی حاکم یا بادشاہ جب کسی مقدمے کو فیصلہ کرتا ہے تو وہ یقیناً دونوں فریقین کے بیانات سننے کے بعد ہی اپنی حتمی رائے کے مطابق فیصلہ صادر کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ کرے تو فیصلہ نہ تو انصاف پر مبنی ہوگا اور نہ ہی فریقین اس کو قبول کریں گے۔ کیونکہ صرف ایک فریق کو ہی سن کر فیصلہ صادر کرنا فطری اصول کے بھی خلاف ہے۔ تو پھر یہ کس طرح مانا جا سکتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسی جلیل القدر شخصیت جو کہ اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم پیغمبر اور خلیفہ بھی ہوں مدعا علیہ کا بیان سنے بغیر ہی مدعی کے حق میں فیصلہ فرما دیں۔ جبکہ اس جگہ نہ کوئی مجبوری ہے اور نہ ہی کوئی باریک و دقیق پیچیدگی جسے آپ علیہ السلام حل نہیں فرما سکتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ عمل حسن اتفاق سے بھی نہیں ہوا کہ کہا جا سکے کہ اس وقت فریقین کو سن کر مقدمے کا فیصلہ کرنے کا خیال حضرت داؤد علیہ السلام کے فہم وادراک میں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے بڑھ کر اور کس کا فہم، ادراک اور عقل ہو سکتی ہے۔ مذکورہ توجیہات میں کیونکہ ایک خلش موجود ہے جس کی ہم تفصیل بیان کر چکے ہیں اس لئے یہ تفسیر حقیقت حال کے نزدیک نہیں ہے۔ اس واقعہ کی اصل تفسیر اور وجہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیان کردہ تشریح ہے۔ یہ نظم کلام، ربط آیات اور سیاق وسباق کے اعتبار سے حقیقت کے بہت ہی قریب ہے۔

از روح المعانی۔ جلد 23۔ صفحہ 168

(6) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے معمولات

کو چار دنوں پر اس طرح تقسیم فرما رکھا تھا۔ ایک دن خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص تھا۔ ایک دن عوام الناس کے مقدمات سماعت فرماتے تھے۔ ایک دن اپنی ذات کے لئے تھا۔ اور ایک دن بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے وقف فرما رکھا تھا۔ آپ علیہ السلام مذکورہ تقسیم کار کے مطابق ہی عمل فرمایا کرتے تھے۔

آپ علیہ السلام نے تقسیم کے اس حصہ کو سب سے زیادہ اہمیت دے رکھی تھی جو خالصتاً عبادت الٰہی کے لئے وقف تھا۔ ویسے تو آپ علیہ السلام کی زندگی مبارکہ کا ہر لحہ عبادت الٰہی میں ہی بسر ہوتا تھا مگر اس مخصوص دن میں آپ علیہ السلام عبادت کے علاوہ اور کوئی کام سرانجام نہیں دیتے تھے۔ آپ علیہ السلام اپنے حجرہ مبارک کا دروازہ بند فرمالیا کرتے تھے تاکہ کوئی عبادت میں خلل انداز نہ ہوسکے۔ اس طرح یہ وہ واحد دن ہوتا جب بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص بھی آپ علیہ السلام کے عبادت خانے (یعنی حجرہ) میں داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس طرح لوگوں سے آپ علیہ السلام کا رشتہ اور ہر قسم کا تعلق منقطع ہو جاتا تھا۔ باقی تقسیم کے ایام میں کسی ہنگامی یا دیگر ضروریات و معاملات کے لئے آپ علیہ السلام کا لوگوں کے ساتھ رابطہ رہتا تھا۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذکورہ قول مبارک پر جو کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے تقسیم کار کے متعلق ہے، غور کیا جائے تو ایک اہم بات ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ یہ کہ عبادت الٰہی اصل میں اہل ایمان کی زندگی کا اصل مقصد ہے اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مقبول ترین شخصیات جن میں انبیاء علیہم السلام سرفہرست ہیں ان کو وحدہٗ لاشریک نے خاص اپنی مخلوق کی رشد و ہدایت اور خدمت خلق کے لئے منتخب کر رکھا ہے۔ اسلئے ان ہستیوں کے لئے کثرت عبادت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی رشد و ہدایت اور خدمت خلق کرنا اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب اور پسند ہے۔ دوسری طرف کوئی صوفی یا عابد و زاہد خلوت میں بیٹھ کر جس قدر یاد الٰہی میں مصروف رہتا ہے وہ ولایت کے زیادہ درجات حاصل کرتا ہے۔ مگر منصب نبوت و خلافت وہ عظیم ترین درجے ہیں جن پر فائز جلیل القدر ہستیاں جس قدر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی مدد اور ان کی ہدایت میں مصروف رہتی ہیں اتنے ہی ان کے مقامات بلند ہوتے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو گوشہ نشین ہونے کے دن کی وجہ سے آزمائش میں ڈالا۔ اسطرح یہ بتانا مقصود تھا کہ آپ علیہ السلام کا کسی صوفی کی مانند اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے کٹ کر صرف اور صرف عبادت الٰہی میں مصروف ہونا مقصد حیات نہیں بلکہ آپ علیہ السلام کی بعثت مبارکہ کا مقصد زندگی کا ہر لحہ خدمت خلق اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو دینی و دنیوی ہر قسم کی مدد کرنا ہے اور ان کو رشد و ہدایت کی راہ پر چلانا ہے۔

اب ذرا غور کریں تو سارا واقعہ جو آپ علیہ السلام کو پیش آیا اس کی اصل وجہ سامنے آجاتی ہے۔ دو شخصوں یا فرشتوں کا دیوار پھاند کر عبادت گاہ میں داخل ہونا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا ان کو خلاف عادت دیکھ کر کچھ گھبراہٹ محسوس فرمانا، پھر پوری صورت حال کو سن کر ان کے مقدمہ کا فیصلہ کرنا۔ مدعی اور مدعا علیہ کے چلے جانے کے فوراً بعد حضرت داؤد علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرنا، پھر قرآن کریم کا اس مقام پر مقدمے کے عام پہلوؤں کو

نظر انداز کرتے ہوئے صرف اس پہلو کو نمایاں کرنا جس کا تعلق مخلوق کی رشد و ہدایت کے ساتھ ہے۔ یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا عبادت کے لئے ایک دن مخصوص فرما کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے بالکل ہی الگ ہو جانا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آیا اور اس نے مذکورہ واقعہ کے ساتھ آپ علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا۔ پھر جب حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی استغفار قبول فرماتے ہوئے ان کے درجات مزید بلند فرماتے ہوئے نصیحت کی۔ ''اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجا ہے اس لئے تمہارا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نیابت کا پورا پورا حق ادا کرو اور خیال رکھو کہ اس راہ میں عدل و انصاف بنیادی چیز ہے۔ اس لئے تم صراط مستقیم سے ہٹ کر کبھی بھی افراط و تفریط کی راہ کو اختیار نہ کرنا''۔ اس کے علاوہ امام حاکم نے مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ان آیات کی تفسیر یوں نقل کی ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت داؤد علیہ السلام کی اس آزمائش کا ذکر کرتے ہوئے جو قرآن کریم کی سورہ ص میں بیان کی گئی ہے یوں ارشاد فرماتے ہیں۔ ''کہ ایک مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام نے خالق کائنات کے حضور فخریہ انداز میں عرض کیا۔ اے میرے مالک، دن اور رات میں ایک گھڑی بھی ایسی نہیں گزرتی جب داؤد یا آل داؤد میں سے کوئی شخص ایک لمحہ کے لئے بھی تیری پاکی اور تسبیح بیان کرنے میں مشغول نہ رہتا ہو۔ اللہ کریم کو اپنے محبوب پیغمبر کا یہ فخریہ انداز پسند نہ آیا۔ اس نے بذریعہ وحی حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا۔ ''اے داؤد یہ جو کچھ تو نے بیان کیا ہے کہ میں اور میری آل اس عمل میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں یہ سب کچھ صرف میری اجازت اور فضل و کرم کی وجہ سے ہی ہو رہا ہے ورنہ تم اور تمہاری اولاد میں یہ طاقت کہاں کہ اس فعل پر قائم رہ سکو۔ اب جبکہ تم نے یہ دعویٰ کیا ہے تو سنو میں تمہاری آزمائش کروں گا''۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو سن کر عرض کیا اے مالک ارض و سماء اگر تو میری آزمائش کرنا چاہتا ہے تو مجھے پہلے اطلاع دینا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی اس عرض کو شرف قبولیت نہ بخشا اور ان کو اچانک اس آزمائش میں ڈال دیا جس کا ذکر قرآن کریم کی مذکورہ آیات میں فرمایا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (المتوفی 68ھ طائف) کی مذکورہ تفسیر سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام ان دونوں کے مقدمے کا فیصلہ فرما رہے تھے، ان لمحات میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکی بیان کرنے سے محروم رہے۔ ادھر اتفاق ایسا ہوا کہ اولاد داؤد علیہ السلام میں سے کوئی عبادت الٰہی میں مصروف نہ تھا۔ بہر حال سورہ ص کی آیات زیر بحث کی تفسیر میں محققین، علماء مفسرین اور تاریخ نویسوں کے تمام اقوال تحریر کر دیئے ہیں اور سب سے پہلے مفسر قرآن جنہیں ترجمان القرآن بھی کہا جاتا ہے یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر بھی بیان کر دی ہے۔ ان تمام تفاسیر کا یہودیوں کی تحریر شدہ خرافات اور کذب سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

از مستدرک حضرت محدث حاکم رحمۃ اللہ علیہ۔ جلد 2 صفحہ 433

روح المعانی جلد 23 صفحہ 162

میں نے گزشتہ صفحات میں سورہ ص کی آیات 20 تا 26 کا ترجمہ اور محققین و مفسرین کے تمام اقوال اور تفاسیر تحریر کر دی ہیں۔ اس تفسیر میں ان علماء محققین کے ہاں اختلاف موجود ہے اس لئے ہر ایک کی تفسیر الگ الگ بیان کرتے ہوئے خود کوئی فیصلہ نہیں کیا اور نہ ہی میں اس قابل ہوں کہ اتنے جلیل القدر محدثین و مفسرین کے بیان کردہ اقوال و تفسیر کے بارے میں اپنا کوئی فیصلہ یا خیال ظاہر کر سکوں۔ میں نے مذکورہ تفاسیر کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی حتمی رائے قائم کرنا آپ حضرات پر چھوڑتے ہوئے اس واقعہ کو سمیٹ دیا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی خصوصیات

اللہ تعالیٰ نے جس قدر انبیاء علیہم السلام انسانوں کی بھلائی اور رشد و ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے ان سب کو خصوصی شرف و امتیاز بخشا۔ ان جلیل القدر ہستیوں کو لاتعداد انعام و اکرام سے نوازا۔ مگر شرف اور خصوصیت کے اعتبار سے ان کے درمیان فرق مراتب بھی رکھا، یہی فرق مراتب اور امتیازی درجات ان کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ البقرہ آیت 253۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ

ترجمہ: ''یہ رسول! ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی۔''

انبیاء علیہم السلام میں امتیازی شان رکھنے والوں میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی ہیں۔ قرآن مجید نے آپ علیہ السلام کے چند مخصوص خصائص و امتیازات کا ذکر فرمایا ہے۔ یہاں ان خاص خصائص سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ یہ کسی اور دوسرے نبی کی ذات مقدسہ میں موجود نہیں تھے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی نبی کا کوئی خاص وصف گو اس کی ذات سے ہی وابستہ تھا مگر اکثر ایسا ہوا ہے کہ اسی وصف کا ظہور کسی دوسرے نبی کی شخصیت میں بھی جلوہ گر نظر آتا ہے۔ مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور کی تلاوت کرتے تو حیوانات، جمادات اور درخت بھی آپ علیہ السلام کے ہمراہ تسبیح میں مصروف ہو جاتے۔ اس مخصوص وصف کو سامنے رکھیں تو ہمارے آقا و مولا فخر موجودات تاجدار عرب و عجم ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان یہ تھی کہ ابوجہل کے ہاتھوں میں کنکریوں نے کلمہ پڑھا۔ پتھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کے نشان اپنے اوپر لے لیتا۔ ستون حنانہ حضور علیہ السلام کے فراق میں رویا۔ حیوانات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ کے ساتھ کلام کرتے تھے۔ بہر حال حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ کریم نے جو خصائص اور معجزات عطا فرمائے تھے یہاں ان کا مختصراً ذکر کر رہا ہوں۔

معجزات

(1) لوہے کا نرم ہو جانا

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی وقت میں نبوت کی عظیم نعمت کے ساتھ وسیع سلطنت کا حاکم و

مختار بھی بنایا تھا۔آپ علیہ السلام کی عادت شریفہ تھی کہ بیت المال سے ایک کوڑی بھی نہیں لیتے تھے بلکہ محنت سے ہاتھ کی کمائی حاصل کرنے کے بعد اس رزق حلال سے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات کو پورا کرتے تھے۔علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف۔تفسیر عینی۔جلد 7 صفحہ 420 پر یوں تحریر کرتے ہیں۔

''حضرت داؤد علیہ السلام ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا مانگا کرتے تھے کہ اے خالق کائنات ایسی صورت پیدا فرما کہ میرے لئے ہاتھ کی کمائی آسان ہوجائے کیونکہ میں بیت المال پر اپنی ذاتی معاش کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔اصل بات یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ پاک جذبہ ان کی پیغمبرانہ خصوصیات کا آئینہ دار تھا جس کا ذکر قرآن مجید نے تمام اولوالعزم پیغمبروں کی رشد وہدایت کے سلسلہ میں فرمایا ہے۔ہر نبی کا یہی ارشاد تھا کہ ''اے میری امت میں تم سے اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا معاوضہ تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔'' (تفسیر عینی جلد 7 صفحہ 420)

حضرت داؤد علیہ السلام کے اس جذبہ صادق کا ذکر حدیث شریف میں یوں آتا ہے۔سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔''کسی انسان کا بہترین رزق اس کے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے محنت کے بعد روزی کماتے تھے۔''

بخاری کتاب التجارۃ

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے یہ فضیلت ومعجزہ عطا فرمایا کہ لوہا آپ علیہ السلام کے ہاتھ میں آتے ہی موم کی طرح نرم ہوجاتا تھا۔آپ علیہ السلام جب ہتھیار زرہ وغیرہ بناتے تو محنت کے بغیر ہی فولاد کو جس طرح چاہتے موڑ کر کام میں لاتے تھے۔حضرت مجاہد،قتادہ،حاکم اور عکرمہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین فرماتے ہیں کہ:۔

''اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا فرما رکھا تھا کہ وہ لوہے کو گرم کرنے اور کوٹنے پیٹنے کے بغیر ہی بڑی آسانی کے ساتھ موڑ کر تار بنالیا کرتے پھر ان تاروں کو کڑیوں میں تبدیل فرما کر زرہیں اور دوسرا سامان تیار کرلیتے تھے۔اس طرح انہیں قریباً چھ ہزار درہم تک آمدنی ہوجاتی تھی''۔(البدایۃ والنہایۃ جلد 3 صفحہ 352)

حضرت داؤد علیہ السلام کے اس معجزے کا ذکر قرآن کریم کی سورہ سبا اور سورہ انبیاء میں یوں کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔سورۃ سبا آیات 10،11

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ
يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝۱۰
اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِى السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ
اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱

ترجمہ۔ ''اور بے شک ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنا بڑا فضل دیا اے پہاڑ و اس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندو (تم بھی)۔ اس (داؤد علیہ السلام) کے لئے لوہا نرم کر دیا تا کہ وہ بنائے زرہیں کشادہ اور اندازہ سے ان کی کڑیاں جوڑے اور تم جو کچھ کرتے ہو میں اسے دیکھتا ہوں۔''

قرآن کریم سورۃ الانبیاء آیت 80 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ:۔ ''اور ہم نے (داؤد علیہ السلام کو) ایک قسم کا لباس (زرہ) بنانا سکھایا تا کہ تمہیں لڑائی کے وقت اس سے بچاؤ حاصل ہو۔ پس کیا تم شکر گزار بنتے ہو۔''

مذکورہ آیت مبارکہ پڑھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ داؤد علیہ السلام سے پہلے ہی لوگ لوہے کا استعمال جانتے تھے۔ تورات اور تاریخ عالم کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ انسان نے بہت پہلے لوہے کو استعمال میں لانا شروع کر دیا تھا خاص طور پر حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ مبارک سے پہلے لوگ لوہے کو پگھلا کر اس کے سپاٹ چوڑے ٹکڑے بناتے پھر ان ٹکڑوں کو جوڑ کر زرہ تیار کرتے تھے جسے جنگ کے دوران استعمال کیا جاتا۔ لوہے کے ان ٹکڑوں سے تیار کی جانے والی زرہیں بہت زیادہ وزنی ہوتی تھیں جنہیں عام آدمی اٹھا نہیں سکتا تھا اس لئے میدان جنگ میں سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا کہ لوہا آپ کے ہاتھوں میں آتے ہی موم کی طرح نرم ہو جاتا اور آپ نہایت نفیس اور ہلکی زرہیں تیار فرمالیا کرتے۔ آپ علیہ السلام کی تیار شدہ زرہیں اس قدر ہلکی ہوتی تھیں کہ عام آدمی اسے پہن کر میدان جنگ میں نہایت آسانی سے نقل و حرکت کر سکتا تھا۔ وہ زرہیں اس قدر عمدہ انداز سے تیار کی جاتیں اور اس حد تک مضبوط ہوتی تھیں کہ دشمن کے سخت سے سخت وار کو روک کر پہننے والے کو محفوظ رکھتیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے لوہے کی کڑیوں کو جوڑ کر زرہیں بنائیں گویا آپ علیہ السلام ہلکی اور نازک زنجیروں کی مدد سے جو مضبوطی میں لاجواب تھیں زرہیں بنانے کے موجد ہیں۔

روح المعانی جلد 17 صفحہ 71 روایت از حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(2) لحن داؤدی

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس قدر سریلی، پرکشش اور پرسوز آواز عطا فرمائی تھی کہ جب آپ علیہ السلام زبور کی تلاوت فرماتے یا اللہ تعالیٰ کی پاکی اور تسبیح بیان فرماتے تو آپ کی خوش الحانی سن کر صرف انسان ہی نہیں بلکہ چرند، پرند، حجر و شجر غرض ہر ایک پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اسی لئے آپ علیہ السلام کا یہ معجزہ لحن داؤدی کے نام سے ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے لحن داؤدی کے اس معجزہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز سن کر جانور اور پرندے ان کے گرد جمع ہو کر رقص کرنے لگتے اور بعض اسی حالت میں بے ہوش ہو جاتے جبکہ بعض اسی جگہ مر بھی جاتے تھے۔ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایسی ہی روایت منقول ہے۔

البدایہ والنہایہ جلد2 صفحہ 352 ۔353

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایسی بے مثال آواز اور اس میں ایسا لحن عطا فرمایا تھا کہ جب آپ زبور کی تلاوت فرماتے تو ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے رک جاتے اور آپ کے گرد جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں شریک ہو جاتے۔ صرف پرندے ہی نہیں بلکہ جانور اور حد تو یہ کہ جن اور پہاڑ اور شجر تک اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے میں شریک ہو جاتے۔ قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کے اس خاص معجزہ مبارک کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ سبا آیت 10۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ
يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ:۔ ''اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو تابع کر دیا ہے کہ وہ داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں۔ اور ہم میں ہی ایسا کرنے کی قدرت ہے۔ اور بے شک ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو اپنی جانب سے فضیلت بخشی ہے (وہ یہ ہے کہ ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو اور پرندو تم داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ مل کر تسبیح اور پاکی بیان کرو اور ہم نے ان کے واسطے لوہے کو (مثل موم) نرم کر دیا'' (سورۃ سبا آیت 10)

اسی طرح سورہ ص میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ سورۃ ص آیات 18، 19

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾
وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾

ترجمہ:۔ ''بے شک ہم نے داؤد (علیہ السلام) کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا کہ اسکے ساتھ شام اور صبح تسبیح کرتے ہیں اور پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ جمع ہوتے اور سب کے سب مل کر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں۔''

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ مسند شریف میں ارشاد فرماتے ہیں اور عبدالرزاق، معمر، ہمام، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ ایک تو کلام الٰہی یعنی زبور کے اثر دوسرے خود حضرت داؤد علیہ السلام کی بے مثل آواز کی تاثیر سے جو نتائج پیدا ہوتے تھے وہ بعید از قیاس نہیں تھے۔

البدایہ والنہایہ جلد2 صفحہ 353

آسمانی کتاب زبور

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مسند امام احمد میں تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور شریف نازل فرمائی۔ بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے مکمل اساس تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تورات شریف تھی۔ مگر حالات و واقعات کے پیش نظر زمانے کی ضرورت کے مطابق اللہ کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا۔ یہ کتاب توراۃ کے قوانین واصولوں کے اندر رہ کر اسرائیلی گروہ کی رشد وہدایت کے لئے نازل کی گئی۔ آپ علیہ السلام نے وحی الٰہی کے مطابق معرفت کے پیاسوں کو اللہ تعالیٰ کے عرفان سے سیراب کیا۔

لغت عرب میں زبور کے معنی پارے یا ٹکڑے کے ہیں۔ جیسے ہم کہتے ہیں قرآن کریم کا پہلا پارہ دوسرا پارہ وغیرہ یعنی قرآن مجید کا پہلا یا دوسرا ٹکڑا۔ اصل میں یہ کتاب کیونکہ تورات کی تکمیل کے لئے نازل ہوئی تھی اس لئے زبور نام رکھا گیا یعنی تورات کا ایک حصہ یا ٹکڑا۔ زبور شریف ایسے قصائد اور کلمات کا مجموعہ تھی جس میں اللہ کریم کی حمد وثناء اور انسانی عبدیت و عجز وانکساری کے اعتراف میں نصائح اور بصیرت وحکم کے مضامین تھے۔ زبور کا کلام اصل میں مواعظ واحکام پر مشتمل تھا لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اسرائیلیوں نے اکثر مقامات پر تحریف کر دی ہے۔ چنانچہ اب زبور اپنی اصل حالت میں دنیا میں موجود نہیں۔ زبور شریف حضرت داؤد علیہ السلام پر رمضان المبارک میں نازل ہوئی تھی۔ امام بخاری نے صحیح بخاری شریف کتاب الانبیاء میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ آپ علیہ السلام جب گھوڑے پر زین کسنا شروع کرتے تو زبور کی تلاوت شروع فرما دیتے۔ پھر جب زین کو گھوڑے پر کس لینے کے بعد فارغ ہوتے تو زبور کی تلاوت پوری کر لیا کرتے تھے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کے کرشمے تھے، جن کا ظہور انبیاء علیہم السلام اور بعض اوقات اولیاء عظام کے ذریعے ہوتا رہتا تھا، ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد 2 صفحہ 355)

عبادت حضرت داؤد علیہ السلام

عبادت الٰہی میں کثرت فرمانا حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت پسند تھا۔ آپ علیہ السلام جس انداز سے عبادت فرمایا کرتے تھے وہ آپ علیہ السلام کا خاص وصف تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام آدھی رات تک سوتے اور پھر رات کا بقایا حصہ عبادت الٰہی میں گزارا کرتے۔ آپ علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑ کر پھر روزہ رکھتے۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب داؤد علیہ السلام صبح وشام عبادت الٰہی میں مشغول ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہاڑ اور چرند پرند بھی آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و پاکی میں شامل ہو جاتے تھے۔

صحیح بخاری ومسلم میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد گرامی مذکور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

نے فرمایا کہ "میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرنا پسند کرتا ہوں جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کیا کرتے تھے۔ اسی طرح روزہ بھی مجھے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے کی طرح پسند ہے۔"

حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیث منقول ہے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "حضرت داؤد علیہ السلام بڑے عبادت گزار تھے۔ وہ نماز کے دوران زبور کی تلاوت ستر (70) طریقوں سے ٹھہر ٹھہر کر نہایت ہی خوش الحانی سے کیا کرتے تھے۔ دورانِ تلاوت ان پر گریہ طاری رہتا تھا اور اس طرح وہ قریباً ساری رات عبادتِ الٰہی میں گزار دیتے تھے"۔

صحیح بخاری و مسلم

البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 356، 357

حضرت داؤد علیہ السلام کا وصال

یہاں ہم حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر مبارکہ اور وصال کا ذکر احادیث شریف اور محدثین کے اقوال کے مطابق تحریر کر رہے ہیں۔ مستدرک میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے عالم بالا میں حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت کو نکال کر ان کے سامنے پیش فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ایک خوبصورت چمکتی ہوئی پیشانی والی شخصیت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔

یا الٰہی یہ خوبصورت چمکتی پیشانی والا کون شخص ہے؟

جواب ملا۔ اے آدم (علیہ السلام) یہ تمہاری ذریت میں بہت بعد میں آنے والی ہستی داؤد (علیہ السلام) ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پھر عرض کیا اس کی کل عمر کتنی ہوگی؟

جواب ملا۔ اس شخصیت کی کل عمر ساٹھ (60) سال ہوگی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پھر عرض کیا یا رب العالمین اس کی عمر میں اضافہ فرما دے؟

خالق کائنات نے ارشاد فرمایا اس کی واحد ایک ہی صورت ہے کہ تمہاری ایک ہزار چالیس سال کی عمر میں سے چالیس سال اسے دے کر اس کی عمر بڑھا دی جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا یا الٰہی مجھے منظور ہے تو اس کی چالیس (40) سال عمر بڑھا دے۔ اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کو چالیس سال مزید عطا فرما دئے۔

پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کے وصال کا وقت آیا اور ملک الموت نے روح قبض کرنے کی اجازت طلب فرمائی تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا میری عمر کے تو ابھی چالیس سال مزید باقی ہیں۔ اس پر ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا "یا حضرت آپ علیہ السلام کے ذہن مبارک سے یہ بات نکل گئی ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنی عمر کے بقیہ چالیس سال اپنے بیٹے حضرت داؤد علیہ السلام کو ہبہ فرما دیئے ہیں۔" اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام

کی ساٹھ سالہ عمر مبارکہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے بقایا چالیس سال شامل کردیئے گئے تھے اور یوں ان کی عمر سو(100) سال ہوگئی تھی"۔

مستدرک میں محدث حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہی روایت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے نقل کی ہے۔ جبکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن خزیمہ اور ابن حبان کے حوالے سے بیان کی ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ستر (70) برس حکومت کی اور سو(100) سال کی عمر مبارکہ میں وصال پایا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا سو سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ وہ سبت کا دن تھا۔ آپ علیہ السلام حسب معمول عبادت الٰہی میں مشغول تھے اور پرندوں کی ٹکڑیاں یا جھنڈ آپ علیہ السلام پر سایہ فگن تھے کہ اچانک اسی حالت میں حضرت داؤد علیہ السلام کا وصال ہوگیا۔

امام ابن عساکر اپنی سند صحیح پیش کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی عبادت گاہ سے باہر تشریف لا رہے تھے کہ ملک الموت حاضر خدمت ہوا۔ آپ علیہ السلام نے ملک الموت کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ میں کھڑا رہوں یا بیٹھ جاؤں۔ یہ حکم سن کر ملک الموت نے عرض کیا یا نبی اللہ مجھے صدیوں کے آثار واوزان پر مشتمل حساب دینا ہوتا ہے۔ ملک الموت کا یہ جواب سن کر داؤد علیہ السلام جس چٹائی پر کھڑے تھے اسی پر بیٹھ کر سجدے میں چلے گئے اور یوں ان کی روح مبارکہ قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

اسحاق بن بشر کہتے ہیں کہ ان کو وافر بن سلیمان نے ابی سلیمان فلسطینی اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بتایا گیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے روز ان کے جنازے میں اور لوگوں کے علاوہ صرف راہبوں کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی۔ جو سب کے سب تیز دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے اور شدید گرمی کا موسم تھا۔ موسم کی یہ کیفیت دیکھتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جن کو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی بادشاہی بھی عطا فرما رکھی تھی، پرندوں کو حکم دیا کہ وہ جنازے میں شریک حاضرین پر اپنے پروں سے سایہ کردیں۔ جب پرندوں نے حسب حکم اطراف سے حاضرین پر پروں کا سایہ کیا تو وہاں سے ہوا کا گزر بھی مشکل ہوگیا، خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں لوگوں کا دم ہی نہ گھٹ جائے۔ یہ دیکھتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ ایک دوسرے سے اس قدر ہٹ کر سایہ کریں کہ ہوا کا گزر ہوسکے۔ پرندوں نے حکم کی تعمیل کی اس طرح ہوا کے آنے سے لوگوں کی جان میں جان آئی۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا شدہ معجزے کے اظہار کا پہلا موقع تھا۔ (حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ 1012 تا 972 قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے)۔

البدایۃ والنہایۃ جلد 2 صفحہ 360، 361، 362
مستدرک امام حاکم جلد 2 کتاب التاریخ
فیض الباری جلد 2 کتاب الانبیاء
مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ
صحیح ترمذی شریف

داؤد علیہ السلام کا مزار شریف

حضرت داؤد علیہ السلام نے سو سال کی عمر مبارکہ میں وصال پایا جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ آپ علیہ السلام کا مزار پر انوار شہر ''صیہون'' میں ہے۔ جہاں آپ علیہ السلام کے والد اور دادا کے بھی مزارات ہیں۔

از سلاطین۔ باب۔ 2۔ صفحہ 11 تورات

حضرت سلیمان علیہ السلام (986-932 قبل مسیح)

حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی تھے۔ اپنے والد گرامی حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت اور وسیع حکومت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث تھے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ (سورۃ النمل آیات 15، 16) ''اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو بڑا علم عطا فرمایا اور دونوں نے کہا سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت بخشی۔ ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو داؤد (علیہ السلام) کا وارث بنایا۔ ہم نے اسے پرندوں کی منطق دی اور بہت سی چیزوں پر اسے اختیار عطا فرمایا۔ اس پر یہ ہمارا ظاہر فضل تھا۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت عین حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نہایت ہی صائب رائے تھے جو آپ کی خاص شان تھی۔ معالم میں محمد ابن کعب قرطبی سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو عظیم الشان لشکر عطا فرمایا تھا جب آپ علیہ السلام کا لشکر چلتا تو سو فرسخ زمین گھیرتا تھا۔ پچاس فرسخ میں جن اور انسان ہوتے جبکہ پچاس میں حیوان و دیگر مخلوق ہوتی تھی۔ آپ علیہ السلام کا تخت اس قدر بڑا تھا کہ سارا لشکر اس پر سوار ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو آپ کے تابع کر دیا تھا تخت ہوا پر چل کر آن کی آن میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تمام جانوروں کی بولیاں سمجھنے کا علم عطا فرمایا۔ جنات آپ کے تابع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بچپن سے ہی کمال ذکاوت اور اصابت رائے عطا فرما دی تھی۔ بچپن میں والد گرامی کے ہمراہ مقدمات کے فیصلوں کے دوران عدالت میں موجود رہتے اور والد گرامی کو قیمتی مشوروں سے اُن کی مدد کیا کرتے یہی وجہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ہونہار بیٹے

میں اس جوہر کامل کو دیکھتے ہوئے انہیں امور حکومت میں شریک کار بنا لیا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام خصوصی مقدمات میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے ضرور مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں، جانوروں اور حشرات الارض کی گفتگو سمجھتے اور دوسروں کو سمجھاتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت سلیمان علیہ السلام میں فیضان نبوت کے ساتھ ساتھ اسرائیلی حکومت کو نہایت کامیابی سے چلانے کی قدرت کاملہ موجود تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی تمام خصوصیات اور کمال عطا فرما کر بعض ایسی نعمتیں بھی بخشیں جو آپ علیہ السلام کی زندگی مبارکہ کا امتیازی نشان تھیں۔

شجرہ نسب

حافظ ابن عساکر تحریر کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا پورا اسم گرامی سلیمان بن داؤد تھا۔ اور شجرہ نسب یوں ہے۔ سلیمان علیہ السلام بن داؤد علیہ السلام بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نخشون بن (عونیا) عمیناذاب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہودا بن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام۔

قرآن مجید اور ذکر حضرت سلیمٰن علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس برگزیدہ نبی کا قرآن کریم میں 17 مختلف جگہوں پر ذکر فرمایا ہے۔ بعض جگہوں پر آپ علیہ السلام کا تفصیلی ذکر فرمایا گیا جبکہ کچھ جگہوں پر مختصر ذکر فرمایا ہے اور ان انعامات اور فضل وکرم کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اللہ کریم نے آپ علیہ السلام کو عطا فرمائے۔ قرآن مجید کی جن سورتوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا تفصیلی یا مختصراً ذکر آیا ہے ان کی تفصیل درجہ ذیل ہے۔

نام سورہ مبارکہ		آیات	ذکر مبارک کی تعداد
(1)	بقرہ	102	2
(2)	نساء	163	1
(3)	انعام	84	1
(4)	انبیاء	81،79،78	3
(5)	نمل	44،36،30،18،17،16،15	7
(6)	سباء	12	1
(7)	ص	34،30	2

حضرت سلیمان اور وراثت داؤد علیہم السلام

اصحاب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے وصال کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام پختہ

عمر کو پہنچ چکے تھے۔ والد بزرگوار کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت اور حکومت دونوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کا جانشین بنایا۔ اللہ کریم نے اس وراثت کا قرآن کریم میں یوں ذکر فرمایا ہے۔ ''وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ۔'' (سورہ نمل آیت 16)

ترجمہ: ''اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو داؤد (علیہ السلام) کا وارث بنایا۔''

حافظ علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور زمانہ تفسیر ابن کثیر میں اس مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں وراثت سے مراد دنیاوی مال و زر یا جائیداد نہیں بلکہ نبوت و حکمت اور سلطنت ہے۔ کیونکہ اگر مالی وراثت مراد ہوتو حضرت داؤد علیہ السلام کی اور بہت سی اولاد بھی تھی پھر ان کا ذکر بھی لازمی کیا جاتا کیونکہ عام مسلمان مرد کی اولاد اس کے بعد مالی وراثت کی حق دار ہوتی ہے۔ اسی سلسلے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو صحاح ستہ یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابی داؤد میں متعدد جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے منقول ہے۔

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ہم انبیاء کی جماعت میں مالی وراثت نہیں چلتی۔ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہو جاتا ہے۔'' (الحدیث)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن المبارک نے عن یونس عن زہری عن عروہ عن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ''

ترجمہ: ''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوگا اور ہمارا ترکہ صدقہ ہے''

بخاری شریف۔ کتاب الفرائض

اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات کھل کر عیاں ہو جاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے جو انکی اولاد کو بطور وراثت نہیں ملتا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا فرض منصبی تبلیغ دین ہوتا ہے اس لئے وہ دنیا کے فانی مال و دولت سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ دنیا کے فانی مال کو جمع نہیں کرتے اور نہ ہی اسے ترکہ میں چھوڑتے ہیں۔

البدایۃ والنہایۃ جلد 2 صفحہ 362

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح جو معجزات عطا فرمائے تھے یہاں ہم ان کا مختصراً ذکر تحریر کر رہے ہیں

معجزاتِ حضرت سلیمان علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ وہ دونوں،

جانوروں یعنی چرند و پرند کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔ تمام چرند پرندان بزرگ ہستیوں کے ساتھ اس طرح ہم کلام ہوتے تھے جیسے گویا زبان رکھنے والا انسان۔ یعنی دونوں چرند پرند کے ساتھ ان کی زبانوں کو سمجھتے ہوئے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ معجزہ منطق الطیر کہلاتا ہے۔

چرند پرند کی بولیاں سمجھ لینا

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام تمام چرند پرند کی بولیاں سمجھ لیتے اور ان سے ہم کلام ہوتے۔ آپ علیہ السلام کے اس معجزہ مبارک کو قرآن مجید یوں بیان فرماتا ہے۔ سورۃ النمل آیات 15،16

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ ھٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

ترجمہ۔ ”اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان (علیہم السلام) کو علم عطا فرمایا۔ اور ان دونوں نے کہا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے جس نے اپنے بہت سے مومن بندوں پر ہمیں فضیلت عطا فرمائی اور سلیمان (علیہ السلام) داؤد (علیہ السلام) کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا۔ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیوں کا علم دیا گیا ہے اور ہمیں ہر چیز عطا کی گئی ہے۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا کھلا فضل ہے“۔ (سورۃ النمل آیات 15 تا 16)

قرآن کریم کی مذکورہ آیات میں اللہ کریم نے ایک بات کھول کر بیان فرما دی ہے کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولیوں کا علم عطا فرمایا ہے۔ اس سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ آپ علیہ السلام صرف قیاس سے ہی پرندوں اور دوسرے جانوروں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے بلکہ علم کا معنی ہے براہ راست بولیاں سمجھ لینا۔ علم قیاس تو اکثر لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً پالتو جانور کتا، گھوڑا، بکرا، طوطا وغیرہ جن لوگوں نے پالے ہوتے ہیں وہ اپنے مالک کو دیکھ کر بھوک، پیاس اور خوشی و مسرت کا جس طرح اظہار کرتے ہیں مالک عرصہ تک ان کی یہ حرکات و سکنات دیکھتے رہنے سے سمجھ جاتا ہے کہ جانور کو کس چیز کی ضرورت ہے۔ اگر سلیمان علیہ السلام کو بھی صرف یہ قیاسی طاقت ہی بخشی ہوتی تو وحدہٗ لاشریک لفظ قیاس استعمال فرماتا جبکہ اس نے لفظ علم ارشاد فرمایا ہے۔ اس نص قطعی سے ثابت ہو گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام چرند و پرند کا مکمل علم رکھتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں آپ علیہ السلام کے اس معجزہ مبارک کو اس قدر اہم پیرایہ میں بیان نہ فرماتا۔ پھر جانوروں کی بولیاں سمجھنے کے سلسلے میں قرآن کریم نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کے درمیان ہونے والی جو گفتگو بیان فرمائی ہے وہ میری مذکورہ تشریح کی تائید میں

سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کے بعد کسی قسم کی تشریح یا تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

پرندوں کی بولیاں سمجھ لینے کے سلسلے میں یہاں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بیان کردہ واقعہ تحریر کر رہا ہوں جسے انہوں نے بہت سے قوی حوالوں سے تحریر کیا۔

چڑے اور چڑیا کی گفتگو

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دمشق کے قریب درختوں کے جھنڈ کے پاس سے گزر رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک درخت پر نر اور مادہ چڑیوں کا جوڑا بیٹھا گفتگو کر رہا ہے۔ آپ علیہ السلام نے ان دونوں کی گفتگو سن کر ساتھیوں سے فرمایا تم جانتے ہو یہ چڑیوں کا جوڑا کیا گفتگو کر رہا ہے؟ ساتھیوں نے جواب دیا یا حضرت ہم نہیں جانتے۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ نر مادہ سے کہہ رہا ہے اگر تو میری بیوی بن جائے تو میں تجھے رہنے کے لئے غرف دمشق میں جو صخرہ میں ہے ایک گھونسلہ بنادوں گا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ صخرہ میں گھونسلے کی کوئی جگہ نہیں ہے اور اکثر مدعی اسی طرح کاذب ہوتے ہیں۔ (از البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 363)

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سباء

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سباء کا واقعہ قرآن مجید نے بڑے دلکش انداز میں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس واقعہ میں ہد ہد جانور کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ جانور پرندوں میں بڑا ہوشیار اور دانش مند خیال کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ اپنے نتائج اور بصائر کے اعتبار سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

اصحاب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو عظمت اور شان و شوکت عطا فرمائی تھی اسکی ایک مثال آپ علیہ السلام کا عظیم الشان اور بے مثل بے نظیر دربار تھا۔ اس دربار میں انسانوں کے علاوہ جن، حیوانات اور حشرات الارض دست بستہ صف در صف نہایت باادب حسب مراتب حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جس تخت شاہی پر جلوہ فرما ہوتے وہ نہایت قیمتی جواہرات سے مزین تھا۔ وہ تخت اپنی چھت کے لحاظ سے بے مثال تھا کیونکہ چھت میں لٹکنے والے ستارے اصل نظر آتے تھے۔ ایک روز حسب دستور دربار پوری شان و شوکت کے ساتھ منعقد تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام تشریف لائے اور تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے دربار کا جائزہ لیا تو پرندوں میں سے ہد ہد کو غائب پایا۔ درباریوں سے ارشاد فرمایا میں اس وقت ہد ہد کو غیر حاضر پاتا ہوں۔ اگر اس کی غیر حاضری کسی مجبوری کے تحت ہے تو اسے معاف کر دوں گا اور اگر لاپرواہی یا سستی کی وجہ سے وہ غیر حاضر ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا یا ذبح کر ڈالوں گا۔ آپ علیہ السلام کے اس ارشاد مبارک کے چند لمحوں بعد ہی ہد ہد دربار میں حاضر ہو گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے غیر حاضری کی وجہ

دریافت کی تو وہ عرض کرنے لگا یا نبی اللہ میں ایک ایسی خبر لے کر آیا ہوں جس کے متعلق پہلے آپ علیہ السلام نہیں جانتے۔ وہ خبر یہ ہے کہ یمن کے علاقے میں ایک عظیم الشان سلطنت ہے اپنی خوبیوں کے اعتبار سے اس سلطنت کی ملکہ اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اس عظیم سلطنت کا نام سباء ہے۔ مگر بدقسمتی سے ملکہ سباء اور اس کی قوم اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنے کی بجائے سورج کو اپنا رب مانتے ہوئے اس کی پوجا کرتی ہے۔ ملکہ سباء جس تخت پر بیٹھ کر حکومت کرتی ہے وہ قابل دید ہے۔ ملکہ سبا جس کا نام بلقیس بتایا جاتا ہے اس کے کروفر کا حال سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُد ہُد سے ارشاد فرمایا تیری اس خبر کی تصدیق کے لئے میں اس ملکہ کے نام ایک خط لکھ رہا ہوں جسے تم ہی ملکہ تک پہنچاؤ گے اور اس کا جواب لے کر میری خدمت میں واپس آؤ یہ تمہارا امتحان ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے ملکہ سباء کے نام خط تحریر فرمایا۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر سورۃ النمل آیات 28، 29، 30 اور 31 میں فرمایا گیا ہے:۔

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ:۔ ''میرا یہ فرمان لے جا کر اُن پر ڈال پھر اُن سے الگ ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ وہ عورت بولی اے سردارو بے شک میری طرف ایک عزت والا خط ڈالا گیا بے شک وہ سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے اور بے شک وہ اللہ کے نام سے ہے جو نہایت مہربان رحم والا۔ یہ کہ مجھ پر بلندی نہ چاہو اور گردن رکھتے میرے حضور حاضر ہو۔'' (سورۃ النمل آیات 28 تا 31)

ہُد ہُد حضرت سلیمان کے فرمان مبارک کے مطابق وہ خط لے کر یمن میں ملکہ سباء کے دربار میں پہنچا اور خط مبارک ملکہ کی گود میں گرا دیا۔ ملکہ نے پرندے کے ذریعے آنے والا خط دیکھ کر تعجب کیا۔ خط کو کھول کر پڑھا اور پھر اپنے درباریوں کو مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ ''میرے پاس یہ پرندہ ایک نہایت ہی معزز شخصیت کی جانب سے خط لے کر آیا ہے۔ جس کی عبارت یہ ہے۔'' پھر ملکہ نے پوری عبارت پڑھ کر درباریوں کو سنائی۔

ملکہ سباء کا اہل دربار سے مشورہ

ملکہ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط مبارک پڑھ کر اہل دربار کو سنایا اور پھر ان سے یوں خطاب کیا۔ اے میرے ارکان سلطنت آپ لوگ میرے دست و بازو ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں سلطنت کے سلسلے میں کوئی قدم بھی آپ لوگوں کے مشورہ کے بغیر نہیں اٹھاتی۔ اس لئے مجھے مشورہ دیں کہ اب میں کیا کروں؟ اہل دربار نے یک زبان کہا اے ملکہ محترمہ آپ کو کسی سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم طاقت اور دولت کے میدان میں

نہایت قوی اور مضبوط ہیں۔اب جہاں تک مشورے کا تعلق ہے فیصلہ آپ ہی کریں ہم لوگ اس پر عمل کرنے کے لئے آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔

ملکہ سباء کا فیصلہ

اہل دربار کی گفتگو سن کر ملکہ سبا نے ان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا ''اے میرے رفیقو اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم صاحب شوکت اور طاقت ور ہیں۔مگر سلیمان (علیہ السلام) کے معاملہ میں ہمیں کوئی فیصلہ کرتے ہوئے عجلت نہیں کرنی چاہیئے بلکہ نہایت سوچ بچار اور عقل و دانش سے کوئی قدم اٹھانا چاہیئے کیونکہ سلیمان (علیہ السلام) کا یہ خط جس عجیب طریقے سے ایک پرندے کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے یہ اپنی نوعیت کا پہلا ہی واقعہ ہے۔خط لکھنے والا اگر پرندوں پر بھی حکمرانی کرتا ہے تو پہلے ہمیں اس کی طاقت اور شان وشوکت کا معلوم کرنا چاہیے جو مجھے ہماری نسبت بہت زیادہ لگتی ہے۔احتیاطی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے میرا خیال یہ ہے کہ چند قاصدوں کو عمدہ اور بیش بہا تحائف دے کر سلیمان (علیہ السلام) کے پاس روانہ کروں۔اس طرح ہمارے قاصدان کی طاقت اور شان وشوکت کا اندازہ لگا سکیں گے۔اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ سلیمان (علیہ السلام) ہم سے کیا چاہتے ہیں۔اگر وہ حقیقت میں ہم سے زیادہ طاقت ور اور صاحب فضل و کمال ہیں تو ان کے ساتھ جنگ کرنا بے معنی اور فضول ہے۔کیونکہ طاقت ور لوگوں کا فی زمانہ دستور ہے کہ وہ کسی بستی پر غلبہ پا لینے کے بعد اس شہر و بستی کو برباد کر دیتے ہیں اور با عزت شہریوں کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں۔اس لئے میرے خیال میں ایسی تباہی و بربادی مول لینا کوئی دانشمندانہ بات نہیں ہے''۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ کے قاصد

ملکہ سباء کے قاصد شب و روز سفر کرتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ملکہ سباء بلقیس کی طرف سے بھیجے ہوئے عمدہ اور بیش بہا تحائف آپ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کئے۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے قاصدوں سے فرمایا تمہاری ملکہ نے میرے پیغام کا غلط مطلب سمجھا ہے۔کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں ان تحائف کو دیکھ کر جو تمہارے نزدیک بڑے عمدہ اور بیش بہا ہیں اپنے مقصد سے ہٹ جاؤں گا یا تمہاری ملکہ کے اس عمل سے خوش ہو جاؤں گا جبکہ تم نے دیکھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس رفعت، عظمت، شان وشوکت اور دولت سے نواز رکھا ہے اس کے مقابلے میں تمہارے یہ تحائف کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتے۔اب تم لوگ واپس جاؤ اور یہ تحائف اپنی ملکہ کو واپس کرتے ہوئے اس سے کہنا کہ اگر اس نے میرے پیغام کی تعمیل نہ کی تو میں عنقریب ایسے عظیم الشان لشکر کے ساتھ سلطنت سباء پر حملہ آور ہوں گا جس کے مقابلے کی لوگوں میں طاقت نہیں ہوگی اور یوں میں تمہاری سلطنت پر قبضہ کرنے کے بعد تمہیں شہر بدر کر دوں گا اور یہ تمہاری نافرمانی کا ثمر ہوگا۔قاصد حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار سے رخصت ہو کر واپس ملکہ سباء بلقیس کے پاس حاضر ہوئے اور اسے آپ علیہ السلام کی شان وشوکت اور طاقت کا

آنکھوں دیکھا حال سنا کر کہا" اے ملکہ سباء حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی رفعت اور شان و شوکت کا یہ حال ہے کہ انسان تو انسان جن، چرند، پرند یہاں تک کہ حشرات الارض بھی ان کی خدمت میں ہاتھ باندھے ادب سے فرمانبرداری کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔"

ملکہ سبا کی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف روانگی

ملکہ سباء بلقیس نے جب قاصدوں کی زبانی حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں مکمل حالات جان لئے تو اس نے پکا فیصلہ کرلیا کہ باوجود اچھی خاصی طاقت اور ثروت رکھتے ہوئے بھی اس عظیم الشان رفعت، شان و شوکت اور طاقت والی شخصیت کے ساتھ جنگ کرنا نہایت ہی بے وقوفی ہے جسکی وسیع سلطنت کا یہ حال ہے کہ میری حکومت اس کے ایک کونے میں سما جائے گی۔ پھر میں تو صرف انسانوں کی حکمران ہوں جبکہ ان کی حکومت میں جن، انسان، چرند، پرند یہاں تک کہ حشرات الارض بھی شامل ہیں جو کہ ہر وقت صف بستہ خدمت کے لئے تیار رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ جنگ کرنا تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ سوچ کر ملکہ سباء نے فیصلہ کرلیا کہ میں سلیمان (علیہ السلام) کی دعوت کو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر لبیک کہوں گی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سباء کو جو خط مبارک ارسال فرمایا تھا اس میں یہ جملہ بھی تحریر کیا تھا کہ تم اللہ کی فرمانبردار (مسلم) بن جاؤ۔ ملکہ سباء کیونکہ سورج پرست تھی اس لئے مذکورہ جملے کا معنی نہ سمجھ سکی اس نے لفظ مسلم کو دین سلیمان علیہ السلام سے ناواقفیت کی بنا پر لغوی معنی پر محمول کرتے ہوئے سمجھ لیا کہ اس سے مراد عام ظالم اور قاہر بادشاہوں کی طرح سلیمان (علیہ السلام) کا مطلب و مقصد بھی یہی ہے کہ میں ان کی طاقت اور شان و شوکت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی فرمانبرداری اختیار کروں اور اپنی حکومت کو ان کے زیر اثر مان کر باجگزاری تسلیم کرلوں۔ ملکہ سباء نے یہ سب کچھ سوچ کر چند خاص مقربین ہمراہ لئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کے لئے روانہ ہو پڑی۔ ملکہ سباء بلقیس ابھی راستے میں ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضرت سلیمان علیہ السلام کو باخبر فرما دیا کہ بلقیس تمہاری خدمت میں حاضری کے لئے آرہی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ بلقیس ملکہ سباء ان کے پاس حاضری کے لئے آرہی ہے تو آپ علیہ السلام نے ملکہ سباء کے اس تخت کو اپنے دربار میں منگوانے کا ارادہ فرمالیا جسکی تعریف میں ہدہد نے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے تھے۔ ایسا کرنے سے آپ علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اس بے دین ملکہ کو یہ احساس دلایا جائے کہ میں اللہ کا برحق نبی ہوں۔ مجھے قدرت نے لامحدود طاقت و ثروت عطا فرما رکھی ہے۔ اس لئے تیرے واسطے بہتر یہی ہوگا کہ تم میری دعوت حق پر لبیک کہتی ہوئی اسلام قبول کرلو، اس طرح دین و دنیا کی فلاح پا سکوگی۔ گویا اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام اپنا منصب تبلیغ پورا فرمانا چاہتے تھے۔ اس خیال کے آتے ہی آپ علیہ السلام نے اہل دربار سے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ ملکہ سباء کے یہاں آنے سے پہلے ہی اس کا تخت شاہی میرے دربار میں موجود ہو۔ تم

میں سے کون ایسا ہے کہ تخت نہایت ہی قلیل وقت میں یہاں لا کر حاضر کر دے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ حکم سن کر دربار میں موجود جنّوں کا سردار کھڑا ہوا اور عرض کیا یا نبی اللہ میں دربار برخاست ہونے سے پہلے وہ تخت یہاں لا سکتا ہوں۔ پھر تخت پر موجود ہر چیز اسی حالت میں یہاں لاؤں گا، اس میں کسی قسم کی کوئی خیانت نہیں ہوگی۔ یاد رہے ملکہ سباء کا تخت نہایت ہی قیمتی جواہر اور دیگر بیش بہا سامان سے بنایا گیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جن کا یہ دعویٰ سن کر ارشاد فرمایا کہ مجھے اس سے بھی کم وقت میں تخت یہاں چاہیئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا فرمان اور جن کا یہ دعویٰ جسے آپ نے مسترد فرمایا تھا سن کر آپ علیہ السلام کے مقرب ترین وزیر آصف برخیا رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھ کر عرض کیا یا حضرت میں ملکہ سباء کا تخت نہایت ہی قلیل وقت میں یہاں لا سکتا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کتنی دیر میں؟ عرض کیا آپ علیہ السلام اپنی مبارک آنکھیں بند فرما کر کھولیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایسا ہی کیا جب پلک جھپکنے کے بعد آنکھیں کھولیں تو تخت بلقیس سامنے موجود تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ”یہ میرے پروردگار کا خاص فضل و کرم ہے۔ وہ مجھ کو آزماتا ہے کہ میں اس کا شکر گزار بنتا ہوں یا نہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ جو شخص اس کا شکر ادا کرتا ہے وہ اصل میں اپنی ذات کو ہی نفع پہنچاتا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نافرمانی سے بے پروا اور بزرگ و برتر ہے اور اس کا وبال خود نافرمانی کرنے والے پر ہی پڑتا ہے۔“

تخت بلقیس کو آن کی آن میں حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر کر دینا اصل میں آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت تھی۔ آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ کو کتاب الٰہی کا قلیل علم حاصل تھا جس کی برکت سے تخت بلقیس اس قدر قلیل مدت میں حاضر ہو گیا اور صاحب کتاب کی طاقت و علم کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مذکورہ دعا فرمائی کہ یہ سب کچھ تو میرے اللہ کا فضل ہے۔ ظاہری اسباب جس طرح چاہے پیدا فرما دے۔ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے کہ ان سے ایسی کرامت صادر ہونے لگی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور کلبی ارشاد فرماتے ہیں کہ آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ کریم نے اسم اعظم کا علم عطا فرما رکھا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضور وہ سجدے میں گر پڑے اور اسم اعظم پڑھ کر دعا کی تو بلقیس کا تخت فوراً دربار سلیمان علیہ السلام میں حاضر ہو گیا۔ آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ نے جو اسم اعظم پڑھا ”یَا حَیُّ یَا قَیُّوم“ تھا۔ (واللہ اعلم)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم فرمایا کہ بلقیس کے تخت کی ظاہری ہیئت میں کچھ تبدیلی کر دی جائے کیونکہ میں دیکھنا چاہتا ہوں یہ عورت کتنی عقل مند ہے۔ آیا اپنے تخت کی تبدیل شدہ شکل دیکھ کر اسے پہچان سکتی ہے یا نہیں۔ جنّات نے حسب حکم ملکہ سباء (بلقیس) کے تخت میں ظاہری تبدیلی کر دی۔ انہوں نے اسفل کو اعلیٰ اور اول و آخر قیمتی پتھر لگا کر تبدیل کر دیا۔ اسی طرح سبز کی جگہ سرخ اور سرخ کی جگہ سبز پتھر جڑ دیئے۔ تخت میں جب تبدیلی ہو چکی تو اسے اٹھا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کے پہلو میں رکھ دیا۔

ملکہ سباء کی دربار حضرت سلیمان علیہ السلام میں آمد

ملکہ سبا شب وروز سفر طے کرتی ہوئی حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اس سے پوچھا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ ملکہ سباء آخر ایک سلطنت کی حکمران تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کا فرمان سن کر کہنے لگی ایسا لگتا ہے گویا وہی تخت ہے۔ عقل مند ملکہ نے یہ نہ کہا کہ میرا ہی تخت ہے کیونکہ اس کے ذہن میں تھا کہ شاید یہ کوئی دوسرا تخت ہی ہو۔ ایسا اس لئے کہا کیونکہ تخت سباء کی ظاہری ہئیت تبدیل تھی۔ اس لئے یقین کے ساتھ کہنا کہ یہ میرا ہی ہے خلاف عقل تھا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس عورت (ملکہ سباء) کا یہ حکیمانہ جواب تھا کہ نہ تو اقرار ہی کیا اور نہ ہی انکار بلکہ دونوں کے درمیان جواب دیا۔ ملکہ سباء بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا میں آپ کی حکمت، شان وشوکت اور طاقت کو اچھی طرح جان چکی ہوں اسی لئے دور دراز کا سفر کرنے کے بعد آپکی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں تا کہ آپکی مطیع اور فرمانبردار بن سکوں۔ پھر میرے تخت کا اس قدر دور دراز کے علاقے سے یہاں آجانا اس کی ظاہری شکل کا تبدیل ہونا تو آپ علیہ السلام کی لاثانی طاقت کا مظاہرہ ہے۔ ہم سب آپ (علیہ السلام) کی فرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں۔

ملکہ سباء (بلقیس) کی زندگی شرک میں گزری تھی اس لئے وہ اس قدر واقعات دیکھنے کے بعد بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس جملہ مبارک ''وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ'' (ترجمہ: اور گردن رکھتے میرے حضور حاضر ہو) (سورۃ النمل آیت 31) کا اصل مطلب نہ سمجھ سکی اور کہنے لگی۔ ''كُنَّا مُسْلِمِينَ'' (ہم فرمانبردار ہوئے) (سورۃ النمل آیت 42)۔ اس کے خیال میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی فرمانبرداری اور طاقت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کا باجگزار ہونا اصل بات تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی یہ عقلی کیفیت دیکھتے ہوئے ایک دوسرا مزید نہایت لطیف طریقہ اختیار فرمایا کہ شاید اس طرح وہ میرے جملے کی حقیقت کو سمجھ سکے۔ آپ علیہ السلام نے ملکہ کو نہایت عزت واحترام سے مہمان خانے میں بھیج دیا اور جنوں سے ارشاد فرمایا ایک عالی شان شیش محل تیار کریں، جس کے فرش میں آبگینوں کی چمک ہو محل اپنی شان وشوکت اور رفعت وعظمت میں لاثانی ہو۔ اس محل میں داخلے کے لئے جو صحن استعمال ہو اس میں بہت بڑا حوض جو پانی سے بھرا ہو، تیار کیا جائے۔ پانی کے اوپر نہایت ہی شفاف بلور آبگینوں کو جوڑ کر فرش لگایا جائے، جسے دیکھ کر اندازہ ہو کہ صاف وشفاف پانی بہہ رہا ہے۔ جنات نے فوراً حسب حکم ایسا ہی محل تیار کر دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سباء سے فرمایا کہ تم شاہی مہمان خانے کی بجائے قصر سلطانی میں قیام کرو۔ حسب حکم ملکہ سباء حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر تیار ہونے والے شاہی قصر میں قیام کے لئے جب پہنچی تو محل کے فرش پر بہتا ہوا پانی دیکھ کر اس میں سے گزرنے کے لئے اپنے کپڑوں کو ساق (پنڈلی) سے اوپر چڑھا لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے ملکہ ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ پانی نہیں بلکہ محل کا سارا صحن شفاف قیمتی آبگینوں سے تیار کیا گیا ہے۔ ملکہ سباء بلقیس جو کہ ایک زبردست حکومت کی حکمران تھی یہ دیکھ کر

کچھ دیر کے لئے ششدر رہ گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ عمل مبارک ملکہ سباء کی ذکاوت پر آخری چوٹ ثابت ہوا۔ اس کی عقل اب مکمل بیدار ہو چکی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ اب تک جو کچھ ہو رہا اور ہوتا آ رہا ہے صرف ایک طاقت ور بادشاہ کی قوت کا اظہار ہی نہیں بلکہ ایسا ہونے کا اصل مقصد مجھ پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ سلیمان (علیہ السلام) کی یہ بے نظیر طاقت اور معجزانہ قدرت کسی ایسی ہستی کی عطا شدہ ہے جو جن وانس، شمس وقمر، چرند، پرند، حیوانات وجمادات غرض ہر چیز کا واحد وتنہا مالک ومختار ہے۔ اسی لئے سلیمان علیہ السلام مجھ سے اپنی فرمانبرداری نہیں کروانا چاہتے بلکہ ان کا اصل مقصد تو اس ذات وحدہٗ لاشریک کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کرانا ہے، جو تمام کارخانہ حیات کا مالک ومختار ہے۔

ملکہ سباء کا قبول اسلام

ملکہ سبا نے یہ سب کچھ جان کر فوراً حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ایک نادم کی حیثیت سے درگاہ الٰہی میں جھکتے ہوئے اقرار کیا کہ میں نے آج تک اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری مخلوق کی پرستش کرتے ہوئے اپنا قیمتی وقت برباد کیا اور یوں اپنے نفس پر ظلم عظیم کرتی رہی۔ میں اقرار کرتی ہوں کہ اس پر ایمان لائی جو تمام کائنات کا رب (پالنے والا) خالق ومالک ہے۔ اس طرح ملکہ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس فرمان مبارک ''وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ'' کی حقیقی روح کو سمجھتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔ یہاں ایک امر قابل توجہ ہے کہ پہلے جب ملکہ سبا نے کہا ''کُنَّا مُسْلِمِیْنَ'' (ہم فرمانبردار ہوئے) تو جمع کا جملہ اس لئے استعمال کیا کہ اس کے ساتھ تمام اراکین حکومت اور عوام بھی شامل تھے۔ ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظمت واقتدار اور شان وشوکت دیکھ کر اراکین دربار سے مشورہ کرنے کے بعد ان کی باہمی رضامندی سے یہ جملہ بولا تھا۔ پھر اس زمانے میں یہ اصول یا طریقہ تھا کہ اگر حکمران اپنا مذہب چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو قبول کر لیتا تو عوام خود بخود ہی اپنا مذہب بھی تبدیل کر لیتے۔ گویا وہ لوگ ہر اعتبار سے حاکم یا بادشاہ کی پیروی کرتے تھے۔ یہاں ملکہ سباء نے جب دین اسلام قبول کیا تو وہ اس کا اپنا ذاتی فیصلہ تھا۔ اسی لئے اس نے کہا کنا مسلمین۔ بہر حال اصحاب سیر کے نزدیک ملکہ سباء بلقیس اراکین سلطنت اور اس کی عوام سب نے ہی اسلام قبول کر لیا تھا اور یوں پوری قوم حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت میں شامل ہو گئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکہ سباء سے نکاح

ملکہ سبا بلقیس نے جب سلیمان علیہ السلام کے سامنے اسلام قبول کر لیا تو چند روز تک اسی قصر میں قیام پذیر رہی۔ کتب سیر اور تفاسیر میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ نے ملکہ سبا بلقیس کے ساتھ نکاح فرما لیا اور کچھ دنوں کے بعد اسے واپس اپنے ملک جانے کی اجازت عطا فرما دی۔ آپ علیہ السلام نے ملکہ سباء کے لئے اس کے ملک میں ہی تین بڑے عالی شان محل تعمیر کرائے جہاں ملکہ رہتی تھی۔ ان تینوں محلوں کے نام عدنان، سالحین اور بیتون تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تبلیغی یا دوسرے دورے پر جاتے ہوئے جب یمن سے گزرتے تو تین روز کے لئے ملکہ سباء

بلقیس کے ہاں انہی محلات میں باری باری قیام فرمایا کرتے تھے۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ محلات جنّات سے تعمیر کرائے تھے ورنہ اس قدر خوبصورت عالی شان اور مضبوط عمارات تعمیر کرنا انسان کے لئے محال تھا۔(واللہ اعلم)

البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 66

ملکہ سباء بلقیس کا تخت

قرآن مجید میں ملکہ سبا کے تخت کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کی وجہ سے اس تخت کو خاص اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سباء کے واقعہ میں آتا ہے کہ ہدہد دربار سلیمانی سے غائب تھا، اس کی غیر حاضری حضرت نے پسند نہ فرمائی اور ہُدہُد کے حاضر ہونے پر غیر حاضری کی وجہ دریافت فرمائی، ہدہد نے ملکہ سباء کے تخت کی تعریف کی جسے سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار میں موجود ہر نفس سے سوال پوچھا کہ ملکہ سباء کے تخت کو میرے حضور کون لاسکتا ہے۔قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے کہ ایک بڑے جنّ نے کہا میں اس تخت کو دربار برخاست ہونے سے پہلے یہاں حاضر کرسکتا ہوں۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ سن کر ارشاد فرمایا مجھے وہ تخت اس سے بھی پہلے یہاں چاہیئے۔یاد رہے اس دیو پیکر جنّ نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ میں تخت بلقیس اس کے بیش قیمت سازوسامان کے ساتھ یہاں لاؤں گا۔اس میں کسی قسم کی خیانت نہیں کروں گا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تخت بلقیس بڑی اہمیت کا حامل تھا اور اپنی قدروقیمت کے اعتبار سے لاثانی۔اسی لئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو لانے کا حکم فرمایا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنّ کا جواب سن کر ارشاد فرمایا مجھے وہ تخت بہت جلد چاہیئے۔اس پر آپ علیہ السلام کے خاص وزیر آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا اے سلیمان علیہ السلام میں وہ تخت نہایت ہی قلیل وقت میں یہاں لاسکتا ہوں۔آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کتنا قلیل وقت؟ وزیر نے عرض کیا آپ علیہ السلام آنکھیں مبارک بند فرما کر کھولیں اتنی دیر میں۔قرآن مجید نے وزیر کا جواب یوں بیان کیا ہے۔سورۃ النمل آیت 40

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ
اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ
هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ﱡ لِیَبْلُوَنِیْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُؕ وَ مَنْ
شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ
كَرِیْمٌ۝

ترجمہ:۔ ''اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے ایک پل مارنے سے پہلے حضور میں حاضر کر دوں گا۔پھر جب سلیمان (علیہ السلام) نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔تا کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب

بے پرواہ ہے سب خوبیوں والا۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جیسے ہی دیکھا تختِ ملکہ سبا کو اپنے سامنے پایا۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ارشاد فرمایا یہ میرے اللہ کا بڑا فضل ہے اور میری آزمائش کہ میں اللہ کا شکر گزار بندہ ہوں یا نافرمان۔ آپ علیہ السلام یقیناً اللہ کے نہایت ہی مقرب اور شکر گزار بندے تھے۔

یہاں ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُد ہُد کی زبانی ملکہ سباء کے تخت کی تعریف سن کر اس تخت کو اپنے دربار میں لانے کا کیوں ارشاد فرمایا؟ جواباً عرض ہے کہ اللہ کے پیغمبر جو کام بھی کرتے ہیں یا جس کام کو کرنے کا حکم فرماتے ہیں اس میں بے پناہ حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ بعض اوقات انسانی عقل ان میں سے کچھ حکمتوں کے بارے میں جان جاتی ہے جبکہ اکثر کو عقل سمجھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتی۔ یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس فرمان مبارک کا جو مطلب ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ علیہ السلام ملکہ سباء کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ تم جس حکومت، طاقت، تخت و تاج پر ناز کرتی ہو وہ میرے سامنے اتنی ہی اہمیت رکھتے ہیں کہ جب چاہوں وہ سب کچھ تم سے چھین کر اپنے زیر اثر کر سکتا ہوں کیونکہ میں اللہ کا برحق نبی اور اس کی طرف سے ہی لوگوں کی اصلاح بھلائی اور حق کی تبلیغ کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ یہ ساری طاقت و قدرت میرے اللہ، مالک حقیقی اور تمام جہانوں کے پیدا کرنے والے نے مجھے عطا فرما رکھی ہے۔ حق کے سامنے باطل کی کوئی اہمیت نہیں اسی لئے ثبوت کے طور پر تمہارا نایاب تخت میرے قدموں میں پڑا ہے۔

آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ

اصحاب سیر اور مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ملکہ سبا کے تخت کو لانے والی جس شخصیت کا نام آتا ہے۔ اس کے پاس اللہ جل شانہٗ کی کتاب کا تھوڑا سا علم تھا جسکی بنا پر انہوں نے ہزاروں میل کے فاصلے پر موجود ملکہ کا تخت آنکھ جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر کر دیا۔ یہ اہم شخصیت آپ علیہ السلام کے خاص مقرب وزیر تھے۔ کتابت کا قلم دان بھی ان کے پاس تھا۔ مفسرین کرام نے ان کا نام آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ تحریر کیا ہے۔ بعض مفسرین نے ایک دو اور نام بھی لکھے ہیں مگر پہلا قول ہی صحیح اور اسی پر مفسرین کا اجماع ہے۔ حضرت ضحاک، قتادہ اور مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ انسان تھے جن یا کوئی دوسری مخلوق نہ تھے۔

یہاں ایک نہایت اہم بات کی وضاحت کر دینا اشد ضروری خیال کرتا ہوں۔ جو لوگ انبیاء علیہم السلام اور خاص طور پر سرکار دوعالم ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے علم مبارک کی وسعت پر اپنی تقاریر و تصانیف میں نکتہ چینی اور نفی کا زہر اگلتے رہتے ہیں انہیں چاہیے کہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کا بغض و عناد کی عینک اتار کر مطالعہ کریں جس میں خالق کائنات ارشاد فرماتا ہے کہ ''ہم نے اسے (آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ) کو کتاب کا تھوڑا سا علم دیا'' اور آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ نے اس تھوڑے سے علم کی برکت سے ہزاروں میل کی مسافت پر پڑا ہوا ملکہ کا تخت آنکھ

جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ وہ تھوڑا سا علم رکھنے والا اس قدر طاقت اور قدرت کا مالک تھا، تو پھر اس نبی علیہ السلام کی طاقت وعلم کی وسعت کا کون اندازہ کر سکتا ہے جس کا وہ امتی تھا چہ جائیکہ فخر کونین سید المرسلین تاجدار عرب وعجم حبیب خدائے ذوالجلال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے علم کا احاطہ کیا جائے یا نفی۔ دعا ہے اللہ کریم ان لوگوں کو حق پہچاننے، سچی بات کہنے، لکھنے اور اس پر مکمل ایمان رکھنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

اللہ کریم کی حکمت کے قربان جائیں کیسے کیسے انداز سے اپنے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کے امتیوں، سچے جان نثاروں اور مقربین کے درجات اور حاصل ہونے والی رفعتوں کا بیان فرماتا ہے۔ جس طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان نے وہ عظمت شان وشوکت عطا فرمائی جو انبیاء علیہم السلام کے بعد کسی کو حاصل نہیں، اس طرح اللہ کریم نے آصف بن برخیار رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی نظر سے ان کی امت میں سب سے زیادہ درجہ عطا فرمایا۔ آصف بن برخیار رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی تھے اور آپ علیہ السلام کے مقرب خاص تھے۔ اس قرب کی وجہ سے انہیں علم کی عظیم دولت سے مالا مال فرمایا، تورات، زبور اور اسماء وصفات الٰہی کے اسرار سے آگاہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بڑے جنّ (عفریت) نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر عرض کیا کہ میں دربار برخاست ہونے سے پہلے تخت آپکی خدمت میں حاضر کر دوں گا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا مجھے تخت اس سے بھی پہلے چاہیئے۔ آپ علیہ السلام اگر چاہتے تو عفریت کی بات کو شرف قبولیت عطا فرما دیتے کیونکہ حاصل مقصد تخت کا دربار میں لانا تھا اور پھر وقت کی بھی کوئی قید نہ تھی۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایسا نہ کیا۔ اصل میں آپ علیہ السلام چاہتے تھے کہ تخت بلقیس لانے کا عمل عفریت من الجنّ کے ذریعے نہ ہو بلکہ آپ کے صحابی اور بندہ خاص کے ذریعے عمل میں آئے تاکہ اپنے مقرب خاص کی اس کرامت کو ملکہ سباء پر ظاہر کیا جائے اور سب کو معلوم ہو جائے کہ انبیاء علیہم السلام کے مقرب خاص ان کی نظر عنایت سے کس درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ ادھر مقرب خاص آصف بن برخیار رحمۃ اللہ علیہ کے یقین اور اپنے پیغمبر کی طاقت پر ایمان کا یہ حال تھا کہ انہوں نے فوراً کہہ دیا کہ آپ علیہ السلام آنکھیں مبارک بند کریں اور کھولیں تخت حاضر ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔ آصف بن برخیار رحمۃ اللہ علیہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی نظر کرم ان کا دعویٰ سچا کر دکھائے گی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقرب امتی کی طاقت کا یہ حال تھا تو رحمت عالم نور مجسم بے کسوں کے کس فخر کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرب امتیوں کی طاقت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

قاصد حضرت سلیمان علیہ السلام

آج کل کے دور میں بعض حضرات اہل علم کی فہرست میں شامل ہونے کے شوق میں جہاں تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں اپنا جواب آپ ہیں وہاں یہ حضرات علم وفن کی سرحدیں عبور کرنے کے بعد بعض اوقات قرآنی آیات کا اپنی ناقص عقل کے مطابق ترجمہ کرتے ہوئے نص قطعی کی وہ وہ عجیب تشریحات کرتے ہیں کہ عقل

ششدر رہ جاتی ہے۔ اور پھر ان خود ساختہ محققین کے اس علم پر صد افسوس کرتے ہوئے ان کے حق میں ہدایت کی دعا کرنے کے علاوہ ہم اور کیا کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید نے نہایت صاف اور واضح الفاظ میں بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملکہ سباء کی خبر دینے والا پرندہ ہد ہد تھا۔ مذکورہ صفت کے مالک اہل علم حضرات ایسے واقعات جو اللہ تعالیٰ کے نشان اعجازی ہیں کو پڑھ یا سن کر بھڑک اٹھتے ہیں، فوراً کہہ دیں گے یہ سب کچھ خلاف عقل ہے، کیا پرندہ بھی انسانوں کی طرح گفتگو کر سکتا ہے؟ پھر حد تو یہ کہ ایسا کرتے ہوئے وہ نص قطعی سے ہی انکار کر دیتے ہیں۔ اللہ کریم ایسے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

ایسے اہل علم حضرات کی آج کے معاشرہ میں کمی نہیں اگر ان سے سوال کیا جائے کہ آپ ہی فرما دیں اصل حقیقت کیا ہے تو جواب میں مذہب اسلام پر احسان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہماری تحقیق کے مطابق (جو اصل میں ان کی قرآن کریم کی خود ساختہ توجیہات ہوتی ہیں) پرانے زمانے میں یہ دستور تھا کہ مشرکین اکثر اپنی اولاد کے نام دیوتاؤں یا دیویوں کے نام پر رکھ لیا کرتے تھے جن میں حیوانات اور پرندوں وغیرہ کے نام بھی شامل ہوتے تھے۔ اس لئے یہاں بھی ہد ہد سے مراد کوئی پرندہ نہیں بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قاصد جسے ہد ہد کہا جاتا ہے انسان ہی تھا۔ اب یہاں ایسے اہل علم سے پوچھا جائے کہ جناب آپ کی بات کو اگر درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر قرآن مجید کے ان الفاظ کا کیا ترجمہ فرمائیں گے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ النمل آیت 20۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ
مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ”اور پرندوں کا جائزہ لیا تو بولا مجھے کیا ہوا کہ میں ہد ہد کو نہیں دیکھتا یا وہ واقعی حاضر نہیں“

”پرندوں کا جائزہ لیا“۔ کیا آپ کے خیال میں ہد ہد کو انسان کہنا مناسب اور صحیح ہوگا؟ جبکہ عربی زبان میں ”طیر“ ہمیشہ پرندے کے لئے ہی بولا جاتا ہے۔ اب اگر یہ حضرات عربی کے اس لفظ کا کوئی دوسرا معنی حسب عادت ذاتی توجیہہ کے اعتبار سے کریں گے تو وہ سراسر غلط اور جہالت کی نشانی ہوگا۔ قرآن کریم زندہ زبان یعنی عربی میں نازل کیا گیا ہے۔ اس لئے اس زندہ زبان کے سامنے دنیا کی دیگر زبانوں کے مطابق جو کہ اصل میں عربی کے سامنے مردہ ہیں اپنی ذاتی عقل اور توجیہہ سے کوئی دوسرا معنی نکالا ہی نہیں جا سکتا۔ کچھ لوگوں نے اپنی ذاتی توجیہات کا مظاہرہ کرتے ہوئے طیر کے معنی ”فوج“ لکھا ہے جو کہ عربی لغت اور محاورے دونوں کے اعتبار سے غلط ہے۔ مختصراً طیر کو پرندہ نہ ماننا اور اس کا معنی فوج قرار دینا اصل میں قرآن مجید کی نص قطعی اور واضح الفاظ کی تحریف اور غلط تاویل ہے جو کسی اعتبار سے جائز اور قابل معافی نہیں۔ دعا ہے ایسے لوگوں کو اللہ ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

اصحاب سیر اور مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہد ہد پرندہ تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے قاصد کی حیثیت سے ملکہ سبا کے پاس گیا۔ مفسر قرآن جن کو دنیا میں اس عظیم کتاب کا پہلا مفسر ہونے کا شرف حاصل ہے یعنی

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہدہد پرندہ حضرت سلیمان علیہ السلام اوران کے لشکر کے لئے پانی تلاش کرنے کا فریضہ سرانجام دیتا تھا۔ قدرت نے اس پرندے کو وہ خاص وصف عطا فرمایا ہے جو کسی دوسرے پرندے کو حاصل نہیں۔ ہدہد زمین کی نچلی تہوں میں بہنے والے پانی کو آسانی سے دیکھ لیتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں اس پرندے کو خاص مقام حاصل تھا۔ سفر کے دوران جب حد نگاہ تک پانی کا نام ونشان نظر نہ آتا تو ہدہد اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر زمین کے نیچے بہنے والے پانی کی نشان دہی کرتے ہوئے بتادیتا کہ اس جگہ کتنی گہرائی میں پانی موجود ہے، پھر جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے اس جگہ کو کھود کر پانی حاصل کرتے اور یوں لشکر کی ضرورت کو پورا کیا جاتا۔

(از تاریخ ابن کثیر جلد 2 صفحہ 21)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کا مسخر ہونا

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو معجزات عطا فرمائے ان میں سے ایک معجزہ تسخیرِ ریاح یعنی ہوا کو مسخر کرنا بھی تھا۔ مفسرین اور اصحاب سیر کی اکثریت قوی اسناد سے بیان کرتی ہے کہ ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھی۔ آپ علیہ السلام جب چاہتے ہوا کو حکم فرماتے تو وہ آپ کے تخت کو آن کی آن میں مطلوبہ جگہ پر پہنچادیتی۔

قرآن مجید حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس معجزہ مبارک کا یوں ذکر کرتا ہے۔ سورۃ الانبیاء آیت 81۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ
اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿81﴾

ترجمہ۔ ''اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے لئے تیز وتند ہوا کو مسخر کردیا کہ ان کے حکم سے زمین پر چلتی تھی جس کو ہم نے برکت دی تھی اور ہم ہر چیز کے جاننے والے ہیں۔''

ایک دوسری جگہ پر یوں ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ سباء آیت 12۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَ
اَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ
رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿12﴾

ترجمہ۔ ''اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کیلئے ہوا کو مسخر کردیا کہ صبح کو ایک ماہ کی مسافت (طے کراتی) اور شام کو ایک ماہ کی مسافت۔ اور ہم نے اسکے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا۔''

قرآن مجید میں تیسری جگہ پھر یوں ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ ص آیت 36

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿36﴾

ترجمہ۔ ''اور ہم نے ہوا کو مسخر کر دیا سلیمان (علیہ السلام) کے لئے چلتی ہے اس کے حکم سے نرمی کے ساتھ جہاں وہ پہنچنا چاہے''۔(سورۃ ص آیت 36)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کا مسخر کیا جانا آپ علیہ السلام کی برحق نبوت کا امتیازی نشان تھا۔ آپ علیہ السلام اپنے تخت سمیت جہاں چاہتے تشریف لے جاتے۔ ہوا کے دوش پر حضرت سلیمان علیہ السلام صبح کے وقت ایک ماہ کی مسافت کے برابر سفر فرمالیا کرتے تھے۔ اسی طرح جب شام کو سفر کرتے تو پھر بھی ایک ماہ کی مسافت کے برابر فاصلہ طے فرمالیا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام اپنے تخت پر تشریف فرما ہوتے کبھی دمشق سے اصطخر اور کبھی کابل تک تشریف لے جاتے۔ آپ علیہ السلام جب تخت سمیت ہوا کے دوش پر سفر فرماتے تو دوران سفر جہاں جہاں سے گزرتے راستے میں آنے والی تمام بستیوں اور زمین کو بخوبی دیکھ لیتے تھے۔ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات کو بغور تلاوت کیا جائے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس معجزہ مبارک میں تین الگ الگ باتوں کے ذکر کا پتہ چلتا ہے۔

ایک:۔ ہوا کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں مسخر کیا جانا۔

دوسری:۔ یہ کہ ہوا آپ علیہ السلام کے حکم مبارک پر اس طرح تابع ہو کر چلتی کہ باوجود اپنی شدت اور تیزی کے نہایت نرم اور آہستگی سے راحت والی ہو جاتی تھی۔

تیسری:۔ یہ کہ ''ہوا'' نرم ہونے کے باوجود اس قدر تیز رو ہوتی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا صبح اور شام کا الگ الگ سفر ایک اچھے شہ سوار کی مسلسل ایک ماہ کی رفتار کے برابر ہوتا تھا۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں سائنس نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ تیز سے تیز ہوائی جہاز اور مصنوعی سیارے ہوا کے دوش پر سینکڑوں میل کا فاصلہ کچھ گھنٹوں میں طے کر لیتے ہیں۔ انسانی عقل کی بنائی ہوئی چیزیں مشینوں اور پیٹرول کی مدد سے صبح وشام ہماری آنکھوں کے سامنے محو پرواز ہوتی ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا عقلمند، دانش ور یا فلاسفر ان سائنسی ایجادات کا انکار نہیں کرتا اور نہ ہی کر سکتا ہے۔ تو پھر خالق حقیقی کی قدرت کاملہ نے اپنے جس مقرب بندے اور رسول کو ایسے ایسے معجزات سے نواز رکھا ہو ان کی حقیقت سے انکار کرنا محض جاہلیت، بغض وعناد اور تعصب کے سوا کچھ نہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اللہ کی عطا کردہ عقل تو ایسے کارنامے شب وروز سرانجام دیتی رہے مگر پروردگار نے جو معجزات انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائے تھے ان کا انکار کیا جائے۔ یاد رہے انسان اس کی بنائی ہوئی چیزیں اور یہ عقل وغیرہ سب کچھ فانی ہیں جبکہ معجزات انبیاء علیہم السلام حق اور اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس لافانی اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ خالق کائنات ہر چیز پر قادر ہے اور ظاہری اسباب کے بغیر بھی کسی کام کو کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اسباب تو محض مخلوق کی مدد کیلئے ہیں خالق کی ذات ان کی محتاج نہیں۔ پھر عقلی اعتبار سے بھی اگر سوچا جائے تو ایک ایسی چیز جس کا ہم علم نہیں رکھتے اس کے وجود یا اس کو ماننے سے کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ کسی چیز کے علم نہ ہونے سے اس کا انکار لازم نہیں۔ ہماری روزمرہ زندگی میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر اور چیونٹیوں کی وادی

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص لطف وکرم کی بدولت نہ صرف چرند، پرند اور ساری مخلوق کی بولیاں سمجھنے کا ہی علم عطا نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ علیہ السلام کو حشرات الارض اور دیگر زمین پر چلنے والی چھوٹی چھوٹی مخلوق کی زبان سمجھنے اور ان کے ساتھ گفتگو کرنے کی قدرت بھی عطا فرما رکھی تھی۔ گزشتہ صفحات پر ہم پرندوں، انسانوں اور جنّات کے ساتھ آپ علیہ السلام کے کلام کرنے کے واقعات تحریر کر چکے ہیں۔ یہاں قرآن کریم کی روشنی میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا چیونٹی کی سردار کے ساتھ گفتگو کرنے کا معجزہ تحریر کر رہے ہیں۔ وادی نملہ (چیونٹیوں کی وادی) میں سے گزرتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹیوں کی سردار یا بادشاہ سے جو گفتگو فرمائی اس کا واقعہ اس قدر اہم ہے کہ خالق کائنات نے اپنے پاک کلام قرآن مجید میں اس سورہ مبارک کا نام ہی ''سورہ نمل'' رکھ دیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ہمراہ جس میں جن وانس، حیوانات، چرند، پرند سب شامل تھے اور ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق نہایت ادب کے ساتھ ایک منظم ترتیب کی شکل میں چلا جا رہا تھا۔ یہ لشکر چلتے چلتے ایک ایسی وادی میں پہنچا جو چیونٹیوں کا مسکن تھی۔ اس وادی میں ہر طرف چیونٹیاں ہی چیونٹیاں پھیلی ہوئی تھیں گویا وہ پوری وادی ہی نملہ (چیونٹیوں) کی تھی۔ چیونٹیوں کی بادشاہ یا سردار نے لشکر کو دیکھ کر اپنی قوم سے کہا فوراً اپنی اپنی بلوں میں گھس جاؤ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو رینگتی ہوئی سلیمان علیہ السلام کے لشکریوں کے پاؤں تلے آ کر بے خبری میں ماری جاؤ گی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی یہ عاقلانہ اور تدبر آمیز بات سن کر مسکرا پڑے اور اس چیونٹی کی ذہانت کی داد دی۔ اللہ تعالیٰ کے قربان جائیں اپنے محبوب اور مقرب انبیاء علیہم السلام کو کیسے کیسے معجزات سے نوازتا ہے۔ اب فنا ہونے والی انسانی عقل سے پوچھیں کہ تُو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ میں نے یہ بنالیا، وہ ایجاد کر لی، حیرت انگیز دنیاوی ترقی کر لی، میرے مقابلے کا کوئی دوسرا نہیں وغیرہ کیا یہ بات تیرے احاطے میں آ سکتی ہے کہ کہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسم مبارک کا حجم اور کہاں زمین کے ساتھ چپک کر رینگنے والی حقیر چیونٹی مگر وہی حقیر مخلوق اپنی قوم کے ساتھ جو گفتگو کر رہی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام محوِ سفر ہونے کی حالت میں اسے سن کر تبسم فرما رہے ہیں۔ یہ سب کچھ خالق ارض وسماء کی قدرت کاملہ کے نشانات ہیں جو کہ انسانی عقل وشعور سے باہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس وادی نملہ کے واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ النمل آیات 15 تا 44

ترجمہ: ''بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان (علیہم السلام) کو بڑا علم عطا فرمایا۔ اس پر دونوں نے عرض کیا اس اللہ ہی کی تعریف ہے جس نے ہم دونوں کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ اور داؤد (علیہ السلام) کے سلیمان (علیہ السلام) وارث (جانشین) ہوئے۔ انہوں نے کہا اے لوگو ہم کو پرندوں اور ساری مخلوق کی بولیوں کا علم دیا گیا ہے۔ اور ہمارے لئے ہر چیز مہیا کر دی گئی ہے۔ بے شک یہ اللہ کا کھلا فضل ہے۔ اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے جنوں، انسانوں، پرندوں اور حیوانات کا لشکر درجہ بدرجہ ترتیب کے ساتھ آگے پیچھے چل رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ

وادی نملہ (چیونٹیوں) پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا! اے چیونٹیو اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تم کو اپنے قدموں تلے روند ڈالے۔ چیونٹی کی یہ بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام ہنس پڑے اور کہنے لگے۔ اے میرے پالنے والے مجھے یہ توفیق دے کہ میں تیرا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ اور میرے والد گرامی پر انعام فرمایا ہے۔ اور یہ کہ میں وہ نیک عمل کروں جو تجھ کو پسند آئے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔ اور پرندوں کا جائزہ لیا تو بولا مجھے کیا ہوا کہ میں ہد ہد کو نہیں دیکھتا کیا وہ واقعی حاضر نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔"

بعض حضرات حضرت سلیمان علیہ السلام اور وادی نملہ کے مذکورہ واقعہ اور ارشاد باری تعالیٰ پڑھنے کے بعد سوال کر سکتے ہیں کہ آیات قرآنی میں تو صرف چیونٹی کے کلام کا ذکر ہے آپ نے سردار یا بادشاہ چیونٹی کے الفاظ کہاں سے لئے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ بے شک لفظ تو چیونٹی ہی استعمال ہوا ہے مگر ہم نے اس حکم دینے والی چیونٹی کو سردار یا بادشاہ اس لئے کہا ہے کہ تمام دانش ور اور اہل علم، ان کا تعلق زمانہ حال سے ہو یا ماضی سے اس بات پر متفق ہیں کہ شہد کی مکھیوں اور چیونٹیوں کا نظام زندگی نہایت منظم اور اعلیٰ ہے۔ بعض عاقل زمانہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ انسان نے اپنا نظام اصل میں دو قوموں یعنی شہد کی مکھیوں اور چیونٹیوں کے نظام کو دیکھ کر ہی مرتب کیا ہے۔ روزمرہ زندگی میں دیکھ لیں چیونٹیاں جب بھی اپنی بل سے خوراک حاصل کرنے کے لئے نکلتی ہیں تو باقائدہ ایک قطار کی شکل میں ہوتی ہیں اور سردار چیونٹی یا چیونٹا اس قطار کی راہ نمائی کرتا ہے۔ پھر خوراک کو اپنے منہ میں لے کر جب بلوں میں واپس داخل ہوتی ہیں تو پہلی والی ترتیب بدستور قائم ہوتی ہے۔ اسی طرح شہد کی مکھیاں ہمیشہ اپنے سردار کے حکم پر چھتوں سے اڑ کر پھول پھول پر بیٹھ کر اس کا رس چوسنے کے بعد واپس اپنے چھتے میں جا کر وہ حاصل شدہ شہد باقاعدہ نظام اور ترتیب کے ساتھ ملکہ مکھی کے سپرد کر دیتی ہیں۔ چھتوں سے شہد نکالنے والے لوگ صرف ملکہ مکھی پر قابو پا کر اسے جہاں چھوڑتے ہیں باقی مکھیاں ملکہ کی تابع فرمان ہو کر اس کے پیچھے ہی اپنا مسکن تبدیل کر لیتی ہیں۔ بہر حال اتنی تفصیل کے بعد بھی اگر یہ دعویٰ کتنا ہی محل نظر کیوں نہ ہو مگر اس سے یہ بات ضرور ثابت ہو جاتی ہے کہ ان دونوں قوموں کا نظامِ حیات خوبی کا حامل ضرور ہے۔ مذکورہ وجہ کی روشنی میں ہم نے چیونٹی کو سردار یا چیونٹیوں کی بادشاہ کہا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ قوی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ کی ساری مخلوق کے ساتھ ہم کلام ہونے کا معجزہ عطا فرمایا جس کا ثبوت "وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ" ترجمہ: "اور ہر چیز میں سے ہم کو عطا ہوا" (سورۃ النمل آیت 16) کا فرمان مبارک ہے۔

وادی نملہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر جب وادی نملہ سے گزر رہا تھا تو چیونٹی نے اپنی قوم کو جو حکم دیا جسے سن کر آپ علیہ السلام مسکرا دیئے اور اسکی عقل کی داد دی۔ یہ واقعہ قرآن مجید کی سورہ نمل کے حوالے سے ہم بیان کر چکے

ہیں۔ یہاں معلومات کیلئے یہ عرض کر رہے ہیں کہ وادی نملہ کہاں ہے۔ اس سلسلے میں کتب تاریخ میں کئی ایک جگہوں کا نام لیا جاتا ہے۔ اکثریت کے نزدیک یہ وادی عسقلان کے قریب واقع ہے۔ مشہور زمانہ سیاح ابن بطوطہ نے بھی اسی جگہ کا حوالہ دیا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وادی حبرون وعسقلان کے درمیان ہے۔ کچھ مورخین کہتے ہیں کہ وادی نملہ ملک شام میں واقع ہے۔ بہر حال یہ وادی مذکورہ مقامات میں یا ان کے ارد گرد ہی کہیں ہے۔ قرآن عزیز اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اس مقام کے واقع ہونے کا قطعی ذکر موجود نہیں اس لئے ہم روایات اور مذکورہ مورخین کے اقوال پر ہی بھروسہ کر سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

جدید سائنسی تحقیق

جیسا کہ منطق الطیر کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں کہ موجودہ صدی کے کچھ صاحب علم کہلانے والے حضرات، حضرت سلیمان علیہ السلام کے منطق الطیر کے معجزے کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے انسان کیلئے جانوروں کی بولیاں سمجھ لینا محال خیال کرتے ہوئے اپنی اپنی ناقص عقل کے مطابق عجیب وغریب غلط تشریحات بیان کر کے قرآن کریم کی نص قطعی کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔ یہی لوگ چیونٹی کی گفتگو اور وادی نملہ کے واقعہ کو بھی توڑ مروڑ کر اپنے غلط اجتہاد کی بنا پر پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ احمد ذکی پاشا وغیرہ نے سورہ نمل کی تشریح کرتے ہوئے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ یہاں نملہ سے مراد انسانوں کی کثیر تعداد مراد ہے جو کہ چیونٹیوں کی طرح اس وادی میں پھیلے ہوئے تھے اور ان کے سردار نے کہا تھا کہ چھپ جاؤ کہیں سلیمان علیہ السلام کا لشکر تمہیں روند نہ دے۔ اس تفسیر کو پڑھ کر آپ لوگوں کا ایسے مفسر کہلانے والے کی عقل وعلم کے بارے میں کیا خیال ہوگا اس کی بابت میں کیا عرض کروں۔ آپ حضرات خود ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس تشریح کا جواب دینا میرے خیال میں وقت برباد کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ آج کے اس ترقی یافتہ علمی دور نے انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزوں کو سچ ثابت کر دیا ہے۔ صرف دیکھ کر ایمان لانے والوں کے پاس ان معجزات سے انکار کرنے کی قطعی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

ماہرین علم السنہ حیوانات شب وروز کی تحقیق کے بعد اس فیصلے تک پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے دنیاوی تجربات اور مشاہدات سے ثابت کر دیا ہے کہ خالق کائنات نے حیوانات میں بھی نفس ناطقہ (بولنے والا نفس) اور اس کے لئے مخصوص لغات پیدا فرما رکھی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نفوس حیوانات انسانی نفس ناطقہ کے مقابلے میں بہت کمزور اور خفیف ہے۔ اس علم کے ماہرین حیوانات کے فہم وادراک کے بارے میں تحقیقی مقالات اور اپنی اپنی طاقت کے مطابق فلسفیانہ مباحث پیش کرتے رہتے ہیں، جن میں جانوروں کی بولیاں اور مختلف زبانوں کی اقسام کے بارے میں الگ الگ بتاتے رہتے ہیں۔ زمانہ جدید کی ایجاد ٹیلیوژن پر ایک خاص پیش نامہ (پروگرام) علمی دنیا کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے جس کا نام عالمی جغرافیہ کی دنیا ہے۔ اس پروگرام میں ایسے ایسے انکشافات پیش کیے جاتے ہیں جن کو دور حاضر کا انسان نہایت دلچسپی سے سنتا اور ان پر یقین رکھتا ہے۔ مگر دوسری طرف کس قدر افسوس اور تعجب کی

بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کو عطا کئے ہوئے معجزوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو انسان ان کو فانی عقل میں نہ آنے کی وجہ سے ناممکن کہہ کر ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ اللہ کے بندو! معجزہ تو کہتے ہی اسے ہیں جو انسانی عقل کے احاطہ میں نہ آسکتا ہو اور بیچاری عقل اسے سمجھنے سے قاصر ہو۔ امید قوی ہے کہ ایسے خود ساختہ عالم ہماری اس مختصر تشریح کو پڑھ کر اپنے خیالات فاسدہ سے تائب ہو کر آئندہ نص قطعی اور فرمان الٰہی کی غلط تاویلات کرنے سے پرہیز کریں گے کیونکہ ایسا کرنا ہی ان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کے لئے کامیابی کی دلیل ہے۔

ابن عساکر اور ابی حاتم کی روایات

مشہور مورخ ومحدث ابن عساکر، ابی حاتم سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں کافی عرصہ تک بارش نہ ہوئی خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں مخلوق خدا قحط سالی کا شکار نہ ہو جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی امت کو ہمراہ لے کر نماز استسقاء کے لئے کھلے میدان کی طرف تشریف لے جانے لگے۔ راستے میں دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنے اگلے قدم اٹھائے آسمان کی طرف نظر کئے اللہ تعالیٰ کے حضور یوں دعا مانگ رہی تھی۔ ''اے خالق کائنات ہم تیری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہیں اور ہر وقت تیرے فضل کے محتاج ہیں ہمیں بارش کی نعمت سے محروم نہ رکھ ورنہ ہم سب ہلاک ہو جائیں گے'' بارگاہ الٰہی میں چیونٹی کی دعا سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔ چلو واپس چلیں ایک چیونٹی کی دعا نے ہمارا کام بھی کر دیا۔ اب تمہاری درخواست کے بغیر ہی بارش ہو جائے گی (واللہ اعلم)

(1) تاریخ ابن کثیر جلد 2 صفحہ 2

(2) تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 359

(3) مسلم شریف کتاب الانبیاء المعارف جلد 7 صفحہ 287، 288 وغیرہ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور جہاد کے گھوڑے

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو چرند، پرند، جن وانس اور دیگر تمام مخلوق کی زبانوں کا علم عطا فرمایا تھا۔ آپ علیہ السلام جانوروں کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے تھے۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ نے آپ علیہ السلام کے اس شفقت آمیز سلوک کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ میرا نبی جانوروں کے ساتھ بھی کتنی محبت وشفقت رکھتا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ ص آیات 30 تا 33

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۚ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٣٠﴾
إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ
الْجِيَادُ ﴿٣١﴾ فَقَالَ إِنِّيْ أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى
تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَ
الْأَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾

(ترجمہ) ''اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو سلیمان (علیہ السلام) (فرزند) عطا فرمایا کیا اچھا بندہ تھا بے شک وہ بہت رجوع لانے والا۔ جب ان پر تیسرے پہر کو گھوڑے پیش کئے گئے جو رو کیں تو تین پاؤں پر کھڑے ہوں چوتھے پاؤں کا کنارہ زمین پر لگاتے ہوئے، جب چلیں تو ہوا ہو جائیں۔ (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) نے کہا مجھے اپنے پروردگار کی یاد کے لئے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی۔ پھر ان (گھوڑوں) کو چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ نگاہ سے پردے میں چھپ گئے پھر حکم دیا کہ انہیں میرے پاس واپس لاؤ۔ پھر ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے (تھپ تھپانے) لگا''۔ (سورۃ ص آیات 30 تا33)

ان قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حضرت سلیمان علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمانے کا ارشاد فرمایا ہے اور کہا ہے ہم نے داؤد علیہ السلام کے اس بیٹے سلیمان علیہ السلام کو کچھ صفات بھی عطا فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان تھے اور ہر حال میں اسکی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور دوسرا یہ کہ وہ جانوروں پر بڑی شفقت فرمانے والے تھے۔ ان آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے کا ذکر بھی موجود ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور مفسرین نے ان آیات کی جو تفاسیر بیان فرمائی ہیں ہم ان کا مختصر حال یہاں تحریر کر رہے ہیں۔

بعض مفسرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تلوار کی مدد سے گھوڑوں کی گردن اور ٹانگوں کے بال کاٹا کرتے تھے۔ کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی ٹانگوں اور گردن سے اپنے مبارک ہاتھوں کے ساتھ پسینہ صاف کیا کرتے تھے۔ بہر حال مذکورہ تشریح کے علاوہ جن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے ان آیات کی تفسیر فرمائی ہے ان کے تین قول ہیں۔ ایک قول سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، دوسرا سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے علی بن ابی طلحہ کی سند کے ساتھ اور تیسرا قول بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے آتا ہے۔ یہاں ان اقوال کو تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اس کے بعد دیگر اصحاب سیر کی تشریحات قلم بند کروں گا تا کہ کسی قسم کی کوئی تشنگی باقی نہ رہے اور آیات کی تفسیر بیان کرنے کا مقصد پورا ہو سکے اللہ توفیق عطا فرمائے۔

(1) سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کے مطابق ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کسی جہاد پر تشریف لے جانے لگے تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اصطبل کے گھوڑوں کو پیش کیا جائے۔ حسب ارشاد گھوڑے خدمت میں پیش کیے گئے آپ علیہ السلام ان گھوڑوں کو دیکھنے میں ایسے مصروف ہوئے کہ عصر کی نماز کا وقت ہی جاتا رہا اور سورج غروب ہو گیا آپ علیہ السلام کو جب عصر کی نماز قضا ہونے کا خیال آیا تو ارشاد فرمایا۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ اس مال کی محبت نے مجھے یاد الٰہی سے غافل کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے اس وجہ سے گھوڑوں کو اصطبل سے واپس منگوایا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے جذبہ سے ان سب کو ذبح

کروا ڈالا کیونکہ وہ گھوڑے ہی اللہ تعالیٰ کی یاد میں غفلت کا سبب بنے تھے۔ پھر سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس عمل کی مثال غزوہ خندق کے موقع پر پیش آنے والے واقعہ سے دی جاسکتی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نماز عصر قضا ہوگئی تھی اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے ہمراہ قضا نماز ادا فرمائی تھی۔ مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ ویسے تو نماز ترک کرنے کی کسی بھی حالت میں اجازت نہیں لیکن جنگ کے موقع پر صلوٰۃ الخوف کا ڈر نہ بھی ہو تو نماز قضاء کر دینا جائز ہے۔ اسی طرح جہاد کے موقع پر تیاری کے لئے گھوڑوں کا معائنہ کرتے ہوئے عصر کا وقت گزر جانے پر نماز قضا کر لینا مجبوری کی وجہ سے جواز کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول مبارک کی تائید کی ہے۔ اسی طرح مکحول رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ بھی شدید جنگ کی صورت میں ایسا کرنے کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔

البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 367

(2) مذکورہ آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں اس واقعہ کی حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے جہاد کی تیاری کے سلسلے میں گھوڑوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا وہ حاضر کئے گئے اور ان کی دیکھ بھال کرتے ہوئے آپ علیہ السلام کی نماز عصر قضاء ہوگئی تو آپ علیہ السلام نے گھوڑوں کو جو واپس اصطبل میں جاچکے تھے دوبارہ حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب گھوڑے حاضر کیے گئے تو آپ علیہ السلام نے انکی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہلکے ہلکے ہاتھ مبارک سے مارا اور ارشاد فرمایا کہ تم آئندہ ذکر الٰہی میں غفلت کا باعث نہ بننا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس عمل مبارک سے پتہ چلتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے قضا نماز کا بظاہری سبب گھوڑوں کو خیال فرماتے ہوئے ان کو حیوان ہونے کی وجہ سے غیظ وغضب کا نشانہ تو نہ بنایا البتہ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں کو تھپاتے ہوئے رنج کا اظہار فرمایا۔

(3) ایک تیسری روایت جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی منسوب کرتے ہوئے علی بن ابی طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ جہاد پر تشریف لے جانے سے پہلے جنگ کی تیاری کے سلسلے میں اصطبل کے گھوڑوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ حسب حکم جب گھوڑے حاضر خدمت کر دیئے گئے تو آپ علیہ السلام نے حیوانوں کی نسل اور عادات کا مکمل علم رکھنے کی وجہ سے ان گھوڑوں کو نہایت سبک رفتار، اصیل اور خوش رو پایا۔ گھوڑے خاصی تعداد میں تھے۔ آپ یہ

دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا ان گھوڑوں سے میری محبت ایسی مالی محبت میں شامل ہے جو پروردگار کے ذکر ہی کا ایک حصہ ہے۔ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر غور وفکر میں محو تھے کہ خدام گھوڑوں کو واپس اصطبل میں لے گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اس کیفیت سے باہر آئے تو گھوڑوں کو نظروں سے اوجھل پایا۔ آپ علیہ السلام نے یہ دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا گھوڑوں کو پھر حاضر کیا جائے۔ حسب حکم گھوڑے دوبارہ خدمت میں پیش کئے گئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس قدر عمدہ جنگی گھوڑے ہونے کی وجہ سے محبت عزت وتوقیر کی وجہ سے ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرے اور ان کو تھپتھپانا شروع کردیا۔

(4) تاریخ طبری میں حضرت امام جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے آیات کی تفسیر میں پیش کئے جانے والے ان دونوں اقوال جن میں تلوار سے گھوڑوں کی گردن اور پنڈلیوں کا بال کاٹنے اور دوسرے قول میں گردن اور پنڈلیوں سے پسینہ صاف کرنے کو بیان کیا ہے اور اپنی ذاتی رائے کے مطابق دوسرے قول کو اختیار کیا اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر پہلے قول کو تسلیم کرلیا جائے تو اس طرح جانوروں کو اذیت دینا ثابت ہوتا ہے، جو کسی صورت درست نہیں۔ البتہ دوسرا قول عقل مانتی ہے اور ایسا کرنے سے حیوانوں کے ساتھ پیار ومحبت کا عملی مظاہرہ نظر آتا ہے۔ مزید کہتے ہیں کہ گھوڑوں کو ذبح کردینا صرف ایسی صورت میں جائز ہے جب کہ خطرہ دامن گیر ہو کہ شکست کی صورت میں اگر گھوڑے زندہ رہے تو وہ دشمن کے ہاتھ لگ جائیں گے۔ اس کی مثال حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ عمل ہے، جب انہوں نے ایسے ہی خوف سے اپنے گھوڑے کو خود اپنے ہی ہاتھوں مار ڈالا تھا۔

حافظ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کی تعداد بعض روایات کے بمطابق بیس ہزار (20000) اور کچھ کے مطابق دس (10000) ہزار تھی۔ (واللہ اعلم)

البدایہ والنہایہ جلد2 صفحہ368

تفسیر امام ابن کثیر جلد4 صفحہ350

فتح الباری جلد6، صفحہ356

بیت المقدس کی تعمیر

حضرت سلیمان علیہ السلام پرشکوہ عمارات، پرہیبت قلعے اور عظیم سے عظیم تر تعمیرات کا شوق رکھتے تھے۔ ایسی قابل دید عمارات تعمیر کرانے کا ایک خاص انداز اور تجربہ تھا۔ ظاہری بات ہے کہ دیوہیکل عمارات تعمیر کرنے کے لئے صرف گارا اور چونا ہی کافی نہیں تھا، اس طرح کی عظیم عمارات کو مضبوط بنانے کے لئے کسی مضبوط پائیدار اور دیرپا مسالہ، سامان کی ضرورت تھی جسے بطور گارا استعمال کیا جاسکتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام مذکورہ اشیاء حاصل کرنا چاہتے

تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے اس ارادے کو شرف قبولیت عطا فرماتے ہوئے آپ کو تانبے کے چشمے عطا فرمائے۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے نشان کے طور پر تانبے کو حسب ضرورت پگھلانے کا معجزہ بھی عطا فرمایا۔ آپ علیہ السلام وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے تانبے کو پگھلا کر ضرورت کے مطابق استعمال فرمایا۔ اس سے پہلے کوئی تانبے کی دھات کا استعمال نہیں جانتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عرصہ دراز گزر جانے کے باوجود آپ علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارات اسی مضبوطی سے آج تک قائم ہیں۔

قصص الانبیاء جو کہ عربی زبان میں حضرت نجار رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو انعام کے طور پر زمین کے جن حصوں میں تپش کی وجہ سے تانبہ پگھلی ہوئی شکل میں موجود ہے اس کا علم عطا فرمایا۔ آپ علیہ السلام سے پہلے کوئی شخص بھی زمین کے ان حصوں میں پگھلتے ہوئے دھات کے ان چشموں سے واقف نہ تھا۔ آج کی تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ زمین کی سب سے نچلی تہ تو پگھلتی ہوئی دھاتوں کا سمندر ہے جبکہ درمیانی تہہ میں موجود دھاتیں بھی پگھلی ہوئی شکل میں ہیں۔ جغرافیائی اصطلاح میں اس کو ''لاوا'' کہا جاتا ہے۔

حافظ علامہ عمادالدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ تانبے کے وہ چشمے ملک یمن میں تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر ظاہر فرما دیا تھا۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ ملک یمن کی سرزمین میں وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت سلیمان علیہ السلام پگھلا ہوا تانبہ حاصل کرنے کے بعد اسے بطور گارا استعمال فرماتے تھے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ تانبے کے چشمے صرف سرزمین یمن میں ہی تھے تو مناسب نہیں ہوگا کیونکہ نچلی تہہ تو ہر ملک کی سرزمین کے نیچے موجود ہے اور اس کی کیفیت پگھلی ہوئی دھاتوں کی ہے۔ بہرحال قدرت نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دھاتوں کی پگھلی ہوئی شکل استعمال کرنے کا علم بھی عطا فرمایا تھا۔

تعمیر مسجد

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ارادہ فرمایا کہ مسجد اقصیٰ کی تعمیر نو اس انداز سے کی جائے کہ اہل دنیا اللہ کے اس گھر کی عظمت، شان وشوکت اور جلال کو دیکھ کر قدرت الٰہی کی عظمت جان سکیں اور ساتھ ہی مسجد کے اطراف میں ایک عظیم شہر آباد کرنے کا سوچا تاکہ لوگوں کو عبادت کے لئے آسانی ہو اور کم از کم اہل شہر دور دراز کی مسافت طے کرنے کے بعد عبادت الٰہی کے لئے آنے والوں کی طرح زیادہ مشقت سے بچ سکیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ارادہ یہ تھا کہ مسجد کی تعمیر نو اور شہر آباد کرنے کے لئے نہایت عمدہ بیش قیمت پتھر اور مضبوط ترین سامان استعمال کیا جائے تاکہ یہ مسجد تقدس اور عمارت کے اعتبار سے رہتی دنیا تک شان وشوکت کا عملی نمونہ پیش کرتی رہے۔ اس قدر بڑی اور عظیم مسجد تعمیر کرنا جس میں وزنی پتھر استعمال کرنے کا ارادہ تھا۔ اس زمانے میں جب کہ ذرائع آمدورفت نہایت مختصر اور محدود تھے انسانوں کے بس سے باہر تھا۔ اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا کہ یہ کام جنات سے لیا جائے کیونکہ اللہ کی یہ مخلوق اس کی عطا کردہ طاقت سے سخت اور مشکل سے مشکل کام سرانجام دینے کی طاقت رکھتی ہے۔

دنیا کی سب سے پہلی مسجد

حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر تعمیر ہونے والی مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کو عام طور پر نئی تعمیر خیال کیا جاتا ہے یعنی یہ کہ اس سے پہلے یہ مسجد دنیا میں موجود ہی نہیں تھی اسے بنایا ہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہے۔ یہ خیال غلط فہمی پر مبنی ہے جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ پہلے ہی موجود تھی جس کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مسجد اور بیت المقدس کی تجدید فرمائی۔ ہم اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وہ حدیث مبارکہ پیش کر رہے ہیں۔ جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ اسی حدیث مبارکہ کو حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے مسند شریف میں اور حضرت ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے سنن ابن ماجہ و دیگر کئی ثقہ راویوں نے صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم دنیا میں سب سے پہلی مسجد کون سی ہے؟ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ''اے ابوذر غفاری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مسجد الحرام۔'' ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر عرض کیا اس کے بعد سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ''مسجد اقصیٰ۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اس ارشاد گرامی کے بعد یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مسجد اقصیٰ دنیا کی دوسری مسجد ہے نہ کہ پہلی۔ اس کے بعد تیسری دفعہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ان دونوں مسجدوں کے درمیان کتنے سالوں کا فرق ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ''چالیس سال کا۔''

صحیح بخاری و مسلم کتاب الانبیاء

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اس حدیث مبارکہ کے مطابق مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں صرف چالیس سال کا فرق ہے جب کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے مسجد الحرام تعمیر فرمائی تھی ان کے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درمیان قریباً ایک ہزار سال سے بھی زائد مدت کا فاصلہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث کے مطابق جو چالیس سال کا فاصلہ بتایا گیا ہے اسکا کیا مطلب ہوا۔ جواباً عرض ہے کہ محققین ارشاد فرماتے ہیں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مسجد الحرام کی تعمیر فرمائی اور وہ بعد میں مکہ مکرمہ کے شہر کی وجہ بنی، اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کی بنیاد رکھی اور اس کے ساتھ بیت المقدس کا شہر آباد ہوا۔ بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ (ہیکل سلیمانی) اور شہر بیت المقدس کی تجدید فرمائی۔ آپ علیہ السلام کو مسجد کی تجدید کا اس حد تک خیال تھا کہ خود کام کی نگرانی فرمایا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام اپنی چھڑی مبارکہ کا سہارا لے کر

کھڑے ہوتے ضروریات سے فارغ ہوکر پھر نگرانی شروع فرما دیتے۔ جنّات شب و روز مسجد کی تعمیر میں مصروف رہتے۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام خود کام کی نگرانی فرما رہے ہیں۔

مسجد اقصیٰ اس قدر عالی شان اور دیدہ زیب ہے کہ انسان اسے دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ انسانی عقل یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے کہ اس قدر وزنی پتھر کہاں سے اور کیسے لائے گئے پھر ان کو اتنی بلندی پر کس طرح نصب کیا گیا۔ یہ سب کچھ جنّات کا ہی کام تھا۔ ظاہری اسباب کے بغیر عام انسانی طاقت یہ تعمیر نہیں کرسکتی تھی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا کی ہوئی اس طاقت اور نعمتوں کا ذکر یوں فرمایا ہے۔ آپ علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر نو کے علاوہ اور بہت سی عمارات، محل اور دیگر چیزیں تعمیر کرائی تھیں جن کی ابتداء اور تکمیل جنات کے ہاتھوں ہوئی۔

سورہ سباء، انبیاء اور سورہ ص میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ الانبیاء آیت 82

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ۔ ''اور ہم نے شیطانوں یعنی سرکش جِنّوں کو سلیمان (علیہ السلام) کے لئے مسخر کر دیا۔ وہ اس کے لئے سمندروں میں غوطے لگاتے (یعنی بیش قیمت بحری اشیاء موتی جواہرات وغیرہ نکالتے) اور اسکے علاوہ اور بہت سے کام انجام دیتے اور ہم ان کے لئے نگراں اور نگہبان تھے (کہ آپ کے حکم سے باہر نہ ہوں)۔''

دوسری جگہ سورہ سبا میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ سبا آیات 12،13

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

ترجمہ۔ ''اور سلیمان (علیہ السلام) کے بس میں ہوا کردی اس کی صبح منزل ایک مہینہ کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینہ کی راہ اور ہم نے اس کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا اور جِنّوں میں سے وہ تھے جو اس (سلیمان علیہ السلام) کے سامنے خدمت انجام دیتے تھے اس کے پروردگار کے حکم سے۔ اور ان میں سے جو کوئی ہمارے حکم کے خلاف کرے تو ہم اسے دوزخ کا عذاب چکھائیں گے۔ وہ (جِنّات) اس (سلیمان علیہ السلام) کے لئے جو کچھ

وہ (سلیمان علیہ والسلام) چاہتے بناتے تھے۔ قلعوں (محلوں) کی تعمیر، ہتھیار اور تصاویر اور بڑے بڑے لگن جن کی شکل حوضوں کی مانند تھی اور بڑی بڑی دیگیں جو اپنے حجم اور وزن کی وجہ سے ایک ہی جگہ پر جمی رہتی تھیں۔ اے داؤد (علیہ السلام) کی اولاد شکر گزاری سے کام لو اور میرے بندوں میں سے بہت کم شکر گزار ہیں۔''

سورہ ص میں یوں ارشاد فرمایا۔ سورۃ ص آیات 37، 38، 39

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾

وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿٣٨﴾

هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٩﴾

ترجمہ۔ ''اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے لئے شیطان (سرکش جن) مسخر کر دیے۔ ہر قسم کا کام کرنے والے، عمارات بنانے والے، دریا میں غوطہ لگانے والے اور وہ (سرکش جن) جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔ یہ ہماری بخشش وعطا ہے چاہے اس کو بخش دو یا روکے رکھو تم سے اس کا مواخذہ نہیں''۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم مبارک پر جنوں کے ہاتھوں مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کے شہر کی تعمیر نو میں سات سال کا عرصہ لگا۔ یہ تعمیر نو اپنی مثال آپ اور دنیا کے شاہکاروں میں شمار ہوتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سات سال کا عرصہ اس تعمیر نو کی خود نگرانی فرماتے رہے۔ روزانہ ضروریات اور فرائض سے فارغ ہو کر اپنی چھڑی کے سہارے مسجد کے سامنے کھڑے رہتے یہ آپ علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ اس قدر قابل دید عمارت سات سال کے عرصہ میں مکمل ہوئی تعمیر جاری ہی تھی کہ آپ علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔ جنات کو جب وصال کا علم ہوا تو کام کو وہیں جہاں تک مکمل ہو چکا تھا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ایسی عمارات اگر انسان آج کے جدید ترقی یافتہ دور میں تمام تعمیری سہولتوں کے باوجود بنانا چاہے تو عرصہ دراز درکار ہو گا پھر بھی شاید اس طرح کی عمارت نہ بنا سکے۔

البدایہ والنہایہ صفحہ 368 تا 370
صحیح بخاری ومسلم شریف کتاب الانبیاء
فتح الباری جلد 6 صفحہ 356
تفسیر بیضاوی۔ سورہ سباء

حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال شریف کا ذکر کرنے سے پہلے ایک اہم ترین بات کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں جو کہ بنی اسرائیل کی حضرت سلیمان علیہ السلام پر بہتان تراشی ہے۔ ویسے تو بنی اسرائیل نے اپنے ان پیغمبروں پر طرح طرح کے بہتان لگا کر ان پاک اور برگزیدہ ہستیوں کی شان میں گستاخیوں کی انتہا کرتے ہوئے اپنی

خباثت کا ثبوت دیا ہے۔ یہاں ہر ایک بہتان کا مدلل رد کرنا ہمارے موضوع کی طوالت کا باعث ہوگا۔ اس لئے یہاں آپ علیہ السلام کی ذات مقدسہ پر جادو کا جو الزام لگایا گیا ہے اس کا جواب دینا اشد ضروری ہے۔ بنی اسرائیل وہ قوم ہے جس کے خود ساختہ علماء نے اللہ تعالیٰ کی الہامی کتابوں میں اپنی دنیاوی غرض اور لالچ کی خاطر اس حد تک تبدیلیاں کر دی ہیں کہ کتاب آسمانی کی اصل شکل ہی تبدیل ہو کر رہ گئی۔ ان لوگوں کی ذہنیت کا اندازہ اسی عقیدہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کو اللہ کا نبی اور رسول ہی نہیں مانتے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ سلیمان (علیہ السلام) نے جادو کے زور پر اپنی حکومت چلائی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ السلام کو اللہ کا نبی یا رسول کہنے کی بجائے ''کنگ سلیمان'' کہتے ہیں۔ پھر اپنی تحریف شدہ کتب میں جنّوں کے لئے علم غیب کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہاں اسی سلسلے میں وضاحت اور ان سوالوں کے جوابات عرض کر رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں ارشاد فرما کر اس قوم کے مکروفریب اور کذب بیانی کا رد فرمایا ہے۔ قرآن مجید نے مدلل دلائل کے ساتھ ان تمام الزام تراشیوں اور بہتان کا رد کرتے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت ورسالت اور ان کی عظمت کو روشن فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ میرے ان محبوب پیغمبروں کا دامن جادو وغیرہ سے پاک ہے جب کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے اسرائیلیوں کو گمراہ کرنے کے لئے انہیں جادو کی نحوست میں مبتلا کیا اور یوں مومن بندوں کے علاوہ باقی اسرائیلی قوم تورات اور زبور کی تعلیمات کو چھوڑ کر جادو سیکھنے لگی اور اپنے اس عمل کو الہامی قانون سمجھ لیا۔ یہ لوگ سخت جھوٹے اور انتہائی درجے کے بہتان تراش ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال کے بارے میں سورہ سباء کی آیت 14 اور آیت 15 میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔ سورۃ سباء آیات 14، 15

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴿١٥﴾

ترجمہ۔ ''پھر جب ہم نے اس (سلیمان علیہ السلام) کے لئے موت کا حکم صادر کیا تو ان جنّوں کو اس کی موت کی کسی نے اطلاع نہ دی مگر گھن (دیمک) نے کہ جو سلیمان (علیہ السلام) کی لاٹھی (عصاء) کو چاٹ رہی تھی۔ اور جب سلیمان علیہ السلام کی لاٹھی گر پڑی (اور وہ زمین پر آ رہا) تو جنّوں کو معلوم ہوا (اور کہنے لگے) اگر وہ غیب کا علم جانتے

ہوتے تو اس سخت تکلیف (خواری کے عذاب) میں مبتلا نہ رہتے۔ بے شک (اہل) سباء کے لئے ان کے مقام بود و باش میں ایک نشانی تھی (یعنی) دو باغ (ایک) دائیں طرف اور (دوسرا) بائیں طرف۔ اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو پاکیزہ شہر اور بخشنے والا رب''۔

قرآن مجید کی آیات کی تفسیر

قرآن مجید نے سورہ سبا میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال کا جو ذکر فرمایا ہے اسکی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفسرین کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم مبارک کے مطابق جِنّوں کی ایک بڑی جماعت ایک عظیم الشان عمارت (مسجد اقصیٰ یعنی ہیکل سلیمانی) بنانے میں شب و روز مصروف تھی۔ اس تعمیر میں سات سال کا عرصہ گزر گیا۔ حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی تھی کہ ان کی وفات کا حال جِنّات پر ظاہر نہ ہو تا کہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ جنّ غیب نہیں جانتے پھر محراب میں داخل ہوئے اور حسب عادت نماز کے لئے اپنے عصا پر تکیہ لگا کر کھڑے ہو گئے تعمیر جاری تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پیغام اجل آ گیا۔ آپ علیہ السلام اس فانی دنیا سے ظاہری اعتبار سے رخصت ہو کر اپنے خالق حقیقی کے حضور تشریف لے گئے۔ جِنّات بدستور اپنے کام میں مصروف رہے اور ثقہ روایات کے مطابق ایک سال کا عرصہ گزر گیا مگر جِنّات آپ علیہ السلام کے وصال شریف سے بے خبر ہی رہے۔ ادھر جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس لاٹھی کو جس کے سہارے آپ علیہ السلام کھڑے تھے دیمک نے چاٹ لیا تو لاٹھی زمین پر گر گئی۔ یوں حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم اطہر بھی زمین پر آ رہا۔ یہ دیکھتے ہوئے جِنّوں کو علم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو چکا ہے۔ کہنے لگے افسوس اگر ہم علم غیب رکھتے ہوتے تو عرصہ تک اس مشقت میں مبتلا نہ رہتے کیونکہ ہم تو تعمیر کا یہ کام آپ علیہ السلام کے حکم مبارک سے انجام دے رہے تھے اور جانتے تھے کہ آپ علیہ السلام خود کھڑے ہمارے کام کی نگرانی فرما رہے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ نے اس جگہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال شریف کا اس انداز میں بیان فرما کر بنی اسرائیل کی خود ساختہ تشریحات اور کتاب الٰہی میں ردوبدل و بہتان تراشیوں کا پول کھولتے ہوئے ان کو ایسی احمقانہ حرکات پر متنبہ فرمایا ہے۔ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر واضح کر دیا جائے کہ تم جِنّات کے لئے علم غیب کا جو نظریہ رکھتے ہو وہ قطعی بے بنیاد اور غلط ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ انہیں عرصہ تک حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال کی خبر ہی نہ ہو سکی اگر تمہارے عقیدہ باطلہ کے مطابق جِنّات علم غیب جانتے ہیں تو انہیں سلیمان علیہ السلام کے وصال کی خبر ہو جانا چاہیے تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر مبارکہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر مبارکہ کے بارے میں قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں تو کوئی وضاحت نہیں ملتی البتہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر شریف

ترپن (53) سال تھی۔ آپ علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وصال شریف کے وقت (تیرہ) 13 سال کی عمر کے تھے۔ اس طرح آپ علیہ السلام کا زمانہ نبوت و رسالت اور حکومت چالیس (40) سال بنتا ہے (واللہ اعلم)۔'' معلوم ہوتا ہے امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول تورات سے ہی لیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر مبارک کے سلسلے میں ایک روایت میں اسحٰق بن بشر نے محمد بن اسحٰق اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ ''حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر وصال شریف کے وقت باون (52) سال تھی۔ آپ علیہ السلام کا دور نبوت و رسالت (52) سال جبکہ دور حکومت چالیس سال تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ 986 ق م تا 933 قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے۔'' (واللہ اعلم)

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی حکومت کے چوتھے سال بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے رجعام نے سترہ (17) سال حکومت کی جس میں بنی اسرائیل نے کوئی رخنہ اندازی نہ کی نہ ان میں باہم کسی قسم کے اختلافات پیدا ہوئے لیکن اس کے بعد ان کی مملکت قائم نہ رہ سکی۔

از بحر المحیط جلد اول

تفسیر کبیر جلد 3 صفحہ 30-529

تفسیر سورہ سباء

البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 75-371

اہم وضاحت

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر مبارک کے بارے میں پڑھتے ہوئے ذہن میں اس خیال کا آنا ضروری امر ہے کہ عمر مبارک کہ تو 53 یا 52 سال تحریر کی ہے جبکہ زمانہ حکومت چالیس سال اور زمانہ نبوت و رسالت 52 یا 53 برس لکھا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ جواباً عرض ہے کہ چند گزشتہ سالوں سے بعض اہل علم کہلانے والوں نے اپنی تقاریر اور تصانیف میں کہنا شروع کر دیا ہے کہ فلاں نبی علیہ السلام کو اتنی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔ جیسے ایک مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس وقت نبی بنایا گیا یا نبوت عطا ہوئی جب انہوں نے بنی اسرائیل کے سب سے بڑے دشمن جالوت کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسی طرح یہ صاحبان اکثر سیرت کی اور یہاں تک کہ درسی کتب میں بھی تحریر کر رہے ہیں کہ آقائے نامدار سردار رسل فخر کونین تاجدار عرب و عجم رحمت اللعالمین نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی چالیس سال کے بعد نبوت عطا ہوئی۔ پھر قصص القرآن کے حوالے سے لکھی جانے والی ایک کتاب کے مصنف نے تو یہاں تک تحریر کر دیا ہے کہ اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ اپنے مقرب خاص بندوں کو نبوت ہی پختہ عمر میں عطا فرماتا ہے۔ مذکورہ عقیدہ رکھنے والے حضرات کی خدمت میں ہم نہایت احترام کے ساتھ عرض گزار ہیں کہ ان کے بقول جب کسی نبی کو

تیس سال کسی کو چالیس سال اور اسی طرح کسی کو اتنی اور کسی کو اتنی عمر میں نبوت و رسالت عطا ہوئی تو ان کو نبوت عطا ہونے سے پہلے ان کی زندگی کس حیثیت کی تھی، ان کی شخصیت اس وقت کس نام سے متعارف تھی نبی یا رسول۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر نبوت پختہ عمر کو پہنچنے پر ہی عطا ہوتی ہے اور یہ قانون قدرت ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کو جب نبوت و خلافت عطا ہوئی تو اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارکہ کیا پختہ تھی۔ جواب اگر ہاں میں ہو تو اس کی دلیل اور حوالہ ضرور ارشاد فرما دیں، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو بذاتِ خود جھولے میں تشریف فرما ہوتے ہوئے شیر خواری کی عمر میں ہی اپنی نبوت کا اعلان فرما دیا تھا تو کیا ان حضرات کے نزدیک شیر خواری کی عمر بھی پختہ ہی ہوتی ہے؟ اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ذبح کرنے کے لئے اپنے ہمراہ لے گئے تو اس وقت باپ بیٹا دونوں نبی تھے یا نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو نبی تھے مگر حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت نبی نہ تھے تو یہ جواب خاصہ حیرت انگیز اور عقل سے کوسوں دور ہی تصور کیا جائے گا۔ اس جگہ پر ہم اپنا پہلا سوال دہرائیں گے کہ ذبح کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام اگر نبی نہیں تھے تو پھر آپ علیہ السلام کی حیثیت کیا تھی؟ کیا یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بقول آپ حضرات، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس فرمانبرداری کے صلے میں نبوت عطا ہوئی تھی۔ اگر ایسا ہے تو آپ کا فہم و ادراک اور عقل عجیب حیرانی کی بات ہے۔

مختصراً اگر میں مثالیں دیتا جاؤں تو یہ سلسلہ بہت طویل ہو جائے گا پس مذکورہ سوالات اور چند سطور میں بیان کردہ گفتگو کے بعد آپ خود ہی فیصلہ فرما لیں کہ مذکورہ عقیدہ رکھنے والے لوگ صحیح راستے پر ہیں یا سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت جو نبوت کو عطائی مانتے ہیں اور پختہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی تو پیدائشی ہی نبی ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک مقررہ وقت پر اعلان نبوت فرماتا ہے نا کہ اس کو اس وقت نبوت عطا کی جاتی ہے۔

حضرت شعیاء علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال شریف کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام تک بنی اسرائیل اور اُس کے ہر بادشاہ کی اصلاح اور رشد و ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ ایک رسول مبعوث فرماتا رہا جو شب و روز بادشاہ اور قوم کو سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت فرماتے رہے۔ ان ادوار میں مبعوث ہونے والے تمام انبیاء علیہم السلام کے اسمائے گرامی اور زمانوں کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ البتہ چند ایک کے بارے میں اسرائیلی واقعات سے کچھ معلومات ضرور ملتی ہیں جنہیں وہب بن منبہ، کعب احبار اور حضرت عبداللہ بن سلام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے بیان کیا ہے جو کہ تورات کے زبردست عالم تھے بعد میں نبی معصوم ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دست حق پرست پر ایمان لا کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہاں ہم انہیں کی بیان کردہ تفصیلات و واقعات کو تحریر کر رہے ہیں۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال شریف کے بعد اور حضرت زکریا علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل کے جو نبی مبعوث ہوئے ان میں سے ایک نبی شعیاء بن امصیا علیہ

السلام بھی تھے۔ یہ وہ نبی ہیں جنہوں نے اپنے بعد آنے والے برگزیدہ نبی و رسل حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سرکار مدینہ تاجدار عرب و عجم حضور پرنور صلی اللہُ علیہ وآلہٖ وسلّم کی آمد اور آپ صلی اللہُ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نبوت و رسالت کی بشارت دی تھی۔

حضرت شعیاء بن امصیا علیہ السلام جس زمانے میں مبعوث ہوئے اس وقت خرقیا نامی بادشاہ بنی اسرائیل کا حکمران تھا۔ خرقیا حضرت شعیاء علیہ السلام کے مذہب کا سخت پابند اور ان کی تمام تعلیمات پر عمل کرتا تھا۔ یہ بادشاہ نہ صرف خود ان تعلیمات پر عمل کرتا بلکہ اپنی پوری قوم بنی اسرائیل کو بھی عمل کرنے کا حکم دیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی قوم اسے نہایت عزت و احترام سے دیکھتے ہوئے اس کے ہر حکم کی پابندی کرتی تھی۔ مختصراً خرقیا بنی اسرائیل کے ہاں بڑی مقبولیت کا حامل تھا۔ اتفاق سے خرقیا کا ٹخنہ ایک مرض کی وجہ سے شدید خراب ہو گیا اور وہ چلنے پھرنے سے ہی معذور ہو گیا۔ انہی ایام میں بابل کے بادشاہ سخاریب نے بیت المقدس پر حملے کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے سخاریب ایک ٹڈی دل لشکر کے ہمراہ بیت المقدس پر حملہ آور ہوا۔ اس نے بنی اسرائیل کے قتل و غارت اور لوٹ مار کی انتہاء کر دی۔ پوری قوم اس تکلیف کی وجہ سے چلا اٹھی۔

حضرت شعیاء علیہ السلام کی دعا

بنی اسرائیل کے بادشاہ خرقیا نے حضرت شعیاء علیہ السلام کی خدمت میں درخواست کی کہ مجھے وہ طریقہ ارشاد فرمائیں جس پر عمل کرتے ہوئے میں اپنی قوم کو اس عذاب سخاریب سے بچا سکوں۔ حضرت شعیاء علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کروں گا کہ وہ تمہیں اور تمہاری قوم کو اس عذاب سے نجات عطا فرمائے۔ پھر آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی جو قبول ہوئی۔ حضرت شعیاء علیہ السلام نے بادشاہ بنی اسرائیل خرقیا سے فرمایا کہ تم اپنی مرضی سے کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دو، اللہ تعالیٰ تمہیں اس مصیبت سے نجات عطا فرمائے گا۔ اور تم بھی اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و انکساری سے دعا کرو۔ خرقیا نے حسب حکم الٰہی ایک شخص کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔

خرقیا (حزقیا) شاہ اسرائیل (727ق م- 698ق م) کی دعا

خرقیا نے حضرت شعیاء علیہ السلام کا ارشاد سنا تو قبلہ رو ہو کر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے حضور سر بہ سجود ہو کر نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کرنے لگا۔ وہ عرصہ تک دعا کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اور اپنے نبی حضرت شعیاء علیہ السلام کے ذریعے اسے حکم دیا کہ اپنے ٹخنے کے زخم پر انجیر کا عرق لگاؤ تو اس بیماری سے شفایاب ہو جاؤ گے۔ خرقیا نے ایسا ہی کیا اور یوں اس کے ٹخنے کا زخم فوری ٹھیک ہو گیا۔ ادھر دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے سخاریب کی ساری فوج راتوں رات ہلاک ہو گئی، صرف سخاریب اور اس کے دیگر پانچ ساتھی زندہ بچے۔ خرقیا کے حکم پر سخاریب اور اسکے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کے بعد زنجیریں پہنائی گئیں اور ستر (70) روز تک شہر بہ شہر پھرایا گیا۔ ان

لوگوں کو ہر روز دو مٹھی جو فی کس بطور خوراک دیئے جاتے تھے۔اس عمل کے بعد سخاریب کو بنی اسرائیل کے اسی بادشاہ خرقیا کے حکم پر قید کر دیا گیا۔

سخاریب (705ق م - 681ق م) کی رہائی اور موت

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سخاریب شاہ بابل کو بنی اسرائیل کے بادشاہ خرقیا کے حکم سے قید ہوئے کافی عرصہ گزر گیا تو حضرت شعیاء علیہ السلام نے خرقیا کو حکم دیا کہ سخاریب اور اسکے ساتھیوں کو رہا کر دیا جائے تا کہ یہ لوگ اپنی قوم میں واپس جا کر ان کے لئے باعث عبرت بنیں۔حضرت شعیاء علیہ السلام کے حکم پر سخاریب اور اس کے ساتھیوں کو رہا کر دیا گیا اور انہیں اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دے دی گئی۔

سخاریب آزادی مل جانے کے بعد نشان عبرت بنا اپنے ساتھیوں سمیت بابل پہنچا۔اس نے اپنی قوم کے تمام جادوگروں اور کاہنوں کو طلب کیا اور اپنی حالت زار سنائی۔کاہن اور جادوگر تمام واقعات سننے کے بعد کہنے لگے اے بادشاہ ہم لوگوں نے پہلے ہی آپ کو بتا دیا تھا کہ تم بنی اسرائیل پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ انہیں ان کے انبیاء علیہم السلام اور ان کے ربّ کی پوری مدد حاصل ہے۔مگر تو نے ہماری بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور لشکر جرار لے کر بنی اسرائیل پر چڑھ دوڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارا لشکر ہلاک ہو گیا اور تمہاری یہ کیفیت ہے کہ دوسرے لوگوں کے لئے نشان عبرت بن چکے ہو۔سخاریب جادوگروں اور کاہنوں کی باتیں سن کر خوف کے مارے لرزہ براندام ہو گیا۔اس واقعہ کے بعد سخاریب سات سال تک زندہ رہا مگر ایسے جس طرح بے روح جسم۔بہر حال سات سال کے بعد سخاریب کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے نواسے بخت نصر (605ق م-562ق م) کو طلب کیا اور اسے اپنا جانشین بنا کر تخت وتاج اس کے حوالے کر دیا۔اس کے کچھ عرصہ بعد سخاریب مر گیا۔ادھر بنی اسرائیل کے بادشاہ خرقیا نے اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔اس دوران خرقیا بھی فوت ہو گیا اور بنی اسرائیل ایک بار پھر حسب روایت فسق وفجور میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت شعیاء علیہ السلام کی وفات

حضرت شعیاء علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بنی اسرائیل شب و روز فسق و فجور کی لعنت میں گرفتار ہوئے جا رہے ہیں تو آپ علیہ السلام نے قوم کو سیدھی راہ اختیار کرنے کے لئے تبلیغ حق کا راستہ نہ چھوڑنے کا مزید پختہ ارادہ فرماتے ہوئے دین حق کی تبلیغ کا سلسلہ تیز کر دیا۔آپ علیہ السلام کی اس محنت کا بنی اسرائیل نے کوئی اثر قبول نہ کیا اور مزید تباہی کی طرف گامزن رہے۔یہاں تک کہ اس قوم نے حضرت شعیاء علیہ السلام کو سخت ترش جوابات ہی دینے پر اکتفا نہ کیا بلکہ آپ علیہ السلام کو جسمانی تکالیف دینے پر اتر آئی۔بعض روایات کے مطابق اس سنگ دل قوم نے حضرت شعیاء علیہ السلام کو اس قدر تکالیف اور اذیتیں دیں کہ آپ علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔یوں بنی اسرائیل نے

اپنے اس نبی برحق کو قتل (شہید) کر دیا۔ اس طرح حضرت شعیاء علیہ السلام دین حق کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام فرماتے ہوئے راہ حق میں اپنی زندگی مبارکہ کا نذرانہ پیش کرنے کے بعد خالق حقیقی کے حضور تشریف لے گئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 372 تا 378)

حضرت ارمیاء علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء علیہ السلام بن حلقیا کو بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سرکار دو عالم ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تشریف آوری کی بشارت سنائی۔ حضرت ارمیاء علیہ السلام لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

حضرت ارمیا علیہ السلام کی دعا

حضرت ارمیاء علیہ السلام بنی اسرائیل کی سرکشی اور فسق و فجور کو دیکھتے ہوئے ان کی اصلاح کے لئے کوشاں تھے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے خصوصی عرض کی۔ ابوبکر بن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ ان سے علی بن ابی مریم نے احمد بن حباب اور عبدالرحمٰن کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت ارمیاء علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا مانگی۔

''اے میرے پروردگار میں تیرے بندوں کے بارے میں چاہتا ہوں کہ وہ تیرے محبوب بن جائیں (یعنی بنی اسرائیل)۔ ان میں سے اکثر یہ کہتے ہیں کہ وہ دنیا کا ذکر چھوڑ کر تیرا اس طرح ذکر کریں جس طرح میں کرتا ہوں۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں موت پر کوئی اعتراض نہیں اور یہ دائمی بقا کے لئے فنا ہو جانے پر ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ انہیں اگر دنیا کا عیش حاصل ہو تو اس پر قناعت کرتے ہیں اور اگر وہ ان سے چھن جائے تب بھی خوش رہتے ہیں۔ اے میرے پالنے والے ان لوگوں کو میری محبت عطا فرما اور ان کو ان کی خواہش سے زیادہ عطا فرما''۔

حضرت ارمیاء علیہ السلام شب و روز بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے کوشاں رہے مگر اس بگڑی ہوئی قوم نے آپ علیہ السلام کی اس محنت کو اپنی عادت کے مطابق ہنسی مذاق میں ہی ٹال دیا۔ حضرت ارمیاء علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کو عذاب سے ڈرانے کا اعلان بھی کیا مگر وہ لوگ باز نہ آئے۔

حضرت ارمیاء علیہ السلام کا خطاب

بنی اسرائیل حضرت ارمیاء علیہ السلام کی بعثت سے قبل ہی بداعمالیوں اور سخت معاصی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ان کی سرکشی اور شرارتیں حد سے تجاوز کر چکی تھیں۔ ہر طرف ظلم و جبر کا بازار گرم تھا۔ یہاں تک کہ اس قوم نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کیا۔ بنی اسرائیل کی یہ حرکات قبیح جب حد سے بڑھ گئیں اور یہ لوگ باز نہ آئے تو حضرت ارمیاء علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے عذاب سے ڈرایا اور فرمایا اب بھی وقت ہے سمجھ

جاؤ ورنہ تمہارا انجام گزشتہ بگڑی ہوئی اقوام سے بدتر ہو گا۔ حضرت ارمیاء علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ظہر اور عصر کے درمیان ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا اور یوں ارشاد فرمایا۔

''اے قوم اسرائیل! میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمہیں جو خطاب کر رہا ہوں اسے غور سے سنو۔ تمہارے دل تو ہیں مگر احساس سے خالی ہیں۔ تم آنکھیں رکھتے ہو مگر دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تمہارے کان ہیں مگر سننے سے قاصر ہیں۔ تم لوگ بھول گئے ہو کہ ہم نے تمہارے اسلاف کو عزت، طاقت اور حکومت بخشی مگر تم لوگ ان کا راستہ چھوڑ کر معاصی، بے راہ روی اور سرکشی پر اتر آئے ہو۔ تم لوگ کاہنوں اور جادوگروں کے بہکانے پر دوبارہ کفر و شرک کی راہ پر چل پڑے ہو۔ اگر تم ہمارے سمجھانے پر اب بھی اپنی ان حرکات سے باز نہ آئے تو ہم اپنے اللہ کے جلال کی قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ ان حرکات کے مطابق ہی سلوک کیا جائے گا۔ ہم تم پر ایک جابر حکمران مسلط کر دیں گے جو باہر سے آئے گا اور اس کے ساتھ گھوڑے اور سواریاں فوج در فوج ہوں گے۔ اس کے سوار پھریرے اڑاتے آئیں گے اور دیکھتے ہی دیکھتے تمہاری ان فلک بوس عمارتوں کو منہدم کر دیں گے۔ وہ سوار تمہاری بستیوں کو ویرانوں میں تبدیل کر دیں گے۔ اور یوں تمہاری ساری شان و شوکت خاک میں مل جائے گی۔ تمہاری عورتیں خوشبو کی جگہ اپنے چہروں پر مٹی ملا کریں گی۔ ہمارے حکم پر آسمان تمہارے لئے لوہے کا بن جائے گا۔ تمہاری کھیتی باڑی کی زمینیں سنگلاخ بن جائیں گی۔ تمہارے لئے نہ آسمان سے ایک قطرہ بارش برسے گی اور نہ ہی زمین سے تمہارے لئے غلے کا ایک دانہ اور کسی قسم کی سبزی اگے گی۔ اس وقت ہم تمہای طرف سے قطعی اپنا چہرہ پھیر لیں گے اور پھر تمہاری فریاد پر بالکل توجہ نہیں دیں گے۔ البتہ جانوروں کے لئے ہم زمین کی دراڑوں میں سے گھاس اگایا کریں گے اس طرح تم لوگوں کا انجام گزشتہ گمراہ اقوام سے بھی بدتر ہو گا''۔

بنی اسرائیل نے حضرت ارمیاء علیہ السلام کا یہ طویل خطاب مبارک جو کہ اللہ جل شانہٗ کی جانب سے تھا سن کر بھی ہدایت حاصل کرنے کی بجائے الٹا آپ علیہ السلام کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اس بدقسمت قوم نے حضرت ارمیاء علیہ السلام کو قید میں ڈال دیا۔ آپ علیہ السلام قید میں بھی ان لوگوں کی ہدایت کے لئے کوشش فرماتے رہے۔ جب بنی اسرائیل اپنی گمراہی سے باز آنے کو تیار ہی نہ ہوئے بلکہ شب و روز ان کی گمراہی، کفر اور شرک میں اضافہ ہوتا رہا تو آپ علیہ السلام نے قید خانے میں ہی ان لوگوں کو اس عذاب سے باخبر فرما دیا جو عنقریب بنی اسرائیل پر مسلط ہونے والا تھا۔ ارمیاء علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اے بنی اسرائیل تم لوگ بہت جلد بابل کے بادشاہ بخت نصر کے ہاتھوں تباہ ہو جاؤ گے جو اس قوم کو قیدی بنا کر اپنے ہمراہ بابل لے جائے گا اور یوں یروشلم کو نیست و نابود کر دے گا۔

بخت نصر (605 ق م-562 ق م) کا حملہ

ہم حضرت شعیاء علیہ السلام کے حالات میں بیان کر چکے ہیں کہ بابل کے بادشاہ سخاریب نے لشکر جرار کے ساتھ بنی اسرائیل کے شہروں پر حملہ کیا تھا۔ بنی اسرائیل کے بادشاہ خرقیا نے حضرت شعیاء علیہ السلام سے مدد کی

درخواست کی۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جو فوری قبول ہوئی اور یوں ایک رات سخاریب کا تمام لشکر موت کی نیند سو گیا۔ صرف سخاریب اور اسکے پانچ ساتھی زندہ بچے جنہیں کچھ عرصہ قید میں رکھنے کے بعد خرقیا نے آزاد کر دیا۔ سخاریب اس حالت میں واپس بابل پہنچا اور سات سال ذلت کی زندگی بسر کرنے کے بعد مر گیا۔ اسکی موت کے بعد اس کا نواسہ بخت نصر تخت نشین ہوا۔ اسی بخت نصر نے تقریباً چھٹی صدی قبل مسیح میں اپنی ٹڈی دل افواج کے ساتھ اطراف کے علاقوں میں حملہ آور ہو کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔

بخت نصر عذاب الٰہی کی طرح فلسطین اور یروشلم پر حملہ آور ہوا۔ بخت نصر کی افواج نے بنی اسرائیل کا وسیع پیمانے پر قتل عام شروع کر دیا۔ حضرت ارمیاء علیہ السلام کا فرمان مبارک سچ ثابت ہوا۔ بنی اسرائیل اپنی گمراہی اور شرک سے باز نہیں آئے تھے۔ اس لئے حسب حکم الٰہی بخت نصر نے بنی اسرائیل کے بچوں، بوڑھوں، جوانوں اور عورتوں تک کو بے دریغ قتل کیا۔ تمام عمارتیں مسمار کر دیں۔ تورات کے تمام نسخے جلا ڈالے۔ یہاں تک کہ تورات کا ایک نسخہ بھی باقی نہ رہا۔ بنی اسرائیل کی عورتوں کو سر بازار پھرا کر ذلیل و رسوا کیا۔ بیت المقدس میں فوجیوں نے گھوڑے باندھے۔ مختصراً بخت نصر کی صورت میں بنی اسرائیل پر وہ عذاب نازل ہوا جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بخت نصر نے بنی اسرائیل کے ستر (70) ہزار جوان لڑکوں کو بیت المقدس میں ہی قتل کر دیا تھا۔ بقول امام حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ وہب بن منبہ تحریر کرتے ہیں کہ بخت نصر نے بنی اسرائیل کے جتنے لوگوں کو قید کیا تھا ان کی تعداد کا اندازہ کچھ یوں تھا۔

بنی اسرائیلی قیدیوں کی تعداد

بنی اسرائیلی قیدیوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کے خاندان میں سے جو گرفتار ہوئے ان کی تعداد سات ہزار (7000) تھی۔ حضرت یوسف بن یعقوب علیہم السلام اور ان کے بھائی بنیامین کے خاندان میں سے گرفتار ہونے والے افراد کی تعداد گیارہ ہزار (11000) تھی۔ عیشی بن یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں سے آٹھ ہزار (8000) لوگ تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دوسرے دو بیٹوں زمابون اور نفتالی کے خاندان میں سے چودہ ہزار (14000) وان بن یعقوب علیہ السلام کے عیال میں سے بھی چودہ ہزار (14000) سے آٹھ ہزار (8000) یستاخر بن یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں سے آٹھ ہزار (8000) زمابون بن یعقوب علیہ السلام کے گھرانے کے خصوصی نوجوانوں کی تعداد دو ہزار (2000) روبیل اور لادی کے خاندان میں سے چار ہزار (4000) جب کہ ان کے علاوہ بنی اسرائیل کے دیگر خاندانوں میں سے گرفتار ہونے والے لوگوں کی تعداد بارہ ہزار (12000) تھی۔ اس طرح بخت نصر بنی اسرائیل کے ہزاروں افراد کو قتل کر چکا تھا۔ یوں صرف گرفتار ہونے والے لوگوں کی تعداد ہی اسی ہزار (80000) تک پہنچ چکی تھی۔ اس کے علاوہ بخت نصر بیت المقدس سے بنی اسرائیل کا جو مال و زر اور دوسرا قیمتی سامان لوٹ کر اپنے ساتھ بابل لے گیا وہ شمار کی حد سے باہر تھا۔ بہر حال بخت نصر نے بیت المقدس (یروشلم) اور دیگر اسرائیلی شہروں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد مال غنیمت اور قیدیوں کو ہمراہ لے کر بابل کی راہ

لی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کی شکل میں عذاب بھیج کر اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور بنی اسرائیل دنیا کے سامنے نہایت ذلیل ورسوا ہوئے جو اصل میں ان کے اپنے اعمال بد کی سزا تھی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق یہودی 586ق م سے 538 قبل مسیح تک قید رہے۔ جبکہ مسلم محققین کے مطابق 609ق م سے 539ق م تک قید رہے۔

البدایہ والنہایہ جلد2 صفحہ 382،383

تفسیر ابن کثیر جلد1 صفحہ 314

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا

حضرت ارمیاء علیہ السلام کی رہائی

اسحاق بن بشر حضرت وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب بادشاہ بابل بخت نصر بنی اسرائیل کو قتل کرنے ان کے لوگوں کو گرفتار اور مال اور عمارات کو منہدم کرنے سے فارغ ہو چکا تو بنی اسرائیل کے کچھ باقی ماندہ لوگوں نے بخت نصر سے کہا اے بادشاہ تو وہ ہر کام کر چکا ہے جو کرنا چاہتا تھا، مگر تجھے اس شخص کا علم نہیں جس نے تیرے حملے اور بنی اسرائیل کی تباہی کا اس قوم کے حکمرانوں کو بہت پہلے ہی بتا دیا تھا اور اس قوم کو بُرے کاموں سے روکتا رہتا تھا۔ آخر بنی اسرائیل کے حکمرانوں نے اسے قید میں ڈال دیا اور وہ اب تک قید ہے۔ بخت نصر نے ان لوگوں سے پوچھا مجھے اس قیدی کا نام بتاؤ۔ لوگوں نے جواب دیا۔ اس کا نام ارمیاء (علیہ السلام) ہے۔ بخت نصر نے حکم دیا کہ اس قیدی کو رہا کرنے کے بعد میرے حضور پیش کیا جائے۔ حکم کے مطابق حضرت ارمیاء علیہ السلام کو رہا کرنے کے بعد فوری بخت نصر کے سامنے پیش کیا گیا۔

بخت نصر نے حضرت ارمیاء علیہ السلام سے گفتگو کی۔ کہنے لگا بنی اسرائیل کس قدر بد بخت قوم ہے جنہوں نے اپنے ہی نبیوں کو جھٹلا دیا اور ان میں سے بعض کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے اس عظیم ذات کے احکامات کی بھی نافرمانی کی جس نے ان کی اصلاح کے لئے اپنے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام پیدا فرما کر ان میں بھیجے۔ جب حضرت ارمیاء علیہ السلام نے بخت نصر سے گفتگو فرمائی تو وہ آپ علیہ السلام کے پُر مغز ارشادات اور حکمت و دانش کی باتیں سن کر اس قدر متاثر ہوا کہ آپ علیہ السلام سے درخواست کی کہ میرے ساتھ بابل تشریف لے چلیں۔ وہاں آپ کو نہایت احترام سے رکھا جائے گا۔ حضرت ارمیاء علیہ السلام نے بخت نصر کی یہ خواہش رد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا مگر قوم جس ذلت ورسوائی کے ساتھ تمہارے ہمراہ جا رہی ہے میں اس کے مقابلے میں اپنی موجودہ حالت کو ہی ترجیح دیتا ہوں۔

حضرت ارمیاء علیہ السلام کی پیش گوئی

بخت نصر حضرت ارمیاء علیہ السلام کا جواب سن کر بنی اسرائیل کے قیدیوں کو ہمراہ لے کر بابل روانہ ہو گیا۔ ادھر حضرت ارمیاء علیہ السلام شہر یروشلم کو چھوڑ کر دور کسی جنگل میں تشریف لے گئے اور وہیں بودوباش اختیار فرمائی۔

کچھ عرصہ بعد آپ علیہ السلام نے اسی جگہ سے تحریر کے ذریعے بنی اسرائیل کو بابل میں پیش گوئی ارسال فرمائی کہ تم لوگ ستر (70) سال تک بابل میں اسی ذلت ورسوائی کے ساتھ رہو گے، پھر اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ فلسطین میں آباد کر دے گا۔

حضرت ارمیاء علیہ السلام کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ بابل میں بنی اسرائیل ذلت ورسوائی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ شاہ بابل بخت نصر جب مر گیا تو قریباً 539 ق م میں فارس کے بادشاہ سائرس (خسرو) نے بابل پر حملہ کیا اور وہاں کے بادشاہ بیل شاہ زار کو شکست فاش دے کر نہ صرف اہل فارس کو ہی اس ظالم خاندان کے جبر وستم سے آزاد کرایا بلکہ بنی اسرائیل کو بھی آزاد کرتے ہوئے انہیں یروشلم کی دوبارہ تعمیر کی اجازت دے دی۔ یہ بادشاہ دس سال تک زندہ رہا۔ اس عرصے میں بنی اسرائیل بیت المقدس کی تعمیر نو میں مصروف رہے۔ مگر اس بادشاہ کی عمر میں یہ تعمیر مکمل نہ ہو سکی جسے بعد میں بنی اسرائیل نے مکمل کیا۔

البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 384،385

حضرت دانیال علیہ السلام

کتب تفسیر وتاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ مفسرین اور تاریخ دانوں کے ہاں اس بات پر اختلاف ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے یا مرد صالح۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ مرد صالح تھے۔ جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے جو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے گئے۔ جمہور اہل علم ومفسرین کے نزدیک حضرت دانیال علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ ہمارے نزدیک بھی یہی قول حقیقت پر مبنی ہے۔ گو قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود نہیں لیکن امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے جو انسانوں کی ہدایت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ ان تمام نبیوں کے اسمائے گرامی کہیں نہیں ملتے صرف بعض مشہور اور ان نبیوں میں سے اہم ترین ہستیوں کا ذکر ملتا ہے۔ پھر اس بات پر بھی اجماع ہے کہ ایک وقت میں کئی کئی نبی مبعوث ہوئے جن میں بعض ایک شہر، ایک قوم، ایک ملک، اور کئی مرتبہ تو ایک بڑی قوم میں ہی بیک وقت کئی نبی تشریف لائے۔ اس اعتبار سے حضرت دانیال علیہ السلام کا نبی ہونا ہی درست خیال ہے۔ پھر اسی سلسلے میں ایک حدیث شریف بھی آتی ہے جسے ابوبکر بن ابی الدنیا اپنی کتاب ''احکام القبور'' میں تحریر کرتے ہیں اس حدیث شریف کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ بہر حال جمہور مفسرین کے نزدیک حضرت دانیال علیہ السلام کا نبی ہونا ہی ثابت ہے۔

حضرت دانیال علیہ السلام کا واقعہ

اسی سلسلے کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے یہاں ہم حضرت دانیال علیہ السلام کا حال تحریر کرتے ہیں۔ گزشتہ صفحات میں ہم حضرت ارمیاء علیہ السلام کے حالات کا ذکر کر چکے ہیں۔ شاہ بابل بخت نصر نے جب یروشلم پر اپنے

ٹڈی دل لشکر سے حملہ کیا تو بنی اسرائیل کے دو جوانوں نے اس کی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ابی الدنیا اپنی کتاب ''احکام القبور'' میں لکھتے ہیں کہ ان سے احمد بن عبد الاعلیٰ شیبانی نے بیان کیا کہ اس کے ساتھ یہ بھی تحریر ہے کہ اگر مجھ سے یہ بات شعیب بن صفوان براہ راست بیان نہ کرتے تو یقیناً مجھ سے میرے بعض ساتھی اجلح الکندی اور عبداللہ بن ابی الھذیل کے حوالے سے بیان کرتے کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس پر حملہ کیا تو اپنے مقابلہ میں دو انتہائی دلیر آدمیوں کو شیر نر کی طرح مقابلہ کرتے پایا۔ بخت نصر کی فوج نے جم غفیر کی صورت میں ان دونوں شیروں پر قابو پایا۔ پھر ان دونوں کو کنویں میں الٹا لٹکا دیا۔

حضرت دانیال علیہ السلام کو جس کنویں میں لٹکایا گیا وہ کنواں بابل کے قریب تھا۔ آپ علیہ السلام کو بشری تقاضہ کے تحت چند روز کے بعد بھوک پیاس نے تنگ کیا مگر آپ علیہ السلام نے صبر کا دامن نہ چھوڑا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء علیہ السلام کو وحی کے ذریعے ارشاد فرمایا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کو کھانا پانی پہنچاؤ۔ حضرت ارمیاء علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے خالق ارض وسماء دانیال علیہ السلام کو تو بخت نصر نے عراق میں بابل کے قریب ایک کنویں میں لٹکا رکھا ہے اور میں یہاں فلسطین میں ہوں اتنی دور انہیں کھانے پینے کا سامان کس طرح پہنچاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کھانے پینے کی اشیاء تیار رکھا کرو، انؑ کے نقل وحمل کی ذمہ داری ہماری ہے۔ حضرت ارمیاء علیہ السلام نے جب اشیاء خورد ونوش اکٹھی کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے وہ تمام چیزیں اور ارمیاء علیہ السلام کو اس کنویں کی منڈیر پر پہنچا دیا۔ حضرت دانیال علیہ السلام نے منڈیر پر پاؤں کی آہٹ سن کر ارشاد فرمایا اوپر کون ہے۔

حضرت ارمیاء اور حضرت دانیال علیہم السلام کی گفتگو

حضرت ارمیاء علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت دانیال علیہ السلام کے لئے سامان خورد ونوش لیا اور بابل کے اس کنویں پر پہنچ گئے جس میں حضرت دانیال علیہ السلام کو قید کیا گیا تھا۔ وہاں دونوں بزرگوں کے درمیان یہ گفتگو ہوئی۔ کنویں کی منڈیر پر کچھ آہٹ سنی تو حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا اوپر کون ہے؟

حضرت ارمیاء علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ میں ارمیاء (علیہ السلام) ہوں۔

حضرت دانیال علیہ السلام۔ تم یہاں تک کیسے پہنچے اور تمہیں یہاں کس نے پہنچایا؟

حضرت ارمیاء علیہ السلام۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہاں آپ کی مدد کے لئے پہنچایا ہے۔

حضرت دانیال علیہ السلام۔ پھر تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے میرا ذکر بھی کیا ہوگا۔

حضرت ارمیاء علیہ السلام۔ کیا ہے۔

حضرت دانیال علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو اس سے امید کرتا ہے وہ اسے فراموش ومایوس نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا احسان اور شکر ہے کہ وہ اپنا ذکر کرنے والوں کو فراموش نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو شخص

اس پر توکل کرتا ہے وہ کسی دوسرے پر توکل کرنے کا محتاج نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ احسان کی جزا احسان سے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ صبر کرنے والوں کو صبر کی جزا میں نجات دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جب ہم خود اپنے اعمال بد کی وجہ سے بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو وہ ہمیں اس بدگمانی سے دور کر کے یقین کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جب ہماری ہر امید ٹوٹ جاتی ہے تو وہ ہمیں از سر نو امید دلاتا ہے۔

حضرت دانیال علیہ السلام حضرت ارمیاء علیہ السلام کی مدد سے کنویں سے باہر آئے اور دونوں بزرگوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ بخت نصر حضرت دانیال علیہ السلام کی شجاعت سے اس قدر متاثر ہوا تھا کہ جب آپ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے ہمراہ گرفتار کر کے بابل لے گیا تو وہاں جا کر آپ علیہ السلام کو ہر قسم کی سہولت اور آرام کے ساتھ نہایت باعزت طریقے سے رکھا۔ بخت نصر حضرت دانیال علیہ السلام کا بہت احترام کیا کرتا تھا۔ (واللہ اعلم)

البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 386 تا 388

حضرت دانیال علیہ السلام کا وصال اور جسد اقدس

مفسرین کرام اور تاریخ نویس حضرت دانیال علیہ السلام کی مدت نبوت عمر مبارک اور وصال شریف کے سلسلے میں خاموش ہیں کیونکہ اس کا ذکر قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں نہیں آتا ہے۔ اس لیے اصحاب سیر تحریر کرتے ہیں کہ حضرت دانیال علیہ السلام بھی اپنی طبعی زندگی بسر کرنے کے بعد اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور ایسا حکم الٰہی کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ بہر حال بعض کا خیال ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام کو بھی بنی اسرائیل نے شہید کیا تھا۔ (واللہ اعلم)۔ حضرت دانیال علیہ السلام کے جسد مبارک کے سلسلے میں روایت اور حدیث نبوی موجود ہے جس کا ذکر تحریر کیا جا رہا ہے۔

ابوبکر بن ابی الدنیا اپنی کتاب ''احکام القبور'' میں تحریر کرتے ہیں کہ ان سے ابو بلال بن حارث بن عبداللہ بن ابی بردہ بن ابو موسیٰ اشعری رحمہما اللہ علیہ اور ابو محمد القاسم بن عبداللہ نے ابی اشعث الاحمری کے حوالے سے بیان کیا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''دانیال (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ انہیں امت محمدیہ کے لوگ دفن کریں۔''

البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 388

ایک مشہور روایت میں آتا ہے جس کی اسناد نہایت ثقہ لوگوں پر مشتمل ہیں جن کے نام ہم اوپر درج کر چکے ہیں اور اس روایت کو حسن تسلیم کیا گیا ہے۔

راوی لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دور فاروقی میں ''تستر'' فتح کیا تو ان کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی یاد آیا کہ جو شخص حضرت دانیال علیہ السلام کے جسد اطہر کی نشان دہی

کرے گا وہ جنتی ہوگا اور ان کے جسم اطہر کو دفن کرنے والا بھی جنتی ہوگا۔مقام تستر ہی وہ جگہ تھی جہاں حضرت دانیال علیہ السلام کا وصال یا شہادت ہوئی تھی۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جگہ کو فتح کر چکے تھے اب انہوں نے حضرت دانیال علیہ السلام کے جسد اطہر کی تلاش شروع کردی۔کافی محنت کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت دانیال علیہ السلام کے اس تابوت کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے، جس میں آپ علیہ السلام کا جسم اطہر محفوظ تھا۔وہ تابوت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہرمزان کے امیر یعنی گورنر یا بعض روایات کے مطابق بادشاہ وقت کے گھر سے ملا تھا۔تابوت کے سرہانے وہ مصحف آسمانی بھی رکھا ہوا تھا جو حضرت دانیال علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مصحف آسمانی پر لکھی تحریر پڑھ کر اس کا عربی میں ترجمہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت دانیال علیہ السلام پر ہی نازل ہوا تھا اور تابوت میں رکھا ہوا جسم اطہر حضرت دانیال علیہ السلام کا ہی تھا۔ مزید تسلی کے لئے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہر تستر کے عمر رسیدہ لوگوں کو طلب کیا اور ان سے جسم اطہر کی شناخت کے بارے میں پوچھا۔لوگوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا کہ ہم سینہ بہ سینہ اپنے بڑوں سے یہ روایت سنتے چلے آرہے ہیں کہ بنی اسرائیل کے حکمرانوں نے بعض انبیاء علیہم السلام کو شہید کر دیا تھا۔مگر حضرت دانیال علیہ السلام کے زمانے میں جو بادشاہ تھا اسنے آپ علیہ السلام کی انگلی مبارکہ میں موجود انگوٹھی کو دیکھ کر جس پر دو شیروں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں ان کی زبانیں باہر تھیں اور وہ شیر حضرت دانیال علیہ السلام کے پاؤں مبارک چاٹ رہے تھے آپ علیہ السلام کو شہید نہیں کیا تھا۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصحف پر لکھی ہوئی تحریر کو عربی میں ترجمہ کرنے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا تھا۔

''تستر'' شہر کے عمر رسیدہ لوگوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بتایا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی انگوٹھی پر نقش شیر آپ کے پاؤں مبارک چاٹتے ہوئے دکھائے گئے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگل کے خطرناک شیر بھی آپ علیہ السلام کے تابع کر رکھے تھے۔اسی طرح اللہ جب چاہتا ہے شیروں کو بھی اپنے مخلص بندوں کے تابع فرمادیتا ہے اور وہ ان کے پاؤں کے تلوے اپنی زبانوں سے چاٹتے ہیں۔اس روایت میں مزید کہا گیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی حضرت دانیال علیہ السلام کو دفن کیا تھا۔یوں نبی معصوم غیب دان کے دہن اقدس سے نکلا ہوا فرمان مبارک سچ ثابت ہوا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت دانیال علیہ السلام کے جسد اطہر کو تلاش کرنے کے بعد اسے دفن کرنے کی نعمت عظمیٰ حاصل کی اور جنت میں ارفع واعلیٰ مقام کے حق دار ٹھہرے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''تستر'' سے ملنے والا مال غنیمت خمس نکال کر فوجیوں میں تقسیم کر دیا اور حضرت دانیال علیہ السلام کی مبارک انگلی سے انگوٹھی نکال کر خود بطور تبرک پہن لی۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد جب وہ انگوٹھی ان کی والدہ کو دکھائی گئی تو انہوں نے فرمایا میرا بیٹا یہ انگوٹھی ہر وقت اپنی انگلی میں پہنے رہتا تھا اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ میں نے یہ انگوٹھی حضرت دانیال علیہ السلام کی میت کو تلاش کرنے

کے بعد انکی مبارک انگلی سے اتاری تھی جسے بطور یادگار ہمیشہ رکھتا ہوں۔

البدایہ والنہایہ جلد2 صفحہ389

حضرت عزیر علیہ السلام

حضرت عزیر علیہ السلام نہایت متقی پرہیزگار اور حکمت و دانائی کے پیکر تھے۔ قرآن کریم میں آپؑ کا ذکر سورۃ توبہ آیت 30 میں کیا گیا ہے۔ آپ علیہ السلام تورات کے زبردست عالم تھے۔ اس زمانے میں آپ علیہ السلام سے بڑا تورات کا کوئی عالم نہ تھا۔ حضرت عزیر علیہ السلام ہی وہ نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سو(100) سال کا عرصہ موت دے کر پھر زندہ فرمایا۔ آپ علیہ السلام کی دانشمندی ہر سو مشہور تھی۔ کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن کے مطابق حضرت عزیر علیہ السلام کو ایک مردِ صالح ہی کہا گیا ہے نبی نہیں۔ مگر جمہور مفسرین کے نزدیک قرآن کریم کے جس واقعہ میں ایک مردِ صالح کا ذکر کیا گیا ہے وہ حضرت عزیر علیہ السلام ہی تھے اور آپ یقیناً اللہ کے نبی ہیں جن کو بنی اسرائیل کی رشد و ہدائیت کے لئے اس وقت مبعوث فرمایا گیا جب یہ لوگ بخت نصر کے ہاتھوں ستر(70) سال قیدیوں کی حیثیت سے ذلیل ورسوا ہو کر واپس بیت المقدس آئے تھے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو تورات کی تعلیم اس وقت دی جب اس آسمانی کتاب کے تمام نسخوں کو بخت نصر نے نذرِ آتش کر دیا تھا اور یوں ایک نسخہ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب نبی علیہ السلام کے سینہ مبارک میں تورات کو محفوظ رکھا اور یوں آپ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دوبارہ تورات کی تعلیم دی۔ آپ علیہ السلام کو قدرت نے بے مثل حافظہ عطا فرمایا تھا۔

شجرہ نسب

حضرت عزیر علیہ السلام کے شجرہ نسب میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر اس بات پر سب متفق ہیں کہ آپ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ حافظ ابوالقاسم بن امام عساکر فرماتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا پورا مشہور تاریخی نام عزیر بن جروہ تھا۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ عزیر بن جروہ بن سوریق بن عدیا بن ایوب بن درزنا بن عری بن تقی بن اسبوع فخاص بن عازر بن حضرت ہارون (علیہ السلام) بن عمران۔

حالاتِ زندگی

حضرت عزیر علیہ السلام کی حیات مبارکہ کی تفصیل تفاسیر یا کتب تاریخ میں بہت کم بیان کی گئی ہے یہاں تک کہ تورات میں بھی تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ جتنے حالات مبارکہ ملتے ہیں ان کا زیادہ حصہ اسرائیلیات سے ہی اخذ شدہ ہے۔ البتہ تورات، وہب بن منبہ اور کعب احبار رحمہما اللہ سے منقول عبارت و روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام چھوٹی عمر کے ہی تھے کہ تقریباً چھ سو نو(609) یا پانچ سو چھیاسی(586) قبل مسیح میں بخت نصر نے

یروشلم کو تباہ کر دیا اور بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے اپنے ہمراہ بابل لے گیا۔ آپ علیہ السلام بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔ پھر جب سائرس (خسرو 550 تا 529 ق م) نے بابل فتح کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو رہا کر دیا اور وہ واپس آ کر بیت المقدس کی تعمیر نو کرنے لگے تو آپ بھی ان کے ساتھ شامل تھے۔ آپ علیہ السلام کو بحکم الٰہی تورات پوری یاد تھی۔ اپنے بے پناہ حافظے کی قوت سے بڑی سے بڑی کتاب و واقعات یاد فرما لیا کرتے تھے۔۔ بنی اسرائیل جتنے سال بخت نصر کی قید بابل میں رہے وہ تورات سے محروم رہے کیونکہ بخت نصر نے تورات کے تمام نسخے ہی جلا ڈالے تھے اور یوں ایک نسخہ بھی کسی کے پاس باقی نہیں بچا تھا۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنی ساری عمر مبارکہ بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے وقف کر دی تھی۔ بنی اسرائیل آپ علیہ السلام کے علم کی وجہ سے آپ کی بڑی قدر کرتے تھے اور اعلان نبوت کے بعد تو وہ لوگ آپ کے اور بھی زیادہ گرویدہ ہو گئے۔

بنی اسرائیل کو تورات کی تعلیم

جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں تحریر کر چکے ہیں کہ جب شاہ بابل بخت نصر نے بنی اسرائیل پر مکمل قابو پانے کے بعد بیت المقدس جیسی مقدس جگہ کو بھی تباہ کر دیا اور تورات کے تمام نسخوں کو نذر آتش کر دیا تھا بنی اسرائیل کے پاس تورات کا ایک نسخہ بھی باقی نہ بچا۔ پھر ستر (70) سال قید کی زندگی بسر کرنے کے بعد جب یہ لوگ شاہ فارس سائرس (خسرو) کی وجہ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد دوبارہ بیت المقدس واپس آ کر مسجد کی تعمیر نو سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ تورات کو کس طرح حاصل کیا جائے۔ بنی اسرائیل کے اس خیال کا جب حضرت عزیر علیہ السلام کو علم ہوا تو آپ علیہ السلام نے تمام لوگوں کو ایک جگہ اکٹھے ہونے کا حکم فرمایا۔ جب پوری قوم اکٹھی ہو چکی تو ان سے یوں خطاب فرمایا۔

''اے بنی اسرائیل تم لوگوں کو یہ فکر دامن گیر ہے کہ تورات مقدس جس کے تمام نسخے بخت نصر نے نذر آتش کر دیئے تھے کس طرح دوبارہ حاصل کیا جائے۔ تو سنو اللہ تعالیٰ کے فضل خاص کی بدولت مجھے تورات اوّل سے آخر تک یاد ہے۔ وہ میں تمہیں سناتا ہوں، غور سے سنو اور اسے تحریر کر لو۔'' پھر حضرت عزیر علیہ السلام نے پوری تورات اول تا آخر پڑھی جسے آپ علیہ السلام کے حکم مبارک پر تحریر کر لیا گیا۔

ایک اسرائیلی روایت میں یوں آتا ہے کہ جب تمام بنی اسرائیل ایک جگہ اکٹھے ہو چکے تو حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنا خطاب شروع فرمایا۔ اچانک آسمان سے دو چمکتے ہوئے ''ستارے'' اترے اور حضرت عزیر علیہ السلام کے سینہ مبارک میں سما گئے۔ پھر آپ علیہ السلام نے تورات اول تا آخر زبانی پڑھنے کے بعد لکھوادی۔ آپ علیہ السلام جب اس کام سے فارغ ہوئے تو بنی اسرائیل کی مسرت کی انتہا نہ رہی اور ان کے دلوں میں حضرت عزیر علیہ السلام کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔

مذکورہ دونوں روایات کو سامنے رکھا جائے تو ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے قوم کے سامنے جو عمل مبارک پیش فرمایا وہ ایک نبی کی شان کے لائق ہی ہے کوئی غیر نبی اتنی طاقت اور معجزے کا مالک نہیں ہو سکتا۔

حضرت عزیر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کو تورات کی تعلیم شروع فرمائی تا کہ قوم اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے مستقبل میں ماضی کی طرح دوبارہ ذلیل و خوار نہ ہو۔ بنی اسرائیل نے حضرت عزیر علیہ السلام کی تعلیمات کو غور سے سنا اور اس پر عمل شروع کر دیا۔

بنی اسرائیل کی ایک جماعت کا عقیدہ بد

حضرت عزیر علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کے بعد کلام فرمایا اور آسمان سے دو چمکدار شہاب اتر کر آپ علیہ السلام کے سینہ مبارک میں سما گئے۔ پھر جب آپ علیہ السلام نے توراۃ کو اول سے آخر تک پڑھ کر لکھوا دیا تو بنی اسرائیل اس حد تک آپ علیہ السلام کے شکر گزار اور محبت سے وارفتہ ہو گئے کہ اس گروہ میں سے ایک جماعت گمراہی میں مبتلا ہو گئی۔ اس جماعت نے کہنا شروع کر دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ہمیں تورات لا کر دی تو وہ لوح محفوظ پر لکھی ہوئی تھی مگر حضرت عزیر علیہ السلام نے اسی توراۃ کو کسی لوح یا قرطاس پر مکتوب کی شکل میں لا کر دینے کی بجائے حرف بحرف ابتداء سے آخر تک اپنے سینے کی لوح سے ہمارے سامنے نقل کر دیا ہے۔ یہ قدرت اور طاقت حضرت عزیر علیہ السلام کو اسی لئے عطا ہوئی ہے کہ یہ خدا کے بیٹے ہیں۔ (نعوذ باللہ)۔ اگر یہ خدا کے بیٹے نہ ہوتے تو ان میں ایسی طاقت ہرگز نہ ہوتی۔ اس طرح بنی اسرائیل کی اس جاہل جماعت نے عیسائیوں کی طرح جیسے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔ (نعوذ باللہ)

موجودہ دور کے یہودی یہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں مانتے بلکہ یہ ہم پر غلط الزام ہے۔ اس طرح یہ لوگ قرآن مجید کی آیت کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہودی عالموں کا یہ کہنا صرف غلط ہی نہیں بلکہ انہیں تو اپنے جھوٹے اجداد سے ایسی باتیں وراثت میں ملی ہیں۔ ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق کرنا ہو تو خود یا ان لوگوں سے پوچھا اور دیکھا جا سکتا ہے جو دنیا کی سیر و سیاحت کا عملی شوق رکھتے ہیں یا پھر وہ احباب جو اقوام عالم کے مذاہب کی تحقیق کا شوق رکھتے ہیں کہ آج بھی فلسطین کے نواح میں یہودیوں کا ایک ایسا فرقہ موجود ہے جو رومن کیتھولک عیسائیوں کی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کے مجسمہ کی پوجا کرتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے آمین۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ توبہ میں عیسائیوں اور یہودیوں کے اس بدعقیدہ کا حال یوں ارشاد فرمایا ہے۔ سورۃ توبہ آیت 30

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ
النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ
يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ
قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ ''اور یہودیوں نے کہا! عزیر (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور نصرانیوں (عیسائیوں) نے کہا مسیح (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ یہ ان لوگوں کی باتیں محض ان کی زبانوں سے بکی ہوئی (جھوٹی) ہیں۔ ان (عیسائیوں) نے بھی ان (یہودیوں) کی سی بات کہی جو اس سے پہلے کفر کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت یہ کدھر بھٹکے جا رہے ہیں۔'' (سورۃ توبہ آیت 30)

حضرت عزیر علیہ السلام اور سو سال

اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کی ایک خاص واقعہ کی وجہ سے روح قبض کرنے کا حکم دیا اور ان پر سو سال کے عرصہ تک موت طاری رکھی۔ پھر جب انہیں دوبارہ زندہ فرمایا تو حضرت عزیر علیہ السلام سے دریافت کیا اے عزیر (علیہ السلام) بتاؤ تم کتنا عرصہ سوتے رہے۔ عرض کیا ایک دن یا اس سے بھی کم۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے عزیر (علیہ السلام) تم پورے سو سال تک اسی کیفیت میں رہے۔ قرآن مجید کی سورہ بقرہ آیت 259 میں اللہ کریم نے جو ارشاد فرمایا ہے اس کو معہ ترجمہ تحریر کیا جا رہا ہے:۔ سورۃ البقرہ آیت 259:

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

ترجمہ:۔ ''کیا تم نے اس شخص کا حال نہیں دیکھا جس کا ایک بستی پر سے گزر ہوا جو اپنی چھتوں سمیت زمین پر ڈھیر تھی تو وہ کہنے لگا اس بستی کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد کس طرح زندہ کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر اسی جگہ سو برس تک موت طاری کر دی اور پھر اس کو زندہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے پوچھا تم یہاں کتنا عرصہ پڑے رہے۔ اس نے جواب دیا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا نہیں بلکہ تم تو سو برس تک اس حالت میں پڑے رہے، اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ وہ خراب تک نہیں ہوئیں اور پھر اپنے گدھے کو دیکھو جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں (جو گل کر صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے) اور (وہ سب کچھ ہم نے اس لئے کیا ہے) تاکہ ہم لوگوں کے لئے نشانی کریں۔ اب تم دیکھو کہ ہم کس طرح ہڈیوں کو ایک دوسرے پر چڑھاتے اور ان کو آپس میں جوڑتے ہیں۔ اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پس جب اس کو ہماری قدرت کا مشاہدہ ہو گیا تو کہنے لگا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ بے

شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (سورۃ البقر آیت 259)

حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ

اسحاق بن بشر، مقاتل وجویبر، ضحاک، عبداللہ بن اسماعیل السدی ان کے والد مجاہد ادریس، وہب بن منبہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرداً فرداً روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ مرد صالح حضرت عزیر علیہ السلام تھے جو اپنے گھر سے دور کسی بستی کی طرف تشریف لے جارہے تھے جہاں انہوں نے کسی شخص سے ملنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ شدید گرمی کی وجہ سے ایک درخت کے سائے میں کچھ دیر آرام کے لئے رک گئے۔ اپنے گدھے سے کھانے پینے کا سامان اتارا جس میں انجیر اور انگور کا رس تھا۔ پھر گدھے کو درخت کے ساتھ باندھ دیا۔ حضرت عزیر علیہ السلام جب سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے تو آپ علیہ السلام نے دیکھا سامنے ایک ویران اور برباد بستی کے کھنڈرات ہیں۔ آپ علیہ السلام کو وہ کھنڈرات دیکھ کر خیال آیا کہ اس بستی کے رہنے والے بھی کبھی زندہ ہوں گے مگر نہ جانے کتنے عرصہ سے ان کھنڈرات میں ہڈیوں کے ڈھانچوں کی شکل میں دبے پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ وہ (اللہ تعالیٰ) ایسا کس طرح کرے گا؟

حضرت عزیر علیہ السلام کے دل میں اس خیال کا آنا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی اسی وقت روح قبض کر لی گئی اور یوں وہ سو (100) سال تک اسی حالت میں درخت کے نیچے پڑے رہے۔ سو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو دوبارہ زندگی عطا ہوئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے پوچھا اے عزیر (علیہ السلام) تو نے یہاں کتنا عرصہ آرام کیا؟ حضرت عزیر علیہ السلام نے جواب دیا شاید ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عزیر تو یہاں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ نہیں بلکہ پورے سو سال آرام کرتا رہا ہے۔ ہم نے تیری روح قبض کروائی اور اب پھر دوبارہ لوٹا کر تجھے زندہ کیا ہے۔ ادھر دیکھو تیرے کھانے پینے کی چیزیں اسی حالت میں پڑی ہیں خراب نہیں ہوئیں جبکہ دوسری طرف دیکھو تیرے گدھے کا کیا حال ہے جسے تم نے درخت کی شاخ کے ساتھ باندھا تھا۔

حضرت عزیر علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق کھانے کو دیکھا تو وہ اسی طرح تروتازہ تھا جبکہ گدھے کی طرف دیکھا تو وہاں اس کی بکھری ہوئی ہڈیوں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ پھر ارشاد ہوا دیکھو ہم گدھے کو کس طرح زندہ کرتے ہیں۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے دیکھا گدھے کی بکھری ہوئی ہڈیاں ایک جگہ اکٹھی ہوئیں پھر آپس میں جڑیں۔ ان پر گوشت پوست چڑھا اور یوں گدھا زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ارشاد ہوا ہم اس طرح مردوں کو دوبارہ زندہ کریں گے۔ یہ دیکھ کر حضرت عزیر علیہ السلام بول اٹھے ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 395 تا 397

تفسیر ابن کثیر جلد 1 صفحہ 3-4

اہم وضاحت

حضرت عزیر علیہ السلام کا مذکورہ واقعہ پڑھنے کے بعد کسی کے ذہن میں سوال آسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے پھر انہوں نے یہ کیوں سوچا کہ اللہ تعالیٰ مردہ کو دوبارہ کیسے زندہ کرے گا۔ آیا ان کا یہ سوال یا سوچ کہیں انکار کی شکل تو نہیں تھی؟ اس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا یہ سوال انکار کی شکل میں نہ تھا بلکہ آپ علیہ السلام حیرت اور تعجب کے ساتھ ان اسباب کو جاننا چاہتے تھے جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا تھا۔ اس وجہ کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کو اپنے برگزیدہ نبی کی یہ بات پسند نہ آئی کیونکہ آپ علیہ السلام کے لئے یہ ہی کافی تھا کہ اس نے فرمادیا میں مردوں کو دوبارہ زندہ کروں گا۔ کیسے کروں گا؟ یہ اس کا کام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اسی واقعے کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا مشاہدہ کرایا۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے اسی واقعہ میں ایک اہم بات اور بھی وضاحت طلب ہے کہ آپ علیہ السلام حکم الٰہی کے مطابق سو (100) سال کا عرصہ درخت کے نیچے موت کی کیفیت میں رہے پھر جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ زندہ کئے گئے تو کھانے کی چیزیں اسی طرح موجود تھیں جبکہ گدھے کی ہڈیاں تک بکھر چکی تھیں۔ ایک ہی جگہ دو قسم کے حالات کا ظہور میں آنا عقل انسانی کے لئے باعث تعجب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ عقل انسانی بیچاری فنا ہونے والی چیز ہے اور اسکی سمجھ وادراک کا دائرہ بھی کم ہے۔ اللہ تعالیٰ جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اس نے اپنی قدرت کاملہ کا مظاہرہ یوں فرمایا کہ گدھے پر تو سو (100) سال کا عرصہ ہی گزارا جبکہ اسی جگہ پڑے کھانے پر سو سال کا عرصہ دن کا ایک پہر یا اس سے بھی کم گزارا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وطاقت کا مظاہرہ تھا اور وہ جو چاہے جب چاہے اور جہاں چاہے کرسکتا ہے۔ کیونکہ وہ علیم وخبیر اور قادر مطلق ہے۔ امید ہے اس سوال کا جواب تمام شکوک کو رفع کرنے میں کافی ہوگا۔

اکثر اہل سیر کے نزدیک یہ واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے اور بستی سے مراد بیت المقدس ہے۔ جب بادشاہ بخت نصر نے تقریباً 586 قبل مسیح بیت المقدس کو ویران کیا اور بنی اسرائیل کو قتل کیا گرفتار کیا تباہ کر ڈالا پھر حضرت عزیر علیہ السلام وہاں سے گزرے آپ کے ساتھ ایک برتن کھجور اور پیالہ انگور کا رس تھا اور آپ ایک دراز گوش پر سوار تھے تمام بستی میں پھرے کسی شخص کو وہاں نہ پایا بستی کی عمارتوں کو منہدم دیکھا تو آپ نے کہا "اسے کیونکر جلائے (حیات بخشے) گا اللہ اس کی موت کے بعد" اور آپ نے اپنی سواری کے حمار (گدھے) کو وہاں باندھ دیا اور آپ نے آرام فرمایا اسی حالت میں آپ کی روح قبض کرلی گئی اور گدھا بھی مرگیا یہ صبح کے وقت کا واقعہ ہے اس سے تقریباً ستر (70) برس بعد اللہ تعالیٰ نے شاہان فارس میں سے ایک بادشاہ (سائرس یعنی کیخسرو۔ 539 قبل مسیح) کو مسلط کیا اور وہ اپنی فوجیں لے کر بیت المقدس پہنچا اور اس کو پہلے سے بھی بہتر طریقہ پر (516 ق م) آباد کیا اور بنی اسرائیل میں سے جو لوگ باقی رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں پھر یہاں لایا اور بیت المقدس اور اسکے نواح میں آباد ہوئے اور ان کی تعداد بڑھتی رہی۔ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رکھا اور کوئی آپ

کو نہ دیکھ سکا۔ جب آپ کی وفات کو سو برس گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ کیا پہلے آنکھوں میں جان آئی۔ ابھی تمام جسم مردہ تھا وہ آپ کے دیکھتے دیکھتے زندہ کیا۔ یہ واقعہ شام کے وقت غروب آفتاب کے قریب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم یہاں کتنے دن ٹھہرے۔ آپ علیہ السلام نے اندازے سے عرض کیا ایک دن یا کچھ کم۔ آپ کا خیال یہ ہوا کہ یہ اُسی دن کی شام ہے جس کی صبح کو سوئے تھے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا بلکہ تم سو برس ٹھہرے۔ اپنے کھانے اور پانی یعنی کھجور اور انگور کے رس کو دیکھئے کہ ویسا ہی ہے اس میں بُو تک نہ آئی اور اپنے گدھے کو دیکھئے۔ دیکھا تو وہ مر گیا ہوا تھا اور گل کر اعضاء بکھر گئے ہوئے تھے۔ ہڈیاں سفید چمک رہی تھیں۔ آپ کی نگاہ کے سامنے اُس کے اعضاء جمع ہوئے اپنے اپنے مواقع پر آئے۔ ہڈیوں پر گوشت چڑھا۔ گوشت پر کھال آئی بال نکلے پھر اسمیں روح پھونکی وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور آواز کرنے لگا۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کیا اور فرمایا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ پھر آپ اپنی سواری پر سوار ہو کر اپنے محلّہ میں تشریف لائے۔ سر اقدس اور ریش مبارک کے بال سفید تھے۔ عمر وہی چالیس سال کی تھی کوئی آپ کو نہ پہچانتا تھا اندازے سے اپنے مکان پر پہنچے ایک ضعیف بڑھیا ملی جس کے پاؤں رہ گئے تھے اور نابینا تھی وہ آپ علیہ السلام کے گھر کی باندی تھی اور اُس نے آپ کو دیکھا تھا آپ علیہ السلام نے اُس سے دریافت فرمایا کہ یہ عزیر کا مکان ہے۔ اُس نے کہا ہاں۔ عزیر کہاں؟ انہیں مفقود ہوئے سو (100) برس گزر گئے یہ کہہ کر خوب روئی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا میں عزیر ہوں۔ اُس نے کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے سو برس مردہ رکھا پھر زندہ کیا۔ اس نے کہا حضرت عزیر علیہ السلام مستجاب الدعوات تھے جو دعا کرتے قبول ہوتی آپ دعا کیجئے کہ میں بینا ہو جاؤں تا کہ میں اپنی آنکھوں سے آپ کو دیکھوں آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی وہ بینا ہوئی۔ آپ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اُٹھ خدا کے حکم سے۔ یہ فرماتے ہی اُس کے مارے ہوئے پاؤں درست ہو گئے اُس نے آپ کو دیکھ کر پہچانا اور کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ بے شک حضرت عزیر (علیہ السلام) ہیں۔ وہ آپ کو بنی اسرائیل کے محلّہ میں لے گئی وہاں ایک مجلس میں آپ کے فرزند تھے جن کی عمر ایک سو اٹھارہ سال ہو چکی تھی اور آپ علیہ السلام کے پوتے بھی تھے جو بوڑھے ہو چکے تھے۔ بڑھیا نے مجلس میں پکارا کہ یہ حضرت عزیر (علیہ السلام) تشریف لے آئے۔ اہل مجلس نے اس کو جھٹلایا۔ اُس نے کہا مجھے دیکھو آپ علیہ السلام کی دعا سے میری یہ حالت ہو گئی۔ لوگ اُٹھے اور آپ علیہ السلام کے پاس آ گئے آپ علیہ السلام کے فرزند نے کہا کہ میرے والد بزرگوار کے شانوں کے درمیان سیاہ بالوں کا ایک ہلال تھا۔ جسم مبارک کھول کر دکھایا گیا تو وہ موجود تھا۔ اُس زمانے میں توریت کا کوئی نسخہ نہ رہا تھا۔ کوئی اس کا جاننے والا موجود نہ تھا۔ آپ نے تمام توریت حفظ پڑھ دی۔ ایک شخص نے کہا کہ مجھے اپنے والد سے معلوم ہوا کہ بخت نصر کی ستم انگیزیوں کے بعد گرفتاری کے زمانہ میں میرے دادا نے توریت ایک جگہ دفن کر دی تھی۔ اس کا پتہ مجھے معلوم ہے اس پر جستجو کر کے توریت کا وہ مدفون نسخہ نکالا گیا۔ اور حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنی یاد سے جو توریت لکھائی تھی اس سے مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف کا فرق نہ تھا۔

حضرت علی۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن سلام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور قتادہ۔ سلیمان،

حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ کا رجحان اسی طرف ہے کہ یہ واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق ہے۔ وہب بن منبہ اور عبداللہ بن عبید کا اور ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول یہ ہے کہ یہ شخص حضرت ارمیاہ (یرمیاہ) نبی تھے۔ ابن جریر طبری نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی قدرت کہ حضرت عزیر علیہ السلام جب سو سال تک قدرت الٰہی کے تحت موت کی نیند سے بیدار ہو کر واپس اپنے گھر تشریف لائے اور پھر بنی اسرائیل کی مجلس میں پہنچے تو وہاں موجود آپ علیہ السلام کے صاحب زادے کی عمر ایک سو بیس (120) سال کو پہنچ چکی تھی اور حضرت عزیر علیہ السلام کی اپنی عمر صرف چالیس سال تھی۔ اللہ تعالیٰ کی یہ بھی عجیب قدرت ہے کہ گدھے پر سو (100) سال کا عرصہ گزار دیا جبکہ حضرت عزیر علیہ السلام اور ان کے کھانے پر وہی دن کا کچھ حصہ ہی گزارا۔ تبھی تو آپ علیہ السلام جب گھر سے تشریف لے گئے تھے اور ظاہر ہے جب واپس تشریف لائے تو چالیس سال اور ایک دن کے تھے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا وصال

حضرت عزیز علیہ السلام کے حالات زندگی جن کتب اور رؤایات سے مل سکے تحریر کر رہے ہیں۔ آپ علیہ السلام کی عمر مبارکہ کے بارے میں کوئی روایت نہیں ملتی۔ حافظ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ جلد دوم میں وہب بن منبہ، کعب احبار اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم سے ماخوذ روایت کے تحت لکھتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لئے تورات کی تجدید عراق کے اندر ''دیر حزقیل'' میں کی تھی اور اسی شہر کے نواح میں سائر آباد قریہ (گاؤں) میں آپ علیہ السلام کا وصال شریف ہوا۔ انہی بزرگوں سے ایک اور روایت منقول ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا مزار پر انوار دمشق میں ہے جو کہ بعض آثار سے ثابت ہے۔ (واللہ اعلم)

البدایہ والنہایہ۔ جلد۔ اول۔ صفحہ۔ 398، 399،

تاریخ طبری۔ باب انبیاء علیہم السلام

تفسیر ابن کثیر۔ جلد۔ اول۔ صفحہ۔ 314، وغیرہ

تاریخ ابن خلدون

حضرت ذُوالکِفل علیہ السلام

قرآن کریم فرقان حمید میں حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر دو سورتوں یعنی سورۃ الانبیاء آیت 85 اور سورۃ ص آیت 48 میں کیا گیا ہے مگر کسی قسم کے حالات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ چنانچہ سورۃ انبیاء آیت 85 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا ٱلْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿٨٥﴾

ترجمہ: ''اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل سب (راہ حق میں) صبر کرنے والے تھے (ہم نے انہیں اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیا۔ یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے)۔'' سورۃ ص آیت 48 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَٱذْكُرْ إِسْمَٰعِيلَ وَٱلْيَسَعَ وَذَا ٱلْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ ٱلْأَخْيَارِ ﴿٤٨﴾

ترجمہ:۔ ''اور یاد کرو اسمٰعیل، الیسع اور ذوالکفل کو اور یہ سب نیکوکاروں میں تھے۔''

حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے نام کے سوا کچھ بیان نہیں کیا اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے بھی کچھ منقول نہیں ہے لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں اس سے زیادہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام خدا کے برگزیدہ نبی اور پیغمبر تھے۔

ابن جریر نے مشہور مفسّر تابعی مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اُن کے متعلق ایک قصّہ نقل کیا ہے اور اس کے قریب قریب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ابن ابی حاتم نے بعض آثار نقل کیے ہیں جن کی سند منقطع ہے۔ مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔

جب اسرائیلی نبی حضرت الیسع علیہ السلام بہت بوڑھے ہوگئے تو ایک دن ارشاد فرمایا کاش میری زندگی میں ہی کوئی ایسا شخص ہوتا جو قائم مقام ہوسکتا۔ بشرطیکہ وہ مجھ سے تین باتوں کا عہد کرے۔ (1) دن بھر روزہ رکھے۔ (2) شب کو یادِ خدا میں مشغول رہے اور (3) کبھی غُصّہ نہ لائے۔ چنانچہ حضرت الیسع علیہ السلام نے ان تینوں شرائط پر پورا اترنے پر ان کے لئے دعا فرمائی۔ چنانچہ اس واقعہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس کو ذوالکفل کے نام سے یاد فرمایا۔

تفسیر ابن کثیر جلد۔3۔ صفحہ,190، 191

حضرت زکریا علیہ السلام

حضرت زکریا علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام میں سے تھے۔ آپ علیہ السلام کثرت سے عبادت فرماتے اور ہروقت یادالٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ بنی اسرائیل کے ہاں یہ دستور تھا کہ ان کے انبیاء علیہم السلام ہی ہیکل (صخرہ بیت المقدس) کے نگران ہوتے اور تمام مذہبی رسومات وہی ادا کیا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کے جلیل القدر نبی تھے۔ قرآن کریم آپ علیہ السلام کی نیک نفسی اور عبادت گزاری کا ذکر یوں فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ الانعام آیت 85۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿٨٥﴾

ترجمہ۔ ''اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) یہ سب نیکوکاروں میں سے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بڑھاپے کی عمر میں بیٹا عطا فرمایا بعض روایات کے مطابق عمر مبارکہ ستتر (77) سال تھی۔اس روایت کو حافظ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ثعلبی کہتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر اس وقت نوے (90) سال تھی جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹا عطا فرمایا۔کچھ روایات میں عمر مبارکہ ایک سو بیس (120) سال بھی بیان کی گئی ہے۔(واللہ اعلم)

بہرحال اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے کی عمر میں جو فرزند عطا فرمایا ان کا اسم گرامی یحییٰ علیہ السلام تھا۔وہ اللہ کے نبی تھے،بہت ہی عبادت کرنے والے حسین وجمیل،ان کی عبادت بھی ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت زکریا علیہ السلام کا چار سورتوں آل عمران،انعام،مریم اور انبیاء میں ذکر فرمایا ہے۔آپ علیہ السلام کی قوم نے جب بہت تنگ کیا تو آپ علیہ السلام وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔قوم کے لوگوں نے پیچھا کیا راستے میں ایک جنگل سے آپ علیہ السلام گزر رہے تھے کوئی جائے پناہ نظر نہ آئی تو حضرت زکریا علیہ السلام نے ایک درخت کو پناہ کا حکم دیا۔درخت حسب حکم شق ہو گیا۔آپ علیہ السلام اس کے اندر داخل ہو گئے۔مگر دامن مبارک درخت سے تھوڑا سا باہر رہ گیا۔درخت دوبارہ بند ہو گیا اس لئے دامن اندر نہ کر سکے پیچھا کرنے والوں نے درخت میں سے دامن دیکھ لیا اور آرے کی مدد سے آپ علیہ السّلام کو درخت کے ساتھ ہی چیر کر شہید کر دیا۔

نسب نامہ

حضرت زکریا علیہ السلام کے والد گرامی کے نام میں اصحاب سیر کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔تمام اختلافی اقوال تحریر کرنا تو موضوع کی طوالت کا باعث ہوگا۔ہم ایک ہی قول کا ذکر کر رہے ہیں جس میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تمام اقوال جمع کرنے کے بعد اسے فتح الباری میں تحریر کر دیا ہے۔لکھتے ہیں حضرت زکریا (علیہ السلام) بن اون (دان) یا ابن شبوی یا ابن لدن یا ابن برخیا بن مسلم بن صدوق بن حبشان بن داؤد بن سلیمان بن مسلم بن صدیقہ بن برخیا بن بلعاطہ بن ناحور بن شلوم بن بہفاشاط بن اینامن بن رحبعام بن سلیمان علیہ السلام بن داؤد علیہ السلام۔ اصحاب سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت سلیمان بن داؤد علیہم السلام کی اولاد سے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ایشاع یا الیشع حضرت ہارون علیہ السلام کی ذریت میں سے تھی۔آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے خالو ہیں۔

تاریخ ابن کثیر جلد2 صفحہ 47

فتح الباری۔جلد6 صفحہ365

قرآن مجید اور حضرت زکریا علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی چار سورتوں میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر کیا ہے جس کی تفصیل درجہ ذیل ہے۔

شمار	سورۃ کا نام	آیت	تعداد
1۔	آل عمران	37تا38	3دفعہ
2۔	انعام	85	1دفعہ
3۔	مریم	7،2	2دفعہ
4۔	انبیاء	89	1دفعہ

حضرت زکریا علیہ السلام کا پیشہ

اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء علیہم السلام دنیا کی رشد و ہدایت کے لیے مبعوث فرمائے چاہے ان میں سے کوئی بادشاہ اور صاحب حکومت ہی کیوں نہ تھا ہر ایک اپنی روزی ہاتھ کی محنت سے حاصل کرتا تھا۔ گزشتہ مباحث میں اس کا تفصیلی ذکر کر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی اپنی امت کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تبلیغ کرتا تو ساتھ ہی یہ اعلان بھی فرما دیتا تھا کہ ''میں تم لوگوں سے تبلیغ حق کی اجرت یا معاوضہ نہیں مانگتا میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے پاس نہیں'' چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام اپنی روزی نجاری کا کام کر کے حاصل کرتے تھے (نجاری کا پیشہ ہمارے ہاں بڑھئی کا ہے) اس سلسلے میں صحیح مسلم شریف، سنن ابن ماجہ اور مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں صراحت کے ساتھ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک موجود ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''زکریا (علیہ السلام) نجاری (بڑھئی کا کام) کرتے تھے''۔

حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی پیدائش

حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسل سے عمران بن ناشی نہایت عابد اور نیک انسان تھے ان کی شادی اسی خاندان کی ایک نہایت ہی پارسا اور نیک خاتون حنہ بنت فاقود کے ساتھ ہوئی۔ دونوں میاں بیوی بڑی پاکیزہ اور عبادت گزاری کی زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت حنہ کی دعا سے ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مریم رکھا گیا۔ یہ مریم علیہا السلام سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تھیں حضرت حنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اگر میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو میں اسے ''ہیکل'' کی نذر کر دوں گی۔ بیٹی کی پیدائش کے بعد اسے ''ہیکل'' بھیجنے کا وقت آیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ بچی کی ''ہیکل'' میں پرورش اور نگہداشت کس کے سپرد کی جائے۔ ''ہیکل'' کے نگہبانوں کے درمیان بچی کی پرورش کے سلسلے میں اختلاف پیدا ہوا۔ آخر بات قرعہ اندازی پر ٹھہری۔ قرعے میں حضرت زکریا علیہ السلام کا اسم گرامی نکلا اور یوں آپ علیہ السلام ان کے کفیل قرار پائے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے چل کر آئے گی۔

اصحاب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام ویسے بھی حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کے حق دار تھے۔ بشیر بن اسحاق نے ''المبتداء'' میں نقل کیا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام مریم علیہا السلام کے حقیقی خالو تھے کیونکہ زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت ایشاع اور حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ حضرت حنہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ خالہ بمنزلہ والدہ ہوتی ہے۔ اس لئے وہ والدہ کے بعد شرعی طور پر بھانجی کی پرورش کی حق دار ہوتی ہے۔ جیسے فتح مکہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے عمارہ بنت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پرورش حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ جو حضرت عمارہ بنت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خالہ تھیں ان کے سپرد فرمائی۔

بخاری باب الانبیاء

حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی پرورش

حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی پھر ان کی زوجہ حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ بھی تھیں۔ اس لئے انہوں نے نہایت ہی ناز ونعمت کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش شروع کی۔ حضرت مریم علیہا السلام جب سن شعور کو پہنچیں تو حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کے لئے ''ہیکل'' کے قریب ایک حجرہ مخصوص کر دیا۔ جہاں وہ دن بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتیں اور رات اپنی خالہ کے ساتھ بسر فرماتی تھیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام جب حضرت مریم علیہا السلام کے حجرہ میں داخل ہوتے تو وہاں بے موسمی پھل پاتے۔ آپ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام سے دریافت فرماتے یہ بے موسمی پھل تمہارے پاس کہاں سے آتے ہیں۔ مریم علیہا السلام جواب دیتیں یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب و بے گمان رزق عطا فرماتا ہے۔
قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ آل عمران آیت 37

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا
زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ
قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾

ترجمہ:۔ ''جب زکریا (علیہ السلام) مریم (علیہا السلام) کے پاس محراب (نماز پڑھنے کی جگہ یعنی حجرہ) میں داخل ہوتا تو اس کے پاس کھانے پینے کا نیا سامان رکھا دیکھتا۔ زکریا (علیہ السلام) نے دریافت کیا! مریم (علیہا السلام) یہ تیرے پاس کہاں سے آتا ہے۔ مریم (علیہا السلام) نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے بے شک وہ جس کو چاہتا ہے بے گمان رزق عطا کر دیتا ہے۔'' (سورہ آل عمران۔ آیت 37)

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا

حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی یہاں تک کہ آپ علیہ السلام بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئے۔

آپ علیہ السلام اکثر اس بات کی وجہ سے فکر مند رہتے کہ میرے امتیوں میں سے کوئی ایک بھی اس قابل نہیں کہ میرے بعد بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کا فریضہ سنبھال سکے۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نیک سیرت بیٹا عطا فرما دیتا تو مجھے اطمینان ہو جاتا کہ وہ میرے بعد امت کی راہ نمائی کا فریضہ سرانجام دے سکے گا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے جب حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسمی پھل دیکھے تو دل میں خیال پیدا ہوا کہ جو خالق و مالک بے موسمی پھل عطا کر سکتا ہے وہ مجھے اس عمر میں بیٹے کی دولت بھی ضرور عطا فرما سکتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عجز وانکساری سے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دعا قبول فرماتے ہوئے حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری دی۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے فرمایا۔ سورۃ مریم آیات 1 تا 11

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿٢﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾ وَاِنِّىْ خِفْتُ الْمَوَالِىَ مِنْ وَّرَآءِىْ وَكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا فَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾ يَّرِثُنِىْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْۤ اٰيَةً ۚ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾

ترجمہ:۔ ''کھیٰعص'' (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی کا بیان ہے (جو اس نے) اپنے بندے زکریا (علیہ السلام) پر (کی تھی) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو دبی زبان سے پکارا (اور) کہا اے میرے پروردگار بڑھاپے کی وجہ سے میرا جسم کمزور ہو گیا ہے۔ میرے سر کے بال بڑھاپے کی وجہ سے بالکل سفید ہو گئے ہیں۔ اے میرے پروردگار کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھ سے دعا کی ہو اور محروم رہا ہوں۔ مجھے مرنے کے بعد اپنے بھائی بندوں سے اندیشہ ہے (کہ نہ معلوم وہ کیا کیا خرابیاں کریں) اور میری بیوی بانجھ ہے۔ پس تو اپنے خاص فضل و کرم سے مجھے وارث بخش دے۔ ایسا وارث جو میرا اور اولاد یعقوب (علیہ السلام) کا بھی وارث ہو (اے) پروردگار اسے پسندیدہ (خوش اطوار) بنانا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے زکریا (علیہ السلام) ہم تم کو ایک بیٹے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ (علیہ السلام) رکھنا اس سے پہلے ہم نے یہ نام کسی کے لئے نہیں رکھا (اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں کیا) عرض کی (زکریا علیہ السلام نے تعجب سے پوچھا) پروردگار! میرے ہاں یہ لڑکا کہاں سے ہو گا میری

بیوی تو بانجھ ہو چکی ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ فرمایا ایسا ہی ہے تمہارے رب نے فرمایا کہ ایسا کرنا میرے لئے کچھ مشکل نہیں۔ میں پہلے تمہیں بھی تو پیدا کر چکا ہوں جب تم کچھ بھی نہ تھے۔ عرض کی پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما۔ فرمایا تمہاری نشانی ہے کہ تم صحیح وسالم ہونے کے باوجود تین رات دن لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔ پھر وہ محراب (حجرے) سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو ان کو اشاروں سے کہا کہ صبح وشام اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو اس کی پاکی وجلال کی صدائیں بلند کرتے رہو۔" (سورہ مریم آیات 1 تا 11)

اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر قرآن کریم کی سورہ آل عمران میں یوں فرمایا ہے۔ سورۃ آل عمران آیات 38 تا 41۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٣٩﴾ قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿٤٠﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَل لِّي آيَةً ۖ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُر رَّبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٤١﴾

ترجمہ:۔ "اس وقت زکریا (علیہ السلام) نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اور) کہا اے میرے پروردگار مجھے اپنی جناب سے صالح اولاد عطا فرما تو بے شک دعا سننے (اور قبول کرنے) والا ہے۔ وہ عبادت گاہ (محراب) میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی کہ (زکریا علیہ السلام) اللہ تمہیں یحییٰ (علیہ السلام) کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کی طرف سے کلمہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کریں گے اور (یحییٰ) سردار ہوں گے اور عورتوں سے بچنے والا وہ نیکوکاروں میں سے نبی ہوگا۔ زکریا (علیہ السلام) نے عرض کہ اے پروردگار میرے ہاں لڑکا کیونکر پیدا ہوگا کہ میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ اللہ نے فرمایا اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ زکریا (علیہ السلام) نے عرض کی اے پروردگار (میرے لئے) کوئی نشانی مقرر فرما۔ اللہ نے فرمایا نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن اشارے کے سوا بات نہیں کر سکو گے تو (ان دنوں میں) اپنے پروردگار کی کثرت سے صبح اور شام یاد اور تسبیح کرنا۔" (سورہ آل عمران آیات 38 تا 41)

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ ادھر جب بنی اسرائیل کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی خبر ہوئی تو پوری قوم بہت خوش ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کا صحیح جانشین اور علم وحکمت والا نبی پیدا فرما دیا ہے۔ حضرت

یحییٰ علیہ السلام نہایت ہی حسین وجمیل اور غیر معمولی عبادت گزار تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام اپنے اس فرزند ارجمند سے بہت پیار فرماتے اور ان کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ان کی ولادت کی خوشخبری دی، پھر نام مبارک بھی خود رکھا اور نبوت بھی عطا فرمائی۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی شہادت

حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ یشاع اللہ کے حکم سے جب حاملہ ہوئیں تو ان کے ٹھیک چھ ماہ بعد حضرت مریم علیہا السلام بھی قدرت الٰہی کے تحت حاملہ ہوئیں۔ اس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان چھ ماہ کا وقفہ ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عمر میں چھ ماہ بڑے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی تو بنی اسرائیل نے حضرت مریم علیہا السلام پر طرح طرح کے الزامات لگائے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیر خواری کے ایام میں ہی اپنے جھولے میں لیٹے اپنی نبوت اور کتاب کی گواہی دی۔ اس واضح حقیقت کے باوجود بنی اسرائیل کے دل صاف نہ ہوئے یہ مکمل واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں بیان کیا جائے گا۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جب بنی اسرائیل نے حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تنگ کرنے کی انتہا کر دی تو حضرت زکریا علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ آپ علیہ السلام اچھی طرح جانتے تھے کہ ہجرت کے بعد ہی ماں بیٹا سکون سے زندگی بسر کر سکیں گے اگر یہاں رہے تو بنی اسرائیل کے لوگ انہیں تنگ کرتے رہیں گے۔

حضرت مریم علیہا السلام سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہمراہ لے کر خاموشی سے ہجرت فرما گئیں۔ ادھر جب بنی اسرائیل کو ان کی ہجرت کا پتہ چلا تو وہ لوگ اکٹھے ہو کر زکریا علیہ السلام کے پاس آئے تاکہ ماں بیٹے کی جائے ہجرت کا معلوم کر سکیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نماز میں مشغول تھے۔ بنی اسرائیل نے آپ علیہ السلام سے پوچھا کہ مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آپ نے یہاں سے کہیں دور بھیجا ہے ہمیں ان کا پتہ بتائیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ان لوگوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ بنی اسرائیل کے گروہ نے آپ علیہ السلام کو بہت مجبور کیا اور اذیت تک دینے پر تیار ہو گئے۔ آپ علیہ السلام عجلت میں عبادت گاہ سے نکلے اور جنگل کی طرف چل دیئے۔ بنی اسرائیل نے آپ علیہ السلام کا پیچھا کیا راستے میں آنے والے ایک درخت نے آپ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اے نبی اللہ یہ لوگ آپ کو جلد ڈھونڈ لیں گے۔ آپ علیہ السلام میری درخواست مانیں میں اپنا تنا کھول دیتا ہوں آپ علیہ السلام اس میں تشریف لے آئیں یوں پیچھا کرنے والوں سے محفوظ رہیں گے۔ درخت یہ درخواست کرنے کے بعد کھل گیا اور یوں زکریا علیہ السلام اس درخت کے تنے میں داخل ہو گئے۔ درخت دوبارہ اصل حالت میں آ گیا مگر حضرت زکریا علیہ السلام کے لباس مبارک کا ایک کونہ درخت سے باہر رہ گیا۔

بنی اسرائیل آپ علیہ السلام کی تلاش میں پھرتے پھرتے تنگ آ چکے تھے۔ وہ لوگ تلاش کرتے ہوئے اس

درخت کے قریب پہنچ گئے۔ لوگوں میں سے اچانک ایک شخص کی نظر آپ علیہ السلام کے کرتہ مبارک کے کونے پر پڑی جو تنے سے باہر رہ گیا تھا اس نے دوسرے لوگوں کو بلا کر وہ کپڑا مبارک دکھایا۔ تو وہ سب سمجھ گئے کہ حضرت زکریا علیہ السلام اس تنے میں موجود ہیں۔ اب لوگ سوچنے لگے کہ آپ علیہ السلام کو یہاں سے کس طرح باہر نکالا جائے۔ اس وقت شیطان مردود وہاں پہنچ گیا اور لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ سامنے لکڑ ہارے جس طرح آرے کی مدد سے درخت چیر رہے ہیں تم بھی اسی طرح اس درخت کو چیر دو۔ بد بخت قوم نے آرا لیا اور حضرت زکریا علیہ السلام کو تنے سمیت دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یوں ان شقی القلب لوگوں کے ہاتھوں آپ علیہ السلام شہید ہوئے۔

روایات میں آتا ہے کہ جب آرا حضرت زکریا علیہ السلام کے سر مبارک کو چیرنے لگا تو آپ علیہ السلام نے آواز نکالنا چاہی فوراً حکم الٰہی لے کر فرشتہ حاضر خدمت ہوا کہ اگر آپ (علیہ السلام) نے آواز نکالی تو رب کہتا ہے تمہارا نام انبیاء علیہم السلام کی فہرست سے خارج کر دوں گا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اگر آپ (علیہ السلام) نے آواز نکالی تو دنیا ہی الٹ دوں گا۔ پس زکریا علیہ السلام نے کسی قسم کی آواز نہ نکالی اور صبر کیا یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کا جسم مبارک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور یوں جام شہادت نوش فرمایا۔ (واللہ اعلم)

اصحاب سیر بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبروں میں سے ستر (70) پیغمبروں کو شہید کیا اور سب سے آخر میں شہید ہونے والے حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی شہادت کے سلسلے میں حدیث اسراء میں آتا ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم معراج شریف پر تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بعد سلام دریافت فرمایا کہ "آیا نہیں درخت کے تنے پر آرا چلا کر شہید کیا گیا تھا؟ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر ان کا صبر واقعی قابل رشک ہے"۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا سوال سن کر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ واقعہ ان کے والد حضرت زکریا علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا پھر حضرت زکریا علیہ السلام نے خود اس واقعہ کی تصدیق فرمائی۔

بہرحال ہم نے حضرت زکریا علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ کتب تفسیر اور اصحاب سیر کی تحریروں سے یہاں نقل کر دیا ہے حتمی واقعہ قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں تشریح کے ساتھ نہیں ملتا۔ یہ سب اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے۔ بعض اسرائیلی روایات قرآن کریم اور احادیث شریف کے بیان کردہ واقعات سے مطابقت کرتی ہیں جبکہ بعض اوقات یہ روایات قابل اعتبار نہیں ہوتیں محض غیر مستند اور ناقابل حجت ہوتی ہیں۔

البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 394 تا 398

فتح الباری جلد 6 صفحہ 364-365

بخاری شریف کتاب الانبیاء

تفسیر ابن کثیر جلد 2 صفحہ 360، 398

تاریخ ابن کثیر جلد 2 صفحہ 45،46،47
انجیل لوقا باب نمبر 1۔ آیت 18،20 وغیرہ

حضرت یحییٰ علیہ السلام

حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام کے صاحب زادے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کے بعد آخری عمر میں ان کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شکل میں فرزند ارجمند کی دولت سے نوازا۔ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں وہ واحد نبی ہیں جن کا نام بھی اللہ تعالیٰ کا فرمودہ ہے۔ اس سے پہلے آپ علیہ السلام کے خاندان میں کسی کا یہ نام نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی علم وحکمت سے معمور فرمادیا تھا۔ آپ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خالہ زاد تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عمر میں چھ ماہ بڑے تھے۔ آپ علیہ السلام کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ اونٹ اور خرگوش کے بالوں کا بنا ہوا کپڑا استعمال فرماتے، گھر میں لونڈی یا غلام اور درہم دینار جیسی کوئی چیز نہ تھی۔ قرآن مجید کی سورہ آل عمران، انعام، مریم اور انبیاء میں آپ علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔ سورہ مریم میں آپ علیہ السلام کے مبارک نام کے سلسلے میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔ فرمایا۔ سورۃ مریم آیت 7۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ٍۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝

ترجمہ:۔ ”اے زکریا (علیہ السلام) ہم بے شک تمہیں بشارت دیتے ہیں ایک فرزند کی۔ اس کا نام یحییٰ ہوگا اس سے قبل ہم نے کسی کیلئے یہ نام نہیں رکھا۔“

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پارسائی ضرب المثل ہے۔ آپ علیہ السلام شرم وحیا کے پیکر تھے۔ فطرت کے اعتبار سے عورتوں کے ساتھ بالکل رغبت نہیں رکھتے تھے۔ آپ علیہ السلام اپنے والد ماجد حضرت زکریا علیہ السلام کے نہایت ہی فرمانبردار اور لائق ترین بیٹے تھے۔ آپ علیہ السلام نے تمام زندگی بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کے لئے وقف فرما رکھی تھی۔ آپ علیہ السلام نے اگرچہ شادی نہیں کی تھی پھر بھی ساری عمر قلب مبارک میں کبھی گناہ کا خطرہ پیدا نہ ہوا۔ آپ علیہ السلام نیکوکاروں کے سردار اور زہد وتقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی زندگی مبارکہ کا اہم ترین فریضہ (مشن) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد مقدسہ کی بشارت دینا تھا، جسے آپ علیہ السلام بڑی خوبی اور احسن طریقے سے سرانجام دیتے رہے۔

نام وسلسلہ نسب

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا اسم مبارک یحییٰ بن زکریا علیہم السلام تھا۔ آپ وہ واحد ہستی ہیں جنہیں بنی اسرائیل میں سے یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کا نام خود رکھا اس سے پہلے آپ علیہ السلام کے خاندان

میں اس نام کا کوئی فرد نہیں تھا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نسب مبارک حضرت زکریا علیہ السلام کے سلسلہ سے شروع ہو کر حضرت سلیمان بن داؤد علیہم السلام (حضرت یحییٰ علیہ السلام، بن حضرت زکریا علیہ السلام بن لدن بن مسلم بن صدوق بن خشبان بن داؤد بن سلیمان بن داؤد علیہم السلام) پر ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام بن زکریا علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام میں سے تھے۔

قرآن مجید اور حضرت یحییٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید کی چار مبارک سورتوں میں حضرت یحییٰ علیہ اسلام کا ذکر فرمایا ہے۔ سورہ آل عمران، سورہ مریم، سورہ انعام اور سورہ انبیاء۔ ان سورتوں میں آپ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ، اسم گرامی اور مختصر اًحالات زندگی کا ذکر فرمایا گیا ہے:۔

(1) سورۃ آل عمران آیت 39

(2) سورۃ الانعام آیت 86

(3) سورۃ مریم آیات 7،12

(4) سورۃ الانبیاء آیت 90

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حالات زندگی

حضرت یحییٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں۔ آپ علیہ السلام رسول نہیں تھے اسی لیے اللہ کریم نے آپ علیہ السلام کو توراۃ کے قانون پر سختی و مضبوطی سے عمل کرنے کا حکم فرمایا اور یہ بھی حکم فرمایا کہ لوگوں کو اسی کتاب کی تعلیمات کے مطابق تبلیغ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بچپن میں ہی علم و حکمت عطا فرما دی تھی۔ کتب سیر میں آتا ہے کہ بچپن میں جب بچے ان کو کھیلنے پر اصرار کرتے تو آپ علیہ السلام فرمایا کرتے ''اللہ تعالیٰ نے مجھے لہو ولعب کے لئے پیدا نہیں کیا''۔ آپ علیہ السلام نے تیس سال کی عمر میں اعلان نبوت فرما دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو جامع خوبیوں کا مالک بنایا تھا۔ قرآن مجید کی سورہ آل عمران میں آپ علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ کا یوں ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ آل عمران آیت 39

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ
يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۝

ترجمہ:۔ ''پس زکریا (علیہ السلام) جس وقت حجرہ میں نماز ادا کر رہے تھے تو فرشتوں نے ان کو پکارا! اے زکریا

(علیہ السلام) اللہ تعالیٰ آپ کو (ایک بیٹے) یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کی خوشخبری دے گا اور ہمیشہ کے لیے عورتوں سے بچنے والا اور نیکوکاروں میں سے نبی ہوگا۔'' (سورہ آل عمران آیت 39)

لفظ حصور کے معنی

سورہ آل عمران کی مذکورہ آیات میں لفظ ''حصور'' استعمال ہوا ہے۔ لغت عرب میں ''حصر'' کے معنی رکاوٹ کے ہیں جبکہ ''حصور'' اسم فاعل مبالغے کا صیغہ ہے۔ اس طرح یہاں معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے ضروری رکنے کا حکم دیا ہے ان کاموں سے رکنے والا۔ اس طرح رکنے والا ''حصور'' کہلاتا ہے۔ بعض لوگوں نے یہاں ''حصور'' کے معنی مردانہ قوت سے محروم کے لئے ہیں جو بالکل نامناسب اور موقع محل کے خلاف ہیں۔ مردانہ قوت سے محرومی نقص اور عیب کی علامت ہے جو اللہ تعالیٰ کے نبی کے لئے استعمال کرنا کھلی گمراہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہوتا ہی وہ ہے جو ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ہو۔ یہاں غیرت ایمانی تقاضہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں گستاخی کی جسارت نہ کریں۔ ہم اپنے اس خیال کی تائید میں محققین کرام کے اسمائے گرامی پیش کررہے ہیں جنہوں نے مذکورہ معنی کو مردود ٹھہرایا ہے اور ایسے لوگوں پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے اس قول کو باطل قرار دیا ہے۔

1. حضرت مولانا قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف شفاء شریف میں۔
2. حضرت علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح نسیم الریاض میں
3. حضرت علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایۃ والنہایۃ اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں۔

اہم وضاحت

محققین ارشاد فرماتے ہیں کہ مکمل مردانہ قوت کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے ہمیشہ دو طریقے رہے ہیں۔

ایک طریقہ تو یہ رہا کہ نفس کو اس حد تک ماردیا جائے کہ نفسانی خواہشات ہمیشہ کے لئے دب کر رہ جائیں یعنی اس طرح ان خواہشات کو ہی فنا کر دیا جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مبارک زندگی کی مثال ہمارے سامنے ہے اور یہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے یہ وصف بغیر کسی ریاضت اور محنت کے ابتداء سے ہی رکھ دیا تھا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان نفسانی خواہشات کو اس درجہ قابو میں رکھا جائے کہ حد سے تجاوز نہ کرسکیں صرف بقائے نسل انسانی کے لئے صحیح طریقہ کار کے مطابق یعنی ازدواجی زندگی کی شکل میں ان کو استعمال کیا جائے۔

پہلا طریقہ بھی جائز ہے مگر فطرت انسانی اور اجتماعی حیات کے لئے مناسب نہیں جن انبیاء علیہم السلام نے یہ طریقہ اپنایا وہ حکمت الٰہی خاص ضرورت کے پیش نظر تھا جبکہ دوسرا طریقہ کیونکہ فطرت وحقیقت کے مطابق ہے اس لئے جمہور نے اسی کو اپنایا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تعلیم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا عمل مبارک ہماری

اور پوری دنیا کی راہنمائی کے لئے سامنے ہے۔

عبادت وریاضت

حضرت یحییٰ علیہ السلام نہایت عبادت گزار اور اکثر اوقات ریاضت میں ہی مصروف رہتے تھے۔ آپ علیہ السلام لوگوں کی بھیڑ بھاڑ سے ہمیشہ دور رہنے کی کوشش فرماتے۔ عام طور پر آبادی سے دور ویران مقامات پر تشریف لے جاتے اور کئی کئی روز عبادت وریاضت میں مصروف رہتے۔ جب بھوک محسوس فرماتے تو درختوں کے پتے تناول فرمایا کرتے اور ساتھ ہی ساتھ یہ ارشاد فرماتے ''اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوسکتی ہے۔''

ابن عساکر کہتے ہیں کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام گھر سے کئی روز باہر رہتے تو آپ علیہ السلام کے والد ماجد حضرت زکریا علیہ السلام ان کو ڈھونڈتے ہوئے بحیرہ اردن تک چلے جاتے اور پھر انہیں ڈھونڈ لیتے اور یوں دونوں مل کر اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے لگتے۔ یہ ان دونوں کے نزدیک عبادت الٰہی کا طریقہ تھا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس حد تک ہر وقت روتے رہتے تھے کہ آنسوؤں کے لگاتار بہنے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کی مبارک آنکھوں کے گرد گڑھے پڑ گئے تھے۔

ابن مبارک، وہیب بن الورد اور ابن عساکر وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت زکریا علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک قبرستان پہنچ گئے۔ وہاں دیکھا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام ایک نئی قبر کھود کر اس میں بیٹھے رو رہے ہیں۔ بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے ان سے فرمایا ''اے میرے بیٹے میں تمہیں تین دن سے مسلسل تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچا ہوں اور تم یہاں قبر میں بیٹھے رو رہے ہو۔'' حضرت یحییٰ علیہ السلام نے والد گرامی کی بات سن کر عرض کیا ''اے ابا جان دوزخ اور جنت کا درمیانی فاصلہ روئے بغیر منقطع نہیں ہوسکتا۔'' حضرت زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی بات سن کر فرمایا تم نے سچ کہا پھر دونوں مل کر زار وقطار رونے لگے۔

البدایۃ والنہایۃ۔ جلد 2 صفحہ 403-404
تفسیر ابن کثیر

پانچ باتوں کی تبلیغ

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو خصوصیت کے ساتھ پانچ باتوں کی تبلیغ کا حکم فرمایا تھا۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ صحیح ترمذی میں اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ سنن ماجہ میں حضرت حارث اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے۔ اللہ کریم نے یوں ارشاد فرمایا ''اے یحییٰ (علیہ السلام) میں تمہیں خصوصی طور پر پانچ باتوں کی تبلیغ کرنے اور ان پر عمل کرنے کا

حکم دیتا ہوں۔'' تم (یحییٰ علیہ السلام) بنی اسرائیل کو ان باتوں کی تبلیغ کرو۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کسی وجہ سے ان باتوں کی تبلیغ کرنے میں تاخیر ہوگئی۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔ ''اے میرے بھائی اگر تم مناسب سمجھو تو میں بنی اسرائیل کو ان باتوں کی تبلیغ کروں جن کیلئے آپ کسی خاص وجہ سے تاخیر فرما رہے ہیں''۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ بات سن کر فرمایا ''اے بھائی میں اگر تمہیں ان باتوں کی تبلیغ کی اجازت دے دوں اور خود ان پر عمل نہ کروں تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت میں نہ آجاؤں۔ اس لئے میں خود ہی ان باتوں کی تبلیغ کرتا ہوں۔''

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب سب لوگ حسب حکم اکٹھے ہو گئے تو قوم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم فرمایا ہے جو تم تک پہنچاؤں اور خود بھی ان پر عمل کروں''۔ پھر وہ پانچ احکام لوگوں سے بیان فرمائے جو یہ تھے۔

پہلا حکم۔ شرک نہ کرو

سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا معبود حقیقی مانو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو کیونکہ وہی واحد ہستی ہے جو تمہیں رزق دیتا ہے اور تمہاری جملہ ضروریات پوری کرتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ کے ساتھ ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانے سے بڑا گناہ اور کوئی نہیں یہ گناہ قابل معافی نہیں ہے۔ اگر تم لوگ ایسا نہیں کرو گے تو تمہاری مثال اس غلام کی سی ہوگی جسے کسی مالک نے اپنی گرہ سے روپیہ خرچ کرنے کے بعد خریدا ہو۔ وہ غلام اپنے مالک کا ہی کھاتا پیتا ہو مگر اطاعت کسی اور شخص کی کرتا ہو۔ اور اپنی ساری کمائی آقا کے علاوہ کسی اور کو دے دیتا ہو تم یقیناً ایسے شخص کو پسند نہیں کرو گے۔

دوسرا حکم۔ نماز ادا کیا کرو

تم لوگوں کے لئے دوسرا حکم یہ ہے کہ روزانہ نہایت ہی خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کیا کرو۔ کیونکہ جب تم مکمل توجہ سے نماز ادا کرنے کے لئے اس کے سامنے کھڑے ہو گے تو وہ اسی توجہ کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہوگا اور یوں تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے اپنی جھولیاں بھر لو گے۔

تیسرا حکم۔ روزہ رکھا کرو

اے بنی اسرائیل تم لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کا تیسرا حکم یہ ہے کہ روزہ رکھو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے لباس کو تو مشک وعنبر سے بسا لے لیکن اسکے منہ سے مشک وعنبر کی خوشبو نہ آئے۔ یا ایک ایسا شخص جس کے پاس مشک وعنبر کی بھری ہوئی تھیلی ہے اور وہ اس کی خوشبو سے خود بھی لطف اندوز ہو رہا ہے اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے لوگ

بھی۔تم روزہ دار کے منہ کی بو کا ہرگز خیال نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی خوشبو مشک اور عنبر سے بھی زیادہ پاک ہے۔

چوتھا حکم۔صدقہ دیا کرو

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم لوگوں کے لئے چوتھا حکم یہ ہے کہ صدقہ دیا کرو۔صدقہ نکالنے والے کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کو اسکے دشمنوں نے اچانک پکڑ کر قید کر دیا ہو اور پھر اسکے ہاتھ گردن کے گرد باندھ کر اسے مقتل کی طرف لے جا رہے ہوں تا کہ اس کو قتل کر دیں۔اس ناامیدی کی حالت میں وہ نہایت حسرت و یاس سے یہ کہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ میں مال دے کر اپنی جان بچا سکوں۔پھر دوسری طرف سے اثبات (ہاں) میں جواب ملے تو وہ اپنی جان بچانے کیلئے اپنا پورا مال دوسرے کے حوالے کر دے۔

پانچواں حکم۔کثرت سے اللہ کو یاد کرو

اے بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے پانچواں حکم یہ ہے کہ تم لوگ کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرو۔کثرت سے ذکر الٰہی کرنے والے کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو دشمن سے ڈر کر بھاگ رہا ہو اور دشمن تیزی سے اس کا پیچھا کر رہا ہو۔پھر وہ شخص کسی محفوظ قلعے میں داخل ہو کر دشمن سے محفوظ ہو جائے۔پس ذکر الٰہی بلاشبہ انسان کو اس کے ازلی دشمن کے مقابلے میں قلعہ کی طرح پناہ دیتا ہے۔اس لئے تم لوگ رات دن ذکر الٰہی میں مشغول رہا کرو۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس حدیث مبارکہ کو بیان فرما کر آخر میں یوں ارشاد فرمایا۔"میں بھی تمہیں اے صحابہ (کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین) پانچ باتوں کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہوں جن کا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یہ پانچ احکام یہ ہیں۔

(1) جماعت (2) سماعت (3) طاعت (4) ہجرت (5) جہاد فی سبیل اللہ

آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے جماعت سے قطع تعلق کیا تو سمجھو کہ اس نے اسلام کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا مگر یہ کہ وہ توبہ کرنے کے بعد رجوع کرے اگر وہ زمانہ جاہلیت کی طرح اپنی جاہلیت پر قائم رہا تو اس کی سزا جہنم ہوگی"۔

البدایہ والنہایہ۔جلد 2۔صفحہ 401 تا 403

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنی قوم کو دین حق کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے رہتے تھے۔پھر آپ علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق یہ عام منادی شروع کر دی کہ مجھ سے بھی بڑھ کر اللہ جل شانہٗ کا ایک نبی تم

لوگوں کو دینِ حنیف کی دعوت دینے تشریف لا رہا ہے۔ یہودیوں نے جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کی یہ منادی سنی تو آپ علیہ السلام کے پاس جمع ہو کر آئے اور کہنے لگے اے یحییٰ علیہ السلام ہم تیرا یہ اعلان برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمیں بتاؤ کیا تم ہی مسیح ہو؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا میں مسیح نہیں ہوں۔ ان لوگوں نے پھر پوچھا۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا میں وہ نبی نہیں ہوں۔ اس پر یہود سخت برہم ہوئے اور کہنے لگے پھر تم ہمیں کس حیثیت سے اس آنے والے نبی کی بشارت دیتے ہو۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا میں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم پر کرتا ہوں۔ یہود اور زیادہ برہم ہو گئے اور آپ علیہ السلام کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ان حالات کے باوجود آپ علیہ السلام نے منادی کا سلسلہ جاری رکھا۔

امام ابن عساکر اپنی مشہور تصنیف ''المستقصیٰ فی فضائل الاقصیٰ'' میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام قاسم کی زبانی ایک طویل روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''دمشق کے بادشاہ ہداد بن حادر نے اپنی ملکہ کو کسی وجہ سے ناراض ہو کر تین طلاقیں دے دیں۔ کچھ دیر بعد اس حرکت پر نادم ہوا اور اس نے شدید خواہش کا اظہار کیا کہ اپنی مطلقہ کو پھر اپنی زوجیت میں لے آئے۔ اس سلسلے میں بادشاہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے فتویٰ طلب کیا۔ آپ علیہ السلام نے پورا واقعہ سن کر فرمایا میرا فتویٰ یہ ہے کہ وہ عورت اب تجھ پر اس وقت تک حرام ہے جب تک وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اور پھر دوسرا شخص اس کو ہم بستری کے بعد طلاق نہ دے۔ اگر ایسا ہوگا تو عدت پوری کرنے کے بعد وہ عورت تجھ پر حلال ہوگی ورنہ حرام ہی رہے گی۔ ملکہ کو جب اس فتویٰ کا علم ہوا تو وہ ناراض ہو گئی اور بادشاہ سے ضد کرنے لگی کہ جب تک یحییٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا جائے گا مجھے سکون نہیں ہوگا۔ چنانچہ بادشاہ نے ملکہ کو خوش کرنے کے لئے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم دے دیا۔ ایک روز حضرت یحییٰ علیہ السلام مسجد ''حبرون'' میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ بادشاہ کے سپاہیوں نے آپ علیہ السلام کو شہید کر دیا اور سرِ مبارک چینی کے طشت میں رکھ کر بادشاہ کو پیش کر دیا۔ آپ علیہ السلام کے سرِ مبارک سے اس حالت میں بھی یہی آواز آ رہی تھی کہ تو بادشاہ کے لئے اس وقت تک حلال نہیں جب تک دوسری شادی نہ کر لے۔ پھر اس عورت پر خدا کا عذاب آیا اور وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سرِ مبارک سمیت زمین میں غرق ہو گئی۔

راقم کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی قبرِ مبارک دمشق کی تاریخی مسجد اموی یا جسے آج کل مسجد امیہ بھی کہا جاتا ہے میں ذاتی طور پر (1974ء میں) زیارت کا شرف حاصل ہے۔ اسی مسجد کے کونے میں کربلا میں شہادت کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرِ مبارک رکھا گیا تھا اور اسی جگہ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ (33ھ-95ھ) نے اعتکاف فرمایا تھا۔ شاید قدیمی طور پر یہی مسجد حبرون ہو۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کے سلسلے میں ایک اور روایت بھی آتی ہے جسے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے شمر بن عطیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بیت المقدس میں ہیکل اور قربان گاہ کے درمیان اس جگہ شہید کیا گیا جہاں بنی اسرائیل پہلے ہی ستر (70) انبیاء علیہم السلام کو شہید کر چکے تھے۔

ایک اور روایت میں یوں آتا ہے کہ بادشاہ وقت نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حسن و جمال کی وجہ سے یہ چاہا کہ آپ علیہ السلام اس کے حرم کی عورتوں میں سے کسی ایک کو پسند فرما کر اس سے شادی کر لیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو عورتوں سے قطعی رغبت نہ تھی جس کا ذکر ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ اسلئے آپ علیہ السلام نے بادشاہ کو یہ بات بتانے کی بجائے بادشاہ کے خود درخواست کرنے پر ایسا کرنے (شادی) سے انکار کر دیا۔ بادشاہ یہ انکار سن کر آپ علیہ السلام کا دشمن ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے۔ بادشاہ کے سپاہیوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر کے ان کا سر مبارک طشت میں رکھ کر بادشاہ کو پیش کر دیا۔

بعض مستند روایات میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کے بارے میں یوں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام اپنے زمانے کے نہایت حسین وجمیل شخص تھے جیسا کہ قرآن مجید کے کلمات ''حصورا'' سے ثابت ہے۔ بادشاہ وقت کی ملکہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دیکھا تو ان کی طرف مائل ہو گئی۔ ملکہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو خلوت میں طلب کیا اور اپنی بدنیت کا اظہار کیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ملکہ کا کہنا ماننے سے انکار فرما دیا اور وہاں سے باہر تشریف لے آئے۔ ملکہ نے اس انکار کو اپنی اور حکم شاہی کی سخت توہین سمجھا اور بادشاہ سے کہا کہ یحییٰ علیہ السلام نے شاہی حکم ماننے سے انکار کیا ہے اس لئے سزا کے طور پر انہیں قتل کر دیا جائے۔ بادشاہ نے ملکہ کے کہنے پر آپ علیہ السلام کے قتل کا حکم دے دیا اور یوں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا۔

مفسرین کرام اور اصحاب سیر سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا گیا۔ البتہ آپ علیہ السلام کی شہادت کس طرح ہوئی اس سلسلے میں اقوال مختلف ہیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کر دیا ہے۔ آپ علیہ السلام کی شہادت کے بارے میں کوئی فیصلہ کن قول موجود نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کا سن کر علی الاعلان اپنی دعوت حق کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ خالق کائنات نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ سورہ البقرہ آیت 61، 87 اور 88 سورہ آل عمران آیت 21، 112، 181، سورہ النساء آیت 155 کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انکار کرنے والے لوگوں کو جنہوں نے ناحق انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا دردناک عذاب کی خوشخبری دی ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بنی اسرائیل نے ایک دن میں تینتالیس (43) انبیاء علیہم السلام اور ایک سو ستر (170) صالحین کو قتل کر دیا تھا جو بنی اسرائیل کو رشد و ہدایت کی تعلیم دیتے تھے۔''

البدایہ والنہایہ۔ جلد 2 صفحہ 405 تا 408
تفسیر ابن کثیر۔ جلد۔ 1۔ صفحہ 137۔ 255
انجیل یوحنا باب۔ 1۔ آیات 19۔ 28 وغیرہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہا السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ قرآن مجید نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس طرح خاتم الانبیاء ورسل فرمایا ہے یہی ہمارا دین حق ہے اور یہی ہمارا ایمان ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سب سے آخر میں مبعوث ہونے والے اس قوم کے نبی ہیں۔ قرآن کریم نے جن برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کی شخصیات کا نمایاں ذکر فرمایا ہے ان میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور سرکارِ دوعالم فخر کونین خاتم الرسل، رحمت اللعالمین، سرورِ کائنات، نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ شامل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قدر ومنزلت اور عظمت شان کا ایک امتیازی نشان یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انبیاء بنی اسرائیل میں نبوت ورسالت کا مقام اور امامت کا رتبہ حاصل ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام مجدد انبیاء بنی اسرائیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قانون ربانی تورات نازل فرمائی جب کہ اسی قوم کی ہدایت کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی۔ اس کے علاوہ بنی اسرائیل کے کسی دوسرے پیغمبر پر اس قدر عظمت وشان والی کوئی دوسری کتاب نازل نہیں ہوئی۔ اصل میں انجیل تورات کی تکمیل ہی کی شکل میں نازل ہوئی اس طرح عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فراموش اقوال اور رشد وہدایت کی تعلیم کی تکمیل انجیل کے ذریعے فرمائی۔

قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات وواقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے جس سے آپ علیہ السلام کی عظمت اور مقام کا پتہ چلتا ہے۔ دین حق کی تبلیغ کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ تک برابر جاری رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی رہی ہے کہ صدیوں بعد ایک ایسے برگزیدہ اور اولوالعزم پیغمبر کو دنیا میں مبعوث فرماتا ہے جو گزشتہ زمانوں میں تشریف لانے والے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں لوگوں نے جو کمزوریاں اور بدعات پیدا کر دی ہوتی ہیں ان کو ختم کرے۔ وہ ایسا حق وصداقت کا صور پھونکتا ہے کہ مردہ دلوں میں دوبارہ زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا رہا ہے کہ جن قوموں یا امتوں میں ایسے برگزیدہ نبی نے تشریف لانا ہو مدتوں پہلے اس امت وقوم میں مبعوث ہونے والے نبی اس آنے والے کی وحی الٰہی کے مطابق بشارت سناتے رہے ہیں۔ تاکہ آنے والے کے لئے دعوت حق کی زمین ہموار رہے۔ اس طرح جب وہ ہستی جلوہ گر ہو تو اس قوم وامت کے لئے اس کی آمد غیر متوقع واقعہ نہ بن جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انہیں مقدس نبیوں اور رسل میں سے ہیں جن کی آمد کی خبر سابقہ انبیاء علیہم السلام دیتے چلے آئے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام بشارت عیسیٰ علیہ السلام دینے والوں میں خاص مقام رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو والد کے بغیر پیدا فرمایا اور یہ آپ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ بنی اسرائیل نے جب آپ علیہ السلام کی والد کے بغیر ولادت پر نکتہ چینی کی طرح طرح کی باتیں بنائیں تو

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''عیسیٰ (علیہ السلام) کی اس ولادت مبارکہ پر اعتراض کرتے ہو، کیا میں نے ان سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو والد اور والدہ کے بغیر پیدا نہیں کیا؟ جو چاہوں کر سکتا ہوں کیونکہ میں ہر چیز پر قادر ہوں۔''

جمہور مفسرین اور اصحاب سیر کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سرکار دو عالم سرور کونین ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے درمیان تقریباً 571 سال کا وقفہ ہے اور اس دوران کوئی دوسرا رسول یا نبی مبعوث نہیں ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرکار دو عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی آمد مبارکہ کی منادی کرتے رہے اور دنیا والوں کو حضور علیہ السلام کی آمد مبارکہ کی بشارت دیتے رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً دو ہزار سال بعد کا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے کچھ عرصہ بعد عیسائیوں نے جنہیں قرآن کریم نصاریٰ کے نام سے یاد کرتا ہے ایک خود ساختہ عقیدہ بنا لیا جس کے تحت وہ تین ایک اور ایک تین کے مطابق دو اہم گروہوں میں تقسیم ہو کر غلط راستے پر چل نکلے ہیں۔ قرآن کریم فرقان حمید ان کے اس نظریہ وعقیدہ کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے ان کو دوزخ کی خوشخبری سناتا ہے۔ عیسائیوں کا ایک گروہ جسے رومن کیتھولک کہتے ہیں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم (علیہا السلام) ایک ہیں جبکہ پروٹسٹنٹ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایک تین ہیں۔

قرآن مجید اور ذکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر مبارک اسم گرامی کے حوالے سے اپنی پاک کتاب کی تیرہ سورتوں میں فرمایا ہے۔ ان سورتوں میں کہیں ''مسیح'' (علیہ السلام) کے نام سے پکارا ہے تو کسی جگہ ''عیسیٰ'' (علیہ السلام) کے مبارک نام سے یاد کیا ہے۔ کہیں ''عبداللہ'' کے نام سے پکارا ہے اور کہیں ''ابن مریم'' کے اظہار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ مطالعہ کرنے والوں کے علمی ذوق کے لئے ذیل میں سورتوں کے نام، آیات کے عدد اور اسمائے گرامی کا نقشہ دے رہا ہوں۔

نام سورہ	آیات	اسمائے گرامی					تعداد
		عیسیٰ	عیسیٰ ابن مریم	مسیح	عبداللہ	ابن مریم	کل تعداد
(1) البقرہ	253،136،87	1دفعہ	2دفعہ				3دفعہ
(2) آل عمران	84،59،55،52،45	4دفعہ	1دفعہ	1دفعہ			6دفعہ
(3) النساء	172،171،163،157	1دفعہ	2دفعہ	3دفعہ			6دفعہ
(4) المائدہ	110،78،75،72،46،17، 116،114،112		6دفعہ	5دفعہ			11دفعہ

(5)الانعام	85	1دفعہ					1دفعہ
(6) التوبہ	31،30			2دفعہ			2دفعہ
(7)مریم	34،30		1دفعہ		1دفعہ		2دفعہ
(8)المومنون	50					1دفعہ	1دفعہ
(9)الاحزاب	7		1دفعہ				1دفعہ
(10)الزخرف	63،57	1دفعہ				1دفعہ	2دفعہ
(11)الحدید	27		1دفعہ				1دفعہ
(12)الصف	14،6		2دفعہ				2دفعہ
(13)الشوریٰ	13	1دفعہ					1دفعہ
		9	16	11	1	2	39دفعہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سیدہ حضرت مریم علیہا السلام کے بطن اقدس سے باپ کے بغیر پیدا فرمایا۔ سیدہ حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کی ولادت مبارکہ کا ذکر ہم حضرت زکریا علیہ السلام کے حالات میں بیان کر چکے ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام اپنے حجرہ مبارک میں عبادت الٰہی میں مصروف رہتی تھیں۔ ضروری حاجت کے بغیر کبھی حجرہ سے باہر تشریف نہیں لاتی تھیں۔ ایک روز آپ علیہا السلام مسجد اقصیٰ کی مشرقی جانب حجرہ میں تشریف فرما تھیں کہ اچانک حضرت جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں تشریف لائے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے اس طرح اچانک ایک اجنبی کو اپنے سامنے دیکھا تو گھبرا گئیں اور فرمانے لگیں "اے شخص اگر تجھے اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی خوف ہے تو میں تجھے اسکی ذات کا واسطہ دیتے ہوئے تجھ سے پناہ چاہتی ہوں۔" حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا "اے مریم (علیہا السلام) کچھ خوف نہ کریں میں انسان نہیں بلکہ انسانی شکل میں اللہ تعالیٰ کا مقرب فرشتہ ہوں اور آپ کو بیٹے کی بشارت دینے آیا ہوں۔" حضرت مریم علیہا السلام نے فرشتے کی یہ بات سن کر نہایت تعجب سے ارشاد فرمایا۔ "میرا بیٹا کیسے پیدا ہو سکتا ہے جبکہ آج تک مجھے کسی بھی شخص نے چھوا تک نہیں۔ وہ اس لئے کہ میں نے نہ تو کسی سے نکاح کیا ہے اور نہ ہی میں زانیہ ہوں۔" فرشتے نے حضرت مریم علیہا السلام کی یہ گفتگو سن کر جواب دیا "میں تو اللہ تعالیٰ کا قاصد ہوں اور خالق کائنات نے مجھے اسی طرح فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ میں ایسے ہی کروں گا۔ میں تجھے اور تیرے بیٹے کو اپنی کامل قدرت کا نشان اعجاز بناؤں گا۔ تیرا بیٹا میری طرف سے "رحمت" ثابت ہوگا اور میرا یہ فیصلہ اٹل ہے۔" فرشتے نے پھر کہا "اے مریم (علیہا السلام) اللہ تعالیٰ آپ کو ایسے بیٹے کی بشارت دیتا ہے جو اس کا "کلمہ" ہوگا

اس کا لقب ''مسیح'' ہوگا (مسیح کا معنی مبارک یا سیاح ہے جس کا کوئی گھر نہیں ہوتا) اس کا نام ''عیسیٰ'' (علیہ السلام) ہو گا۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں صاحب وجاہت اور عظمت والا ہوگا۔ وہ اللہ کے مقربین میں سے ہوگا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ملنے والے اپنے پہلے معجزہ کا اظہار یوں فرمائے گا کہ شیر خوارگی کی عمر میں ہی لوگوں سے باتیں کرے گا۔ وہ کائنات کی رشد وہدایت فرمائے گا۔ اور ایسا اس لئے ضرور ہوکر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا محض یہ فرمانا ''کن'' (ہوجا) تو وہ چیز فوری ہو جاتی ہے۔ پس قانون قدرت کے مطابق ایسا ہی ہوکر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی کتاب عطا فرما کر بنی اسرائیل کی طرف رسول اور نبی بنائے گا۔ ''سورہ مریم'' اور'' سورہ آل عمران'' میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کو بیان فرمایا ہے۔ اہل علم حضرات اپنے ذوق کی تسکین کے لئے ان سورتوں سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے جب حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دے دی تو حضرت مریم علیہا السلام کی طرف پھونک ماری۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا کلمہ ان کی طرف پہنچ گیا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے کچھ عرصہ بعد خود کو حاملہ محسوس فرمایا۔ انسانی فطرت کے مطابق آپ علیہا السلام پر ایک اضطرابی کیفیت طاری ہوگئی پھر اس کیفیت میں اس وقت مزید اضافہ ہوگیا جب وضع کیفیت کا وقت نزدیک آیا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے خیال فرمایا کہ اگر یہاں بیت المقدس (ہیکل) میں رہتے ہوئے ہی بیٹے کی ولادت ہوئی تو قوم اصل کیفیت کو نہ سمجھتے ہوئے طرح طرح کے بہتان لگا کر مجھے بدنام کرے گی۔ اس لئے یہاں سے کہیں دور چلے جانا چاہیے۔ یہ سوچ کر آپ علیہا السلام خاموشی سے بیت المقدس یعنی یروشلم سے تشریف لے گئیں۔

بیت اللحم

حضرت مریم علیہا السلام بیت المقدس سے نکل کر قریباً نو میل کے فاصلے پر واقع ''کوہ سراۃ'' (ساعیر) کے ٹیلے پر تشریف لے گئیں جو اب بیت اللحم کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں تشریف لائے ہوئے چند روز ہی گزرے تھے کہ ایک دن اچانک دردِزہ شروع ہوگیا آپ علیہا السلام ایک کھجور کے درخت کے نیچے تنے کے ساتھ سہارا لے کر بیٹھ گئیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ولادت مبارکہ کے بعد حضرت مریم علیہا السلام پر کچھ غم کی کیفیت طاری ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں کھانے پینے کو کچھ نہ تھا۔ اس کیفیت کے طاری ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے پکار کر عرض کی ''اے مریم علیہا السلام غم نہ کریں آپ کے پروردگار نے آپ (علیہا السلام) کے لئے ایک نہر جاری فرما دی ہے آپ درخت کی ٹہنی پکڑ کر ہلائیں تو پکے ہوئے تازہ خوشے گریں گے اس طرح آپ علیہا السلام کھائیں پئیں اور اپنے عظیم بیٹے کا نظارہ فرماتے ہوئے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائیں۔ حضرت مریم علیہا السلام نے ایسا ہی کیا اور یوں حسب حکم تمام چیزیں حاصل ہونے لگیں حضرت مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوکر اپنے عظیم المرتبت بیٹے کی نگہداشت فرمانے لگیں اور تمام

دکھ درد بھول گئیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ کے وقت بہت سے ملائکہ حضرت مریم علیہا السلام کی خدمت اقدس میں حاضر تھے اس لئے شیطان اوراس کے چیلے آپ کے قریب آنے کی جرأت نہ کر سکے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی بیت المقدس کو واپسی

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ کے بعد حضرت مریم علیہا السلام اپنے اس برگزیدہ اور عظیم المرتبت بیٹے کا نظارہ فرماتے ہوئے نہایت ہی شادمان تھیں انہیں تنہائی اور اکیلے پن کا احساس ختم ہو چکا تھا۔ بیٹے کو دیکھ دیکھ کر ہر وقت شادکام رہنے لگیں۔ مگر ایک خیال ہر وقت آپ علیہا السلام کے ذہن میں رہتا کہ شہر واپس جا کر قوم کو اپنی عصمت و پاک دامنی کا کس طرح یقین کرا سکوں گی کیونکہ وہ لوگ تو میرے ساتھ گزرے تمام حالات و واقعات کا شعور ہی نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام سے فرشتے کے ذریعے ارشاد فرمایا ''اے مریم تو اس سوچ کی وجہ سے پریشان نہ ہو۔ تو جب اپنی قوم میں واپس جائے اور لوگ تجھ سے میرے اس عظیم المرتبت پیغمبر کی پیدائش کے بارے میں سوال کریں تو اس وقت تو انہیں اشارے سے بتا دینا کہ میں روزہ دار ہوں جو کچھ پوچھنا ہے اس بچے سے ہی پوچھ لو۔ پھر دیکھنا تمہارا پروردگار کس طرح اپنی قدرت کاملہ کا نشان ظاہر کرتا ہے اور لوگوں کے دلوں کو مطمئن کرتے ہوئے ان کی پریشانی اور سوالوں کو رفع کرتا ہے۔''

اہم وضاحت

ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''اے مریم (علیہا السلام) لوگوں کے سوالوں کا جواب دینے کی بجائے انہیں اشارے سے بتا دینا کہ میں روزہ دار ہوں اس لئے جو کچھ پوچھنا ہے اس بچے سے پوچھ لیں۔'' یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا روزے کی حالت میں بات چیت کرنا منع ہے۔ جواباً عرض ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاں روزے کی حالت میں خاموشی بھی عبادت میں شامل تھی۔ اسی لئے ان کو خاموش رہنے کا فرمایا گیا۔

شہر میں تشریف آوری

حضرت مریم علیہا السلام وحی کے نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گود میں لے کر بیت المقدس واپس تشریف لائیں۔ لوگوں نے آپ علیہا السلام کی گود مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو نہایت ہی تعجب کے ساتھ ہر جانب سے آپ علیہا السلام کے گرد اکٹھے ہو کر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ کوئی کہنے لگا باپ کے بغیر یہ لڑکا کیسا ہے۔ کسی طرف سے آواز آئی اے مریم (علیہا السلام) تو نے بہت ہی عیب کی بات کر دی جو تہمت کا کام ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا اے عمران کی بیٹی نہ تو تیرا باپ ہی برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی۔ پھر تو نے یہ کیا کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ حضرت مریم علیہا السلام لوگوں کی باتیں نہایت تحمل اور سکون کے ساتھ سنتی رہیں۔ جب لوگ الزامات لگا چکے اور ہر قسم

کے سوالات کر چکے اور ہر طرف خاموشی چھا گئی تو آپ علیہا السلام نے حکم الٰہی کے مطابق لوگوں کو اشارے سے بتایا کہ "میں آج روزے سے ہوں جو کچھ پوچھ رہے ہو بچہ اس کا جواب دے گا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حالت شیر خواری میں بنی اسرائیل کے سوالوں کے جو جوابات ارشاد فرمائے اللہ تعالیٰ نے اس کلام کا ذکر سورہ "انبیاء" سورہ "تحریم" اور سورہ "مریم" میں فرمایا ہے۔ موضوع کی طوالت کے پیش نظر کلام الٰہی کا خلاصہ تحریر کیا جا رہا ہے متلاشیانِ علم مذکورہ آیات سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالت شیر خواری میں جوابات

لوگوں نے حضرت مریم علیہا السلام کے اشارے کو سمجھتے ہوئے نہایت تعجب کے ساتھ کہا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم شیر خوار بچے سے باتیں کر سکیں جب کہ وہ تو ابھی اپنی ماں کی گود میں ہی بیٹھنے والا ہے۔ لوگوں نے یہ کہا ہی تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوراً بول پڑے اور یوں ارشاد فرمایا۔ (سورۃ مریم آیات 30 تا 33)

"میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی کتاب انجیل عطا فرمائی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں۔ اس نے مجھے مبارک بنایا ہے۔ چاہے میں کسی بھی حال اور کہیں بھی رہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ جب تک میں اس فانی دنیا میں رہوں یہی میرا شعار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی والدہ (حضرت مریم علیہا السلام) کا خدمت گزار بنایا ہے۔ خود سر اور نافرمان نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے سلامتی کا پیغام ہے۔ اس دن سے جب میں پیدا ہوا اور اس دن تک جب میرا وصال ہو گا اور پھر اس دن تک جب دوبارہ زندہ اٹھایا جاؤں گا۔"

بنی اسرائیل نے جب ایک شیر خوار بچے کو ایسا حکمت بھرا پیغام۔ کہتے سنا تو ان کی حیرت انتہاء کو پہنچ گئی، وہ پکار اٹھے۔ ہمیں یقین ہو گیا کہ حضرت مریم (علیہا السلام) کا دامن پاک ہے اور وہ بلا شک وشبہ ہر برائی سے محفوظ ہیں۔ اس بچے کی پیدائش مبارکہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نشان ہے۔ اس واضح نشانی کے باوجود کچھ شر کے پجاری ایسے بھی تھے جنہوں نے ہر قسم کے بغض وعناد کو بروئے کار لاتے ہوئے آپ علیہ السلام پر اعتراضات کے تیر چلانا شروع کر دیئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنے حفظ وامان میں پروان چڑھایا۔

البدایہ والنہایہ۔ جلد۔ 2۔ صفحہ۔ 418 تا 422
تفسیر ابن کثیر جلد 1

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور بچپن کے واقعات

قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے حالات میں صرف اسی واقعہ کا ذکر فرمایا ہے جبکہ حضرت وہب بن مبنہ اور متی کی انجیل میں اور واقعات بھی درج ہیں۔ یہاں ہم حضرت وہب بن مبنہ، حضرت ابن عباس رضی

اللہ تعالیٰ عنہما، اسحاق بن بشر، مقاتل اور ضحاک وغیرہ کے حوالوں سے چند چیدہ چیدہ واقعات درج کر رہے ہیں۔ یہ تمام واقعات کس حد تک صحیح ہیں اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جاننے والا ہے۔ ہمارا کام تو انبیاء علیہم السلام کی عظمت بیان کرنا اور ان کے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرنا ہے۔

ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام

وہب بن مبنہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت بہت سے ملائکہ حضرت مریم علیہا السلام کے گرد جمع تھے۔ جب آپ علیہ السلام شکم مادر سے دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت آسمان پر خلاف معمول ایک نہایت روشن ستارہ نمودار ہوا جس کے فوراً بعد مشرق و مغرب دونوں افقوں پر ایسے طوفانی آثار پائے گئے جنہیں دیکھ کر شاہ فارس ڈر گیا۔ بادشاہ نے اسی وقت اپنے نجومیوں اور کاہنوں کو دربار میں طلب کیا اور ان سے ایسا ہونے کی وجہ دریافت کی۔ سب نے کہا اس خاص ستارے کا طلوع اس بات کی علامت ہے کہ ملک شام میں کوئی عظیم الشان ہستی پیدا ہوئی ہے۔ بادشاہ نے نجومیوں اور کاہنوں کی یہ بات سن کر بہت سے قیمتی تحائف دے کر ایک وفد حضرت مریم علیہا السلام کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ اس وفد میں شامل لوگ یہ تحائف حضرت مریم علیہا السلام کی خدمت میں پیش کرنے کے بعد پورے حالات معلوم کر سکیں۔

وفد جب ملک شام پہنچا تو شریک لوگوں نے یہودیوں سے پوچھا ہمیں اس بچے کا حال بتائیں جو عنقریب روحانیت کا بادشاہ ثابت ہوگا۔ یہودی پہلے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھولے میں کلام فرماتے سن کر سخت تعجب کا شکار تھے۔ اب فارس کے وفد کی زبانی آپ علیہ السلام کی عظمت کا سن کر مزید حیرت زدہ ہوئے اور سیدھے اپنے بادشاہ ہیرودیس (یورپی مورخین کے مطابق Herod 37ق م سے 4ق م تک بادشاہ رہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ 6ق م تا 30 عیسوی تک تھا) کو خبر کی۔ بادشاہ یہود یہ خبر سن کر گھبرا گیا فوراً فارس کے وفد کو دربار میں طلب کیا اور ان سے پورا حال سننے کے بعد کہا کہ آپ لوگ بیت المقدس جائیں اور اس نومولود کے بارے میں مزید معلومات حاصل کریں۔ پارسیوں کا یہ وفد بیت المقدس پہنچا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت کرتے ہی اپنے رسم و رواج کے مطابق آپ علیہ السلام کے آگے سجدہ ریز ہو گیا۔ شاہ فارس کے بھیجے ہوئے تحائف حضرت مریم علیہا السلام کی خدمت میں پیش کئے۔ وفد چند روز بیت المقدس میں ٹھہرا۔ ایک روز وفد کے بعض آدمیوں نے خواب میں دیکھا کہ شاہ ہیرودیس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دشمن ہو چکا ہے اور وہ آپ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ صبح کے وقت وفد کے وہ لوگ حضرت مریم علیہا السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ شاہ یہود آپ علیہا السلام کے بیٹے کا دشمن ہو گیا ہے، اس لئے بہتر ہے کہ آپ علیہا السلام اپنے صاحب زادے کو لے کر اس بادشاہ کی دسترس سے دور تشریف لے جائیں۔ پھر اپنا خواب حضرت مریم علیہا السلام کو سنایا۔

حضرت مریم علیہا السلام نے یہ سب کچھ سن کر بیت المقدس سے ہجرت فرمانے کا ارادہ کرلیا اور یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہمراہ لے کر اپنے بعض عزیز واقارب کے پاس مصر تشریف لے گئیں۔ کچھ عرصہ مصر میں رہنے کے بعد وہاں سے ناصرہ (ایک جگہ کا نام ہے) چلی گئیں۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک تیرہ (13) سال کی ہوئی تو حضرت مریم علیہا السلام آپ علیہ السلام کو ہمراہ لے کر بیت المقدس واپس تشریف لے آئیں۔ بعض روایات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک بارہ سال بھی آتی ہے۔

نابینے کسان کی بینائی کامل جانا

حضرت وہب بن مبنہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لڑکپن میں ہی کرامات اور معجزات کا ظہور ہونا شروع ہو گیا تھا۔ آپ علیہ السلام اکثر فقراء اور مساکین کے پاس خود تشریف لے جاتے اور ان کی مدد فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ علیہ السلام کے سامنے مال کثیر کا انبار لگا ہوا تھا۔ ایک غریب نابینا کسان خدمت اقدس میں حاضر ہوا جس کا نہ گھر بار تھا اور نہ ہی کوئی ذریعہ معاش۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کسان سے فرمایا ''کہ دیکھو یہ سارا مال تم لے لو'' کسان آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد مبارک سن کر بولا ''یا حضرت (علیہ السلام) میری تو آنکھیں ہی نہیں ہیں اسلئے میں نہ تو اس مال کو دیکھ سکتا ہوں اور نہ ہی اسے اٹھا کر لے جا سکتا ہوں۔'' کسان کی بات سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''کیوں نہیں تم تو میری طرح دیکھ سکتے ہو'' اسی وقت اس کسان کی آنکھیں روشن ہوگئیں اور وہ دیکھنے لگا۔ کسان حسب حکم وہ سارا مال اٹھا کر لے گیا اور خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ کچھ عرصہ بعد کسان نے ایک شان دار دعوت کا بندوبست کیا اور بہت سے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی۔ طرح طرح کے مختلف انداز میں پکے ہوئے کھانے مہمانوں کے سامنے رکھے اور ساتھ ہی شراب کے کئی مرتبان بھی پیش کئے یاد رہے ان دنوں وہاں شراب نوشی کا عام رواج تھا۔ کسان اور اس کے ساتھیوں نے جب شراب کے مرتبان یکے بعد دیگرے کھولے تو ان میں سے ایک قطرہ شراب بھی نہ نکلی۔ یہ دیکھ کر کسان اور اس کے ساتھیوں کو بہت دکھ ہوا۔ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دعوت میں شریک تھے۔ آپ علیہ السلام مرتبانوں کے نزدیک تشریف لے گئے اور کسان کو پاس آنے کا فرمایا۔ وہ قریب آیا تو آپ علیہ السلام نے اسے اشارہ فرمایا کہ مرتبانوں کو کھولے۔ کسان نے حکم کے مطابق مرتبانوں کے ڈھکن کھولے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں سے سڑے ہوئے کھیروں کی بو آرہی تھی جن سے وہ شراب تیار کی گئی تھی۔ یہ دیکھ کر کسان سخت نادم ہوا۔ اس طرح وہاں موجود تمام لوگوں نے آپ علیہ السلام کے اس معجزہ کو دیکھا۔

ابجد کے معنی بتانا

اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لازوال علم کی دولت عطا فرمائی تھی۔ اسحاق بن بشر، مقاتل،

ضحاک اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سات (7) سال کی عمر میں اس زمانے کے دستور کے مطابق پڑھنے کے لئے مکتب میں بٹھایا گیا۔ آپ علیہ السلام مکتب میں موجود بڑی سے بڑی علمی وفنی کتاب پر ایک نظر ڈالتے اور اسے رکھ دیتے۔ آپ علیہ السلام کے اس عمل کو بار بار دیکھنے کے بعد مکتب کے معلم نے کہا۔ ''اے بچے تم ان کتابوں کو ایک نظر دیکھنے کے بعد یوں رکھ دیتے ہو جیسے یہ سب کتابیں تمہیں ازبر ہیں۔ (زبانی یاد ہیں) جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ابھی تم ابجد سے بھی واقف نہیں ہو اس حرف کے تمہیں معنی بھی معلوم نہیں۔''

معلم کی یہ بات سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''اصل بات یہ ہے کہ مجھے ابجد کے معنی یقینی طور پر معلوم ہیں البتہ آپ اس حرف کے معنی نہیں جانتے؟'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ بات سن کر معلم نے بڑے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے طنزاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا ''اگر آپ (علیہ السلام) ابجد کے معنی جانتے ہیں تو مجھے بتادیں۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''شرط یہ ہے کہ آپ میری جگہ بیٹھیں اور مجھے اپنی مسند پر بیٹھنے دیں پھر میں آپ کو ابجد کے معنی بتاؤں گا۔''

معلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بات کو محض مذاق خیال کرتے ہوئے اپنی مسند کو خالی کر دیا اور خود مسند کے سامنے شاگردوں کی طرح زانوئے ادب تہ کرتے ہوئے بیٹھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی مسند پر بیٹھنے کو کہا۔ جب آپ علیہ السلام اس معلم کی مسند پر تشریف فرما ہوئے تو معلم کہنے لگا اب مجھے ابجد کے معنی ارشاد فرمائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ ''الف کے معنی ہیں الا اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں) ب سے مراد ہے بہا اللہ (یعنی اللہ کی شان) جبکہ ج کا مطلب ہے بہجۃ اللہ (اللہ اور اس کا جمال)۔''

اس چھوٹی سی عمر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ابجد کے معنی سن کر معلم حیران رہ گیا اور کہنے لگا۔ ''میں نے اپنی زندگی میں ابجد کے یہ معنی صرف اور صرف آپ (علیہ السلام) کی زبان مبارک سے ہی سنے ہیں۔''

حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام لڑکپن میں اپنے ہم عمر لڑکوں کے ہمراہ تشریف فرما ہوتے تو ان سے الگ الگ ارشاد فرماتے تمہارے گھر تمہاری والدہ نے کھانے کے لئے فلاں چیز پکائی ہے تمہارے لئے فلاں چیز، ہم عمر لڑکے گھر جا کر اپنی ماؤں سے کھانے کے لئے وہی چیز مانگتے تو وہ ان سے پوچھتیں! تمہیں کس نے بتایا ہے کہ آج گھر میں یہی چیز پکی ہے؟ لڑکے جواب دیتے ہمیں یہ بات عیسیٰ علیہ السلام نے بتائی ہے۔ لڑکوں کی مائیں یہ سن کر سخت حیران رہ جاتیں کیونکہ ان کے گھروں میں الگ الگ وہی چیزیں پکی ہوتی تھیں۔

لڑکوں کی مائیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاتیں تا کہ ان کی زیارت کرسکیں اور ان سے گفتگو کریں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس جگہ سے غائب ہوتے تھے۔ واپس گھر آ کر اپنے بچوں سے کہتیں تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس مت جایا کرو نہ جانے وہ تمہیں اور کیا کچھ سکھا دیں۔

ایسے بے شمار واقعات اور بھی ہیں اگر ان تمام کو تحریر کیا جائے تو موضوع بہت طویل ہو جائے گا۔ اس لئے ان مذکورہ چند واقعات پر ہی اکتفا کر رہا ہوں۔ اللہ قبول فرمائے۔

البدایہ والنہایہ۔ جلد۔ 2 صفحہ۔ 422 تا 425

حلیہ مبارک

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حلیہ مبارک کے بارے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی بخاری شریف کی حدیث معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یوں موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”معراج کی شب میری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ ان کا قد میانہ اور رنگ سرخ و سپید تھا۔ بدن اس قدر شفاف تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا ابھی ابھی حمام سے غسل فرما کر آئے ہیں۔“ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بال مبارک کاندھوں تک لٹکے ہوئے تھے۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ رنگ مبارک گندم گوں تھا۔ بہرحال سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردانہ وجاہت کا پیکر تھے۔

بعثت ورسالت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حالت شیر خواری میں بنی اسرائیل کو جو جوابات ارشاد فرمائے تھے ان کا ذکر گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ آپ علیہ السلام نے قوم سے فرمایا تھا کہ ”میں اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسول ہوں۔ اس نے مجھے اپنی پاک کتاب انجیل عطا فرمائی ہے“۔ حالت شیر خواری میں اپنی نبوت ورسالت کا ارشاد فرما دینا اس بات کا عیاں ثبوت ہے کہ نبی پیدائشی نبی ہی ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی خاص وقت پر اپنی نبوت کا اعلان فرما دیتا ہے۔ اس لئے وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ فلاں نبی اس عمر میں نبی بنا تو فلاں اس عمر میں ان کا خیال صحیح نہیں ہے بلکہ حق یہی ہے کہ نبی پیدائشی نبی ہی ہوتا ہے۔ یہاں میرا مقصد کسی بحث ومباحثے کو تحریر کرنا نہیں ہے بلکہ حقیقت کو سامنے لانا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل شب وروز گناہ کی ذلت میں اس حد تک گرفتار ہو چکے تھے کہ اجتماعی اور انفرادی اعتبار سے کوئی برائی، عیب یا نقص ایسا نہیں تھا جو اس قوم میں نہ پایا جاتا ہو۔ پوری قوم اعتقادی اور عملی طور پر گمراہی کا مرکز بن چکی تھی۔ بنی اسرائیل ہر قسم کی اخلاقی حدود عبور کر چکے تھے۔ یہاں تک کہ اس بد قسمت قوم نے اپنے انبیاء علیہم السلام اور دوسرے دینی رہنماؤں کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ حضرت یحییٰ علیہ

السلام کا واقعہ گزشتہ باب میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کا سانحہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مبارک زندگی میں ہی رونما ہو چکا تھا۔ اس بدبخت قوم نے مشرکانہ رسوم وعقائد کو اپنی زندگیوں کا لازمی حصہ بنالیا تھا۔ جھوٹ، فریب، بغض وحسد جیسی برائیوں کو عملی طور پر اخلاق حسنہ کا حصہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس قوم کے علماءِ سُو نے روپے پیسے کی لالچ میں تورات جیسی کتابِ عظیم میں اس حد تک تحریفات کر دی تھیں کہ کتاب کی اصل حقیقت ہی بدل کر رہ گئی۔ جاہلیت کے اس تاریک دور میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی ہدایت کے لئے اس مبارک ہستی کو حضرت مریم علیہا السلام کے ہاں پیدا فرمایا اور اس عظیم ہستی (عیسیٰ علیہ السلام) نے آغوشِ مادر میں ہی کلام فرما کر بنی اسرائیل کو حیرت میں ڈال دیا تھا اب سن رشد کو پہنچ کر اصلاح قوم کا بیڑہ اٹھالیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جس منصب عظیم پر فائز فرمایا تھا اس کا یہ تقاضہ تھا کہ آپ علیہ السلام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا حق پیغام پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ رسول علیہ السلام نے رشد وہدایت کے وہ لازوال موتی قوم کے سامنے پیش کئے جن کی چمک نے قوم میں ہلچل پیدا کر دی۔ آپ علیہ السلام کے نورانی خطبات نے بنی اسرائیل کی بے خبر گمراہی میں غرق قوم کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مبارک آواز شب وروز بنی اسرائیل کی علمی مجلسوں، راہبوں کے خلوت کدوں، بادشاہ، وزراء اور امراء کے درباروں اور عوام وخواص کی محفلوں میں سنائی دینے لگی۔ آپ علیہ السلام ہر ہر جگہ تشریف لے جاتے اور لوگوں سے یوں خطاب فرماتے۔

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول اور پیغمبر بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے یوں تمہاری اصلاح کی خدمت میرے سپرد فرمائی ہے۔ میں تمہارے معبود کی طرف سے پیغام ہدایت لے کر آیا ہوں۔ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا قانون یعنی تورات موجود ہے جسے تم لوگوں نے اپنی جہالت کی بنا پر پس پشت ڈال دیا ہے۔ میں اس مقدس کتاب اللہ کی تصدیق کرتا ہوں اور اسکی مزید تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب انجیل لے کر آیا ہوں۔ یہ کتاب (انجیل) جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمائی ہے حق وباطل کا فیصلہ کرے گی۔ اس طرح آج حق اور جھوٹ کے درمیان فیصلہ ہو کر رہے گا۔ اے لوگو میری باتیں غور سے سنو، ان پر عمل کرو، اطاعت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاؤ کیونکہ اصل میں یہی راستہ وطریقہ دین ودنیا کی فلاح وکامیابی کا ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام شب وروز دین حق کی تبلیغ میں مصروف رہتے۔ بنی اسرائیل جو فسق وفجور میں اس حد تک غرق ہو چکے تھے۔ آپ علیہ السلام کی روز بروز بڑھتی ہوئی شہرت اور عوام میں مقبولیت کو دیکھ کر آپ علیہ السلام کے سخت خلاف ہو گئے۔ باوجود شدید مخالفت کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا مشن جاری رکھا اور یہی عمل ازل سے انبیاء علیہم السلام کی سنت چلا آ رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس انداز سے قوم کی راہ نمائی فرماتے تھے اور قوم نے جس طرح آپ علیہ السلام کے ساتھ سلوک کیا ان حقائق اور ان کے عواقب ونتائج کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ البقرہ آیات 87،88

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ۔ ''اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں اور پاک روح (حضرت جبریل علیہ السلام) سے اس کی مدد کی۔ اور کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ لے کر آئے جو تمہارے نفس کی خواہش نہیں تکبر کرتے ہو، تو ان (انبیاء علیہم السلام) میں ایک گروہ کو تم جھٹلاتے ہو اور ایک گروہ کو شہید کرتے ہو اور یہودی بولے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ان کے کفر کے سبب اور ان میں تھوڑے ایمان لاتے ہیں۔''

اسی طرح سورہ آل عمران آیات 50، 51، 52 میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ ''اور تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توراۃ کی اور اس لئے کہ تمہارے لئے کچھ وہ چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام تھیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو بے شک میرا، تمہارا سب کا رب اللہ ہے۔ تو اسی کو پوجو، یہ ہے سیدھا راستہ۔ پھر جب عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کفر پایا بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف، حواریوں نے کہا ہم دین اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔''

قرآن مجید میں ایک اور جگہ سورہ مائدہ آیت 110 میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ

ترجمہ:۔ ''جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ یاد کر میرا احسان اپنے اور اپنی ماں پر۔ جب میں نے پاک روح سے تیری مدد کی، تو لوگوں سے باتیں کرتا پالنے میں اور پکی عمر ہو کر، اور جب میں نے تجھے سکھائی کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل۔۔۔۔۔۔''

قرآن مجید کی سورہ الصف آیت 6 میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا
بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ

ترجمہ:۔ ''اور یاد کرو جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اپنے سے پہلی کتاب توراۃ کی تصدیق کرتا ہوا اور ان رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔۔۔۔۔۔''

قرآن مجید کی مذکورہ سورتوں کی آیات مقدسہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرما کر بنی اسرائیل کے عزائم اور ان کی حرکات واعمال کو بیان فرمایا ہے۔ یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت و رسالت کا مقصد بھی کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرکار دو عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد مقدسہ کی منادی فرماتے رہے۔ یہاں ایک نہایت باریک نکتہ عرض کر رہا ہوں وہ یہ کہ انسانی فطرت ہمیشہ سے ہی حق وصداقت کی طرف دو طریقوں سے مانوس چلی آ رہی ہے۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ حق کا دعویٰ کرنے والا جب اپنی حقانیت اور صداقت کو نہایت قوی دلائل اور براہین سے ثابت کر دیتا ہے تو انسانی فطرت ان دلائل کی روشنی میں اس صداقت اور حقانیت کو تسلیم کر لیتی ہے۔ ایسی فطرت رکھنے والے لوگ اقلیت میں ضرور ہوتے ہیں۔ مگر یہ فہم، ادراک اور علم ودانش کے بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حق وصداقت کے مدعی سے قوی دلائل و براہین کی روشنی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی سچائی کی تائید میں عام قانون قدرت سے الگ بغیر اسباب ووسائل اور تحصیل علم وفن کے ایسے ایسے عجیب امور ظاہر ہوتے ہیں کہ عوام وخواص ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسے معجزہ کہتے ہیں۔ اس طریقے کی بدولت انسان کی عقل وفکر اور نفسیات میں ایسا عظیم انقلاب پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس بات کو ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ داعی حق اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی نبی ورسول بن کر ہمارے پاس تشریف لایا ہے کیونکہ اس داعی حق کا ہر عمل وفعل اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہی ہو رہا ہے۔ اللہ کی قدرت کاملہ اگر شامل حال نہ ہو تو ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔

انجیل مقدس کا نزول

اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی سچی آسمانی کتاب انجیل نازل فرمائی۔ ابوزرعہ دمشقی کہتے

ہیں کہ ان سے عبداللہ بن صالح اور معاویہ بن صالح نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے چاروں آسمانی کتابیں رمضان المبارک کے مہینوں میں ہی نازل فرمائیں۔ یعنی ماہ رمضان کی چھ مبارک راتیں گزرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی جبکہ رمضان کے مہینے کی بارہ کو حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور کا نزول ہوا۔ اسی طرح رمضان کی اٹھارہ (18) مبارک راتیں گزرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی۔ آخر میں فخر کونین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ پر قرآن مجید رمضان المبارک کی چوبیس (24) راتیں گزرنے کے بعد نازل فرمایا۔

اس طرح چاروں آسمانی کتابوں کے نزول کے درمیان فاصلے یا زمانے کی ترتیب یوں ہے۔

(1) زبور شریف تورات شریف کے نزول کے چار سو اسی سال (480) بعد نازل ہوئی۔

(2) انجیل مقدس زبور شریف کے ایک ہزار پچاس (1050) سال بعد نازل ہوئی۔

(3) قرآن مجید فرقان حمید انجیل مقدس سے چھ سو چوالیس (644) سال بعد نازل ہوا۔

تاریخ طبری میں آتا ہے کہ جب انجیل مقدسہ ماہ رمضان المبارک میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونا شروع ہوئی تو آپ علیہ السلام کی عمر مبارک تیس (30) سال تھی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے دشمنوں کو ناکام و نامراد کرنے کے بعد آپ کو سولی سے بچا کر زندہ آسمانوں پر اٹھایا اس وقت کتاب مقدس مکمل ہوئی یاد رہے۔ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک کہ اس وقت تینتیس (33) سال تھی۔

معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات عطا فرمائے قرآن کریم نے ان میں سے چار معجزات کا صراحت سے ذکر فرمایا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان معجزات کا قوم کے سامنے عام مظاہرہ فرمایا۔ معجزہ نبی کی امتیازی نشانی ہوتی ہے۔ ان معجزات کا ممکنہ حد تک تفصیلاً ذکر یہاں تحریر کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات عطا فرماتا ہے ان کا اس زمانے کے حالات و واقعات سے ضرور گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اس طرح قوم جس فانی مادی علم میں خود کو ترقی کے عروج پر خیال کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس وقت کے نبی علیہ السلام کے ہاتھوں قوم کے اسی علم و فن اور اسباب کے ساتھ اس پر عمل کرنے کے بغیر اس بات کا ظہور اپنے سچے نبی کے ذریعے فوری فرما دیتا ہے اور یوں قوم یہ سب کچھ ہوتا دیکھ کر یک زبان کہہ اٹھتی ہے کہ ظاہری اسباب کے بغیر ایسی ناممکن چیز کا ممکن ہو جانا یقیناً منجانب اللہ ہے اور کرنے والا اللہ تعالیٰ کا سچا نبی اور رسول ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سحر کا علم اہل مصر کے ہاں عام تھا اور قوم اس علم و فن پر بڑی مہارت رکھتے ہوئے اسے اپنا امتیازی نشان خیال کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی پاک کتاب توراۃ کے ساتھ ساتھ ید بیضاء اور عصائے موسیٰ جیسے معجزات عطا فرمائے۔ یوں آپ علیہ السلام نے جب مصری جادوگروں کے مقابلے میں ان معجزات کا مظاہرہ کیا تو جادو

کرنے والے سب کے سب یک زبان ہو کر پکار اٹھے کہ آپ علیہ السلام کا یہ عمل مبارک بلاشبہ جادو نہیں بلکہ یہ تو انسانی طاقت سے بالاتر وہ کمال مظاہرہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے نبی علیہ السلام کی تائید کے لئے ان کے ہاتھوں ظاہر فرمایا ہے۔ اسی لئے تمام جادوگروں نے فرعون مصر کے دربار میں کھڑے کھڑے ہی اس بات کا بے خوفی سے اعلان کر دیا کہ ہم آج کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لائے۔ مکمل واقعہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں بیان کر چکے ہیں۔

بالکل اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں میڈیکل سائنس (علم طب) اور فزکس (طبیعات) کے علوم کا بہت چرچا تھا۔ خاص طور پر طب یونانی اور فلسفہ یونان اطراف کے ممالک پر بڑی حد تک اثر انداز تھے۔ صدیوں سے یہ اطباء اور فلسفی اپنی حکمت اور دانش و کمالات طب کا مظاہرہ کرتے چلے آرہے تھے۔ دوسری طرف یہ عظیم فلسفی اور حکماء کہلانے والے نیز عوام الناس بھی اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات مقدسہ اور دین حق کی تعلیم سے یکسر محروم تھے۔ بنی اسرائیل جو انبیاء علیہم السلام کی اولاد میں سے تھے اور اس بات پر فخر کیا کرتے تھے خود شرک و کفر کی لعنت میں گرفتار ہو چکے تھے۔ گزشتہ ابواب میں اس کا مفصل ذکر تحریر ہو چکا ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل مقدس کے ساتھ درج ذیل چار معجزات عطا فرمائے تا کہ گمراہ قوم ان معجزات کو دیکھ کر یقین کر لے کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برحق نبی ہیں جو قوم کی رشد و ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے گئے ہیں۔

(1) اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرنا۔

(2) پیدائشی نابینا کو بینا کرنا اور جذام (کوڑھ) کے مریض کو صحت یاب کرنا۔

(3) مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارنا اور یوں پرندے کا روح کے ساتھ زندہ ہو جانا۔

(4) لوگوں کو یہ بتا دینا کہ انہوں نے کیا کھایا ہے، کیا خرچ کیا ہے اور ان کے گھروں میں کیا ذخیرہ محفوظ ہے۔

(1) مُردوں کو زندہ کرنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جب اعلان نبوت فرما کر قوم کو رشد و ہدایت کی تبلیغ کا سلسلہ شروع فرمایا تو گمراہ قوم نے حسب دستور آپ علیہ السلام کی مخالفت شروع کر دی۔ قوم کے وہ رؤساء جو اپنے مال و دولت اور ظاہری علم وفن کے سامنے ہر ایک کو حقیر جانتے تھے انہوں نے اپنی دکان داری اور عیش و عشرت میں مداخلت خیال کرتے ہوئے آپ علیہ السلام پر طرح طرح کے سوالات کرنا شروع کر دیئے۔ جن میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ اے عیسیٰ (علیہ السلام) اگر آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں تو مردے کو زندہ کریں، پھر ہم آپ کی پیروی کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوگوں پر اپنی صداقت ظاہر فرمانے کیلئے مردوں کو زندہ فرمانے کا معجزہ ظاہر فرمایا۔ آپ علیہ السلام قبرستان یا کسی مردہ شخص کے قریب تشریف لے جا کر ارشاد فرماتے ''اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ''۔ یہ الفاظ مبارک جیسے ہی ارشاد فرماتے مردہ اٹھ کر بیٹھ جاتا۔ آپ علیہ السلام کا یہ معجزہ مبارک دیکھ کر بہت سے لوگ راہ ہدایت پر آگئے جبکہ امراء و رؤساء کی اکثریت بدقسمتی سے پھر بھی گمراہی پر قائم رہتے ہوئے آپ علیہ السلام کے اس معجزہ مبارک کی مختلف تاویلیں ہی لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے۔ وہ شب و روز اسی کوشش میں

مصروف رہتے کہ کسی نہ کسی طرح لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دور رکھا جائے۔

(2) جذامیوں اور اندھوں کو شفایاب کرنا

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس زمانے میں طب یونانی اپنے عروج پر تھی۔ ایسے ایسے حکماء واطباء موجود تھے جو اپنی مسیحائی کے ذریعے لا علاج مریضوں کو جو زندگیوں سے مایوس ہو چکے ہوتے علاج و معالجے اور اکتسابی تدابیر سے شفایاب کر دیتے تھے۔ ان لوگوں کی شب و روز محنت کے باوجود نابینا لوگ بینائی سے محروم ہی رہتے جبکہ انہی ایام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی بیماری قوم میں پھیل گئی، جس کا علاج ان اطباء وحکماء کے پاس نہیں تھا۔ یہ بیماری جذام یعنی کوڑھ تھی۔ بادشاہ نے اس بیماری کو لا علاج قرار دیتے ہوئے اس بیماری میں مبتلا لوگوں کو شہر سے باہر دور پہاڑوں میں مخصوص غاروں کے اندر زبردستی بھیج دیا۔ جذام کیونکہ چھوت کی بیماری ہے جو ایک سے دوسرے کو فوری لگ جاتی ہے اس لئے دوسرے لوگوں کو اس بیماری سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ آپ علیہ السلام اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تو اس کی بینائی فوری ٹھیک ہو جاتی یوں مادر زاد نابینا آنکھوں کی روشنی جیسی نعمت عظمیٰ حاصل کر لیتا۔ جو لوگ جذام جیسے موذی اور لا علاج مرض کا شکار تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے جسم پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرتے تو وہ جذام یعنی کوڑھ کی بیماری سے صحت یاب ہو جاتے۔ مدتوں سے دنیاوی اسباب کی مدد سے بڑے بڑے حکیم اور اطباء بیماروں کا علاج کرتے چلے آ رہے تھے۔ یہاں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نابینوں اور جذام کے لا علاج مریضوں کو دنیا کے ظاہری اسباب کے بغیر جب صحت کی نعمت سے نوازا تو عوام میں سے جو تھوڑی بہت بھی عقل و دانش رکھتا تھا فوراً آپ علیہ السلام کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گیا۔ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی بغض، کینہ، حسد و عناد رکھنے والے بدقسمت لوگوں نے حق کو تسلیم کرنے کی بجائے کہنا شروع کر دیا کہ (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام جادوگر ہیں اور جادو کے زور پر یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔

(3) مٹی کے پرندے کا زندہ ہو جانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ عظیم معجزہ بھی عطا فرمایا کہ آپ علیہ السلام گیلی مٹی سے پرندہ بناتے اور پھر اس پر پھونک مارتے تو وہ مٹی سے بنا ہوا پرندہ زندہ ہو کر اڑ جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ آل عمران آیت 49

وَرَسُوْلًا اِلٰى

بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ﴿۴۹﴾

ترجمہ۔ ''اور رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف یہ فرماتا ہوا کہ میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے (اڑنے لگے) اور میں شفاء دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مُردے کو زندہ کر دیتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔ بے شک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانیاں ہیں اگر تم ایمان رکھتے ہو۔''

(4) لوگوں کے گھروں میں موجود ذخیرہ وغیرہ کا بتانا

مذکورہ معجزے کے بارے میں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دکھانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جب آپ علیہ السلام قوم کو رشد و ہدایت کی تبلیغ فرماتے تو لوگ آپ علیہ السلام کی باتوں کو ماننے سے نہ صرف انکار ہی کرتے بلکہ آپ علیہ السلام کے معجزات مبارکہ کو جادوگری کہتے ہوئے مذاق اڑاتے۔ اُسی نافرمان قوم کے لوگ کہتے اگر آپ (علیہ السلام) حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں تو ہمیں بتائیں آج ہم نے کیا کھایا اور کون کون سی چیز ہمارے گھروں میں باقی بچی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم کے اس تمسخر کو حقیقت میں تبدیل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے، تم میں سے فلاں نے یہ کھایا ہے۔ فلاں نے یہ اور بعض کے گھروں میں یہ اشیاء بچی ہیں۔ کچھ کے ہاں فلاں چیز باقی ہے وغیرہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نوعمری کے واقعات میں ہم اس معجزہ مبارک پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ بہرحال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ مبارک کو دیکھ کر وہ لوگ آپ کے حلقہ میں شامل ہو جاتے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوتا اور وہ حقیقت سامنے دیکھتے ہوئے اسے تسلیم کرنے کا مادہ رکھتے تھے۔ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان چار معجزوں کا ذکر کر دیا ہے جن کو قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا والد کے بغیر پیدا ہونا بھی معجزہ مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابوالبشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو ماں باپ کے بغیر پیدا فرمایا جو کہ دنیائے انسانیت میں واحد مثال ہے جبکہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو والد کے بغیر پیدا فرما کر اپنے عظیم الشان خدائی نشان کا مظاہرہ کیا۔ یاد رہے کائنات میں والد کے بغیر پیدائش کا یہ عظیم معجزہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص ہے۔ آپ علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کو یہ امتیاز حاصل نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت اور دیگر معجزات کا انکار کرنے والوں کو جواب

اللہ تعالیٰ نے جس معجزانہ طریقے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرما کر معجزات عطا فرمائے یہودیوں نے بغض، عناد اور حسد کی بنا پر ان کا انکار کرتے ہوئے آپ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) کذاب ہی کہا۔ مگر صد افسوس کہ بعض فطرت پرست مسلمان کہلانے والے خود ساختہ علماء نے بھی ان کا انکار کیا ہے۔ یہاں میں اللہ کریم کی توفیق سے ان

کے ہر سوال و اعتراض کا جواب پہلے قرآن مجید، احادیث نبوی اور پھر عقلی اعتبار سے تحریر کر رہا ہوں تا کہ ان بدبختوں کے کذب و بہتان کا پردہ چاک کرتے ہوئے حق عیاں ہو جائے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وسیلہ جلیلہ سے اس ناچیز کی مدد فرمائے ''آمین۔ ثم آمین''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جادوگر اور اللہ کا بیٹا ہونے کا بہتان

قوم یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو جن کا درس بعد میں آنے والے انبیاء علیہم السلام متواتر انہیں دیتے رہے فراموش کر چکی تھی۔ یہ قوم کفر و ضلالت کے گہرے کھڈوں میں گرنے کے باوجود اپنے فانی علم پر فخر کرتی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے اس قوم نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ اپنی ان ناقابل معافی حرکات کی وجہ سے قوم نہایت گستاخ اور بیباک ہو چکی تھی۔ اہل یہود کے علماء سوء یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ کسی بھی ہستی کے متعلق یہ فیصلہ دینا کہ وہ سچی ہے یا جھوٹی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کو بھی سچا یا کاذب کہنا ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اس طرح مال و زر لے کر اس قوم کے خود ساختہ ''فقیہہ سوء'' نبی علیہ السلام کو کاذب (جھوٹا) قرار دے کر اس کے قتل کا فتویٰ دے چکے تھے۔ یوں قوم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) کاذب اور جادوگر کہنے لگی۔

اہل یہود نے ایک خود ساختہ نظریہ قائم کر رکھا تھا وہ مسیح ہدایت اور مسیح ضلالت کی آمد کے قائل تھے۔ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کو اپنی نبوت کا اعلان فرماتے ہوئے جب معجزات بھی دکھائے تو یہ بدبخت قوم آپ علیہ السلام کو مسیح ہدایت ماننے کی بجائے اپنے ناپاک خیالات اور عناد کی وجہ سے مسیح ضلالت کہنے لگی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مسیح ضلالت (دجال) کو کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ قوم یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باپ کے بغیر پیدائش کے بھی منکر تھے۔

دوسری طرف عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہوئے ایک باطل عقیدہ پر قائم ہوئے جو سراسر جھوٹ اور اللہ تعالیٰ پر بہتان عظیم ہے۔ اس قوم کا بھی یہ نظریہ ہے کہ باپ کے بغیر اولاد کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ اس پر ظلم یہ ہے کہ موجودہ صدی کے علماء سوء بھی قرآن مجید کی نص قطعی کی باطل تاویلات کرتے ہوئے قرآن مجید کے حکم کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو جادوگر ہونے کا بہتان لگایا اللہ تعالیٰ نے سورہ المائدہ میں آیت 110 میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ إِذْ أَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ
الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ ۚ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ
كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِيْ وَ
تُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِيْ ۚ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِإِذْنِيْ ۚ
وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ:۔ ''جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ یاد کرو میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب میں نے پاک روح سے تیری مدد کی (یعنی حضرت جبریل علیہ السلام سے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے اور حوادث میں ان کی مدد کرتے) تو لوگوں سے باتیں کرتا پالنے میں اور پکی عمر ہو کر (اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے نزول فرمائیں گے) اور جب میں نے سکھائی کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل اور جب تو مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی اور تو مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ (عیسیٰ علیہ السلام) سے روکا جب تو ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آیا تو ان میں سے کافر بولے یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔'' (سورۃ المائدہ آیت 110)

بہتان کا قرآنی جواب

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہود کی طرف سے لگائے گئے جادوگری کے بہتان کا یوں ارشاد فرمایا۔سورۃ المومنون۔آیت 50

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے (عیسیٰ علیہ السلام) ابن مریم اور ان کی والدہ مریم کو اپنی قدرت کا نشان بنا دیا اور ان دونوں کا ایک بلند مقام (بیت المقدس، دمشق یا بیت اللحم) پر ٹھکانہ بنایا جو سکونت کے قابل اور چشمہ والا ہے۔'' (سورۃ المومنون آیت 50)

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر شدید بہتان لگاتے ہوئے آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں (نعوذ باللہ) اور بعض شر پسند تو حضرت مریم علیہا السلام کی ذات مقدسہ پر بد چلنی کا الزام بھی لگاتے ہیں (نعوذ باللہ)۔اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پاک باز بندی حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی اور والد کے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، آپ علیہ السلام کا زندہ آسمان کی طرف اٹھائے جانے، پھر زمین پر واپسی اور مرنے کے بارے میں سورہ مریم کی آیات میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔سورۃ مریم آیات 22 تا 33

ترجمہ آیات قرآنی

''مریم (علیہا السلام) نے اپنے فرزند کا حمل پیٹ میں لیا۔پھر اسے لئے ہوئے ایک دور جگہ چلی گئی۔پھر اسے (بچہ) جننے (پیدا کرنے) کا دردزہ کھجور کے ایک درخت کے نیچے لے گیا۔بولی ہائے کسی طرح میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور یوں بھولی بسری ہو جاتی (یعنی لوگ مجھے بھول چکے ہوتے) اس وقت (ایک پکارنے والے فرشتے

جبریل علیہ السلام نے) کھجور کے تلے سے پکارا کہ غم نہ کھا، بے شک تیرے رب نے تیرے نیچے ایک نہر بہا دی ہے۔ اور کھجور کی شاخ (یا تنا) پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی۔ تو کھا اور پی اور (اپنے بچے کے نظارے سے) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر، پھر اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو (اشارے سے) کہہ دینا میں نے آج رحمان کا روزہ مانا ہے تو آج ہرگز کسی سے بات نہیں کروں گی۔ پھر وہ اسے (عیسیٰ علیہ السلام) کو گود میں لے کر اپنی قوم کے پاس آئی۔ (لوگ) دیکھتے ہی بولے اے مریم تو نے بہت بری بات کی۔ اے ہارون کی بہن تیرا باپ (عمران) برا آدمی نہیں تھا اور نہ تیری والدہ (حنہ) بدکار تھی۔ اس پر مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا لوگ بولے ہم اس بچے سے کیسے باتیں کریں جو ابھی پالنے میں ہے۔ بچے نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔ اور اس نے مجھے مبارک کیا۔ میں کہیں بھی ہوں (اللہ نے) مجھے نماز و زکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب تک (میں) زندہ ہوں اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرتا رہوں گا۔ اس نے مجھے خودسر اور نافرمان نہیں کیا۔ اور مجھ پر اس (اللہ) کی طرف سے سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔'' (سورہ مریم آیات 22 تا 33)

غیر جانبدارانہ نظریہ

مذکورہ مسئلہ میں یہود اور نصاریٰ و جدید علماء سوء کی غلط تاویلات اور بے دلیل عقائد سے قطع نظر ایک غیر جانبدار مصنف یا قاری جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش مبارکہ سے متعلق تمام آیات قرآنی و تاریخی حوالاجات کا مطالعہ کرے گا تو اس پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ قرآن مجید اور حقائق تاریخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق یہود کی تفریط اور نصاریٰ کی افراط دونوں کے خلاف وہ زندہ ثبوت پیش کر رہے ہیں جس کے لئے خاص طور پر قرآن مجید کی دعوت حق کا ظہور ہوا ہے۔ ان تمام حالات میں قرآن مجید نے سب اوہام وظنون کے خلاف علم و یقین کی راہ دکھاتے ہوئے دونوں نظریوں کے خلاف یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ راہ حق تو افراط و تفریط کے درمیان ہے اور یاد رہے صراط مستقیم کی یہی سب سے بڑی شناخت ہے۔ ایک غیر جانبدار مصنف، مؤلف اور قاری یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو کاذب تھے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے بیٹے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے سچے نبی اور راہ حق کے داعی صادق تھے۔ فرمان باری تعالیٰ اور تاریخی حقائق اس کے شاہد ہیں۔

نصاریٰ کے عقیدہ پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ جو شخص و ہستی پیدا ہوئی ہو اور پیدائش کے لئے والدہ کے شکم کی مرہون منت ہو پھر بشری تقاضوں کے مطابق کھاتے پیتے بھی ہوں وہ معبود کس طرح ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے۔ یہ تو خالص مخلوق کی ضروریات ہیں نا کہ خالق کی۔ پھر قرآن مجید کا یہ اعجاز ہے کہ وہ ہر بات کو کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کے پیدائش باطل ہوتی تو قرآن مجید اس کی تشریح نہ کرتا۔ قربان جائیں اللہ کریم کی ذات مقدسہ کے جس نے نصاریٰ کی خود لکھی ہوئی انجیل متی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درج واقعہ کا جواب قرآن کریم میں یوں ارشاد فرمایا کہ یہ بات کسی طرح بھی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی دلیل نہیں بن سکتی کیوں کہ اگر بقول نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والد کے بغیر پیدائش ان کو الوہیت کا درجہ دے سکتی ہے تو پھر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی زیادہ الوہیت کے حق دار ہیں کیونکہ ان کی پیدائش مبارکہ تو ماں باپ دونوں کے بغیر ہوئی ہے۔ یہاں نصاریٰ کے پاس کیا جواب ہے کیونکہ یہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کو ماں باپ کے بغیر مانتے ہیں۔ دعا ہے اللہ کریم ان لوگوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے حواریوں کی تعریف فرمائی ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت 52 میں ان کا ذکر موجود ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اعلان نبوت کے بعد دین حق کی مدد و نصرت کے لئے جب قوم کو پکارا تو جن خوش قسمت لوگوں نے "نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ" کی آواز بلند کی اللہ تعالیٰ نے ان پاک و نیک ہستیوں یعنی مسلمانوں سے "کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ" کہا سورہ صف (آیت 14) میں اس کا ذکر موجود ہے۔ پھر سورہ مائدہ (آیات 72 تا 75) میں ان نیک لوگوں کے قبول اسلام اور دعوت حق کے سامنے سر نیاز جھکانے کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ان ہستیوں کے اخلاص اور حق طلبی کی زندہ جاوید تصویر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یہ مخلص ساتھی آپ علیہ السلام کی موجودگی میں شب و روز حق طلبی اور تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سختی سے کاربند رہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا تو یہی مخلص بندے آپ علیہ السلام کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے پہلے سے بھی زیادہ محنت کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ صف (آیت 14) میں ان کا یہ حال بیان فرمایا ہے۔

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ انجیل مقدس میں تحریف کرنے والوں نے اس کتاب کے بعض مقامات پر ان حواریوں کے اخلاص، حق گوئی اور سچا ساتھی ہونے پر ان کی بہت مدح سرائی کی ہے، جبکہ اسی کتاب میں دوسری جانب ان حواریوں کو بزدل اور منافق ثابت کیا ہے۔ چنانچہ انجیل یوحنا کا مطالعہ کریں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقرب خاص یہودا کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے وقت درج ذیل الفاظ میں حال بیان کیا۔

"یہ باتیں کہہ کر یسوع اپنے دل میں گھبرایا اور یہ گواہی دی کہ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ہی ایک شخص مجھے پکڑوا دے گا۔ شاگرد شبہ کی نظر سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ایک شخص جس سے یسوع محبت کرتا تھا اس نے یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا اے خداوند وہ کون ہے؟ یسوع۔ نے جواب دیا کہ میں جسے نوالہ ڈبو کر دوں گا وہی ہے۔ پھر اس نے نوالہ ڈبویا اور اسے شمعون اسکریوتی کے بیٹے یہودا کو دے دیا۔ اس نوالے کے بعد شیطان اس میں سما گیا۔"

(یوحنا باب 13 آیات 21 تا 27)

انجیل یوحنا کی عبارت کے ساتھ ساتھ اب انہی کی دوسری انجیل جسے ''متی'' نے لکھا اور وہ انجیل متی کہلاتی ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص حواری شمعون پطرس کے بارے میں یوں تحریر کیا گیا ہے۔ یاد رہے یہ خاص حواری پطرس وہ تھا جو بقول دیگر انجیلوں کے تمام عمر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاص مقرب معتمد علیہ اور مخلص رہا۔ انجیل متی کی عبارت یہ ہے۔

''شمعون پطرس نے اس سے کہا۔ اے خداوند تو کہاں جاتا ہے۔ یسوع نے جواب دیا جہاں میں جاتا ہوں اب تو میرے پیچھے نہیں آسکتا مگر بعد میں تو میرے پیچھے آئے گا۔ پطرس نے اس سے کہا اے خداوند میں اب تیرے پیچھے کیوں نہیں آسکتا؟ میں تو تیرے لئے اپنی جان دوں گا۔ یسوع نے جواب دیا کیا تو میرے لئے اپنی جان دے گا! میں تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں کہ مرغ بانگ (اذان) نہ دے گا جب تک کہ تو تین بار میرا انکار نہ کرے''۔

(از انجیل متی۔ باب۔ 27۔ آیت 46)

اسی انجیل متی کے باب 26 آیت 56 میں لکھا ہے کہ ''اس پر سارے شاگرد اسے (عیسیٰ علیہ السلام کو) چھوڑ کر بھاگ گئے''۔

اناجیل کی مذکورہ عبارات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی بزدلی منافقت اور جھوٹ کو ثابت کیا گیا ہے۔ مذکورہ تمام روایات کو عقل و نقل کسی طرح بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ سوچنے کا مقام ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقرب خاص کیا عین وقت پر بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھاگ سکتے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ'' وہ لوگ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ تاریخ عالم اس بات کی گواہ ہے کہ ہر زمانے میں تشریف لانے والے نبی کے ماننے والوں میں کچھ لوگ ایسے ضرور رہے جو بظاہر اس نبی کے مخلص ہونے کا دعویٰ کرتے تھے مگر دلی طور پر اس کے خلاف مصروف عمل رہتے۔ ایسے لوگوں کو منافقین کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ دنیاوی غرض کی خاطر وقتی طور پر مخلصین کا کردار ادا کرتے مگر عملی اور دلی طور پر نبی کے خلاف ہوتے۔ ایسے لوگوں کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ خود سرکار دو عالم ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں منافقین کا ایک گروہ موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی کی عظمت و شان کے مطابق آپ علیہ السلام کو ان لوگوں کی منافقت سے آگاہ فرما دیتا تھا۔ یہ بات نبی کی شان کے ہی خلاف ہے کہ اس کی جماعت میں منافق موجود ہوں اور وہ ان کی نیت اور منافقت سے باخبر نہ ہو۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ نبی کسی خاص وجہ سے ان منافقین کو کچھ عرصہ تک بے نقاب نہ کرے۔ رہا سوال مقرب خاص لوگوں کا، تو وہ ہوتے ہی پر خلوص، جاں نثار، وفا شعار اور بڑی سے بڑی مشکل اور خطرات کے سامنے سینہ سپر ہونے والے۔ اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اپنے پیارے نبی و رسول کو ان لوگوں کی جان نثاری، ایفائے عہد و اخلاص سے باخبر فرما دیتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی بزدل، منافق کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول کا مقرب خاص ہو۔ پھر یہ بات عام عقل و فہم رکھنے والا انسان بھی اچھی طرح جانتا ہے۔ مذکورہ بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ علماء یہود

نے دنیا کے لالچ میں آ کر انجیل میں اس حد تک من گھڑت واقعات داخل کر دیئے کہ اصل کتاب کی شکل ہی تبدیل کر کے رکھ دی۔ ان لوگوں نے یہ سب کچھ صرف اس لئے کیا تا کہ صدیوں بعد اپنے خود ساختہ عقیدہ صلیب مسیح کو سچ ثابت کیا جائے۔ جس کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب صلیب پر لٹکایا گیا تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے جان دی ''ایلی ایلی لما سبقتنی'' ''اے خدا۔ اے خدا تو نے مجھے کیوں اکیلا چھوڑ دیا۔'' مذکورہ تشریح کو پڑھ کر معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ انجیل میں مذکور احوال حواریان حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود ساختہ کہانی ہے۔ جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

خبر مائدہ یا نزول مائدہ کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرف سے کی جانے والی درخواست کہ ''اے عیسیٰ علیہ السلام دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر آسمان سے طعام (کھانا) نازل کرے'' کا ذکر فرمایا ہے۔ میں یہاں سورہ مائدہ کی آیات کا پہلے ترجمہ تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں پھر اس مبارک سورہ کی تشریح اور وجہ نزول کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت سلمان فارسی رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین و دیگر محققین کی روایات تحریر کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ
تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ
خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿١١٤﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ
مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١١٥﴾

ترجمہ۔ (''جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ (علیہ السلام) ابن مریم کیا آپ کا رب ایسا کرے گا کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے۔ کہا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔ بولے ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل ٹھہریں۔ اور ہم آنکھوں سے دیکھ لیں کہ آپ نے ہم سے سچ فرمایا۔ اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں)۔ عیسیٰ بن مریم نے عرض کی اے اللہ اے ہمارے رب ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو۔ ہمارے اگلوں پچھلوں کے اور تیری طرف سے نشانی اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ میں اسے تم پر اتارتا ہوں پھر اب جو تم میں کفر کرے گا تو بے شک میں اسے وہ عذاب دوں گا کہ سارے جہان میں کسی پر نہ کروں گا۔'' (سورۃ المائدہ 112 تا 115)

یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا اشد ضروری ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کہا آپ علیہ السلام کا رب ہم پر آسمان سے خوان اتارے۔'' یہاں حواریوں سے کون لوگ مراد ہیں۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص اور فدا کاروں کی جماعت تھی جو صدق دل سے

آپ علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان ایمان والوں نے آپ علیہ السلام سے ایسا کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ صادق، اہل ایمان، علمی و مجلسی لحاظ سے بڑے سادہ لوح تھے اور ضروریات زندگی کے سروسامان کے اعتبار سے بہت ہی غریب تھے۔ ان لوگوں نے از راہ سادگی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ علیہ السلام اپنے رب سے درخواست کریں کہ وہ ہمارے لئے آسمان سے خوان اُتارے تاکہ ہم روزی کمانے کی مشقت سے آزاد ہو کر ہر وقت اس کی عبادت و ریاضت میں مصروف رہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی یہ درخواست سن کر ارشاد فرمایا کہ "سنو اللہ تعالیٰ کی طاقت و قدرت بے پناہ اور لامحدود ہے۔ اس کے باوجود کسی بھی اللہ تعالیٰ کے سچے بندے کو یہ زیبا نہیں کہ وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کو آزمائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ایسے خیالات سے بچو۔" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد مبارک سن کر مخلص حواریوں نے یک زبان عرض کیا۔ "اے اللہ تعالیٰ کے نبی ہماری کیا مجال کہ ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت کو آزمانے کا سوچیں بھی، ہمارا مقصد تو صرف یہ ہے کہ ہم رزق حاصل کرنے کی جدوجہد سے آزاد ہو کر اس عطیہ الٰہی کو اپنی زندگیوں کا سہارا بناتے ہوئے حق الیقین کے ساتھ اس کی عبادت میں مصروف رہیں۔ اس طرح یہی حق الیقین حاصل ہو جانے کے بعد ہم پوری دنیا کے لئے شاہد و عادل بن جائیں۔" حواریوں کی یہ گفتگو سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی۔

تیس روزوں کا حکم

سورہ مائدہ کی تشریح و وضاحت کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت سلمان فارسی اور حضرت عمار بن یاسر رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے جو روایات منقول ہیں ان سب کا مطالعہ کیا جائے تو مضمون یوں بن جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو تیس روزے رکھنے کا حکم دیا۔ حواریوں نے روزے رکھنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ ہمارے کھانے کے لئے آسمان سے خوان نازل فرمائے تاکہ ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے روزے قبول فرما لئے ہیں۔ ہم ہر روز اس خوان سے ہی روزہ افطار کیا کریں گے۔ پھر روزے ختم ہو جانے پر خوشی منائیں گے اور اس روز کو اپنے لئے عید کا دن مقرر کریں۔

حواریوں کا یہ مطالبہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر یہ لوگ روزے پورے نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ کا صرف شکر ہی ادا نہیں کر سکیں گے بلکہ ان شرائط کو بھی پورا نہیں کر سکیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اس خوان کو آسمان سے نازل کرنے کے بارے میں مقرر فرمائی ہیں۔ اس طرح یہ لوگ یقیناً سخت عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائیں گے۔
تاہم جب حواریوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے اپنے عہد کو پورا کرنے کا یقین دلایا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور یوں آسمان سے لذیذ کھانوں کے خوان نازل ہونا شروع ہوئے۔ روایات میں آتا ہے کہ حواریوں نے جب خوان کھولا تو اس میں تلی ہوئی مچھلیاں اور تر و تازہ پھل و روٹیاں موجود پائیں۔ خوان سے اٹھنے والی خوشبو اس قدر عمدہ تھی کہ اس کی مہک نے سب کو مست کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو حکم دیا کہ اب یہ

لذیذ ترین کھانا کھائیں۔ حواریوں نے عرض کیا پہلے آپ علیہ السلام تناول فرمانے کی ابتداء فرمائیں پھر ہم کھائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا یہ سب کچھ تم لوگوں کی فرمائش پر نازل ہوا ہے۔ میری فرمائش پر نہیں۔ آپ علیہ السلام کا یہ جواب سن کر حواری گھبرا گئے کہ معلوم نہیں اس خوان کو ہم نے کھالیا تو کیا نتیجہ برآمد ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام اس کو تناول فرمانے کو تیار نہیں۔ حواریوں کی اس ہچکچاہٹ کو دیکھ کر آپ علیہ السلام نے کچھ تناول فرمایا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے ارشاد فرمایا اب تم لوگ جاؤ اور فقراء، معذورین، مساکین اور مریضوں کو بلاؤ یہ ان کا بھی حق ہے۔ ہزاروں لوگ اس دعوت میں شریک ہو کر شکم سیر ہوئے۔ حالت یہ ہوگئی کہ ہر روز تقریباً سات ہزار آدمی اس کھانے میں شریک ہونے لگے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خوان کو دیکھ کر ان لوگوں کی اکثریت اس میں شریک ہونے لگی جو آسمان سے خوان اترنے کو صرف مذاق سمجھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسے لوگوں کو دعوت میں شریک ہونے سے منع فرمادیا جو اس کے حق دار نہیں تھے۔ اس پر وہ لوگ آپ علیہ السلام پر ناخوش ہو کر شان اقدس میں نازیبا الفاظ استعمال کرنے لگے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے اس نعمتِ عظمیٰ کا نزول ہی بند فرمادیا۔

مائدہ کے نزول کے بارے میں محققین کے اقوال

مائدہ کے نزول کے سلسلے میں دو قول بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے جس خوان کے نازل ہونے کی درخواست کی تھی پھر آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا بھی کی وہ مائدہ (خوان) نازل نہیں ہوا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی درخواست پر آپ علیہ السلام کی دعا کے صدقے سخت شرائط کے ساتھ مائدہ نازل فرمایا تھا۔ ہم دونوں قول راویوں کے اسمائے گرامی کے ساتھ یہاں درج کر رہے ہیں۔

پہلا قول

مائدہ کے نزول کے سلسلے میں حضرت مجاہد اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (12ھ-112ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر مائدہ نازل نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن شرائط کے ساتھ مائدہ نازل فرمانے کا کہا وہ اس قدر سخت تھیں کہ مائدہ کی طلب کرنے والے ان کو سن کر ڈر گئے۔ ان لوگوں نے خیال کیا کہ ہم کمزور انسان ہیں۔ اگر کسی طرح معمولی سی لغزش بھی ہوگئی تو شرائط کی خلاف ورزی کے سلسلے میں دردناک عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس لئے ہم اپنا سوال ہی واپس لیتے ہیں۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اپنا سوال واپس لے لیا۔ پھر دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر مائدہ کا نزول ہوا ہوتا تو یہ ایسا عظیم الشان معجزہ ہوتا جس پر نصاریٰ جس قدر فخر کرتے وہ کم تھا۔ نصاریٰ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ مبارک کی شب و روز تشہیر کرتے جبکہ ان کے ہاں نزول مائدہ کا ایسا کوئی تذکرہ نہیں پایا جاتا۔

تفسیر ابن کثیر۔ جلد۔2۔ صفحہ۔116

دوسرا قول

مائدہ کے نزول کے سلسلے میں دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے مائدہ کا نزول فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عمار بن یاسر رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ارشاد فرماتے ہیں کہ مائدہ کا نزول ہوا۔ جمہور مفسرین مائدہ کے نزول کا ہی رجحان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مائدہ بشکل خوان کتنی مدت یا عرصے تک نازل فرمایا اس کی تفصیل اور تشریح کے بارے میں مختلف اقوال کتب سیر و تاریخ میں موجود ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مائدہ کا نزول صرف ایک روز ہوا پھر بند کر دیا گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مائدہ برابر چالیس روز تک نازل ہوتا رہا پھر اس کا نزول بند کر دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب مائدہ کا نزول ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا اس خوان کو صرف فقراء، مساکین اور کمزور لوگ ہی کھائیں گے۔ بھلے چنگے تندرست اور مال دار نہیں کھائیں گے۔ چند روز تو اس حکم پر عمل ہوتا رہا جبکہ بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر بھی زبردستی اس کھانے میں شریک ہونے لگے۔ اس کے علاوہ حکم الٰہی یہ بھی تھا کہ نازل شدہ خوان میں سے کوئی چیز بھی اگلے روز تک بچا کر نہ رکھی جائے۔ اگلے روز ایسا ہی کھانا پھر نازل ہوا کرے گا۔ لوگوں نے چند روز کے بعد اس حکم کی بھی خلاف ورزی شروع کر دی۔ پھر نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مائدہ کا نزول ہی بند فرما دیا بلکہ خلاف ورزی کرنے والوں کی شکلوں کو مسخ کر کے خنزیر اور بندر بنا دیا گیا۔ یوں حکم کی خلاف ورزی کرنے والے یہ لوگ خنزیر اور بندروں کی شکل میں ہی تین دن کے بعد مر گئے۔ نزول مائدہ کے سلسلے میں ہم نے دونوں قول نقل کر دیئے ہیں تا کہ اس واقعہ کے بارے میں کوئی گوشہ تشنہ تکمیل نہ رہ جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سادہ زندگی اور عوام میں مقبولیت

اللہ تعالیٰ نے جس قدر انبیاء اور رسل عظام علیہم السلام نسل انسانی کی رشد و ہدایت کے لئے دنیا میں مبعوث فرمائے ہر ایک نے جس طرح سادگی سے اپنی دنیاوی زندگی بسر فرمائی وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اس سلسلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ آپ علیہ السلام کی 33 سالہ زندگی مبارکہ سادگی اور بے تکلفی کا مکمل نمونہ تھی۔ آپ علیہ السلام نے شادی نہیں کی اور رہنے کے لئے کوئی گھر بھی تعمیر نہ فرمایا۔ حالات و زمانہ کے اعتبار سے آپ علیہ السلام شہر شہر، گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ تشریف لے جا کر گمراہ قوم کو رشد و ہدایت کی تبلیغ فرماتے رہے۔ اپنے اس عظیم منصبی فریضہ (مشن) کی تکمیل کیلئے شب و روز مصروف رہتے۔ جہاں رات آتی اسی جگہ بے سروسامانی کی کیفیت میں ہر قسم کے آرام و راحت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شب بسر فرما لیا کرتے تھے۔ مخلوق خدا ہر حال اور ہر وقت آپ علیہ السلام کی ذات مقدسہ سے جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی شفاء اور تسکین حاصل کرتی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس راستے سے گزر جاتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق آپ علیہ السلام کے گرد پروانوں کی طرح اکٹھی ہو جاتی ہر ایک آپ علیہ السلام کے اشارے پر اپنی جان نثار کرنے کو تیار ہو جاتا تھا۔

یہود کا بغض وعناد

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس قدر مقبولیت یہودی قوم کو شب و روز بے چین رکھتی تھی۔ یہودی بغض وعناد اور حسد ورقابت کی چکی میں پس رہے تھے۔ آپ علیہ السلام کی یہ ہر دل عزیزی انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ یہودی قوم کے مسخ شدہ قلوب آپ علیہ السلام کی اس مقبولیت کو کسی طرح بھی برداشت نہ کر سکے آخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس قوم کے سرداروں، رؤساء، فریسیوں اور خود ساختہ فقیہوں نے آپ علیہ السلام کے خلاف اپنی کمینہ فطرت کے مطابق سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا۔ یہودیوں کی شب و روز سازشوں کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مقبولیت میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ روز بروز اس میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہودی اس حالت کو دیکھ کر مزید بغض وحسد کی آگ میں جلنے لگے۔ ان کے مذکورہ لوگوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کسی نہ کسی طرح قتل کر دیا جائے بظاہر ایسا ہونا ممکن نہیں تھا۔ اب ان لوگوں نے آخری حربہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا وہ حربہ یہ تھا کہ کسی نہ کسی طریقے سے بادشاہ وقت جو کہ رومی اور بت پرست تھا اس کو یقین دلا دیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ صرف قوم یہود کے لئے ہی باعث خطرہ ہیں بلکہ ان کی ذات اور حکومت روم کے لئے اس سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ ان لوگوں کو یقین تھا کہ ہم بادشاہ کو اپنا ہم خیال بنا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تختہ دار پر چڑھانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد یہ لوگ شاہ روم کے نائب کے دربار میں حاضر ہوئے اور اپنی پست ذہنیت کا اظہار کرتے ہوئے کذب بیانی کے سابقہ تمام معیار مات کر دیئے۔

پیلاطیس کا دربار اور یہود

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں شہنشاہ روم (رومہ) قیصر بت پرست تھا جس نے اپنی جانب سے پیلاطیس کو یہودیہ کا گورنر یا بادشاہ بنا رکھا تھا۔ یہودی دلی طور پر اس بت پرست شہنشاہ سے نفرت کرتے تھے۔ گو ہیرودیس یہودیوں کا بادشاہ بھی موجود تھا مگر اس قوم کی گمراہی اور بدفطرتی کی بنا پر ہیرودیس جس علاقے پر حکمران تھا وہ اس کے باپ دادا کی حکومت کا چوتھائی حصہ بھی نہیں تھا۔ اس لئے یہودی اس بادشاہ کو محض بیکار حاکم خیال کرتے ہوئے پیلاطیس کی خدمت میں حاضر ہونے کو تیار ہوئے جو اصل طاقت کا مالک تھا۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اس قدر حسد اور بغض وعناد رکھتے تھے کہ انہوں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ صدیوں سے غلامی کی زندگیاں بسر کرنے والی اس قوم کو غلامی کی پست ذہنیت نے ایسا اندھا کر دیا کہ انجام کی پرواہ کئے بغیر یہ لوگ پیلاطیس کے دربار میں جا پہنچے اور عرض کیا۔ عالی جاہ! اس شخص (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی شب و روز بڑھتی ہوئی مقبولیت صرف ہم لوگوں کے لئے

ہی باعث خطرہ نہیں بلکہ آپ کے لئے تو ہم سے بھی زیادہ خطرے کا سبب ہے۔ اگر فوری طور پر اس شخص (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا استیصال نہ کیا گیا تو نہ صرف ہمارا دین ہی ختم ہو جائے گا بلکہ اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ آپ کی حکومت ہی چلی جائے کیونکہ اس شخص (عیسیٰ علیہ السلام) نے شعبدے دکھا کر مخلوق کو اس حد تک اپنا گرویدہ بنا لیا ہے کہ موقعہ ملتے ہی وہ عوام کی اس طاقت کے ذریعے آپ کو شکست دے کر حکومت روم کا چراغ گل کر دے گا اور یوں بنی اسرائیل کا مختار کل بن جائے گا۔ اس کے ماننے والے جنون کی حد تک اس کی بات مانتے ہیں اور ایک معمولی سے اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ اس شخص (عیسیٰ علیہ السلام) نے ہمارے دین کو ہی بدل کر لوگوں کو بے دین بنا دیا ہے۔ پس عالی جاہ، ہماری اس درخواست کو قبول فرماتے ہوئے اس فتنہ کا جلد از جلد خاتمہ کر دیں۔ مختصراً کافی گفت وشنید اور سوالات و جوابات کے بعد پیلاطیس نے یہود کے اس وفد کو اجازت دے دی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے بعد شاہی دربار میں مجرم کی حیثیت سے پیش کریں۔

اناجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا بیان

یہودیوں کے سردار، کاہن اور فقہاء وغیرہ پیلاطیس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا فرمان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ لوگ اس فرمان کو حاصل کرنے کے بعد بے حد خوش تھے کیونکہ ان کی تیار کردہ سازش کارگر ثابت ہو چکی تھی۔ ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کی گرفتاری اس قدر خاموشی سے ہونی چاہئے کہ لوگوں کو کانوں کان خبر نہ ہو کیونکہ لوگ اگر گرفتاری سے آگاہ ہو گئے تو ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا جس پر قابو پانا ناممکن ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ کسی مناسب موقع کا انتظار کیا جائے اور جب تنہائی میں عیسیٰ (علیہ السلام) کو بیٹھا پائیں تو گرفتار کر لیا جائے اس طرح ہم لوگ عوامی ہنگامے سے محفوظ رہیں گے۔

انجیل یوحنا

یوحنا کی انجیل میں اس واقعہ کے متعلق یوں تحریر ہے۔

"پس سرداروں، کاہنوں اور فریسیوں نے صدر عدالت کے لوگوں کو جمع کر کے کہا ہم کرتے کیا ہیں؟ یہ آدمی (عیسیٰ علیہ السلام) تو بہت معجزے دکھاتا ہے اگر ہم اسے یونہی چھوڑ دیں تو سب اس پر ایمان لے آئیں گے اور یوں رومی آ کر ہماری جگہ اور قوم دونوں پر قبضہ کر لیں گے اور ان میں سے کاغا نامی ایک شخص جو اس سال کاہنوں کا سردار تھا اٹھا اور کہنے لگا تم نہیں جانتے اور نہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی امت کے واسطے مرے نہ کہ ساری قوم ہی ہلاک ہو۔" (از انجیل یوحنا۔ باب۔ 11۔ آیات 47 تا 51)

انجیل یوحنا نے مذکورہ مشورہ کو تحریر کیا ہے جس کے بعد یہود پیلاطیس کے دربار میں گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا فرمان حاصل کیا۔ مکمل واقعہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

انجیل مرقس

یہودی، رومی حاکم پیلاطیس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا فرمان حاصل کرنے کے بعد بڑے خوش تھے اور کسی مناسب وقت کے انتظار میں تھے تا کہ آپ علیہ السلام کو گرفتار کر لیا جائے اور لوگوں کو خبر نہ ہو سکے۔ یہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر آپ علیہ السلام کی گرفتاری کا علم عوام کو ہو گیا تو ایسا ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا کہ اس پر قابو پانا ممکن نہیں رہے گا جو کہ یہودیوں اور حکومت روم کے حق میں سخت نقصان اور تباہی کا سبب ہوگا۔ یہودیوں کے اس عمل کا ذکر انجیل مرقس میں یوں کیا گیا ہے۔

''دو دن کے بعد فصح اور عید الفطر ہونے والی تھی اور سردار، کاہن اور فقیہ موقع ڈھونڈ رہے تھے کہ اسے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو کیونکر پکڑ کے قتل کریں کیونکہ کہتے تھے کہ عید کو کہیں ایسا نہ ہو کہ بلوہ ہو جائے۔''

(از انجیل مرقس۔ باب 13۔ آیات۔ 1۔ 2)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری بقول اناجیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے سلسلے میں یہود اور نصاریٰ متفق ہیں۔ دونوں قوموں کا مشترکہ بیان ہے کہ یہود کے سرداروں اور کاہنوں کو یہ اطلاع ملی کہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے ہجوم سے ہٹ کر فلاں مکان میں اپنے حواریوں اور شاگردوں کے ہمراہ موجود ہیں۔ ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کا اس سے اچھا موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا اس لئے فوراً چل کر انہیں گرفتار کر لینا چاہئیے۔ اس فیصلے کے بعد وہ لوگ اٹھے اور اس مکان پر پہنچ گئے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے شاگردوں کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ یہود نے مکان کا سختی سے محاصرہ کیا اور یوں کچھ دیر کے بعد ہی حضرت عیسی علیہ السلام کو گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی پیلاطیس حکمران کے دربار میں لے گئے اور اس سے درخواست کی کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو سولی پر لٹکایا جائے۔ پیلاطیس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے گناہ خیال کرتے ہوئے انہیں چھوڑنا چاہتا تھا مگر یہودیوں کے اصرار پر اشتعال انگیزی کے ڈر سے اس نے مجبوراً آپ علیہ السلام کو سپاہیوں کے حوالے کر دیا۔ سپاہیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کانٹوں کا تاج پہنایا۔ آپ (علیہ السلام) کے منہ پر تھوکا، کوڑے لگائے اور یوں ہر طرح ان کی توہین و تذلیل کرنے کے بعد مجرموں کی طرح سولی پر لٹکا دیا۔ دونوں ہاتھوں میں کیلیں (میخیں) ٹھونک دیں، سینے کو برچھی کی انی سے چھید دیا اور اس کسمپرسی کی حالت میں حضرت عیسیٰ

علیہ السلام نے یہ کہتے ہوئے جان دے دی۔ ''ایلی ایلی لما سبقتنی '' انجیل متی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ گرفتاری اور آپ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے۔

انجیل متی

''سردار کاہن نے اس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے کہا! میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے۔ یسوع نے اس سے کہا تو نے خود کہہ دیا بلکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی داہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتا دیکھو گے۔ اس پر سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر کیا ہے۔ اب ہمیں گواہوں کی کیا حاجت رہ گئی۔ دیکھو، تم نے بھی یہ کفر سنا ہے۔ اب تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ اب یہ قتل کے لائق ہے۔ پھر انہوں نے اس کے منہ پر تھوکا اور اسے مکے مارے اور کہا اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا کہ کس نے تجھے مارا ہے۔''

اگلے روز صبح کے وقت قوم کے سب سرداروں، کاہنوں اور بزرگوں نے یسوع کے خلاف مشورہ کیا کہ اسے مار ڈالیں اور یوں اسے باندھ کر لے گئے اور پیلاطیس حاکم کے حوالے کیا۔ حاکم کا اصول تھا کہ عید پر لوگوں (بنی اسرائیل) کی خاطر ایک قیدی جسے وہ چاہتے تھے چھوڑ دیتا تھا۔ اس وقت برابا نام ان کا ایک مشہور قیدی تھا۔ پس جب وہ اکٹھے ہوئے تو پیلاطیس نے ان سے کہا تم کسے چاہتے ہو کہ میں تمہاری خاطر چھوڑ دوں، برابا کو یا یسوع کو، جو مسیح کہلاتا ہے۔ وہ (یہود) بولے برابا کو۔ پھر پیلاطیس بولا یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے کیا کروں۔ سب نے کہا اس کو صلیب دی جائے۔ اس (پیلاطیس) نے کہا کہ کیوں؟ اس نے کیا برائی کی ہے؟ مگر وہ (یہودی) اور بھی چلا چلا کر بولے اسے صلیب دی جائے۔ جب پیلاطیس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑ رہا بلکہ الٹا بلوہ ہونے کا خطرہ ہے تو پیلاطیس نے پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ ''میں اس راست باز کے خون سے بری ہوں تم جانو۔'' سب لوگوں نے جواب دیا کہ ''اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر۔'' اس پر اس نے برابا کو چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالے کیا تاکہ صلیب دی جائے۔ اس پر حاکم کے سپاہیوں نے یسوع کو قلعہ میں لے جا کر ساری پلٹن (فوجی دستہ) اس کے گرد جمع کی اور اس کے کپڑے اتار کر اسے قرمزی چوغہ پہنایا اور کانٹوں کا تاج بنا کر اس کے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا اس کے داہنے ہاتھ میں دیا اور اسکے آگے گھٹنے ٹیک کر اسے ٹھٹھوں میں اڑانے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ آداب۔ اور اس پر تھوکا اور وہی سرکنڈا لے کر اس کے سر پر مارنے لگے اور جب اس کا ٹھٹھا کر چکے تو چوغے کو اس پر سے اتار کر پھر اس کے کپڑے اسے پہنائے اور صلیب دینے کو لے گئے۔ اس وقت اس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے ساتھ دو ڈاکو صلیب پر چڑھائے گئے۔ ایک داہنے

اور ایک بائیں۔ اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر اس کو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے اے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا، اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر۔ اسی طرح سردار کاہن فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ مل کر ٹھٹھے کے ساتھ فقرے کستے تھے کہ اس نے اوروں کو بچایا اپنی تئیں نہیں بچا سکتا۔ اور دوپہر سے لے کر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا۔ ''ایلی ایلی لما سبقتنی۔'' (اے میرے خدا۔ اے میرے خدا۔ تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا)۔ جو وہاں کھڑے تھے ان میں سے بعض نے سن کر کہا یہ ایلیا کو پکارتا ہے۔ یسوع بڑی آواز سے چلایا اور جان دے دی۔ (از انجیل متی۔ باب 26 آیات 57 تا 75)

فرضی داستان

موضوع کی طوالت کے خوف سے ہم یہاں صرف انجیل متی کا مذکورہ حوالہ دینے پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔ دیگر اناجیل کا مطالعہ کریں تو ان میں بھی تھوڑے بہت فرق سے مذکورہ فرضی داستان کی تفصیلات اسی طرح درج ہیں۔ اس فرضی داستان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو نہایت بے کسی اور بے بسی کے انداز میں دردناک طریقہ پر ہونا بتایا گیا ہے۔ تاریخ عالم کا مطالعہ کر لیجئے اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقربین کڑی سے کڑی آزمائشوں سے گزرے مگر زبان پر حرف شکایت یا مذکورہ داستان کی طرح کبھی کوئی لفظ نہ آیا۔ کس قدر تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم نبی کو اس قدر مایوسی اور بے بسی سے صلیب پر چڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ''ایلی ایلی لما سبقتنی'' کے الفاظ میں شکوہ کرنے والا ثابت کیا ہے۔ یہ آپ علیہ السلام کی شان اقدس میں کھلی گستاخی کذب بیانی اور بہتان ہے۔ انجیل میں ہی مزید ظلم کرتے ہوئے یہ بھی تحریر کر دیا گیا ہے کہ صلیب پر چڑھنے سے پہلے آپ علیہ السلام نے تین مرتبہ اللہ تعالیٰ سے یوں درخواست کی ''اے میرے باپ، اگر ہو سکے تو یہ (یعنی موت کا) پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔'' اور جب یہ درخواست کسی طرح قبول نہ ہوئی تو مایوسی کے عالم میں ان کو یہ کہنا پڑا ''اگر یہ پیئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو۔''

ایک معمولی عقل و دانش رکھنے والا بھی مذکورہ الفاظ پڑھ کر اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ سب کچھ عیسائیوں کا من گھڑت، بہتان عظیم اور خود ساختہ جھوٹ کا پلندہ ہے جو ان کے علماء سوء نے تیار کیا اور قوم کو گمراہی کی دلدل میں پھنسا دیا۔ اس طرح صدیاں گزر جانے کے بعد بھی یہ قوم مسلسل اسی گمراہی و کفر میں مبتلا چلی آ رہی ہے۔ اپنے اس بیان کی تصدیق میں کفار کے اس عقیدے کو پیش کر رہا ہوں جس کے مطابق وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کا یہ معاملہ اللہ اور اس کے بیٹے (نعوذ باللہ) کے درمیان طے شدہ تھا۔ تو پھر انجیل میں درج اس درخواست کے کیا معنی رہ جاتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور

پیش کی جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ اگر یہ سب کچھ بشری تقاضے کے مطابق کہا گیا تو پھر خدا کی مرضی معلوم ہو جانے اور اس پر قناعت کر لینے کے بعد یہ بے صبری اور عام مایوس انسانوں کی طرح جان دینے کی کیا وجہ تھی؟ اس عقیدے کو ماننے والے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ میرے اس سوال کو غور سے پڑھ کر اس کا جواب دے۔ اگر عقل و دانش کو استعمال کرے تو جواب دینے کی بجائے یقیناً بول اٹھے گا مذکورہ داستان حقیقت میں فرضی ہی تخلیق کی گئی ہے۔ دعا ہے اللہ کریم اس قوم کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

یہود کی گھڑی ہوئی داستان

تاریخی حقائق کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اصل میں یہ ساری داستان یہود نے ہی گھڑی تھی۔ نصاریٰ نے سوچے سمجھے بغیر اس داستان کو قبول کر لیا۔ پھر جب دنیا کی شاطر ترین قوم یہود نے از راہ فخر و غرور نہایت مسرت کے ساتھ یہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر ''مسیح ناصری مسیح موعود'' ہوتا تو خدا تعالیٰ اسے اس قدر بے بسی اور لاچاری کی حالت میں ہمارے ہاتھوں میں نہ دیتا، یہاں تک کہ وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) مرتے وقت تک اللہ تعالیٰ سے شکوہ ہی کرتا رہا کہ مجھے بچا لے۔ مجھے بچا لے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک نہ سنی اور نہ ہی اس کی کوئی مدد کی۔ جب کہ سولی کے وقت اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادا اسے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو کافی اشتعال دیتے رہے کہ اگر تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا بیٹا اور مسیح موعود ہے تو تجھے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں میں کیوں دیا اور وہ تجھے اس ذلت سے کیوں نہیں بچا لیتا وغیرہ۔ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد نصاریٰ کو یہود کی اس چال کا علم ہوا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ نصاریٰ اپنے عقیدہ باطلہ سے فوری رجوع کرتے ہوئے حق کا راستہ اختیار کرتے۔ اس طرح یہود اپنی اس فرضی داستان کی نہ تو مزید تشہیر کر سکتے اور نہ ہی لوگوں کو گمراہ بلکہ خود ذلیل و رسوا ہو جاتے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ نصاریٰ یہود کے اس الزام کا کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے اور نہ ہی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس واقعہ کا انکار کر سکتے تھے۔ دوسری طرف مذکورہ واقعہ کی تفصیلات کو مان لینے کے بعد عقیدہ کفار کی کوئی قدر و منزلت اور حقیقت ہی نہیں رہ جاتی تھی۔ اب نصاریٰ کے خود ساختہ علماء سوء سر جوڑ کر بیٹھے اور انہوں نے اپنی طرف سے نہایت ہوشیاری اور چالاکی کا ثبوت دیتے ہوئے مذکورہ واقعہ کی تفصیلات میں مزید کذب بیان اور خود ساختہ تفصیل شامل کر دی جس کو یوحنا کی انجیل میں یوں تحریر کیا گیا ہے۔

انجیل یوحنا کی عبارت

''لیکن جب انہوں نے یسوع کے پاس آکر دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں مگر ان میں سے ایک سپاہی نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے خون اور پانی بہہ نکلا۔ ان

باتوں کے بعد اریلتہ کے رہنے والے یوسف نے جو یسوع کا شاگرد تھا یہودیوں کے خوف سے خفیہ طور پر پیلاطیس سے اجازت چاہی کہ یسوع کی لاش لے جائے۔ پیلاطیس نے اجازت دے دی۔ پس وہ آ کر اس کی لاش لے گیا اور نیک دل مینس بھی آیا جو پہلے یسوع کے پاس رات کو گیا تھا اور پچاس سیر کے قریب مروارید عود ملا ہوا لایا۔ پس انہوں نے یسوع کی لاش لے کر سوتی کپڑے میں خوشبودار چیزوں کے ساتھ کفنایا جس طرح کہ یہودیوں میں دفن کرنے کا دستور ہے۔ اور جس جگہ اسے صلیب دی گئی وہاں ایک باغ تھا اور اس باغ میں ایک نئی قبر تھی۔ جس میں کبھی کوئی نہ رکھا گیا تھا۔ پس انہوں نے یہودیوں کی تیاری کے دن کے باعث یسوع کو وہیں رکھ دیا۔ ہفتہ کے پہلے دن مریم ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی تھا قبر پر آئی اور پتھر کو قبر سے ہٹا ہوا دیکھا۔ پس وہ شمعون، پطرس اور اس کے دوسرے شاگرد کے پاس جسے یسوع عزیز رکھتا تھا دوڑی ہوئی گئی اور ان سے کہا کہ خداوند کو قبر سے نکال لے گئے اور ہمیں معلوم نہیں کہ اسے کہاں رکھ دیا۔ لیکن مریم باہر قبر کے پاس کھڑی روتی رہی اور جب روتے روتے قبر کی طرف جھک کے اندر نظر کی تو دو فرشتوں کو سپید پوشاک پہنے ہوئے ایک کو سرہانے اور دوسرے کو پائنتی بیٹھے دیکھا جہاں یسوع کی لاش پڑی تھی۔ انہوں نے اس سے کہا اے عورت تو کیوں روتی ہے؟ اس نے اس سے کہا اس لئے کہ میرے خداوند کو اٹھا لے گئے اور معلوم نہیں کہ اسے کہاں رکھا۔ یہ کہہ کر وہ پیچھے پھری اور یسوع کو کھڑے دیکھا اور پہچان نہ سکی کہ یہی یسوع ہے۔ یسوع نے اس سے کہا اے مریم۔ وہ پھر کر اس سے عبرانی زبان میں بولی ''ربونی'' یعنی اے استاذ۔ یسوع نے اس سے کہا مجھے نہ چھوؤ کیونکہ میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا۔ لیکن میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہو کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ کے اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں۔ مریم مجدلینی نے آ کر شاگردوں کو خبر دی کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور اس نے مجھ سے باتیں کیں۔ پھر اسی دن جو ہفتہ کا پہلا دن تھا۔ شام کے وقت جب وہاں کے دروازے جہاں شاگرد تھے یہودیوں کے ڈر سے بند تھے۔ یسوع آ کر بیچ (درمیان) میں کھڑا ہوا اور ان سے کہا کہ تمہاری سلامتی ہو اور یہ کہ اس نے اپنے ہاتھ اور پسلی انہیں دکھائی۔ پس شاگرد خداوند کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ یسوع نے پھر ان سے کہا کہ تمہاری سلامتی ہو جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے اسی طرح میں بھی تمہیں بھیجتا ہوں اور یہ کہہ کر ان کو پھونکا اور ان سے کہا ''روح القدس''۔

(از انجیل یوحنا باب 19، آیات 33،34،38،42 و باب 20 آیات 1 تا 22)

انجیل یوحنا کے مذکورہ باب پڑھیں تو ایک عام غور و فکر کرنے والا شخص بھی آسانی سے یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ مذکورہ بیان اور اناجیل کے گزشتہ بیانات ایک دوسرے کے ساتھ کسی قسم کا ربط نہیں رکھتے۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ انجیل کی عبارت بعد میں شامل کی گئی ہے کیونکہ پہلے بیانات کا مطالعہ کریں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے بس، بے کس اور اللہ تعالیٰ سے شاکی بیان کیا گیا ہے جبکہ مذکورہ بیان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہستی خدائی صفات سے متصف، ذات خداوند تعالیٰ کی نہایت ہی مقرب اور

مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے مطمئن و مسرور نظر آتی ہے۔ اس طرح یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اصل حقیقت دوسری تھی جس کو عرصہ دراز گزر جانے کے بعد ایک نیا افسانوی رنگ دے کر یہودیوں کے رد میں نصاریٰ نے اپنا عقیدہ کفر برقرار رکھنے کے لئے انجیل یوحنا کی عبارت میں شامل کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی حیات مبارکہ کے بارے میں کفار کے اس عقیدہ جہالت کی تاریکی کا پردہ چاک فرما کر اصل واقعہ بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید کی روشنی میں واقعہ کی تفصیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام شب و روز دین حق کی تبلیغ میں مصروف رہتے۔ آخر جب آپ علیہ السلام نے محسوس فرمالیا کہ بنی اسرائیل اپنے کفر و ضلالت پر قائم رہتے ہوئے اب میرے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں اور ان لوگوں کی کفر و انکار کی سرگرمیاں حد سے بڑھ چکی ہیں یہاں تک کہ یہ لوگ میرے قتل کی سازشوں میں لگے ہوئے ہیں تو آپ علیہ السلام نے ایک خاص مکان میں اپنے تمام حواریوں کو جمع کیا اور ان لوگوں کو ساری صورت حال سے آگاہ فرمایا۔ قرآن مجید میں یہود کی سازشوں اور خفیہ تدابیر کا یوں ذکر فرمایا ہے۔ آل عمران آیت 54

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٥٤﴾

ترجمہ:۔ ''اور کافروں نے (یہود نے جو عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) مکر کیا اور اللہ نے (ان کے مکر کے خلاف) خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''اے میرے حواریو، امتحان کی گھڑی سر پر ہے۔ حق مٹانے کے لئے یہود کی سازشیں عروج پر ہیں۔ یہ سخت آزمائش کا وقت ہے۔ اب میں زیادہ دیر تک تم لوگوں کے درمیان نہیں رہوں گا۔ اس لئے میرے بعد دین حق پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ اب مجھے بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کون کون سچا مددگار ہے۔'' حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ پیغام حق سن کر کہا۔ ہم سب ہی اللہ تعالیٰ کے دین حق کے مددگار ہیں۔ ہم سچے دل سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اور اپنی صداقت و ایمان کا آپ علیہ السلام کو گواہ بناتے ہیں۔ اس کے بعد تمام حواریوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں تو اس پر ہمیں قائم رکھ اور ہمیں ہمت عطا فرما اور ہمیں اپنے دین کے مددگاروں کی فہرست میں شامل فرمالے۔ (سورہ آل عمران آیات 51، 52، 53 سورہ مریم آیات 35 تا 38)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے ہمراہ بند مکان میں تشریف فرما مذکورہ گفتگو میں مصروف تھے۔ ادھر بنی اسرائیل کے سرداروں، کاہنوں اور فقیہوں نے بند مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ جو کہ قضا و قدر کا مالک ہے اس نے فیصلہ فرمالیا کہ دنیا کی کوئی طاقت اور مخالف قوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نہ تو قابو

پاسکتی ہے اور نہ ہی ان کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکتی ہے۔

یہود نے اپنی جانب سے خفیہ تدبیر کر رکھی تھی مگر اللہ تعالیٰ جو ہر چیز کا علم رکھتا ہے اس نے اپنی ایسی بہتر چھپی تدبیر استعمال فرمائی کہ یہود ذلیل ورسوا ہو کر رہ گئے۔ یہود نے جب مکان کا چاروں طرف سے سخت محاصرہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اطمینان دلایا کہ اس قدر شدید محاصرے کے باوجود تمہارے دشمن تم کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور نہ ہی تمہیں قتل کر سکیں گے۔ آپ علیہ السلام دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں سے ہر طرح محفوظ رہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے حسب وعدہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ذلیل دشمنوں سے محفوظ فرماتے ہوئے اپنی جانب آسمان پر زندہ اٹھالیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان کی طرف اٹھالیا جانا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ اس سلسلے میں قرآن مجید فرقان حمید میں یوں ارشاد فرماتا ہے۔ سورۃ آل عمران آیت 55۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ
يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ
فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ:۔ ''یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ (علیہ السلام) میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا۔ اور تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا اور تجھے کافروں سے پاک کر دوں گا اور تیرے پیروکاروں کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دوں گا۔ پھر تم سب میری طرف پلٹ کر آؤ گے تو میں تم میں فیصلہ فرمادوں گا جس بات میں جھگڑتے ہو۔''

قرآن مجید کے مذکورہ ارشاد سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف زندہ اٹھانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ جب یہود مکان کے اندر داخل ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے اللہ کریم نے ایک شخص کی صورت آپ علیہ السلام کے مشابہ کر دی۔ اس طرح سپاہیوں نے اسی شخص کو پکڑ لیا اور اسے صلیب دینے کے لئے ہمراہ لے گئے جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گھر کے روشندان سے زندہ وسلامت نکال کر آسمان کی طرف اٹھالیا۔ گھر میں موجود لوگوں نے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح گھر سے باہر جاتے دیکھا مگر حاکم کے خوف سے ان لوگوں نے بھی یہی گواہی دی کہ واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی ہے۔

(از البدایہ والنہایہ۔ جلد۔ 2۔ صفحہ 433،434)

ایک اور روایت میں آتا ہے جسے امام حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ کی مذکورہ جلد میں ہی تحریر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس نے انہیں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو اس حالت میں اپنی طرف اٹھایا کہ وہ سو رہے تھے یعنی نیند کی حالت میں زمین پر ان کی زندگی کے دن پورے کر کے زندہ ہی اپنی طرف اٹھایا تا کہ وہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں اذیت سے بچ جائیں اور فی الوقت ان کا رشتہ ان دنیا والوں سے منقطع ہو جائے جو اس زمانے کے بعض بادشاہوں کے اشارے پر ان کے قتل کے درپے تھے۔

ایک تیسری روایت میں یوں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اپنی طرف اٹھالیا کس طرح اٹھایا اسکا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جاننے والا ہے، اس کے بعد دشمن مکان کے اندر داخل ہوئے تو ان کو صورت حال معلوم ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مکان کے اندر موجود نہیں وہ یہ قطعاً نہ سمجھ سکے کہ آپ علیہ السلام کہاں چلے گئے ہیں۔ ہم نے کتب سیر و دیگر تاریخی کتب کے حوالے سے تینوں روایات درج کر دی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ملاء اعلیٰ کی جانب کس طرح گئے، اس سلسلے میں کون سی روایت درست ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمانوں پر اٹھایا جانا نص قطعی سے ثابت ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ النساء آیات 157،158)۔

وَّقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾

ترجمہ:۔ ”اور (یہود ملعون قرار دیئے گئے) اپنے اس قول میں کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) پیغمبر خدا کو قتل کر دیا حالانکہ انہوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ اسے سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لئے ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا (اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کی بدولت اصل معاملہ ان پر مشتبہ ہو کر رہ گیا) اور جو لوگ اس کے قتل کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں بلا شبہ وہ اس کی جانب سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس حقیقت حال کے بارے میں ظن کی پیروی کے سوا علم کی روشنی نہیں ہے اور انہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو

یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ نے اپنی جانب اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔'' (سورۃ النساء آیات 157تا158)

میں نے یہود و نصاریٰ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خود ساختہ داستان اور قرآن مجید کا سچا فرمان جس کو خالق کائنات نے ارشاد فرما کر یوں یہود و نصاریٰ کے خود ساختہ افسانے کا سارا پول کھول دیا ہے یہاں بیان کر دیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دونوں بیانات آپ کے سامنے ہیں۔ اب آپ حضرات عدل و انصاف کی روشنی میں دونوں بیانات سامنے رکھتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مبارک زندگی، شخصیت اور دعوت رشد و ہدایت کو تاریخ عالم کی روشنی میں دیکھ کر فیصلہ کیجئے کہ حق کیا ہے۔ نصاریٰ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقرب اولوالعزم پیغمبر کے بارے میں باطل عقیدہ رکھتے ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے سامنے مایوسی، بے کسی اور بے بسی کا مظاہرہ کیا اور اس فیصلے پر شاکی ہوا۔ پھر نصاریٰ کے اس تضاد بیان پر بھی غور کیجئے کہ ایک جانب ان کفار کے عقیدہ کی بنیاد صرف اس بات پر قائم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے بن کر صرف اس مقصد کے لئے دنیا میں آئے تھے کہ سولی پر چڑھ کر تمام دنیا کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیں اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جبکہ دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی اور قتل کرنے کی جو خود ساختہ داستان تیار کی گئی اسکی بنیاد یہ رکھی ہے کہ جب وہ وقت موعود آیا تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرضی بیٹا اپنی حقیقت اور دنیا میں وجود پذیری کو بالکل ہی فراموش کر کے ''ایلی ایلی لما سبقتنی'' کا درد بھرا حسرت ناک جملہ کہتا ہوا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ناخوش ہوتے ہوئے صلیب پر چڑھ گیا۔ یہاں ہر عقل مند شخص کو یہ سوال کرنے کا حق ہے کہ انجیل کے ان دونوں بیانات میں اس قدر تضاد کیوں ہے۔ اس خود ساختہ داستان کو جسے یہودیوں نے تیار کیا تھا۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کافی عرصہ تک لاتعلق رہے۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق تاریخ کرتی ہے۔ تاریخ عالم کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اسی قوم کے سینٹ پال (پولوس) نے جب تثلیث کا مسئلہ کھڑا کرنے کے بعد جدید عیسائیت کی بنیاد رکھی تو یہود کی اس خود ساختہ داستان کو عیسائی مذہب کا ایک حصہ بنا دیا۔

مختصراً قرآن کریم کے ارشادات اور حقائق کی روشنی میں تمام حالات و واقعات کی کڑیوں کو جوڑ کر مطالعہ کیا جائے تو بغیر کسی تامل کے ہر ذی عقل یہی فیصلہ کرے گا کہ بائبل کی یہ داستان تضاد کی حامل اور کھلا ہوا کذب ہے۔ حق وہی ہے جسے قرآن مجید نے کھول کر بیان کر دیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا احادیث مبارکہ میں بیان

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی و حیات مبارکہ کے معجزہ مبارک کو نہایت جامع الفاظ میں اختصار کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔ اسکے علاوہ حدیث مبارکہ میں آپ علیہ السلام کے نزول مبارک کو قیامت کی علامت بتا کر نزول من السماء کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا ہے۔

یہاں میں ارشادات خالقِ کائنات کو سرکار دو عالم رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں عرض کررہا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے تمام آیات مبارکہ کی تفصیلات ارشاد فرما کر تمام حقائق کو روشن فرمادیا ہے۔ یوں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہا۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ نے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ رفع سماوی کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اس سے قطعی ثابت ہوجاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود ونصاریٰ کے بیان شدہ واقعات محض ایک خودساختہ کذب پر مبنی داستان کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ونزول کے متعلق کثیر تعداد میں احادیث مبارکہ موجود ہیں۔ ان تمام احادیث مبارکہ کا ذکر کرنا موضوع کو بہت طویل بنادے گا۔ اس لئے یہاں چند احادیث مبارکہ بیان کرنے پر ہی اکتفا کررہا ہوں۔ کتب احادیث وتفاسیر میں سرکار دو عالم ختم الرسل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے یہ تمام ارشادات صحیح اور حسن کا درجہ رکھتے ہوئے زبان زد عام ہیں۔ یہ ارشادات شہرت، تواتر اور روایات کے اعتبار سے اس درجہ کے ہیں کہ ان کی تصریح جلیل القدر ائمہ، محدثین، محققین ومفسرین کرام جن میں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ حدیث عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

حافظ حدیث ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ

جیسی شخصیات شامل ہیں انہوں نے فرمائی ہے۔ ان کے علاوہ چودہ (14) جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے ان احادیث مبارکہ کو روایت کیا ہے۔ ان مقدس صحابہ کرام کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(1) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(2) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(3) حضرت نافع بن عینیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(4) حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(5) حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(6) حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(7) حضرت کیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(8) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(9) حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(10) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(11) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

(12) حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(13) حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(14) حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں سے بعض کا یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے یہ احادیث مبارکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے تصریحات کے ساتھ سینکڑوں دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے مجمع میں خطبہ مبارک کے دوران سنیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ان مبارک احادیث کو خلفاء راشدین کے زمانہ مبارک میں ہر جگہ بیان کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث مبارکہ کی تمام کتب میں ان کا ذکر موجود ہے۔ اور ہر امام الحدیث نے ان احادیث مبارکہ کو اپنی اپنی تصنیف میں درج کیا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ان احادیث مبارکہ کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے ان کے لاتعداد شاگردوں نے سنا اور پھر ان کو آگے امت محمدیہ سے بیان کیا۔ ان تمام عظیم شاگردوں کے نام لکھنا تو ممکن نہیں ہوگا مگر متلاشیان علم کے علمی ذوق کے لئے چند نام درج کر رہا ہوں۔ یاد رہے ان شاگردوں میں سے ہر ایک اپنی علمی قابلیت کی بنا پر اوج ثریا پر فائز تھا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(1) ابونضرہ رحمۃ اللہ علیہ

(2) عبداللہ بن زید انصاری رحمۃ اللہ علیہ

(3) ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ

(4) عبدالرحمان بن آدم رحمۃ اللہ علیہ

(5) سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ

(6) ابوسہیل رحمۃ اللہ علیہ

(7) نافع مولیٰ ابوقتادہ رحمۃ اللہ علیہ

(8) ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ

(9) حنظلہ بن علی الاسلمی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ

یہ تمام تابعی حضرات علمی میدان میں فاضل اور عظیم مرتبہ کے حامل تھے۔

مذکورہ برگزیدہ تابعین حضرات سے پھر آگے جن جن ہزار ہا شاگردوں نے علم کی دولت حاصل کی اور احادیث کے راویان بے بدل کہلائے، فقہ و تفسیر قرآن میں بلند مقام حاصل کیا، انہوں نے بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ مبارک احادیث بیان کیں۔ تبع تابعین کے ان روشن ستاروں میں سے بھی چند کے اسمائے گرامی بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

(1) امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ
(2) حضرت سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ
(3) حضرت عبدالرحمن بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ
(4) حضرت نعمان بن سالم رحمۃ اللہ علیہ
(5) حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ
(6) حضرت ابو رافع رحمۃ اللہ علیہ
(7) حضرت امام لیث رحمۃ اللہ علیہ
(8) حضرت عبداللہ بن عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ
(9) حضرت علی بن زید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ

مذکورہ تمام علمی شخصیات جن کے اسمائے گرامی خیر القرون کے طبقے میں شامل ہیں انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات نزول سے تعلق رکھتی ہیں کو بلا جھجک احادیث متواتر کے طور پر تحریر کرتے ہوئے ہر جگہ بیان کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مبارک احادیث اور روایات کو

(1) حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ
(2) حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ
(3) حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ
(4) حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ
(5) حضرت امام نسائی رحمۃ رحمۃ اللہ علیہ
(6) حضرت امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ
(7) حضرت امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ

جیسی عظیم محدث ہستیوں نے با اتفاق ان احادیث مبارکہ کو صحیح و حسن کے درجہ میں بیان کیا ہے اور فرماتے ہیں یہ تمام احادیث صحیحہ ہیں۔ یہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک احادیث میں سے کچھ تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

احادیث مبارکہ

صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب الانبیاء میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد اسناد کے حوالے سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی یوں منقول ہے۔

(1) "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَّذِیْ نَفْسِی بِیَدِہٖ لَیُوشِکَنَّ اَنْ یُنزِلَ فِیْکُم ابنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدلًا فَیَکسِرُ الصَّلِیبَ وَ یَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَ یَضَعُ الجِزْیَۃَ وَ یَفِیضَ المَالُ حَتّٰی لَا یَقْبَلَہُ اَحَدٌ حَتّٰی تَکُونَ السَّجْدَۃُ الوَاحِدَۃُ خَیرٌ مِّنَ الدُّنیَا وَ مَا فِیْھَا"

ترجمہ۔ "سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، وہ وقت ضرور آنے والا ہے، جب حضرت عیسیٰ بن مریم حاکم وعادل بن کر اتریں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے (فرمان مبارک سے مراد ہے کہ موجودہ عیسائیت کو ختم کر دیں گے) اور جزیہ اٹھا دیں گے (کیونکہ اس وقت سب مسلمان ہوں گے)۔ اور مال کی اس درجہ کثرت ہوگی کہ کوئی اس کو لینے والا نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمت رکھے گا۔"

(2) صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں دجال کے خروج کا ذکر کرتے ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یوں ارشاد فرمایا۔

ترجمہ:۔ "جب مسلمان ملک شام پہنچ جائیں گے تو دجال ظاہر ہوگا۔ مسلمان دجال سے مقابلہ کرنے کے لئے تیاریاں کر رہے ہوں گے صفیں درست کرتے ہوں گے کہ نماز کے لئے اقامت ہونے لگے گی۔ اسی وقت عیسیٰ بن مریم کا نزول ہوگا اور وہ مسلمانوں کی امامت کا فرض سرانجام دیں گے۔"

(3) صحیح بخاری و مسلم میں ہی نافع مولیٰ ابوقتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے جسے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت کیا ہے۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتُم اِذَانَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَ اِمَامُکُمْ مِنْکُم"

ترجمہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا "اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور اس حالت میں نازل ہوں گے کہ تم میں سے ہی ایک شخص تمہاری امامت کر رہا ہوں گا۔"

(4) صحیح بخاری کتاب الانبیاء و مسلم اور مسند امام احمد بن حنبل و سنن ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی اور ترمذی

میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث بہت طویل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر بحث مسئلہ کے دیگر پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ترجمہ ''تمام انبیاء علیہم السلام اصول دین میں علاتی (کہ باپ ایک ماں جدا) بھائیوں کی مانند ہیں۔ سب کا دین ایک ہے مگر فروع دین زمانہ کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ اور میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں عیسیٰ بن مریم سے زیادہ قریب ہوں اس لئے کہ ان کے اور میرے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا اور بلا شبہ وہ کائنات ارضی پر اتریں گے پس جب تم ان کو دیکھو تو اس حلیہ سے پہچان لینا۔ ان کا قد میانہ، سرخ و سپید رنگ ہوگا، ان کے جسم پر دو سرخی مائل رنگ کی چادریں ہوں گی۔ ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہ ابھی ابھی غسل فرما کر آرہے ہیں۔ ان کے سر سے پانی کے قطرے موتی کی طرح ٹپکنے والے ہوں گے۔ وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے (موجودہ عیسائیت کا خاتمہ کر دینگے) اور جزیہ اٹھا دیں گے (کیونکہ اس وقت سب مسلمان ہوں گے) اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں تمام دیگر ادیان باطلہ مٹا دے گا۔ صرف ایک ہی دین حق ''اسلام'' باقی رہ جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں دجال کو ہلاک کرے گا۔ پھر کائنات میں امانت جگہ بنالے گی یہاں تک کہ شیر اونٹوں کے ساتھ، چیتے گائے بیلوں کے ساتھ، بھیڑ بکریوں کی طرح چرتے پھرتے نظر آئیں گے اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور وہ ان کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال اس زمین پر زندہ رہیں گے پھر وفات پا جائیں گے، پھر مسلمان ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔''

(5) امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک یوں مذکور ہے۔

ترجمہ۔ ''دجال ایک مسلمان پر اپنے شیطانی کرشموں کی آزمائش کر ہی رہا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کو زمین پر دوبارہ نازل فرمائے گا۔ وہ جب زمین پر تشریف لائیں گے تو جامع مسجد دمشق کی مشرقی جانب کے سپید منارہ پر اتریں گے اور ان کے جسم مبارک پر دو چادریں ہوں گی اور وہ دو فرشتوں کے بازوؤں کا سہارا لئے ہوں گے۔ وہ جب اپنا سر مبارک جھکائیں گے تو سر سے پانی ٹپک پڑنے والا ہوگا اور جب سر مبارک اٹھائیں گے تو پانی کے قطرے موتیوں کی طرح ٹپکیں گے۔''

(6) حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مسند شریف میں جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم اور اصحاب نے سنن یعنی ابو داؤد، ترمذی، نسائی وابن ماجہ رحمہم اللہ نے حضرت حذیفہ بن الاسیدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ یوں روایت کی ہے۔

ترجمہ۔ ''حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین) ایک مجلس میں بیٹھے تھے اور قیامت کے بارے میں گفتگو کررہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بالاخانہ سے نظر رحمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لوگے قیامت قائم نہیں ہوگی یعنی

(1) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

(2) دخان (دھواں)

(3) دابتہ الارض

(4) یاجوج وماجوج کا ظاہر ہونا

(5) عیسیٰ بن مریم کا نازل ہونا

(6) دجال کا ظاہر ہونا

(7) تین مقامات پر زمین کا دھنس جانا۔ مشرق میں مغرب میں اور جزیرۃ العرب میں۔

(8) آگ کا قصر عدن سے نکلنا جو لوگوں کو سمیٹ لے جائے گی

(9) آگ اس وقت نکلے گی جب لوگ رات کو آرام کررہے ہوں گے وہ اتنی دیر ٹھہری رہے گی۔

(10) یہی آگ اس وقت بھی ٹھہری رہے گی جب لوگ دوپہر کو قیلولہ کررہے ہوں گے۔''

(7) حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مسند اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ترمذی شریف میں کئی واسطوں سے ایک حدیث نقل کی ہے فرماتے ہیں حضرت مجمع بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ مروی ہے۔ اس حدیث میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

ترجمہ:۔ ''ابن مریم دجال کو باب الدّ پر قتل کریں گے۔''

(باب لدّ دمشق کی شہر پناہ کے ایک دروازے کا نام ہے)

(8) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ زمین پر تشریف لانے کے سلسلے میں ابن ابی حاتم جو مشہور زمانہ محدث ہیں انہوں نے امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول صحیح روایت کو سند کے ساتھ اپنی تفسیر میں یوں درج کیا ہے۔

ترجمہ۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے یہود سے یوں ارشاد فرمایا۔ ''عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں اور بلاشک وشبہ وہ قیامت سے پہلے تمہاری جانب لوٹ کر آئیں گے۔'' (از تفسیر ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ۔ جلد 5)

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کے بارے میں جس قدر ارشادات فرمائے ہیں یعنی جتنی احادیث مبارکہ کتب احادیث میں موجود ہیں ان میں بعض کا ذکر مذکورہ سطور میں تحریر کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں امام الحدیث حضرت علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ جس میں انہوں نے اصول حدیث کے مطابق جو احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم لکھی ہیں ان کی تعداد (29) انتیس ہے جبکہ مرفوع احادیث تعداد میں اس سے بھی زیادہ ہیں جن کو انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔ بہر حال مذکورہ احادیث مبارکہ اور اقوال ائمہ پڑھ لینے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں دوبارہ تشریف لانے کے سلسلے میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہیں رہ جاتا اور یہ بات مکمل وضاحت کے ساتھ ہر عقل مند کی سمجھ میں آجاتی ہے کہ حقیقت صرف اور صرف وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بیان فرمادیا ہے اس کے علاوہ باقی تمام کذب بیانی اور خود ساختہ داستان کے علاوہ کچھ نہیں۔

نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ زمین پر تشریف لانے کے متعلق احادیث مبارکہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ یہاں آپ علیہ السلام کے زمین پر دوبارہ تشریف لانے کے بعد جو حالات وواقعات رونما ہوں گے ان کے بارے میں احادیث مبارکہ سے جو ترتیب سامنے آتی ہے تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے قیامت قائم ہونے کے بارے میں کسی مقررہ وقت، دن، سال یا گھڑی کا ذکر نہیں فرمایا البتہ قرآن مجید اور احادیث مقدسہ نے چند ایسی علامات ضرور بیان فرمادی ہیں جو ظاہر ہوں گی۔ اس طرح یہ معلوم ہوجائے گا کہ قیامت کا وقت نزدیک ہے۔ ہم تمام علامات کا ذکر تو نہیں کر رہے البتہ ان علامات میں سے ایک بڑی علامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ ملاء اعلیٰ سے زمین پر تشریف لانے کا حال حدیث صحیح سے عرض کر رہے ہیں۔ جسے حضرت امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے۔

''مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان سخت معرکہ جنگ ہورہا ہوگا۔ اس وقت مسلمانوں کی قیادت وامامت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے نسب میں سے ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہوگی جس کا لقب مہدی ہوگا۔ اس معرکہ آرائی کے دوران ہی مسیح ضلالت ''یعنی دجال'' ظاہر ہوگا۔ یہ یہودی ہوگا اور ایک آنکھ سے کانا (یک چشم گل) ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی اسکی پیشانی پر ک۔ الف۔ ف اور ر۔ یعنی کافر لکھا ہوگا۔ اہل ایمان اپنی فراست ایمانی سے یہ عبارت پڑھ کر اس کے مکر وفریب سے محفوظ رہیں گے۔ دجال سب سے پہلے خدائی کا دعویٰ کرے گا پھر شعبدہ بازی کے زور پر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گا۔ پھر

اس سلسلے کونا کام ہوتا دیکھ کر مسیح ہدایت ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ اس دعویٰ کو دیکھ کر یہود کی اکثریت ہی نہیں بلکہ پوری کی پوری قوم اس کی پیروکار ہو جائے گی۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ یہود پہلے ہی اپنے خود ساختہ عقیدہ کے مطابق مسیح ہدایت (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا انکار کرتے ہوئے انہیں اپنے خیال میں صلیب دے چکے ہیں اور اب مسیح ہدایت کی آمد کے منتظر ہیں۔ پھر ایک دن مسلمان جامع مسجد دمشق (ملک شام) میں نماز کے لئے اکٹھے ہوں گے، جماعت کے لئے اقامت ہو رہی ہوگی، مہدی موعود رحمۃ اللہ علیہ امامت کے لئے مصلّے پر پہنچ چکے ہوں گے کہ اچانک ایک آواز سب لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گی۔ مسلمان آسمان کی طرف دیکھیں گے تو سپید بادل ہر سو چھایا ہوا نظر آئے گا، پھر تھوڑی دیر بعد دیکھیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زرد رنگ کی دو چادریں لپیٹے فرشتوں کے بازوؤں کا سہارا لئے ملاءِ اعلیٰ سے زمین پر اتر رہے ہوں گے۔ فرشتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسجد کے شرقی مینار پر اتار دیں گے اور واپس چلے جائیں گے۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کائنات ارضی سے دوبارہ رشتہ قائم ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عام قانون فطرت کے تحت مسجد کے صحن میں اترنے کیلئے سیڑھی طلب فرمائیں گے۔ حکم کی فوراً تعمیل ہوگی۔ آپ علیہ السلام مسجد کے صحن میں تشریف لائیں گے اور نمازیوں کی صف میں کھڑے ہو جائیں گے۔ مہدی موعود رحمۃ اللہ علیہ از راہ تعظیم مصلّے سے پیچھے ہٹ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو امامت فرمانے کی درخواست کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرمائیں گے کہ یہ اقامت آپ کے لئے کہی گئی ہے اس لئے آپ ہی نماز پڑھائیں۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسلمانوں کی امامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آجائے گی اور وہ حربہ لے کر مسیح ضلالت (دجال) کے قتل کو روانہ ہوں گے۔ شہر پناہ سے باہر تشریف لائیں گے تو باب لدّ کے قریب دجال کو اپنے مقابل میں پائیں گے۔ دجال سمجھ جائے گا کہ اس کے مکر و فریب کا آج خاتمہ ہو جائے گا۔ اس خوف کی وجہ سے اس کا رنگ زرد ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ کر اس کو قتل کر دیں گے مگر یہود دجال کی رفاقت میں قتل سے بچ جائیں گے۔ یہود اور عیسائی سب کے سب اسلام قبول کر لیں گے اور یوں مسیح ہدایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سچی پیروی کے لئے مسلمانوں کے شانہ بشانہ کھڑے نظر آئیں گے۔ ان کے اس عمل کا اثر دیگر مشرکین کی جماعت پر بھی پڑے گا اور یوں پوری دنیا پر اسلام کے علاوہ کوئی مذہب باقی نہیں رہے گا۔

ان تمام واقعات کے کچھ عرصہ بعد یاجوج ماجوج ظاہر ہوں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کو اس فتنہ عظیم سے محفوظ فرمائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دورِ حکومت چالیس سال رہے گا۔ اس عرصہ کے دوران آپ علیہ السلام شادی فرما کر ازدواجی زندگی بسر فرمائیں گے۔ آپ علیہ السلام کے اس دورِ حکومت میں ہر طرف امن وامان، عدل وانصاف اور خیر و برکت

کا راج ہوگا۔ امن عامہ اور عدل وانصاف کا یہ حال ہوگا کہ شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پئیں گے اور شر، بدامنی، دنگا فساد اور ہر قسم کی دوسری برائیاں ختم ہو جائیں گی۔"

ضروری وضاحت

احادیث مبارکہ میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس زمین پر چالیس سال حیات رہنے کے بعد وصال فرمائیں گے۔ یہاں ہم عرصہ حیات کی تشریح حدیث مبارکہ کی روشنی میں پیش کر رہے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (33) سال کی عمر مبارکہ میں زندہ آسمان پر اٹھالیا پھر قیامت کے روز دوبارہ زمین پر بھیجے گا۔ اس طرح آپ علیہ السلام چالیس سال زمین پر رہنے کے بعد وصال فرمائیں گے۔ اس حساب سے آپ علیہ السلام کی عمر شریفہ تہتر (73) سال بنتی ہے۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں تحریر کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تو سات (7) سال دورِ حکومت کے بعد وصال فرما جائیں گے۔ حافظ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اٹھائے جانے سے پہلے (33) سال اس دنیا میں تشریف فرما رہے۔ پھر دوبارہ نزول فرما کر مزید (7) سات سال حکومت کریں گے۔ اس طرح آپ علیہ السلام کی کل عمر مبارکہ 33+ 7 = 40 سال پوری ہو جائے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وصال شریف

قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی روشنی میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سالہ دورِ حکومت کے بعد اس فانی دنیا سے انتقال فرما جائیں گے اور آپ علیہ السلام کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پہلوئے مبارک میں دفن کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طویل حدیث نقل کرتے ہیں۔ ہم اس حدیث مبارکہ کو گزشتہ صفحات میں تحریر کر چکے ہیں۔ یہاں حدیث شریف کے اس خاص حصہ کا اردو ترجمہ تحریر کر رہے ہیں جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وصال شریف اور دفن کرنے کا ذکر ہے۔

ترجمہ حدیث:۔

"پھر وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کائنات ارضی پر اتر کر چالیس سال قیام فرمائیں گے اور اس کے بعد وصال فرما جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور ان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو دفن کریں گے۔"

از ابن ابی شیبہ۔ مصنف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ مسند میں، ابوداؤد نے سنن میں اور ابن جریر طبری

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر میں اسے نقل کیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات مبارکہ اور حالات کے سلسلے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسن محمد بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے سند کے ساتھ یہ حدیث مبارکہ نقل کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

اردو ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صفت (یعنی حلیہ وسیرت مبارکہ) مذکورہ ہے۔ اس آسمانی کتاب میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پہلو مبارک میں دفن ہوں گے۔''

(از تفسیر ابن کثیر۔ جلد۔1۔ صفحہ 584)

بنی اسرائیل کے فرقوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت اصلاح

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال شریف کے بعد بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ وقفے وقفے سے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا رہا۔ بنی اسرائیل نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا ان پاک ہستیوں کو سخت اذیتیں دیں، یہاں تک کہ بعض کو شہید کر دیا۔ اس قوم کے کاہنوں، سرداروں اور رؤساء نے وقت گزرنے کے ساتھ تورات میں اپنی ذاتی خواہشات، دنیا کے لالچ اور مال جمع کرنے کی حرص کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی اس مقدس کتاب میں تحریفیں کیں، عملی گمراہیوں کو عام کیا اور اعتقادات کو ہی بدل کر رکھ دیا۔ ان حالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس قوم کی گمراہیوں، مذہبی بغاوتوں اور سرکشوں کی اصلاح کے لئے انجیل دے کر مبعوث فرمایا۔ انجیل مقدس اصل میں تورات کا ہی تکملہ تھی۔ انجیل کی تعلیمات کی اساس تورات پر ہی قائم تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت مقدسہ سے پہلے یہودیوں نے ویسے تو مذہبی اعتبار سے دین حق کو ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ تورات میں اس حد تک تحریف کر دی تھی کہ اصل کتاب کی شکل بدل کر رہ گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تشریف لا کر ان تمام گمراہیوں، بدعملیوں کی اصلاح کے لئے اقدامات اٹھائے، بنی اسرائیل نے عقائد و مذہب میں جس قدر تبدیلیاں کر دی تھیں ان میں سے چند اہم بنیادی باتیں خصوصی طور پر فوری اصلاح کے قابل تھیں۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام شب و روز دعوت حق میں مصروف رہتے۔ بنی اسرائیل نے تعلیمات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برعکس قوم کو چار الگ الگ جماعتوں یا فرقوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ بنی اسرائیل کی یہ جماعتی تقسیم خود ساختہ تھی۔ یہاں ہم بنی اسرائیل کی اس جماعتی تقسیم کی مختصر کیفیت بیان کر رہے ہیں تا کہ اس وقت کے حالات معلوم ہو سکیں اور یہ بھی پتہ چل سکے کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف ظالمانہ اور سرکش حرکات کیوں کیں۔ انسانی فطرت ہے کہ جب اسے برے کاموں، گمراہی اور سرکشی سے روکنے کی کوشش کی

جائے تو وہ مصلح کے خلاف ہو جاتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ رہبران تمام حرکات کے نقصان دہ اثرات اور آخرت میں پیش آنے والے عذاب کو دیکھتے ہوئے قوم کو ان عظیم نقصانات سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر دنیا کی لالچ میں غرق قوم اپنے خود ساختہ عقائد کو درست خیال کرتے ہوئے اس رہبر کی مخالفت شروع کر دیتی ہے۔ اس کش مکش میں اللہ تعالیٰ کے وہ مقرب بندے جن پر اس کا خصوصی لطف و کرم ہوتا ہے رہبر حق کی بات کو فوری تسلیم کرتے ہوئے دین و دنیا کی فلاح حاصل کر لیتے ہیں۔ یہود کی چار جماعتوں کے مختصر حالات اور کیفیت کچھ یوں تھی۔

بنی اسرائیل کی جماعتیں اور ان کے عقائد

بنی اسرائیل نے جو جماعتی تقسیم بنا رکھی تھی۔ وہ چار یہ تھیں۔

(1) فریسی

(2) صدوقی

(3) کاہن

(4) احبار یا فقیہ

(1) فریسی

یہود کی یہ جماعت جزا و سزا، حشر و نشر، قیامت اور آخرت سب پر ایمان رکھتی تھی۔ مگر ان سب باتوں کے ساتھ ان کا عقیدہ اور یقین یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے حصول کے لئے اشد ضروری بات یہ ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر الگ مقام پر عبادت و ریاضت میں مصروف رہنا چاہئے یعنی دنیا کی تمام لذتوں اور اہل دنیا سے کنارہ کشی ضروری ہے۔ اپنے اس عقیدے کی بنا پر اس جماعت کے لوگ آبادیوں سے دور خانقاہوں اور جھونپڑیوں میں زندگیاں بسر کرتے تھے۔ ابتداء میں اس جماعت نے اپنے اس عقیدے پر نہایت سختی سے عمل کیا مگر آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ترک دنیا کے پردہ میں ان لوگوں نے خود کو دنیا کی تمام غلاظتوں، گندگیوں اور عیاشیوں میں اس حد تک ملوث کر لیا کہ ان کے افعال کو دیکھ کر شیطان بھی اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہوگا۔ بظاہر ان لوگوں کی طرز زندگی زاہدوں اور متقی لوگوں سے بھی بڑھ کر تھی جبکہ خانقاہوں میں ان کی زندگیاں بالکل مختلف ہوتی تھیں۔ یہ لوگ ''فریسی'' کہلاتے تھے۔

(2) صدوقی

یہود کی خود ساختہ جماعت کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان کو اس کے اچھے اور برے اعمال کی سزا اسی دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ جن لوگوں کا خیال یہ ہے کہ قیامت' آخرت' پھر آخرت میں حساب کتاب کے بعد

جزاوسزا ہوگی۔ یہ خیال غلط ہے۔ گویا یہ لوگ آخرت، قیامت، جزاوسزا، اخروی اور حشر ونشر کو نہیں مانتے تھے۔اس جماعت کے تعلق رکھنے والے لوگ ''صدوقی'' کہلاتے تھے۔

(3) کاہن

یہود کی اس جماعت کا تعلق مذہبی عبادت گاہ ہیکل کی خدمت کرنے سے تھا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ لوگ ہر وقت عبادت گاہ میں خود بھی مصروف عبادت رہتے اور قوم کے افراد کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے مطابق عمل کرنے کا درس دیتے مگر اس جماعت نے بھی مذہبی رسومات اور خدمات کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی بجائے کاروبار کے طور پر استعمال کرنے کا ذریعہ بنالیا۔قوم کا کوئی فرد بھی جب عبادت کی غرض سے ہیکل میں آتا یا ان لوگوں سے راہنمائی کا طالب ہوتا تو یہ لوگ بھاری نذرانے اور بھینٹ وصول کئے بغیر اس کی نہ تو راہنمائی کرتے اور نہ ہی کسی قسم کی مدد کرتے۔ ان لوگوں نے اس مقدس فرض کو اپنی ذاتی لالچ اور دنیاوی فوائد کے لئے مال ودولت پر قربان کر دیا تھا۔ بھاری رقوم اور نذرانے لے کر تورات مقدس کے احکامات میں تحریف کر دینا ان لوگوں کا شب وروز کا مشغلہ تھا۔ایسا کرتے ہوئے نہ تو ان لوگوں کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا اور نہ ہی کسی قسم کی شرم وحیا محسوس کرتے تھے۔ یہود کی یہ جماعت ''کاہن'' کہلاتی تھی۔

(4) احبار یا فقیہ

یہود کی جماعتوں میں یہ جماعت سب سے زیادہ طاقت ور اور مذہب کی اجارہ دار جماعت تھی۔ یہ لوگ جس طرح چاہتے مذہب میں اپنی مرضی کے مطابق ردو بدل کر دیتے تھے۔اس جماعت کے ظالم لوگوں نے مذہب کے ساتھ اس حد تک زیادتی کی کہ مذہب کی اصل روح کو ہی ختم کر دیا۔اس جماعت نے قوم کے لوگوں میں آہستہ آہستہ یہ عقیدہ پیدا کر دیا کہ دین ومذہب کے اصول واعتقادات اصل میں کچھ نہیں البتہ اس جماعت کے لوگ یہ اصول واعتقادات جس فرد پر عائد کر دیں ان کو ماننا عین ایمان اور فرض ہے۔ یہ لوگ حلال کو حرام کر دیتے، احکام دین میں جب چاہتے اضافہ کر دیتے اور جب دل میں آتا ان احکامات میں کمی کر دیتے۔اسی طرح جب کسی شخص سے خوش ہوتے تو اس کو جنت کا پروانہ جاری کر دیتے جبکہ ناراضگی کی شکل میں جہنم میں جانے کی رسید دے دیتے۔ان لوگوں نے قوم کو یقین دلا دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارا کیا ہوا فیصلہ ہی اٹل ہے اسے کوئی نہیں مٹا سکتا۔اس طرح یہ جماعت دین کی مکمل ٹھیکے دار تھی۔اس جماعت کے ظالم افراد تورات کے لفظی معنوں اور احکام کی تحریف کرنے میں اس قدر بے باک تھے کہ ایسا کرنے کو اپنا طرہ امتیاز خیال کرتے تھے اور یوں مال ودولت اکٹھا کرنے میں شب وروز مصروف رہتے۔

نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ یہ لوگ عوام سے قیمت مقرر کرنے کے بعد تورات کے احکامات ان کی مرضی کے مطابق تبدیل کر دیتے تھے۔ اس جماعت کو ''احبار یا فقیہ'' کہا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان حالات میں مبعوث فرمایا تاکہ یہود کے باطل عقائد و اعمال کی اصلاح فرمائیں۔ یہود کی جماعتوں اور عقائد کا حال ہم اوپر درج کر چکے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق یہود کے تمام عقائد و اعمال کا جائزہ لیا اور پھر نہایت رحم، ہمدردی اور شفقت کے ساتھ ان عقائد باطلہ پر نکتہ چینی فرماتے ہوئے ان لوگوں کو بد اعمالی سے بچانے کے لیے اللہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ رشتہ حقیقی جوڑنے کی ترغیب دی۔ مگر اس بدقسمت قوم نے آپ علیہ السلام کے پیغام رشد و ہدایت کو ماننے سے ہی انکار نہ کیا بلکہ (نعوذ باللہ) آپ علیہ السلام کو ''مسیح ضلالت'' کہہ کر اس حد تک دشمنی پر اتر آئے کہ آپ علیہ السلام کی جان کے دشمن ہو گئے اور اپنی طرف سے ان کو صلیب پر چڑھا کر فارغ ہو گئے۔ ادھر خالق کائنات نے اپنے وعدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔

عیسائی مذہب اور اناجیل اربعہ

اللہ تعالیٰ نے جن حالات میں بھٹکی ہوئی قوم کی اصلاح کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اس قوم یعنی یہود کے حالات، اعتقادات اور اعمال کے بارے میں بیان گزر چکا ہے۔ یہاں ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچے دل سے ماننے کا دعویٰ کرنے والی قوم یعنی نصاریٰ کے خود ساختہ عقائد، اعمال اور انجیل مقدسہ میں تحریفات کے بارے میں متلاشیان علم کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو انجیل مقدس نازل فرمائی کیا موجودہ چاروں اناجیل میں سے کوئی ایک ہے؟ یا کہ زمانہ گزر جانے کے بعد ان اناجیل کو تحریر کیا گیا؟ موجودہ چاروں انجیلوں کے متعلق صرف مسلمانوں کا ہی یہ عقیدہ نہیں بلکہ اس میں نصاریٰ بھی شامل ہیں کہ ان میں سے ایک انجیل بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام والی نہیں ہے۔ یہ امر مسلمہ میں ہے کہ چاروں انجیلوں کے بارے میں عیسائیوں کے پاس کوئی سند، روایت یا تاریخی ثبوت موجود نہیں جس سے ثابت کیا جا سکے کہ ان چاروں میں سے کوئی ایک بھی صحیح یا اصل انجیل ہے۔ میں یہاں نصاریٰ کی خود ساختہ اناجیل کی مختصر تاریخ، ان کتب کے وجود میں آنے کا سبب اور دیگر بہت سی اناجیل جو ہر ایک نے اپنی اپنی مرضی اور حالات کے مطابق تحریر کی تھیں ان سب کو متروک قرار دینے کا واقعہ تحریر کر رہا ہوں۔

نایسیا کی کونسل کا فیصلہ 325ء

شاہ روم قسطنطین اول (306ء تا 337ء) نے 330ء میں قسطنطنیہ (ترکی) کو دارالحکومت بنایا۔ اسی کے عہد میں اسی کی کوششوں سے نیقیا کانفرنس منعقد ہوئی۔

نصاریٰ کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ اس قوم کے بقول پہلی صدی عیسوی سے لے کر چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک عیسائیوں کے پاس اکیس (21) مختلف اناجیل تھیں۔ ان لوگوں کے نزدیک یہ تمام اناجیل یقیناً الہامی تھیں اور ان کتب میں تحریر عبارت کے مطابق یہ قوم بظاہر عملی زندگیاں بسر کر رہی تھی۔ 325ء میں نصاریٰ کے مذہبی گروپ نایسیا کی کونسل نے محسوس کر لیا کہ اس قدر زیادہ کتب ہونے کی صورت میں تو یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے کہ انجیل کا اصل نسخہ کون سا ہے اور پھر ہر شخص اپنی مرضی سے جس انجیل پر حالات و واقعات کی مناسبت سے عمل کرنا چاہتا ہے کر لیتا ہے۔ اسے کوئی روکنے والا ہی نہیں۔ ان حالات کے پیش نظر کونسل نے ایک اجلاس منعقد کیا اور اس اجلاس میں نہایت حیرت انگیز طریقے سے خود ساختہ اصول کے مطابق جس کا عقل سے دور کا بھی واسطہ نہیں، ان اکیس (21) اناجیل میں سے صرف چار اناجیل کو فال کے ذریعے منتخب کرنے کے بعد باقی تمام نسخوں کو متروک قرار دیتے ہوئے ان پر عمل کرنے والوں کے لئے سخت سزاؤں کا قانون بنا دیا۔ کس قدر حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ کونسل نے یہ انتخاب کسی تاریخی، علمی یا مذہبی بنیادوں پر نہیں کیا تھا بلکہ فال کو ہی حجت کا درجہ دے کر ان چار اناجیل کو اپنے مذہب کا لازمی حصہ بنا دیا۔ نایسیا کی کونسل نے گو اپنے اس فیصلہ پر بڑی سختی سے عمل کیا اور کرایا مگر پھر بھی دیگر اناجیل کے تمام نسخوں کو مٹانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ چنانچہ ان اکیس (21) سے زائد اناجیل میں سے بعض نسخے یورپ کے قدیم کتب خانوں میں موجود ہیں۔ مثلاً انیسویں صدی میں ویٹی کن کے مشہور کتب خانہ سے انہی متروک اناجیل کا ایک نسخہ برآمد ہوا جس میں موجودہ چار اناجیل کی عبارات سے بہت زیادہ مواد موجود ہے۔ موجودہ چار اناجیل میں سینٹ لوقا کی انجیل بڑی اہم خیال کی جاتی ہے کیونکہ اس انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ تفصیل سے درج ہے۔ مگر افسوس اس واقعہ کو قرآن مجید کی سورہ مریم کے مطابق درج نہیں کیا گیا بلکہ پیدائش کا واقعہ ہی توڑ مروڑ کر لکھ دیا ہے۔ یہ حال صرف لوقا کی انجیل کا ہی نہیں بلکہ دیگر تینوں اناجیل میں بھی اصل واقعہ نہیں ہے۔ جبکہ ویٹی کن کے کتب خانہ سے ملنے والی (متروک) انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ ٹھیک اسی طرح درج ہے جیسے سورہ مریم میں خالق کائنات نے ارشاد فرمایا ہے۔ مذکورہ تشریح اور واقعہ کو پڑھ کر ہم تمام عیسائی مذہب رکھنے والے حضرات سے یہ سوال پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کونسل نایسیا نے خود ساختہ فیصلے کے مطابق جن اناجیل کے نسخوں کو متروک قرار دیا تھا ان میں سے مذکورہ نسخہ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر مبارک اسی طرح کیا گیا ہے۔ جس طرح قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے تو بتائیں کہ 325ء میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود اس دنیا میں جلوہ گر ہو چکا تھا یا قرآن مجید خالق کائنات نے نازل فرما دیا تھا؟ جواب یقیناً یہی ہوگا ”نہیں“۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت تو 571ء میں ہوئی۔ پھر چالیس سال کے بعد قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا اور 23 سال کے عرصہ میں مکمل ہوا۔ تو پھر

309 سال پہلے لکھی گئی انجیل میں یہ واقعہ کس طرح لکھا گیا۔ جواب یہی ہوگا کہ اصل واقعہ ہی وہ ہے جسے قرآن مجید نے سورہ مریم اور مذکورہ انجیل کے نسخہ نے بیان کیا ہے۔ انصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ یہ لوگ باطل عقیدہ کو چھوڑ کر اب بھی راہ مستقیم پر آجائیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ان کو معاف فرمادے گا کیونکہ یہ اس کا وعدہ ہے کہ جب بھی کوئی گمراہ و بدعقیدہ اپنا باطل عقیدہ چھوڑ کر راہ مستقیم اختیار کرے گا تو میں اسکے گزشتہ سب گناہ معاف کردوں گا اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے ''آمین''

انجیل برناباس (برنابا)

عیسائیوں کے ہاں روما کا پوپ سکٹس بڑی شہرت کا حامل ہے۔ سولہویں صدی میں اسکے قدیم کتب خانے سے انجیل کا ایک متروک نسخہ برآمد ہوا جسے انجیل برناباس (برنابا) کہا جاتا ہے یعنی اس انجیل کو لکھنے والا برنابا نامی عیسائی تھا۔ سکٹس کے اس کتب خانے سے مذکورہ انجیل کا نسخہ پوپ کے مقرب خاص لاٹ پادری فرامرینو کے ہاتھ لگا۔ اس نے انجیل برناباس کو کتب خانے سے پوپ کی اجازت کے بغیر لے لیا۔ لاٹ پادری نے اس نسخہ کا مطالعہ کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی نے نزول فرماتے ہوئے آنکھوں کے آگے آیا ہوا تاریکی و بغض کا پردہ ہٹا دیا۔ انجیل برناباسؔ کے اس نسخہ میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات مقدسہ کے بارے میں کثرت سے وضاحت اور تشریح درج تھی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا اسم گرامی ''احمد'' بھی مذکور تھا۔ اس کے علاوہ انجیل برناباس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے خلاف عقیدہ کی تعلیم پائی جاتی تھی۔ گویا دوسرے الفاظ میں یوں کہیں کہ انجیل برناباس میں وہ تمام حقائق درج تھے جن کی وضاحت مذہب اسلام کرتا ہے۔ اس انجیل کے مطالعہ سے لاٹ پادری فرامرینو کے سامنے تمام حقائق روشن ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاٹ پادری فرامرینو مسلمان ہو گیا۔ نصاریٰ نے انجیل برناباس کو بھی دیگر اناجیل کی طرح متروک ٹھہرا کر اس کے تمام نسخے ختم کروا دیئے تھے مگر یہ اصل نسخہ دنیا پر حقیقت حال کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ نے انہی لوگوں کے ہاتھوں محفوظ رکھا۔ اس کے علاوہ چھٹی صدی عیسوی کے وسط کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ولادت باسعادت سے پہلے عیسائیوں کے پوپ گلیسیوس کی جانب سے کلیساؤں کے نام ایک فرمان جاری کیا گیا۔ جس میں ان تمام اناجیل کے نام درج تھے جن کو پڑھنا اور پڑھانا عیسائیوں کے لئے حرام قرار دیا گیا ہماری اس بات کا ثبوت خود تاریخ نصاریٰ میں موجود ہے۔ ان اناجیل کی فہرست میں جن کا مطالعہ حرام قرار دیا گیا انجیل برناباس کا نام بھی شامل تھا۔ انجیل برناباس کے بہت سے نسخے موجود ہیں۔ اس نسخہ کا مطالعہ صاحب تحقیق اور متلاشیان علم چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ مذکورہ بیان پڑھنے کے بعد ہر عقل مند اچھی طرح اندازہ لگا سکتا ہے کہ عیسائیوں نے اصل انجیل مقدس کی عبارات کے ساتھ کیا سلوک کیا کہ نتیجۃً دس بیس نہیں بلکہ بہت سی اناجیل

لکھی گئیں۔ جس مذہب کی بنیادی کتاب کا یہ حال ہو اس مذہب کی حقانیت کیا رہ گئی ہوگی۔ اب تو یورپ کے دانش ور اور محققین بھی اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ابتدائی تین صدیوں میں ایک سو (100) سے زائد اناجیل پائی جاتی تھیں مگر کچھ عرصہ بعد نایسیا کے کلیسا کے فیصلے کے مطابق تمام اناجیل میں سے فال کے ذریعے چار نسخے رکھنے کے بعد باقی تمام کو نہ صرف متروک قرار دیا گیا بلکہ حکم کے تحت ان کا پڑھنا پڑھانا بھی حرام قرار دیا گیا۔

کلیسا کے خود ساختہ حکم کے مطابق چار کے علاوہ دیگر تمام اناجیل کو متروک ٹھہرا دیا گیا ان میں سے ایک مشہور انجیل، ایگنس یا انجیل اغنطسی بھی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نسخہ بھی ناپید ہو گیا۔ مذہبی تاریخ نصاریٰ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اصل میں سینٹ پال پولوس رسل ہی وہ شخص تھا جس نے ایک خاص سوچی سمجھی سکیم کے تحت موجودہ عیسائیت کی بنیاد رکھی۔ اس کی طرف سے جاری ہونے والے خطوط اس بات کا ثبوت ہیں۔ ان خطوط کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ سینٹ پال نے جگہ جگہ لوگوں کو خبردار کرتے ہوئے ڈرایا ہے کہ وہ ان اناجیل کی طرف بالکل توجہ نہ دیں جو مسیح علیہ السلام کے نام کے علاوہ کسی دوسرے ناموں سے منسوب ہیں کیونکہ روح القدس نے مجھے ایسا کرنے اور کہنے کے لئے مامور کیا ہے۔ اسلئے میں تمام عیسائیوں کو اپنے اس فرمان پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ مختصراً ہم نے تمام اناجیل کے نسخوں کے ساتھ کلیسا کا سلوک اور پھر ان نسخوں میں سے فال کے ذریعے صرف چار کا انتخاب کرنے کے بعد اسی پر مذہب کے حکم کے مطابق بنیاد رکھنے کی مختصراً تاریخ رقم کر دی ہے تاکہ ہر ذی عقل حقیقت کو جان سکے۔

موجودہ اناجیل کا مختصر تعارف

اناجیل اربعہ کے وجود میں آنے اور ان سے متعلق تاریخ و واقعات مختصراً عرض کر چکا ہوں۔ یہاں حق کے متلاشی لوگوں کو اصل صورت حال سے آگاہ کرنے کے لئے موجودہ اناجیل کی مختصر تاریخ اور ان کی حقیقت تحریر کر رہا ہوں۔

(1) انجیل متی

اناجیل اربعہ میں متی کی انجیل کو سب سے پرانی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس انجیل کے متعلق نصاریٰ کے علماء متقدمین (پرانے یا زمانہ قدیم کے عالم) تو بالاتفاق اور موجودہ علماء نصاریٰ کی کثرت اس بات کی قائل ہے کہ یہ موجودہ انجیل متی اصل نہیں ہے بلکہ یہ محض ترجمہ ہے۔ کیونکہ اصل کتاب تو عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ عبرانی زبان ناپید ہو گئی اور یوں انجیل متی کا اصل نسخہ بھی موجود نہ رہا۔ اب اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ آیا یہ نسخہ بھی اصل ہے یا اس میں بھی تحریف ہو چکی ہے۔ ترجمہ کے اصل

ہونے کا کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں ہے۔ان تمام باتوں کے علاوہ سخت حیرت کی بات یہ ہے کہ انجیل متی کے مترجم کا نام تک معلوم نہیں اور نہ ہی اس بات کا کوئی علم ہے کہ یہ کتاب کس زمانے میں ترجمہ کی گئی۔
جرجیس زوبن الفتوحی لبنانی مشہور عیسائی عالم اور مورخ ہے اس نے اپنی تصنیف میں جو کہ بارہا لبنان سے شائع ہو چکی ہے نہایت واضح الفاظ کے ساتھ یہ تصریح کی ہے کہ متی نے اپنی یہ انجیل 35ء میں بیت المقدس میں بیٹھ کر عبرانی زبان میں لکھی تھی۔اسی طرح ایریونیموس کہتا ہے کہ اوسپیوس نے اپنی تحریر شدہ تاریخ میں لکھا ہے کہ متی کی انجیل کا یونانی زبان میں ہونے والا ترجمہ اصل نہیں ہے کیونکہ جب بانیتوس نے ارادہ کیا کہ وہ ہندوستان جا کر مذہب عیسائیت کی تبلیغ کرے تو اس نے متی کی اس انجیل کو عبرانی زبان میں تحریر شدہ اسکندریہ کے کتب خانہ قیصر میں محفوظ دیکھا تھا۔پھر کچھ عرصہ بعد وہ نسخہ ہی غائب ہو گیا۔ہمیں علم ہی نہیں کہ متی کی اس انجیل کا بعد میں کس نے یونانی زبان میں ترجمہ کیا۔مختصراً مذکورہ تحریر کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ متی کی انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر تشریف لے جانے کے 35 سال بعد عبرانی زبان میں تحریر کی گئی۔پھر اس کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہوئے جو بقول علماء نصاریٰ تحریف شدہ ہیں۔قرآن مجید کا یہ اعجاز اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا معجزہ مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سچی کتاب آپ علیہ السلام پر جیسے جیسے نازل ہوتی رہی احاطہ تحریر میں محفوظ ہوتی چلی گئی۔یوں مکمل نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ظاہری حیات مقدسہ میں مکمل تحریر ہو چکی تھی۔اس لئے قرآن مجید میں کسی تحریف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔پھر خالق کائنات نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔قرآن مجید کے علاوہ دیگر نازل ہونے والی کسی کتاب یا صحیفہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حفاظت کے الفاظ ارشاد نہیں فرمائے۔

(2) انجیل مرقس

نصاریٰ کے نزدیک انجیل متی کے بعد دوسرا درجہ انجیل مرقس کا ہے۔نائیسیا کے کلیسا نے جن چار اناجیل کو فال کے ذریعے قوم کے لئے منتخب کیا تھا انجیل مرقس ان میں سے ایک ہے۔اس انجیل کے متعلق مشہور عیسائی عالم پطرس گوا ماگ اپنی کتاب ''مروج الاخبار فی تراجم الابرار'' میں اس انجیل کو لکھنے والے مصنف مرقس کی سوانح عمری لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ ''مرقس اصل میں یہودی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری پطرس کی شاگردی اختیار کر لی پھر جب سلطنت روم نے عیسائیت اختیار کر لی تو رومیوں کے کہنے پر مرقس نے انجیل تحریر کی۔مرقس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا منکر تھا۔اسکی لکھی ہوئی اس انجیل میں ایک فقرہ بھی ایسا نہیں کہ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پطرس کا مدح کرنے والا ثابت کیا گیا ہو۔بت پرستوں نے مرقس کو گرفتار کرنے کے بعد زندان میں ڈال دیا اور یوں 68ء میں یہ اسکندریہ کے اس زندان میں ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔خود نصاریٰ کے ہاں اس بات پر شدید اختلاف

موجود ہے کہ انجیل مرقس کب لکھی گئی۔ علماء نصاریٰ کا خیال ہے کہ یہ انجیل پطرس گواماگ کی زیر نگرانی 61ء میں مرقس نے تصنیف کی تھی۔

(3) انجیل لوقا

انجیل متی اور انجیل مرقس کے بارے میں ہم تحریر کر چکے ہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک تیسرا درجہ انجیل لوقا کا ہے۔ علماء نصاریٰ میں متی کی انجیل کے بارے میں تو اختلاف ہے ہی مگر لوقا کی انجیل کے بارے میں تو یہ اختلافات شدید نوعیت کے ہیں۔ یہ اختلافات اس انجیل کی صحت وعدم صحت کے متعلق ہیں۔ ایک گروہ اس کو الہامی کتاب ہی نہیں مانتا جبکہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ یہ کتاب یقیناً الہامی ہے۔ بہر حال انجیل لوقا کی عدم صحت کا عقیدہ رکھنے والے عیسائیوں اور ان کے علماء کی اکثریت ہے۔ ایک مشہور عیسائی مورخ مسٹر گڈل نے اپنے رسالہ الہام میں دعویٰ کیا ہے کہ لوقا کی انجیل الہامی نہیں ہے۔ وہ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں لوقا کی انجیل کی ابتدائی عبارت پیش کرتا ہے جس میں خود لوقا نے لکھا ہے کہ ''میں نے یہ انجیل ثاوفیلس کے ساتھ خط وکتابت کی بنا پر تحریر کی۔'' پھر اپنی خط وکتابت کی تحریر کو یوں پیش کرتا ہے کہ ''اے ثاوفیلس، مسیح کی باتیں جن لوگوں نے آنکھوں سے دیکھیں اور انہیں ہم تک پہنچایا پھر ان کو بہت سے لوگوں نے نقل کیا اور نقل کر رہے ہیں۔ اس لئے میں نے ضروری خیال کیا کہ ان باتوں کو خود ترتیب سے صحیح طریقہ پر جمع کر کے لکھ دوں تاکہ تمہیں صحیح حقیقت حال معلوم ہو سکے۔'' لوقا کی اس عبارت سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ نہیں پایا پھر یہ انجیل مرقس کی انجیل کے بعد اس وقت لکھی گئی جب پطرس اور پولوس دونوں مر چکے تھے۔ یوں حقیقت حال کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ انجیل الہامی نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد محض لوقا اور ثاوفیلس کی خط وکتابت پر ہے۔

لوقا کون تھا؟

یہاں ہم لوقا کے مختصر حالات زندگی قلم بند کر رہے ہیں تاکہ آپ حضرات اس شخص کی زندگی کے بارے میں حقائق معلوم کرنے کے بعد فیصلہ کر سکیں کہ اس کی لکھی ہوئی انجیل الہامی تھی یا نہیں۔ لوقا انطاکیہ کے مقام پر طبابت کا کام کیا کرتا تھا۔ اس شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ تو دیکھا اور نہ ہی ان کا زمانہ پایا۔ لوقا نے مسیحیت کی تمام تعلیم سینٹ پال پولوس سے حاصل کی۔ پولوس کے بارے میں یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ وہ یہودی النسل تھا اور عیسائیت کا بدترین دشمن، وہ شب وروز عیسائیوں کے خلاف اعلانیہ تبلیغ وجدوجہد کرتا رہتا تھا۔ اس شخص نے جب دیکھا کہ میری شب وروز سخت مخالفت کے باوجود مسیحیت ترقی کرتی جا رہی ہے تو اسنے یہودیوں کے مکروفریب سے بھرپور سیاست کا سہارا لیا اور ایک روز چلتے چلتے

سرِ عام زمین پر گر کر ایسی حرکات شروع کر دیں جیسے کوئی کشتی میں پچھاڑ کھا جاتا ہے۔ پھر کچھ دیر اسی حالت میں رہنے کے بعد کھڑا ہوا اور با آواز بلند کہنے لگا "حضرت مسیح نے مجھے پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور سخت زجر و توبیخ کی اور فرمایا خبردار آئندہ تم میرے پیروکاروں کی مخالفت کے لئے کسی قسم کا بھی قدم مت اٹھانا۔ پس میں حضرت مسیح کے اس معجزہ کے بعد ان پر ایمان لے آیا ہوں۔ یوں حضرت مسیح نے مجھے مسیحی دنیا کی خدمت پر مامور فرما دیا ہے۔ اب یہ میرا فرض منصبی ہے کہ میں لوگوں کو انجیل کی بشارت دوں اور اس کے احکامات پر چلنے کی تبلیغ کروں۔" لوگوں نے سینٹ پال پولوس کے اس مکروفریب کو سچ مان کر اس کی باتوں پر عمل شروع کر دیا۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے کلیسا پر قبضہ کرنے کے بعد دینِ عیسوی کی اصل حقانیت کو ہی مٹا کر اس مذہب میں برائیوں اور بدعتوں کو یوں شامل کر دیا کہ پھر عیسائیت کا مذہب اپنی اصل اور سچی شکل سے ہی محروم ہو گیا۔ اس شخص نے عیسائی مذہب میں عقیدہ الوہیت مسیح، تثلیث وابنیت (بیٹا ہونے کا عقیدہ) کو اس طرح شامل کر دیا کہ یہ خود ساختہ کذب پر مبنی خیال عیسائی مذہب کا لازمی حصہ بن کر رہ گیا۔ اس ظالم شخص نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ شراب، مردار اور خنزیر تک کو حلال قرار دے دیا۔ موجودہ مسیحیت وہی چلی آ رہی ہے جسے سینٹ پال پولوس نے ایجاد کیا۔ ان تمام مذکورہ حقائق کی روشنی میں کون کہہ سکتا ہے کہ ایسے شخص کے شاگرد کی لکھی ہوئی انجیل الہامی ہوگی۔

نصاریٰ کے بعض قدیم علماء جن میں سے جیروم سرفہرست ہے کہتے ہیں کہ انجیل لوقا کے ابتدائی دو باب کسی اعتبار سے بھی الہامی نہیں بلکہ الحاقی ہیں کیونکہ یہ باب اس انجیل لوقا میں شامل ہی نہیں جو مارسیوں فرقے کے پاس ہے۔ یاد رہے یہ مارسیوں فرقہ انجیل لوقا کا زبردست حامی فرقہ ہے۔ اسی طرح مشہور عیسائی عالم و مورخ اکہارن اپنی تصنیف میں لکھتا ہے کہ لوقا کی انجیل کے باب 22 کی آیات 43 تا 47 مکمل الحاقی ہیں کیونکہ اس باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ تمام کذب بیانی اور شاعرانہ مبالغہ آرائی ہے۔ پھر متی اور مرقس کی انجیلیں بھی بہت سی جگہوں پر ایک دوسرے کے مخالف بیانات پر مشتمل ہیں۔ اس طرح ان دونوں انجیلوں میں بیس سے زیادہ مقامات پر ایک دوسرے سے متضاد واقعات درج ہیں۔ اس کے علاوہ مرقس اور لوقا کی انجیلوں میں تو اس سے بھی زیادہ مقامات پر عیاں تضادات موجود ہیں۔ ان تمام حقائق کی روشنی میں یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ لوقا کی انجیل ہرگز ہرگز الہامی نہیں بلکہ الحاقی ہے۔ جس مذہب کی ایک ہی نام کی چار اناجیل ایک دوسرے سے نہیں ملتیں بلکہ بہت سے مقامات پر کھلے تضادات پیش کرتی ہیں وہ مذہب کیا ہوگا اور اس کے ماننے والے کس بنا پر اسی مذہب کے ساتھ وابستہ چلے آ رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو راہ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(4) انجیل یوحنا

اناجیل اربعہ میں یوحنا کی انجیل شامل ہے۔ عام عیسائیوں کا خیال ہے کہ یہ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقرب خاص اور محبوب شاگرد یوحنا زبدی کی تحریر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں

میں سب سے زیادہ مقام مرتبہ یوحنا کو ہی حاصل ہے۔ اس انجیل کو تحریر کرانے میں عیسائی پادریوں، لاٹ پادریوں اوران کی مختلف مجلس مشاورت کا ہاتھ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس زمانہ میں شیرنیطوس اوراس کی حامی جماعت اپنے عقیدہ کی تشہیر میں شب وروز مصروف تھے اور ہر جگہ کھلم کھلا بیان کرتے تھے کہ الوہیت مسیح کا عقیدہ غلط بے بنیاد اور باطل ہے، وہ تو بشر تھے اور حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت مریم سے پہلے وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) عالم وجود میں نہیں تھے۔ پادریوں، لاٹ پادریوں اور دیگر علماء نصاریٰ نے جب دیکھا کہ شیرنیطوس اوراس کی جماعت کا عقیدہ لوگوں میں عام ہوتا جارہا ہے، اس طرح تو ہماری دکان داری ہی ختم ہو جائے گی تو ان لوگوں نے 94ء میں یوحنا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ باتیں احاطہ تحریر میں لائیں جو دیگر اناجیل میں مذکور نہیں، خاص طور پر مسئلہ الوہیت مسیح پر روشنی ڈالیں تاکہ ہم شیرنیطوس اوراس کی جماعت کے عقیدہ کا رد کرسکیں۔ یوحنا نے ان لوگوں کی درخواست قبول کرتے ہوئے انجیل یوحنا لکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس مذکورہ خودساختہ وجہ تحریر کے باوجود عیسائی علماء کی اکثریت انجیل یوحنا کے زمانہ تحریر اور مورخ کے نام میں اختلاف رکھتی ہے۔

بعض علماء نصاریٰ کے نزدیک انجیل یوحنا 65ء میں لکھی گئی جبکہ کچھ کا بیان ہے کہ اس انجیل کو 94ء میں تالیف کیا گیا اور کچھ کہتے ہیں کہ انجیل یوحنا 98ء میں تحریر ہوئی۔ اس کے علاوہ مسیحی علماء میں بہت سے اس بات کے قائل ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ انجیل یوحنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری یوحنا کی تصنیف ہی نہیں ہے۔ پروفیسر لین کیتھولک ہیرالڈ جلد سات (7) میں لکھتا ہے کہ انجیل یوحنا شروع سے لے کر آخر تک سکندریہ کے مدرسے میں پڑھنے والے ایک طالب علم کی تصنیف ہے۔ پروفیسر لین کیتھولک کی یہ تصنیف 1844ء میں شائع ہوئی تھی۔ اسی طرح برٹش نیدر لکھتا ہے کہ انجیل یوحنا اور دیگر رسائل یوحنا ان میں سے کوئی بھی حضرت مسیح کے شاگرد یوحنا کی تصنیف نہیں ہے بلکہ انجیل اور یہ رسائل دوسری صدی کی ابتداء میں کسی شخص نے تحریر کئے اور عالمی اور خاص طور پر عیسائیت کے حلقہ میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے ان کو یوحنا کی طرف منسوب کر دیا تاکہ لوگ اس کی انتہائی قدر ومنزلت کریں۔ مذکورہ حوالہ جات سے جو خود اسی مذہب سے تعلق رکھنے والے ان کے علماء نے تحریر کئے ہیں بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انجیل یوحنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری یوحنا کی تصنیف نہیں بلکہ کسی دوسرے آدمی نے یہ انجیل بعد میں لکھ کر یوحنا کی طرف منسوب کر دی تھی۔

مختصراً چاروں اناجیل کے لکھے جانے کی تاریخ وزمانہ اور ہر ایک میں واقعات کا مختلف ہونا، کسی میں ایک ہی واقعہ چند الفاظ میں بیان کرنا جبکہ دوسری میں تفصیل کے ساتھ مذکورہ ہونا۔ بعض معجزات وعجیب واقعات ایسے بھی ہیں جو ایک انجیل میں پائے جاتے ہیں جبکہ دوسری کسی انجیل میں ان کا ذکر ہی نہیں۔ پھر سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اناجیل اربعہ جن زبانوں میں تحریر شدہ ہیں انکی عبارت وکلمات کی

بقاء وتحفظ کا کبھی خیال ہی نہیں کیا گیا۔ یہاں تک کہ مختلف طباعتوں (نسخہ جات) اوراشاعتوں میں کثرت کے ساتھ الفاظ اور جملوں کی تبدیلی وکمی بیشی موجود ہے۔ موجودہ چاروں اناجیل کسی اعتبار سے بھی الہامی نہیں ہیں کیونکہ ان کے مصنّفین کے متعلق قطعی یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کون تھے، کس زمانے میں ہوئے اورانہوں نے یہ کتب کس طرح تحریر کیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انجیل مسیح خود نصاریٰ کے ہاتھوں ہی باہمی تضاد کا شکار ہوئی۔ پھران لوگوں نے اول تحریف لفظی ومعنوی کی اور یوں یہ اصل انجیل ہی مفقود ہوگئی۔ اس طرح یہ بات دعویٰ سے کہی جاسکتی ہے کہ ان چاروں انجیلوں میں سے ایک بھی الہامی نہیں ہے۔ البتہ ان اناجیل میں ایک حصہ ایسا ضرور ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات مقدسہ سے ماخوذ ہے۔ اسی لئے کہیں کہیں ان عبارتوں میں اصل کی جھلک نظر آجاتی ہے۔ اس کے علاوہ موجودہ اناجیل اربعہ کی کوئی تاریخی یا مذہبی سند نہ تو موجود ہے اور نہ ہی ثابت ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے بعض نے تصنیف کی ہیں۔ اناجیل اربعہ کے متعلق جس قدر تاریخی، مذہبی اور دوسرے حقائق میسر تھے ان کو مختصراً تحریر کردیا ہے تاکہ ہرایک پر اس مذہب کی اصل حقیقت آشکار ہوجائے۔

اناجیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے نام

ہم اناجیل اربعہ کی مختصر تاریخ گزشتہ صفحات پر تحریر کرچکے ہیں یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام حواریوں کے صرف نام تحریر کررہے ہیں تاکہ یہ پہلو بھی پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔ قرآن مجید (سورۃ الصّف آیت 14 سورۃ آل عمران آیت 52، سورۃ المائدہ آیت 112) نے ان حواریوں کے نام اور تعداد پر توروشنی نہیں ڈالی البتہ ''حواریون'' فرما کران کا مجمل تذکرہ کیا ہے۔ مفسرین ومحققین فرماتے ہیں کہ حواری اصل میں ''حور'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی کپڑے کی سپیدی کے ہیں۔ اہل عرب جب کپڑے کو دھوتے اور وہ سپید ہوجاتا تو اسے ''حارالثوب'' کہتے ہیں۔ یعنی دھل کر سپید ہونے والا کپڑا۔ یہی وجہ ہے کہ عربی میں دھوبی کو ''حواری'' کہتے ہیں۔ حواریون اس لفظ ''حواری'' کی جمع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں کو حواریون کہتے تھے کیونکہ وہ آپ علیہ السلام کی تعلیمات کو عام لوگوں تک پہنچا کران کو شرک وکفر کی میل سے صاف کردیتے تھے۔ یا دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ شاگردوں میں سے اکثر کا پیشہ دھوبی یا مچھلی پکڑنے والے مچھیروں کا تھا۔ ان وجوہات کے علاوہ حواری کے معنی مددگار اور ناصح کے بھی ہیں۔ اس لئے ممکن ہے شاگردوں کو اس نسبت سے حواریون کہا جاتا ہو۔ مشہور زمانہ مفسر عبدالوہاب نجار کہتے ہیں کہ نصاریٰ (عیسائی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں کو حواریون اس لئے کہتے تھے کہ ''حبور'' عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی شاگرد کے ہیں۔ پھر حبور کی جمع ''حبوریم'' ہے جو کہ عربی زبان میں

حواری یا حوارییں کہلاتی ہے۔ بہر حال حقیقت حال یہ ہے کہ مذکورہ تفصیلات میں حواریون کہلانے کی ایک وجہ ضرور ہے مگر کونسی واللہ اعلم۔ ہم نے تینوں وجوہات تحریر کردی ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے قرآن مجید نے صرف حواریون کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں تعداد اور نام نہیں بتائے۔ البتہ اناجیل اربعہ میں ان حواریوں کی تعداد اور نام موجود ہیں۔ انہی اناجیل کی تحریر کے مطابق وہ نام درج کئے گئے ہیں۔ سب نے تعداد اور نام بارہ تحریر کئے ہیں جبکہ انجیل برناباس (برنابا) جس کو نصاریٰ نے متروک قرار دیا ہے اس میں بھی ناموں کی تعداد بارہ (12) ہے۔ اس طرح چند ناموں میں اختلاف ضرور ہے جبکہ اکثر ناموں پر اتفاق ہے۔ ان حواریوں کے نام اور تعداد درج ذیل ہیں۔

انجیل متی میں درج نام اور تعداد

انجیل متی میں حواریوں کی تعداد 12 اور ان کے نام یوں ہیں۔

نمبر شمار	نام
(1)	پطرس (سمعان)
(2)	اندرادس۔ (پطرس کا بھائی)
(3)	یعقوب بن زبدی
(4)	یوحنا (یعقوب کا بھائی)
(5)	فلپس
(6)	برثولماوس
(7)	توما
(8)	متی العشار
(9)	یعقوب بن حلفی
(10)	لبادس
(11)	سمعان القانوی
(12)	یہودا اسخر یوطی

انجیل برناباس (برنابا) میں درج نام اور تعداد

نمبر شمار	نام
(1)	پطرس العیاد (سمعان)

(2) اندراوس۔

(3) برناباس (برنابا)

(4) یعقوب بن زبدی

(5) فیلپس

(6) برثلماوس

(7) تداوس

(8) یعقوب بن حلفی

(9) یہودا

(10) متی العشار

(11) یہودا اسخر یوطی

(12) یوحنا بن زبدی

انجیل متی اور انجیل برناباس (برنابا) میں صرف دو ناموں کے بارے میں اختلاف ہے جبکہ باقی دس نام ایک دوسرے کے مطابق ہیں، انجیل متی میں توما اور سمعان قانوی ہیں جبکہ انجیل برناباس (برنابا) میں ان ناموں کی جگہ خود برنابا اور تداوس کے نام درج ہیں، صحیح صورت حال کیا ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ہم نے اناجیل سے ملنے والے نام تحریر کر دیئے ہیں۔

موجودہ مسیحیت کی مختصر تاریخ وحال

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برحق نبی ہیں۔آپ علیہ السلام نے قوم کو محبت وشفقت، رحمت وعفو اور اخلاقی برتری کی تعلیمات کا درس دیا۔مگر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ موجودہ عیسائیت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مقدس تعلیمات کے نام پر توحید کی جگہ تثلیث، معرفت حق کے لئے ابنیت (بیٹا ہونا) کا عقیدہ، نجات کے لئے علم وعمل کی جگہ کفارہ پر ایمان جیسی بدعات کی تبلیغ اور اشاعت شروع کر دی۔ یوں کروڑوں انسانوں کو گمراہی کی دلدل میں غرق کر دیا اور کر رہے ہیں۔اس عقیدہ پر غور کریں تو شاید انسانی انقلاب کی ذہنی تاریخ میں اس سے زیادہ حیرت اور تعجب انگیز کوئی دوسری مثال نہیں ملے گی۔ یہاں ہم موجودہ تثلیث کے موجودہ عقیدہ کی مختصر تاریخ تحریر کر رہے ہیں۔

مسئلہ تثلیث کا آغاز

مذہب عیسائیت ''پولوس کے عہد'' سے پہلے مسئلہ تثلیث سے قطعاً ناآشنا تھا۔ بستانی نے دائرۃ

(1) (2) (3) (4)

المعارف میں مسئلہ تثلیث کے بارے میں سیر حاصل بحث و تفصیلات تحریر کی ہیں۔ عقیدہ تثلیث کا بانی سینٹ پال (پولوس رسل) ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس کی بدولت دین مسیحیت نے نیا جنم لیا اور یوں یہودی اپنی چال میں کامیاب ہوئے اور اس قوم نے عیسائیوں کو غلط راستے پر ڈال کر سکھ کا سانس لیا۔ مسئلہ تثلیث اصل میں وثنی (بت پرستانہ) فلسفہ کی پیداوار اور عقیدہ اوتار کا ثمر ہے۔ اس عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ انسانی شکل میں کائنات ارضی پر وجود پذیر ہو سکتا ہے۔ اصل میں یہ عقیدہ یونانی فلسفے کا مرکب ہے جسے یونانی فلاسفر ہیلالیسین اور غنوسطی نی سن نے پیش کیا۔ اس طرح مسیحیت کے غلبہ پانے کے بعد وثنیت (بت پرستی) کی مغلوبیت کے بعد یہ عقیدہ وجود میں آیا۔ یوں ثالوث کا عقیدہ مسیحیت اور وثنیت کی ملاوٹ کا نتیجہ ہے۔ عقیدہ تثلیث ابھی اپنی ابتدائی شکل میں ہی تھا کہ علماء نصاریٰ میں اس عقیدے کو قبول کرنے اور رد کرنے کے سلسلے میں سخت معرکہ آرائیاں شروع ہو گئیں۔

نیقادی اور قسطنطنیہ کی کونسلوں کا فیصلہ

عقیدہ تثلیث کے بارے میں عیسائیت کی خاص اور عام دونوں مجلسوں میں بحث نے جب شدت اختیار کی تو نیقادی کونسل نے فیصلہ صادر کر دیا کہ مسئلہ تثلیث حق ہے اور اسکے خلاف عقیدہ ''الحاد'' ہے۔ اس طرح نیقاد کے فیصلے کے بعد جو فرقے اور جماعتیں ملحد قرار پائیں ان میں چار کی نہایت مختصر تاریخ اور عقیدہ درج کر رہا ہوں۔ یہ فرقے اور جماعتیں یہ تھیں۔

(1) فرقہ ابیونیین

(2) فرقہ سابلیین

(3) فرقہ آریوسیین

(4) فرقہ مقلونیئین وغیرہ

(1) پہلے فرقے کا دعویٰ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسان محض تھے۔

(2) دوسرے فرقے کا دعویٰ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ واحد ذات ہے اور اب، ابن اور روح القدس تینوں مختلف صورتیں ہیں جن کا واحد ذات پر الگ الگ حیثیتوں سے اطلاق ہوتا ہے۔

(3) تیسرے فرقے کا دعویٰ تھا کہ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ''ابن اللہ'' (اللہ کے بیٹے) ہیں مگر ''اب'' کی طرح ازلی نہیں بلکہ کائنات بلند و پست سے قبل ''اب'' کی تخلیق سے مخلوق ہوا ہے۔ اس لئے وہ اب سے نیچے اور اسکی قدرت کے سامنے مغلوب ہے۔

(4) چوتھے فرقے کا دعویٰ ہے کہ ''اب'' اور ''ابن'' دو ہی اقنوم ہیں۔ ''روح القدس'' (جبریل علیہ

السلام) اقنوم نہیں بلکہ مخلوق ہے۔

نیقادی اور قسطنطنیہ کی کونسلوں نے مذکورہ چاروں عقائد اور اس قسم کی سوچ رکھنے والے دوسرے تمام فرقوں کو ملحد قرار دیا۔ نیقادی کونسل منعقدہ 325ء اور قسطنطنیہ کی کونسل منعقدہ 381ء کے فیصلے کے مطابق ثالوث یعنی تثلیث کو مسیحی عقیدہ کی بنیاد قرار دیا اور اعلان کیا کہ ''اب''۔''ابن'' اور ''روح القدس'' تینوں جدا جدا مستقل اقنوم (یعنی اصل) ہیں اور عالم لاہوت میں تینوں کی وحدت ہی خدا ہے۔ ان دونوں کونسلوں کے اس فیصلہ نے ریاضی، علم ہندسہ اور عقل کے اٹل اور ناقابل انکار بدیہی مسئلہ کی شکل ہی تبدیل کر دی اور عقل میں نہ آنے والے خود ساختہ عقیدہ کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح ان لوگوں نے ''ایک تین'' اور ''تین ایک'' کا عقل میں نہ آنے والا عقیدہ بنالیا۔ ان کونسلوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ ''ابن'' ازل ہی میں ''اب'' سے پیدا ہوا اور ''روح القدس'' (جبریل علیہ السلام) کا صدور بھی ازل ہی میں ''اب'' سے ہوا۔

لاطینی اور یونانی کلیسا کا اختلاف

589ء میں طلیطلہ کی کونسل نے ''اب اور ابن'' کی ترمیم کو فوری تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ ''روح القدس'' (حضرت جبریل علیہ السلام) کا صدور ''اب'' سے ہی نہیں بلکہ ''اب'' اور ''ابن'' دونوں سے ہوا ہے۔ اس ترمیم کو لاطینی کلیسا نے کسی چون و چرا کے بغیر تسلیم کرتے ہوئے اپنے کلیسا کا عقیدہ بنالیا۔ جبکہ دوسری طرف یونانی کلیسا کچھ عرصہ تو خاموش رہا مگر بعد میں اس ترمیم کو بدعت قرار دیتے ہوئے ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر اس باہمی اختلاف نے اس قدر شدت اختیار کی کہ یونانی اور کیتھولک لاطینی کلیساؤں میں پھر آج تک اتحاد و اتفاق نہ ہوسکا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسئلہ تثلیث عیسائی مذہب کا وہ عقیدہ بن گیا ہے کہ اب یہ ان لوگوں کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہا ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ جو ایک دوسرے کے ازلی مخالف ہیں یہ دونوں فرقے بھی اس ایک خاص مسئلہ میں ہم عقیدہ ہیں۔

تیرھویں صدی عیسویں میں عیسائی مذہب رکھنے والے فرقے لاہوتی کی اکثریت اور جدید دور کے چند فرقوں نے اس عقیدہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ان فرقوں کے نام یہ ہیں۔

(1) سوسینیائی

(2) جرمانی

(3) موحدین

(4) عمومیین وغیرہ

مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ میرا یہ موضوع طویل ہو گیا ہے مگر اس مذہب کے اس خود ساختہ عقیدہ کو مختصراً بیان کرنا وقت کی اشد ضرورت اور اہم تقاضہ تھا اس لئے میں نے یہ کوشش کی ہے۔

تفصیلات کے لئے اس عنوان سے لکھی جانے والی لاتعداد کتب سے مراجعت کی جاسکتی ہے۔

موجودہ مسیحیت میں عقیدہ تثلیث کی مختصر تاریخ کو پڑھ کر یہ حقیقت بخوبی آشکار ہو جاتی ہے کہ دین مسیحی کی حقیقی صداقت کی تباہی کا راز اسی الحاد اور مشرکانہ بدعت میں پوشیدہ ہے جس کے مطابق ''اب''''ابن'' اور ''روح القدس'' (حضرت جبریل علیہ السلام) کی تعبیرات کی حقیقت کیا ہے۔ یہ مسئلہ مذہب نصاریٰ کے ان مباحث میں سے ایک ہے جس کا فیصلہ کن جواب کبھی بھی نہیں مل سکا۔ بلکہ اس کا جواب دینے کی جتنی کوشش کی گئی یہ مسئلہ اتنا ہی الجھتا گیا اور اس میں مزید پیچیدگیاں پیدا ہوتی رہیں۔ یوں مذہب نصاریٰ میں جس عقیدہ کو ان کے بقول بنیادی حیثیت حاصل تھی وہ ایک معمہ بن کر رہ گیا ہے۔ آخر میں علماء نصاریٰ کو لاجواب ہو کر یہ کہنا پڑا کہ تثلیث میں توحید ہے اور توحید میں تثلیث ہے۔ یوں ان کا یہ مسئلہ دنیا میں تو کوئی حل نہیں کر سکتا۔ البتہ دوسرے جہاں میں جا کر یہ مسئلہ ضرور حل ہوگا۔ پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

حضرت لقمان علیہ السلام

حضرت لقمان اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ایک تھے اہل عرب کے ہاں آپ بڑی قدرو منزلت اور شہرت کے مالک تھے۔ گو حضرت لقمان کے اقوال زریں زبان زد عام تھے اور حکمت و دانائی میں اپنا جواب آپ تھے اس کے باوجود کہ نہایت مشہور شخصیت تھے اور پھر قرآن مجید میں آپ کے نام سے ایک سورۃ موجود ہے جسے سورہ لقمان کہا جاتا ہے۔ آپ کے حالات اور خاندان ونسب کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ ہم یہاں وہ تحریر کر رہے ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ حضرت لقمان اپنے وقت کے نہایت مدبر، عاقل، صاحب الرائے، حکمت و دانائی کے پیکر اور علمی دنیا میں مثالی حیثیت کے مالک تھے۔ خود قرآن مجید سورۃ لقمان آیت 12 میں خالق کائنات حضرت لقمان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ''اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی۔''

حضرت لقمان کون تھے

حضرت لقمان کے بارے میں ایک قول یہ ہے جسے حضرت امام ابن جریر و حضرت امام ابن کثیر و حضرت سہیلی رحمۃ اللہ علیہم نے بیان کیا ہے کہ مشہور لقمان یا حکیم لقمان افریقی النسل تھے اور عرب میں ایک غلام کی حیثیت سے آئے۔ ان کا شجرہ نسب یوں ہے۔

''لقمان بن عنقا یا شار بن سندون۔''

حضرت لقمان سوڈان کے قبیلے نوبی سے تعلق رکھتے تھے پستہ قد بھاری بدن سیاہ رنگ، موٹے

ہونٹ اور بھدے ہاتھ پیر والے تھے۔آپ نہایت عابد و زاہد اور صاحب حکمت و دانا تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔انکی حکمت و دانائی اہل عرب کے ہاں ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے۔

(از روض الانف۔جلد۔1۔تفسیر ابن کثیر جلد۔3)

مذکورہ حضرات اپنا قول بیان کرنے کے بعد اسکی تائید میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے ارشادات یوں نقل فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد

ترجمہ:۔''سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان حبشی غلام تھے اور نجاری کا پیشہ کرتے تھے۔''

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد

ترجمہ:۔''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان پستہ قد موٹے ہونٹ والے نوبہ قبیلے سے تعلق رکھتے تھے''۔(از روض الانف۔جلد۔1۔ابن کثیر۔جلد۔2)

حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

ترجمہ:۔ ''حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان مصری سوڈانی تھے۔ انکے ہونٹ بہت موٹے تھے اللہ تعالیٰ نے انکو اگرچہ نبوت نہیں دی مگر حکمت و دانائی وافر عطا فرمائی تھی۔

''حضرت عبدالرحمان بن حرملہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک حبشی حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کوئی سوال پوچھا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ''تو اس بات سے غمگین نہ ہو کہ تو کالا ہے وہ اس لئے کہ سوڈانیوں میں تین آدمی ایسے ہوئے ہیں جو دنیا کے بہترین انسان تھے یعنی سیدنا حضرت بلال، حضرت عمر کا غلام اور حضرت لقمان حکیم رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین۔یہ سب سوڈانی نوبی تھے اور انکے لب بہت بھدے اور موٹے تھے۔''

(تفسیر ابن کثیر جلد۔2،3)

حضرت لقمان کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ عاد ثانیہ قوم ہود علیہ السلام میں سے ایک نیک بادشاہ تھے۔اس طرح تاریخ قدیم میں ایک ''لقمان'' بادشاہ اور دوسرا ''لقمان'' حکیم تھا۔مشہور زمانہ مورخ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لقمان حکیم عرب کے مشہور قبیلہ عاد یعنی عرب بائدہ کی نسل سے تھے اور وہ غلام نہیں بلکہ بادشاہ تھے۔پھر وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد نقل کیا ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

ترجمہ:۔ ''حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جب شداد بن عاد کا انتقال ہو گیا تو حکومت اس کے بھائی لقمان بن عاد کو ملی اور اللہ تعالیٰ نے لقمان کو وہ چیز عطا فرمائی تھی جو اس زمانہ کے انسانوں میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کو سو انسانوں کے برابر عقل فہم و حافظہ عطا فرمایا اور وہ اپنے زمانے کے لوگوں میں سب سے زیادہ طویل قامت تھے۔''

حضرت وہب بن منبہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت لقمان کا شجرہ نسب یوں ارشاد فرمایا۔

''لقمان بن عاد بن ملطط بن سلک بن وائل بن حمیر اور وہ نبی تھے مگر رسول نہیں تھے۔''

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت لقمان کے سوڈانی نوبی حبشی ہونے کے بارے میں جو قول حضرت امام ابن جریر و حضرت امام ابن کثیر و حضرت امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہم نے پیش کیا ہے وہ اپنے قول میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث پیش کرتے ہیں جبکہ دوسرا قول پیش کرنے والے مورخ حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے قول کی تائید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہی پیش کرتے ہیں۔ ان دونوں اقوال کے بعد ہم قرآن عزیز میں حضرت لقمان کے تذکرہ کا ذکر بھی کر رہے ہیں تاکہ خالق کائنات کے ارشاد گرامی کی روشنی میں حتمی فیصلہ ہو سکے کہ حضرت لقمان پیغمبر تھے، نبی یا صرف برگزیدہ حکیم و دانا تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتیں عطا فرما رکھی تھیں جن کی بدولت وہ اپنے زمانہ کی مشہور شخصیت تھے۔ (مغربی محققین انہیں چھٹی صدی قبل مسیح میں ہونا بیان کرتے ہیں)

قرآن مجید اور ذکر لقمان علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان علیہ السلام کا نہ صرف ذکر اپنی پاک کلام میں فرمایا ہے بلکہ اس سورۃ کا نام ہی سورہ لقمان رکھ دیا ہے۔ اس سورۃ میں حضرت لقمان کی حکیمانہ باتوں کو بڑے دلکش انداز میں پیش کیا ہے اور نہایت ہی سبق آموز نصیحتیں ارشاد فرمائی ہیں جو حضرت لقمان نے اپنے فرزند ارجمند کو کیں۔ ہم ان نصیحتوں کو آگے چل کر انشاء اللہ تفصیل سے بیان کریں گے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ خالق کائنات نے حضرت لقمان کی حکمت و دانائی کو بیان فرمایا ہے مگر انکے سلسلہ نسب اور خاندان کی بحث میں جانا پسند نہیں فرمایا۔ اس طرح حضرت لقمان کی شخصیت کے بارے میں ایک حد تک روشنی پڑتی ہے۔ قرآن حکیم کے ان ارشادات کو یہاں تحریر کیا جا رہا ہے تاکہ حضرت لقمان کے بارے میں صحیح تر قول کا علم ہو سکے۔

سورہ لقمان

ترجمہ۔ (آیات 12 تا 19) ''اور بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر کر اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے (فائدہ) کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو بے شک اللہ بے پرواہ ہے اور مالک ہے سب خوبیوں کا۔ اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ نصیحت کرتا تھا اے میرے بیٹے اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔ اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی۔ اسکی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا اور کمزوری پر کمزوری برداشت کرتی رہی۔ اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے یہ کہ میرا حق مان اور اپنے ماں باپ کا، آخر مجھ تک ہی آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو انکا کہنا نہ مان۔ اور دنیا میں ان کا اچھی طرح ساتھ دے اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔ پھر میری ہی طرف تمہیں پھر آنا ہے تو میں بتاؤں گا جو تم کرتے تھے۔ اے میرے بیٹے برائی اگر رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ پتھر کی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں کہیں بھی ہو اللہ اسے لے آئے گا بے شک اللہ ہر باریکی کا جاننے والا خبردار ہے۔ اے میرے بیٹے نماز قائم کر اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔ اور کسی سے بات کرتے وقت اپنے رخسار کو نہ کھجا (تکبر کے ساتھ رخسار پر ہاتھ پھیرنا اور انکو کھجانا) اور زمین پر اتراتا ہوا نہ چل بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے اور شیخی خور کو پسند نہیں فرماتا۔ اور میانہ چال چل اور اپنی آواز کچھ پست کر۔ بے شک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے۔'' (سورہ لقمان آیت 12 تا 19)۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی بیٹے کو نصیحتیں

اللہ تعالیٰ کے مذکورہ کلام کو پڑھنے کے بعد وہ نصیحتیں ہمارے سامنے آتی ہیں جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کیں۔ یہ حکمت و دانائی کی باتیں ہیں یہاں چند چیزوں پر زور دیا گیا ہے جو یہ ہیں۔

(1) حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ ''اے بیٹے اللہ کا کسی کو شریک مت ٹھہرانا کیونکہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے جو اللہ کریم کبھی معاف نہیں کرے گا ہاں اس صورت میں اگر شرک کرنے والا سچے دل سے اس گناہ عظیم سے توبہ کرتے ہوئے آئندہ زندگی میں باز رہے۔

(2) دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ اولاد کے لئے ماں باپ کی ہر حال میں تابع فرمانی فرض ہے البتہ اگر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک اللہ کا شریک ٹھہرائے یا ایسی چیز کو جس کا تمہیں علم نہیں تو انکا کہنا ہر گز نہ مانیں۔

(3) حضرت لقمان علیہ السلام نے بیٹے کو نصیحت بھی فرمائی کہ ہر برائی سے خود کو محفوظ رکھنا کیونکہ رائی کے برابر کی جانے والی برائی بھی چاہے وہ پتھر میں ہو آسمانوں یا زمین میں، اللہ تعالیٰ اسکو خوب جاننے والا ہے۔

(4) حضرت لقمان علیہ السلام نے بیٹے سے یہ بھی ارشاد فرمایا نماز قائم کر اور ہمیشہ اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر۔

(5) حضرت لقمان علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جو مصیبت یا افتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔

(6) ہمیشہ لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا چاہیئے از راہ تکبر وغرور لوگوں سے منہ موڑ لینا بہت برا ہے۔

(7) اللہ تعالیٰ کی زمین پر اکڑ کر نہیں چلنا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ مغرور اور اکڑنے والے کو ہرگز پسند نہیں فرماتا۔

(8) چلتے ہوئے ہمیشہ اپنی رفتار میں توازن قائم رکھنا چاہیئے۔

(9) گفتگو کرتے وقت ہمیشہ اپنی آواز کو نرم رکھنا چاہیئے کیونکہ چیخ کر بات کرنا انسانوں کا کام نہیں بلکہ چیخنا اور کرخت آواز میں کلام کرنا پسندیدہ عمل نہیں ہے اور اگر ایسا ہوتا تو پھر سب سے بہتر آواز گدھے کی ہوتی جو ہمیشہ اونچی کرخت آواز میں بولتا ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں ارشاد فرمائیں اوپر ہم نے انکا ذکر کر دیا ہے اب ان حکمت کی باتوں پر باریک نظر سے غور کریں تو سارا معاملہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ یعنی اگر حضرت لقمان غلام ہوتے تو کیا کوئی غلام اپنے بیٹے کو یوں نصیحت کر سکتا ہے کہ بیٹا زمین پر اکڑ کر غرور سے کبھی نہ چلنا کیونکہ غلام تو ہمیشہ گردن جھکائے ہی چلتا ہے۔ اکڑ کر غرور سے چلنا تو بادشاہوں، شہزادوں اور امراء و وزراء کا عمل ہوتا ہے۔ یہ دولت، ثروت اقتدار اور طاقت کے نشہ میں چور لوگ ہی ایسا کرتے ہیں نا کہ غلام یا غلام زادہ۔ ہماری مذکورہ تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت لقمان اور حکیم لقمان غلام نہیں بلکہ عاد ثانیہ کے نیک ترین بادشاہ تھے۔ وہ حبشی الاصل نہیں بلکہ عربی الاصل تھے یعنی حبشی نہیں بلکہ عربی تھے۔ دوسرے، لقمان اور حکیم لقمان دو الگ الگ نام نہیں بلکہ ایک ہی ہستی کے نام ہیں۔ ہم نے یہاں اپنے خیال کا اظہار کر دیا ہے اب آپ خود بھی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حقیقت میں حضرت لقمان حبشی تھے یا عربی۔

حضرت لقمان کے حکیمانہ اقوال

حضرت لقمان اہل عرب میں حکمت و دانائی کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتے تھے اکثر اہل عرب کی مجالس میں

حضرت لقمان کی حکمت ودانائی اوران اقوال کا ذکر ہوتا رہتا تھا۔حضرت لقمان کے تمام اقوال تو یہاں بیان کرنا موضوع کی طوالت کا سبب ہوگا اس لئے ان میں بعض اہم ترین اقوال یہاں تحریر کررہا ہوں۔

(1) حکمت ودانائی مفلس کوشہنشاہ بنادیتی ہے۔

(2) جب کبھی مجلس میں داخل ہوتو سب سے پہلے سلام کرو جہاں خالی جگہ ملے بیٹھ جاؤ۔ پھر جب تک یہ معلوم نہ ہوجائے کہ اہل محفل کیا گفتگو کررہے ہیں، اپنی گفتگو ہرگز شروع نہ کرو۔ اگر اہل محفل ذکر الٰہی میں مشغول ہوں تو تم بھی اس میں سے اپنا حصہ لےلو اور اگر اہل محفل فضول گفتگو میں وقت برباد کررہے ہوں تو فوراً اس محفل میں سے اٹھ آؤ اور دوسری جگہ کوئی اچھی محفل دیکھ کر اس میں شریک ہوجاؤ۔

(3) اللہ تعالیٰ جل شانہٗ جب کبھی کسی کو امین بنائے تو اس امانت دار کا فرض ہے کہ ہر حال میں اس امانت کی حفاظت کرے۔

(4) حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں اے بیٹے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ریاکاری کے نزدیک مت جاؤ کیونکہ ریاکاری سے دل مردہ ہوجاتا ہے۔اے بیٹا ریاکاری سے لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مظاہرہ نہ کرتا کہ لوگ تیری عزت کریں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنے سے تو گناہ گار ہوجائے گا

(5) اے بیٹا جاہل سے دوستی نہ کر کہ وہ یہ خیال کرنے لگے کہ شاید اسکی جاہلانہ باتیں تمہیں پسند ہیں اور عقل مند کے غصے کو لاپروائی سے نہ ٹال کہ کہیں وہ تجھ سے جدائی اختیار نہ کرلے۔

(6) یادرکھ عقل مند و داناؤں کی زبان میں اللہ تعالیٰ کی طاقت ہوتی ہے۔ان میں کوئی کچھ نہیں بولتا مگر یہ کہ اس بات کو اللہ تعالیٰ اسی طرح کرنا چاہتا ہو۔

(7) بیٹا تیرے دسترخوان پر ہمیشہ نیک لوگوں کا اجتماع رہے تو بہتر ہے اور مشورہ صرف علماحق سے لینا چاہیئے۔

(8) اے بیٹا یادرکھو خاموشی میں کبھی ندامت نہیں اٹھانا پڑتی اور اگر خاموشی چاندی ہے تو سکوت سونا ہے۔

(9) کسی نے حضرت لقمان سے دریافت کیا کہ بدترین انسان کونسا ہے؟ فرمایا وہ جو اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ لوگ اسکی برائی اور اسے برائی کرتا دیکھ کر برا سمجھیں گے۔

(10) اے بیٹا ہمیشہ ہمیشہ شر سے دور رہو اس طرح شر تم سے دور رہے گا کیونکہ شر سے ہی شر پیدا ہوتا ہے۔

(11) کسی نے حضرت لقمان سے پوچھا کہ سب سے زیادہ صابر کون ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جس کے صبر کے پیچھے ایذا نہ ہو۔

(12) کسی نے حضرت لقمان سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ جواب دیا جو دوسروں کے علم کے ذریعے اپنے علم میں اضافہ کرتا رہے۔

(13) حضرت لقمان سے کسی نے دریافت کیا کہ سب سے بہتر انسان کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا "غنی"۔ سائل نے پوچھا غنی سے کیا مراد مالدار آدمی ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں بلکہ غنی وہ ہے جو اپنے اندر خیر کو تلاش کرے تو موجود پائے اگر ایسا نہ ہو تو خود کو دوسروں سے دور اور مستغنی رکھے۔

(14) حضرت لقمان نے بیٹے سے فرمایا کہ غیظ و غضب سے بچو اس لئے کہ شدت غضب دانا کے دل کو مردہ بنا دیتی ہے۔

(15) بیٹا خوش کلام بنو اگر ایسا کرو گے تو تم لوگوں کی نظروں میں اس شخص سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤ گے جو ہر وقت ان کو داد و دہش کرتا رہتا ہو۔

(16) بیٹا یاد رکھو جو تم بوؤ گے وہی کاٹو گے۔

(17) بیٹا یاد رکھو نرم خوئی دانائی کی جڑ ہے۔

(18) اے بیٹا ہمیشہ اپنے اور اپنے والد کے دوست کو محبوب رکھو۔

از تفسیر ابن کثیر جلد۔3

تاریخ ابن کثیر جلد۔2

ماخوذ از امام احمد رحمتہ اللہ

حاصل کلام

سورہ لقمان کے مطالعہ اور حضرت لقمان علیہ السلام کے حکیمانہ اقوال پڑھنے کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ انبیاء اور رسل علیہم السلام کے بعد جس ہستی کو اللہ کریم حکمت و دانائی کی دولت لازوال عطا فرمائے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے ہی عظیم الشان مرتبے والی ہو جاتی ہے۔ ہماری اس بات کا ثبوت حضرت لقمان علیہ السلام کی شکل میں سامنے ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام کو اللہ کریم نے ان کی حکمت و دانش مندی اور پرہیزگاری کی وجہ سے بڑا بلند مرتبہ اور عزت عطا فرمائی یہاں تک کہ قرآن مجید میں ان کی توصیف و ثنا کے سلسلے میں سورہ لقمان نازل فرماتے ہوئے ان کی بعض حکیمانہ باتوں کا ذکر فرمایا جو انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمائی تھیں۔

ہم نے یہاں حضرت حکیم لقمان علیہ السلام کی مختصراً تاریخ اور انکے حکیمانہ اقوال زریں تحریر کر دیئے ہیں جن کی بنا پر صرف اہل عرب کے ہاں ہی نہیں بلکہ تمام اہل علم کے نزدیک حضرت لقمان حکیم بڑی شہرت اور قدر و منزلت رکھتے ہیں۔ امید قوی ہے کہ اس کتاب کا پڑھنے والا ان اقوال سے بہت کچھ سیکھتے ہوئے

اپنی اصلاح کرتے ہوئے اس احقر کے حق میں دعائے خیر ضرور کرے گا۔ انشاء اللہ۔

حقوق والدین

سورہ مبارکہ کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ باپ نے بیٹے کو جو نصیحتیں فرمائیں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے امت محمدیہ کو ماں باپ کی تابع فرمانی کی نصیحت کرنا نہایت ضروری انداز میں ارشاد فرمایا۔ والدین کی شفقت ومحبت کا اندازہ کیجئے کہ وہ دنیا اور آخرت کی زندگی میں اولاد کو بے راہ اور صراط مستقیم سے ہٹا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے، چاہے انہیں جتنے بھی دنیاوی مصائب مشکلات اور دشواریاں پیش آئیں۔ یہ سب وہ اپنی ذات پر جھیل لیں گے مگر اولاد کو ہر حال میں ان سے بچانے کی کوشش کریں گے۔ اولاد کے لئے اشد ضروری ہے کہ وہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حقیقی اطاعت کے بعد والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو اولیت دیتے ہوئے ہر حال میں ان کی تابع فرمانی کرے چاہے والدین کافر ومشرک ہی کیوں نہ ہوں۔ البتہ اگر والدین اولاد کو دین حق چھوڑ کر شرک اختیار کرنے کا کہیں اور اس بات پر زور دیں تو ان کی اس بات کو ہرگز قبول نہ کرے کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو نہ ماننا اور انکی نافرمانی کرنے میں کسی کی اطاعت بھی ہرگز ہرگز جائز اور قبول نہیں ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد گرامی ہے۔ ”اللہ کی نافرمانی میں مخلوق میں سے کسی کی اطاعت نہیں کہ جاسکتی۔“

والدین کی اطاعت

حضرت لقمان علیہ السلام نے والدین کی تابع فرمانی اور حسن سلوک کے سلسلے میں جو نصیحت کی اللہ تعالیٰ نے اس نصیحت کو نہایت ہی سبق آموز انداز میں ارشاد فرمایا۔ سورۃ لقمان آیت 14۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ
أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ
إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾

ترجمہ۔ ”اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی۔ اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اور اسکا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے۔“

اصحاب الکھف

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم فرقان حمید میں اصحاب کہف کا ذکر تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس ذکر میں اہل ایمان کے لئے خصوصی طور پر اور باقی لوگوں کے لئے عمومی اعتبار سے جو نصیحتیں اور باعث عبرت

باتیں ارشاد فرمائی ہیں یہاں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ قرآن کریم کے فرمان مبارک کے ساتھ ساتھ متلاشیان علم کے لئے تفسیروں کے حوالہ جات اور تاریخی بیانات بھی تحریر کر رہا ہوں تا کہ اس واقعہ کا کوئی گوشہ تشنہ تکمیل نہ رہ جائے اللہ تعالیٰ توفیق وہمت عطا فرمائے آمین۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ اہل قریش ابتداء سے ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سخت مخالفت پر کمر بستہ تھے اور ہمیشہ کسی نہ کسی بہانے سے اہل حق کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے کوشاں رہتے تھے مگر ہمیشہ ذلیل ورسواء ہی ہوئے اسی سلسلے میں ایک مرتبہ قریش کے رؤساء نے مشورہ کیا کہ ہمیں چاہیئے کوئی ایسا یقینی فیصلہ کریں جس سے یہ ثابت ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) جو نبوت کا دعویٰ رکھتے ہیں یہ اس میں سچے نہیں پھر اس ثبوت کی روشنی میں جو رائے قائم ہو اس پر عمل کیا جائے۔ باہمی فیصلہ ہوا کہ اہل یہود سے رابطہ کیا جائے جو اہل کتاب ہیں اور ایسے معاملات میں ہم سے زیادہ اور بہتر عقل وبصیرت رکھتے ہیں۔ قریش مکہ نے یہ فیصلہ کرنے کے بعد اپنے دو آدمی نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو یہودیوں کے علماء کے پاس روانہ کیا۔ دو آدمیوں کا یہ وفد علماء یہود سے ملا اور ان کو صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے مدد کی درخواست کی۔ علماء یہود نے قریشی وفد سے کہا کہ تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) سے ہماری بتائی ہوئی تین باتوں کے بارے میں سوال کرنا اگر وہ ان باتوں کے صحیح جوابات بتا دیں تو بلاشک وشبہ وہ اللہ کے برحق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) ہیں اس لئے تم لوگوں کو آئندہ کے لئے انکی مخالفت سے باز رہنا ہوگا اور اگر وہ ان سوالوں کے جواب نہ دے سکے تو پھر تم لوگوں کو حق حاصل ہوگا کہ جو چاہو ان کے ساتھ سلوک کرو۔ اور یاد رہے ان سوالات کے صحیح جوابات دینا یقیناً انکے حق ہونے کی دلیل ہے۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ علماء یہود نے ان تین سوالوں کے جوابات وفد کو بتائے یا نہیں۔ گمان غالب ہے کہ انہوں نے دو سوالوں کے جواب تو اپنی کتاب تورات کے مطابق بتائے ہوں گے جبکہ تیسرے سوال کے جواب کے بارے میں وہ لوگ خود بھی نہیں جانتے تھے۔ یہودی علماء نے قریش کے وفد کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے جو تین باتیں پوچھنے کو کہا وہ درج ذیل ہیں۔

(1) ذوالقرنین کا واقعہ کیا ہے؟

(2) اصحاب کہف کون تھے؟

(3) روح کی کیا حقیقت ہے؟

قریش مکہ کے وفد نے واپس آکر سرداران قریش کو علماء یہود کے ساتھ ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا۔ قریش کے سرداروں نے علماء یہود کی طرف سے پیش کی جانے والی تجویز کو پسند کیا اور یوں سرداران قریش نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر تینوں سوالات پیش کئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے قریش کے سوالات سن کر ارشاد فرمایا میں تم لوگوں کے ان سوالات کے جوابات وحی آنے پر دوں گا۔ پھر جیسے ہی وحی نازل ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اہل قریش کو ان واقعات کی حقیقت سے آگاہ فرما دیا۔ سورہ کہف میں ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ الکہف آیات 19 تا 26۔

قرآن مجید

سورۃ الکہف آیات 19 تا 26

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ
كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ
اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ
اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ
مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿١٩﴾
اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ
فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿٢٠﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا
عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا
رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا
عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا
عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾

سَيَقُوْلُوْنَ

ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ
رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ
رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڧ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ

إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۖ وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ﴿٢٥﴾ قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا ۖ لَهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ ۚ مَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ﴿٢٦﴾

ترجمہ: (''کیا تم نے (یہ) خیال کیا کہ غار والے اور کتبے والے ہماری (قدرت کی) نشانیوں میں سے (ہی) ایک عجیب نشانی تھے؟ (بلکہ اور بھی بہت سی عجیب نشانیاں ہیں) جب ان جوانوں نے (ایمان بچانے کے لئے) غار میں پناہ لی تو کہا اے ہمارے رب ہمیں اپنی طرف سے رحمت دے اور ہمارے (کافروں سے ایمان بچانے والے) کام سے متعلق ہماری کامیابی (کے اسباب) تیار کر۔ تو ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی برس (تک) تھپکا (انہیں گہری نیند سلا دیا) پھر ہم نے انہیں جگایا تا کہ ہم دیکھیں کہ (اختلاف کرنے والے) دو گروہوں میں سے ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کس نے زیادہ یاد رکھی۔ (اب) ہم ان کا حال تمہیں ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور انہیں ہدایت میں بڑھایا (علم وعمل میں ترقی دی) اور ہم نے ان کے دلوں پر (عزم واستقلال کی مضبوطی) گانٹھ لگا دی کہ (جب بادشاہ نے انہیں بت پرستی پر مجبور کیا تو) انہوں نے کھڑے ہو کر کہا ہمارا رب (وہی ہے جو) آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے (اگر ہم نے کسی اور کو معبود کہا تو) اس وقت ہم نے ضرور حد سے گزری ہوئی بات کہی۔ (پھر وہ بادشاہ کے دربار سے نکل کر آپس میں کہنے لگے) یہ جو ہماری قوم ہے انہوں نے اللہ کے سوا کئی خدا بنا رکھے ہیں یہ ان (کے معبود ہونے) پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟ تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا؟ اور (ساتھیو) جب تم ان (بت پرستوں) سے اور جن (بتوں) کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں (ان سب) سے الگ ہو چکے تو (چلو اب) غار میں پناہ لو تمہارا رب اپنی (بے حد رحمت میں سے) کچھ رحمت تمہارے لئے پھیلائے گا اور تمہارے لئے تمہارے کام سے متعلق آسانی بنا دے گا (آخر وہ غار میں

جا چھپے)۔ اور (اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) تم سورج کو دیکھو گے جب وہ نکلتا ہے تو ان کے غار سے دائیں طرف ہٹ جاتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو ان کے بائیں طرف کترا جاتا ہے (ان پر دن بھر سایہ رہتا ہے) حالانکہ وہ اس غار کے (درمیان) ایک کھلے میدان میں ہیں (اور انہیں تازہ ہوائیں پہنچتی رہتی ہیں) یہ (مذکورہ بیان) اللہ کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے (ایک نشانی) ہے جسے اللہ سیدھے راستے پر چلائے تو وہی سیدھے پر ہے اور وہ جسے (اس کی ہٹ دھرمی پر) گمراہ کرے تم اس کے لئے کوئی مددگار راہ دکھانے والا ہرگز نہیں پاؤ گے۔ اور تم انہیں (دیکھ کر) سمجھو گے کہ وہ جاگ رہے ہیں (کیونکہ ان کی آنکھیں کھلی ہیں) حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور (انسانی عادت کے مطابق) ہم انکی دائیں اور بائیں کروٹیں بدلتے رہتے ہیں اور ان کا کتا (غار کی) چوکھٹ پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے (بیٹھا) ہے (اے سننے والے) اگر تو انہیں جھانک کر دیکھے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور تو ان کی ہیبت سے بھر دیا جائے) (نہایت خوفزدہ ہو جائے) (سورۃ الکھف آیات 9 تا 18) اور (جس طرح ہم نے انہیں سلایا تھا) اسی طرح جگایا (کہ جسم و لباس ویسے ہی تھے) تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے (حال) پوچھیں (اور ہماری قدرت دیکھ کر انکا یقین زیادہ ہو) ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم (یہاں غار میں) کتنی دیر رہے؟ کچھ بولے ایک دن رہے یا ایک دن سے کم۔ دوسرے بولے جتنی دیر تم (غار میں) ٹھہرے اسے تمہارا رب بہتر جانتا ہے تو تم اپنے (میں سے) کسی ایک کو اپنی یہ چاندی (رائج الوقت دقیانوسی سکہ) دے کر شہر (افسوس اب جس کا نام طرطوس ہے) کی طرف بھیجو پھر وہ (جا کر) دیکھے کہ اس شہر کا کونسا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے تو اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے اور اسے چاہیئے کہ (آنے جانے اور خریدنے میں) نرمی (اور احتیاط) کرے اور کسی کو تمہاری ہرگز خبر نہ دے۔ بے شک، اگر انہیں تمہاری خبر ہو گئی (اور وہ تم پر غالب آگئے) تو وہ (آکر) تمہیں پتھراؤ کریں گے یا وہ تمہیں اپنے دین میں پھیر لیں گے اور (اگر ایسا ہوا تو) اس وقت تم ہرگز کبھی کامیاب نہ ہو گے۔ اور (جس طرح ہم نے ان کو سلایا اور جگایا) اسی طرح ہم نے (دقیانوسی کے صدیوں بعد بیدروس کے زمانہ کے لوگوں کو) انکی اطلاع کر دی تاکہ (جو مرنے کے بعد اٹھنے کے منکر ہیں) وہ جان لیں کہ (مرنے کے بعد اٹھانے کا) اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور یہ کہ قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں ہے (انکی اطلاع ہم نے اس وقت دی) جب وہ (شہر والے) اپنے (عقیدہ کے) معاملہ میں آپس میں جھگڑ رہے تھے (کہ حشر جسمانی ہوگا یا روحانی اب سب جان گئے کہ جسمانی ہوگا) پھر (اصحاب کہف کی موت کے بعد) کافروں نے کہا کہ ان (کی غار کے دروازہ) پر ایک عمارت بنا (کر دروازہ بند کر) دو ان کا رب ان (کے حال کی مکمل حقیقت) کو بہتر جانتا ہے اور ان (بیدروس بادشاہ اور دوسرے ایمان والے) لوگوں نے جو اپنے (عقیدہ حشر جسمانی کے) معاملہ (میں منکرین) پر غالب رہے کہا ہم ان (کی غار کے دروازہ) پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے (تاکہ نمازیں پڑھیں اور اصحاب کہف سے

برکتیں بھی پائیں)۔ اب (تمہارے زمانہ کے نصاریٰ میں سے) کچھ لوگ کہیں گے کہ (اصحاب کہف) تین ہیں چوتھا انکا کتا ہے اور (ان میں سے) کچھ کہیں گے (اصحاب کہف) پانچ ہیں چھٹا انکا کتا ہے (یہ دونوں باتیں) دیکھے (جانے) بغیر بے تکی بات کرنا ہے اور کچھ لوگ (مسلمان) کہیں گے (اصحاب کہف) سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا۔ فرما دیجئے میرا رب انکی گنتی بہتر جانتا ہے ان (کی صحیح گنتی) کو تھوڑے لوگ (اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان سے سننے والے) ہی جانتے ہیں تو ان کے بارے میں (اہل کتاب سے) ظاہری (سرسری) بحث (جو قرآن میں ہو چکی اس) کے سوا (مزید) بحث نہ کیجیے (بس وہی پڑھ لیا کیجئے) اور ان کے بارے میں اہل کتاب میں سے کسی سے کچھ نہ پوچھئے۔ اور کسی چیز کے بارے میں ہرگز نہ کہنا کہ بے شک کل میں اسے کرنے والا ہوں۔ مگر یہ (کہا کرو) کہ (اگر) اللہ چاہے (تو یہ کروں گا) اور جب تم (انشاء اللہ کہنا) بھول جاؤ تو (جب یاد آئے تو انشاء اللہ کہہ کر) اپنے رب کو یاد کرلو اور (یوں) کہو (اصحاب کہف کی جو وحی میں نے تمہیں سنائی) قریب ہے کہ میرا رب اس سے زیادہ قریب سچائی کا راستہ مجھے دکھائے (چنانچہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بے شمار معجزے دئے گئے) اور (اصحاب کہف) اپنے غار میں تین سو سال (سوئے) رہے اور نو برس اوپر (اگر کوئی اس کا انکار کرے تو) کہہ دیجیے جو مدت وہ غار میں رہے اسے اللہ بہتر جانتا ہے آسمانوں اور زمین کا غیب اسی کے لئے ہے وہ (ہر موجود کو) کیا ہی خوب دیکھنے والا اور (ہر سننے کے قابل چیز کو) کیا ہی خوب سننے والا ہے۔ ان (آسمانوں اور زمین والوں) کے لئے اللہ کے سوا کوئی مدد کرنے والا نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا''۔ (سورۃ الکہف آیات 19 تا 26)

اصحاب کہف کا واقعہ

کتب تفسیر، احادیث مبارکہ، سیرت شریفہ اور تاریخ عالم کا مطالعہ کریں تو اصحاب کہف کے واقعہ کے بارے میں بہت سی معلومات ملتی ہیں۔ خاص طور پر جب سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عرب اولاد کے مذہب سے متعلق تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اولاد اسماعیل علیہ السلام جب تک مکہ مکرمہ میں رہی وہ اپنے باپ دادا کے دین حق یعنی دین ابراہیمی پر سختی سے کاربند رہی پھر وقت گزرنے کے ساتھ اولاد کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا ان لوگوں کے مصری، شامی اور عراقی عوام کے ساتھ تعلقات پیدا ہوئے جن میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ مصر شام اور عراق میں لاتعداد بت خانے موجود تھے جو ان لوگوں کے مذہبی مراکز تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد نے صنم پرستوں کے ساتھ تعلقات استوار کر لئے جن میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا چلا گیا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے عقیدہ میں بت پرستی شامل ہوتی گئی یہاں تک کہ عمرو بن لحی نامی شخص نے عرب میں باقاعدہ بت پرستی اور ستارہ پرستی کی داغ بیل ڈالی اور

یوں بڑے ہی قلیل عرصہ میں اہل عرب بت پرستی کے میدان میں اس قدر آگے بڑھ گئے کہ بت پرستی کے بانیوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے صاحب زادے کا نام نابت یا نبط تھا عرصہ دراز کے بعد عرب بت پرستوں میں نابت کی اولاد بھی شامل ہوگئی۔ لات، منات، ہبل، کسعہ، عمیانس، حریش اور ذوالشریٰ ان کے مشہور بت تھے جنکی صبح وشام پرستش کرتے تھے۔ اولاد اسماعیل علیہ السلام جب تعداد میں زیادہ ہوگئی تو مکہ مکرمہ سے نقل مکانی کرتے ہوئے معاش کی تلاش میں اطراف عرب میں پھیل گئی اسطرح یہ سلسلہ چلتا رہا صدیاں گزر گئیں اور یہ قوم خاص طور پر نبطی بت پرستی کی ضلالت میں مبتلا رہے جب سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے اور انہوں نے بت پرستی، شرک اور گمراہی میں غرق قوم کو صراط مستقیم پر چلنے کی تبلیغ فرمائی تو بہت سے لوگ انکے دائرہ ارادت میں داخل ہوگئے یوں آپ علیہ السلام کا دین آہستہ آہستہ ہر طرف پھیلنے لگا پھر ایک ایسا وقت بھی آگیا کہ اہل روم اپنے بادشاہ سمیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں شامل ہوگئے۔ اس زمانہ میں ایلہ کے قریب ''افسوس'' نام کا شہر تھا جس کا حکمران نبطی نسل سے تعلق رکھتا تھا اور عقیدہ کے اعتبار سے بت پرست تھا۔ کتب تفاسیر میں اس حکمران یا بادشاہ کا نام دقیانوس بتایا گیا ہے۔ اس کے شہریوں میں سے چند مدبر اشخاص نے دین مسیحی اختیار کرلیا اور شرک و بت پرستی سے بیزار ہوکر توحید کا راستہ اختیار کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شام وغیرہ کے علاقے میں عیسائیت کا زور تھا۔ نبطی حکمران کو ان جوانوں کے دین مسیح علیہ السلام کو قبول کرنے کی اطلاع پہنچی تو اس نے فوراً ان جوانوں کو دربار میں طلب کیا اور ان سے دریافت کیا کہ آیا یہ اطلاع درست ہے کہ تم لوگوں نے بت پرستی کی بجائے دین مسیحی اختیار کرلیا ہے۔ ان نوجوانوں نے نہایت ہی دلیری سے بادشاہ کو جواب دیا کہ یہ حقیقت ہے ہم لوگ بت پرستی سے سخت بیزار ہیں اور ہم نے دین حق اختیار کرلیا ہے۔ دقیانوس نوجوانوں کا جواب سن کر سخت طیش میں آگیا مگر کسی مصلحت کے تحت وقتی طور پر اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے ان نوجوانوں سے کہنے لگے میں تم لوگوں کو چند یوم کی مہلت دیتا ہوں تاکہ تم اپنے معاملہ پر غور کرلو اس کے بعد صورت حال کے مطابق تم لوگوں کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔

نوجوان بادشاہ کے دربار سے رخصت ہوکر ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھے اور فیصلہ کیا کہ اس جابر وظالم بادشاہ کے ظلم سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ خاموشی سے کسی پہاڑ کی کھوہ میں پوشیدہ ہوجائیں اس طرح ہم اس مشرک بادشاہ اور دوسرے مشرکین لوگوں سے محفوظ ہوجائیں گے اور یوں ہم اطمینان سے عبادت الٰہی میں مشغول رہیں گے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ نوجوان پہاڑ کی ایک غار میں پوشیدہ ہوگئے۔ جیسے ہی وہ نوجوان غار میں داخل ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری فرمادی۔ اس طرح وہ خواب کی حالت میں غار کے اندر رہتے ہوئے کروٹیں بھی بدلتے رہے ہیں۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

سے تفسیر خازن میں روایت منقول ہے کہ ان نوجوانوں کے نام یہ تھے۔

مکسلمینا مفشیلمینا

یملیخا

مرطونس مرتونس

بینونس نینونس

ساربنونس ساربونس

ذونوانس دنوانس

کشفیط فلیستطیونس

طنونس

(از تفسیر خازن)

جب یہ نوجوان غار کی کھوہ میں پوشیدہ ہونے کے ارادے سے جا رہے تھے تو انکا پالتو کتا بھی انکے ہمراہ تھا۔ جب یہ لوگ غار میں پوشیدہ ہو گئے تو وہ کتا غار کے منہ پر بیٹھ گیا قرآن کریم میں اس کتے کا ذکر بھی موجود ہے۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف کے کتے کا نام ''قطمیر'' تھا۔

جس غار میں یہ نوجوان پوشیدہ ہیں اللہ کریم نے اس غار میں اپنی قدرت کے عجیب نشان رکھ دیے ہیں۔ یہ غار اندر سے بڑی وسیع ہے۔ اللہ کریم نے اس غار کے اندر زندگی کی بقاء کے تمام سامان پیدا فرما رکھے ہیں۔ غار کی ایک طرف دہانہ ہے تو دوسری طرف سے تازہ ہوائیں آتی جاتی ہیں۔ اس غار کا رخ شمالاً جنوباً ہے اس لئے سورج کی گرمی غار کے اندر نہیں جاتی۔ سورج جب طلوع ہوتا ہے تو غار سے دائیں طرف ہٹ کر گزرتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو غار کی بائیں طرف سے کترا کر نکل جاتا ہے۔ اس طرح سورج کی روشنی غار کے اندر اس طرح پہنچتی ہے کہ نہ تو تاریکی کی کیفیت ہوتی ہے کہ کچھ نظر ہی نہ آئے اور نہ اتنی روشنی ہوتی ہے جیسے کھلے میدان میں ہوتی ہے بلکہ ہلکی ہلکی روشنی اس انداز سے ہوتی ہے کہ ہر چیز نظر آئے۔ اس طرح یہ نوجوان غار میں پوشیدہ رہے اور یوں برسوں گزر گئے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے کہ یہ نوجوان یعنی اصحاب کہف تین سو نو سال تک غار میں آرام کے ساتھ محفوظ رہتے ہوئے سوئے رہے۔ اصحاب کہف جب غار میں پوشیدہ ہوئے کچھ عرصہ بعد نبطی حکومت پر رومی عیسائی حملہ آور ہوئے اور ان حملہ آوروں نے نبطی بادشاہ ''دقیانوس'' کو قتل کر دیا اور شہر ''افسوس'' پر قابض ہو گئے یوں اہل شہر نے بھی عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔

اصحاب کہف طویل عرصہ تک غار میں آرام سے سوئے رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نیند سے

بیدار کیا۔ وہ لوگ اٹھنے کے بعد ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ ہم کتنی مدت سوتے رہے۔ ان میں سے ایک نے کہا ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ۔ پھر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہم میں سے کوئی شہر جا کر کھانا لے آئے اور یہ سکّے جو ہم ساتھ ہی لے آئے تھے ہمراہ لے جائے اور شہر جا کر لین دین اس انداز میں کرے کہ شہر والوں کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ہم کون لوگ ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔ اگر لوگوں کو علم ہو گیا کہ ہم کون ہیں تو بڑی مصیبت میں پھنس جائیں گے کیونکہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے بادشاہ نہایت ظالم ہے اور مشرک بھی۔ وہ ہمیں زبردستی شرک کرنے پر مجبور کرے گا۔ ہم کسی حال میں بھی شرک نہیں کریں گے نتیجہ یہ نکلے گا کہ بادشاہ ہمیں قتل کروا ڈالے گا اس لئے نہایت ہی احتیاط کی ضرورت ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء اتنی احتیاط سے خریدی جائیں کہ کسی شہر والے کو ہم پر شک نہ ہو۔

اس گفتگو کے بعد ان جوانوں میں سے یملیخا سکہ لے کر غار سے نکلا اور شہر ''افسوس'' پہنچ گیا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ حالات ہی بدلے ہوئے ہیں ایک نئی دنیا نظر آ رہی تھی۔ اہل شہر کسی خوف وخطرے کے بغیر ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کے دوران سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اسم مبارک کی قسمیں اٹھا رہے تھے۔ یملیخا یہ سب کچھ دیکھ کر سخت حیران ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے کل تو کوئی شخص اپنا ایمان بھی ظاہر نہیں کر سکتا تھا جو اہل بصیرت سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی لیتا اسے اذیتیں دیکر قتل کر دیا جاتا مگر آج کیفیت یہ ہے کہ لوگ کسی خوف وخطرہ کے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی لے لے کر قسمیں اٹھا رہے ہیں۔ یملیخا اسی حیرانی کی کیفیت میں ایک نان بائی کی دکان پر پہنچ گئے اور کھانے پینے کی چیزیں خریدیں اور دکان دار کو دقیانوسی سکہ دیا۔ دکان دار وہ سکہ دیکھ کر سخت حیران ہوا اور کہنے لگا یہ کس زمانے کا سکہ مجھے دے رہے ہیں میں نے تو اپنی زندگی میں پہلے یہ سکہ کبھی دیکھا ہی نہیں۔ آہستہ آہستہ یہ بات دوسرے دکان داروں تک پہنچی۔ سب بازار والے اکٹھے ہو گئے انہوں نے خیال کیا کہ اس شخص کے ہاتھ کوئی پرانا خزانہ لگ گیا ہے چنانچہ بازار والے یملیخا کو پکڑ کر حاکم وقت کے پاس لے گئے اور سارا حال اسکے گوش گزار کیا۔ حاکم وقت نیک دل انسان تھا اس نے یملیخا سے پوچھا کہ خزانہ کہاں ہے۔ یملیخا نے جواب دیا کہ یہ ہمارا اپنا پرانا سکّہ ہے۔ جو کہ رائج الوقت ہے مجھے کوئی خزانہ وغیرہ نہیں ملا۔ حاکم وقت بولا کہ تمہاری اس بات پر کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس سکے پر جو سن تحریر ہے وہ تین سو سال پرانا ہے جبکہ تم ابھی جوان ہو اور ہم لوگ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ یہ سکہ جس بادشاہ کا ہے وہ مشرک اور بت پرست تھا، جسے مرے ہوئے قریباً تین سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ ہم سب لوگ عرصہ دراز سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار ہیں۔ اتنا پرانا سکہ تمہارے پاس ہے اور پھر تم یہ بھی نہیں جانتے کہ اب کس کی حکومت ہے۔ لوگ کس دین پر ہیں تمہارا حالات سے اس قدر بے خبر ہونا ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا اس لئے ضروری ہے کہ ہمیں اپنے

پورے حالات سے آگاہ کرو تاکہ اس مسئلہ کا حل نکل سکے۔ حاکم کی یہ گفتگو سن کر یملیخا نے جواب دیا کہ تم کہہ رہے ہو دقیانوس نام کا ایک مشرک بادشاہ یہاں حکمران تھا جسے مرے ہوئے تین سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے جبکہ میں اور دوسرے ساتھی کل ہی اس بادشاہ دقیانوس کے خوف سے اپنی جانیں بچا کر بھاگے ہیں اور ہم سب قریبی پہاڑ کی غار میں پناہ گزیں ہیں اگر تم لوگ میری بات کا یقین نہیں کرتے تو میرے ساتھ چلو میں تم لوگوں کو پہاڑ کی اس غار میں اپنے دوسرے ساتھیوں سے ملا دیتا ہوں۔ یملیخا کی یہ گفتگو سن کر حاکم اور عمائدین شہر اسکے ہمراہ چل پڑے۔ ادھر یملیخا کے ساتھی اس کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے جب غار کے قریب لوگوں کی آوازیں سنیں تو سمجھے کہ ہمارا ساتھی دقیانوس کی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو چکا ہے اور اب بادشاہ کے سپاہی ہمیں گرفتار کرنے کے لئے یہاں پہنچ گئے ہیں۔ اتنی دیر میں یملیخا لوگوں کے ہجوم کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے اور اپنے ساتھ پیش آنے والا پورا واقعہ ساتھیوں کو بتایا جسے سن کر وہ لوگ سمجھ گئے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا ہے جس نے تین سو سال کا عرصہ اپنی قدرت سے ہمیں نیند میں رکھا اور اب بیدار کیا ہے تاکہ لوگ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کر لیں کہ اللہ موت دے کر دوبارہ اس طرح زندہ کرے گا۔ روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب حاکم غار میں پہنچا تو اس نے وہاں ایک تانبے کا صندوق دیکھا جب اسے کھولا تو اندر سے تختی برآمد ہوئی جس پر غار میں آرام کرنے والوں کے نام اور انکے کتے کا بھی نام تحریر تھا۔ اس تختی پر یہ بھی تحریر تھا کہ یہ لوگ دقیانوس کے ڈر سے اس غار میں پناہ گزیں ہوئے دقیانوس کو علم ہو گیا کہ یہ لوگ اس غار میں چھپے ہیں۔ دقیانوس نے حکم دیا کہ غار کا منہ دیوار چن کر بند کر دیا جائے۔ ہم یہ سب کچھ یعنی ان لوگوں کا حال اس لئے لکھ رہے ہیں کہ جب غار کھلے تو دیکھنے والوں پر ان اصحاب کا حال عیاں ہو جائے۔ حاکم نے جب یہ تحریر پڑھی اور وہاں پر موجود لوگوں کو سب کچھ بتایا تو وہ لوگ سخت حیران ہوئے اور سب اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بجالائے جسکی قدرت کا یہ کرشمہ انکے سامنے تھا۔ کتب تاریخ میں آتا ہے کہ جب مشرک حکمران دقیانوس نے ان اصحاب کو غار میں پناہ لینے کے بارے میں سن کر حکم دیا کہ غار کے منہ پر دیوار تعمیر کر کے منہ بند کر دیا جائے تو اسوقت جس شخص کے زیرِ نگرانی دیوار تعمیر کرنے کا کام لگایا گیا وہ نرم دل شخص تھا اس نے دیوار تعمیر کرنے سے پہلے تمام اصحاب کے نام ایک تختی پر لکھ کر تانبے کے صندوق میں محفوظ کر دیئے پھر وہ صندوق غار کے اندر ان اصحاب کے قریب رکھ دیا اسی صندوق کا حوالہ ہم اوپر تحریر کر چکے ہیں۔ (واللہ اعلم۔ از: خازن وغیرہ)

کتب تاریخ و تفسیر میں اصحاب کہف کے واقعہ کی جو مزید تشریح مذکور ہے اس کو یہاں تحریر کیا جا رہا ہے اصل حقیقت حال کیا ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ دقیانوس بادشاہ نبطی قوم سے تعلق رکھتا تھا جو کہ مذہباً بت پرست تھا اسکا حال بیان ہو چکا ہے۔ اس بادشاہ کے بعد قوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذہب اختیار کر لیا

تھا۔ (شام پر عیسائی حکومت ہو گئی تھی) وقت گزرتا رہا مختلف حکمران اپنے اپنے دور میں حکومتیں کرنے کے بعد وقت مقررہ پر اس دنیا سے کوچ کرتے رہے۔ بیدروس نامی بادشاہ اس قوم کا حاکم تھا جو کہ نہایت ہی نیک دل انسان تھا۔ اس نے قریباً اڑسٹھ سال نہایت احسن طریقے سے عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی۔ بدقسمتی سے اس کے دور میں فرقہ بندی پیدا ہو گئی یوں دو گروہ بن گئے ان میں سے ایک گروہ نے کہنا شروع کر دیا کہ انسان جب مر جاتا ہے پھر اس کا قصہ تمام ہو جاتا ہے وہ نہ تو دوبارہ زندہ ہوگا اور نہ ہی قیامت کوئی چیز ہے یہ لوگ یقیناً باطل نظریہ پر تھے جبکہ دوسرا گروہ اہل حق کا تھا جن کا مرنے کے بعد اٹھنے اور قیامت کے قائم ہونے پر ایمان تھا۔ سورہ کہف کی آیت نمبر 21 میں ارشاد خداوندی ہے۔

ترجمہ۔ "اسی طرح ہم نے (دقیانوس کے صدیوں بعد بیدروس کی زمانے کے لوگوں کو) انکی اطلاع کر دی کہ (جو مرنے کے بعد اٹھنے کے منکر ہیں) وہ جان لیں کہ مرنے کے بعد اٹھانے کا) اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور یہ کہ قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے (ان کی اطلاع ہم نے اس وقت دی) جب وہ شہر والے اپنے عقیدہ کے معاملہ میں) آپس میں جھگڑ رہے تھے (کہ حشر جسمانی ہوگا یا روحانی اب سب جان گئے کہ حشر جسمانی ہوگا) تو بولے ان کے غار پر کوئی عمارت بناؤ ان کا رب انہیں خوب جانتا ہے۔ وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے تھے قسم ہے کہ ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے۔"

بادشاہ بیدروس کو جب اس معاملہ کا علم ہوا تو اس نے خود کو ایک کمرہ میں بند کر لیا اور نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اللہ کے دربار میں دعا کرنے لگا کہ یا الٰہی مجھ پر کوئی ایسی نشانی ظاہر فرما جس کی بدولت عوام کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور قیامت قائم ہونے کا یقین حاصل ہو جائے۔ اللہ کریم نے اس کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرماتے ہوئے ایک واقعہ کا ظہور فرمایا۔ ہوا یوں کہ اسی قوم کا ایک چرواہا اپنی بکریاں لے کر اس غار کے قریب پہنچ گیا اس نے غار کے منہ پر تعمیر شدہ دیوار کو گرا دیا کشادہ غار دیکھتے ہوئے فیصلہ کیا کہ یہ جگہ بکریوں کے باڑے کے لئے نہایت مناسب ہے۔ دیوار کا گرنا تھا کہ اس شخص پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر وہاں سے بھاگ اٹھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو نیند سے بیدار کر دیا۔ وہ لوگ نہایت شگفتہ چہروں کے ساتھ اٹھے ایک دوسرے کو سلام کیا اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ فارغ ہونے پر یمیلیخا سے کہا کہ تم شہر جا کر کھانے پینے کے لئے لے آؤ۔ پورا واقعہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ حاکم شہر نے اپنے بادشاہ بیدروس کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا حال بیان کیا۔ بیدروس فوراً سجدے میں گر گیا اور اللہ کا شکر بجا لایا جس نے قوم کے ایک گروہ کی طرف سے پیدا شدہ مسئلہ کا حل فرما کر باطل نظریہ رکھنے والوں کو ذلیل و رسوا کیا۔ بادشاہ بیدروس اسی وقت کمرہ سے باہر آیا اور امراء و عمائدین کے ہمراہ غار میں گیا۔ اصحاب کہف نے بادشاہ کو غار میں اپنے پاس حاضر دیکھا تو اس کے ساتھ فرداً فرداً معانقہ

کیا اور فرمایا ہم لوگ تجھے اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ اللہ تیری اور تیرے ملک کی حفاظت فرمائے اور تمام جن و انس کے شر سے محفوظ رکھے۔ ان کلمات کو ادا کیا اور اللہ حافظ کہتے ہوئے اپنی خوابگاہوں کی طرف واپس ہو کر محوِ خواب ہوئے اور یوں بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دی۔ بادشاہ بیدروس نے ان حضرات کے اجسام کو عمدہ صندوقوں میں محفوظ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان اصحاب کی یوں حفاظت فرمائی ہے کہ اس مقام پر ایسا رعب و دبدبہ پیدا کر دیا ہے کہ کوئی بھی اس غار میں جانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ بعد میں بادشاہ نے اس غار کے منہ پر مسجد تعمیر کرائی اور عبادت کا ایک دن مقرر کیا لوگ ہر سال عید کی طرح ایک دن اس جگہ اکٹھے ہو کر خیر و برکت حاصل کرنے لگے۔ (از خازن وغیرہ) (1974ء میں جب راقم کو دمشق کے مضافات میں واقع غار اصحاب کہف کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو پہاڑ کے دامن سے شروع ہو کر غار کا احاطہ کرتے ہوئے کئی منزلہ مسجد زیرِ تعمیر تھی)

خواص اسمائے اصحاب کہف

کتب تفاسیر میں اصحاب کہف کے اسمائے گرامی مذکور ہیں گزشتہ صفحات میں ان کا ذکر کر چکے ہیں انہی کتب میں اصحاب کہف کے اسمائے گرامی کی برکات اور خواص بھی درج ہیں جنہیں یہاں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں تاکہ طالب فیوض و برکات اور اس کے حلقہ احباب میں شامل شخصیات ان برکات وخواص سے فائدہ اٹھا کر میرے لئے دعائے خیر فرمائیں۔ مدتوں سے لوگ ان اسمائے گرامی کی برکات حاصل کرتے چلے آ رہے ہیں۔

خواص و برکات

1. جو بچہ روتا ہو اگر اس کے گلے میں یہ اسمائے گرامی لکھ کر تعویذ کی صورت میں ڈال دیں تو انشاء اللہ اس کا رونا بند ہو جائے گا۔
2. اگر کسی مکان کے دروازے پر یہ اسمائے مبارکہ لکھے ہوں تو اس مکان کو آگ نہیں لگے گی۔
3. جس سامان پر یہ اسمائے گرامی لکھے جائیں یا کاغذ پر لکھ کر سامان میں رکھ دیا جائے تو ان کی برکت سے وہ سامان چوری نہیں ہوگا۔
4. جو سوار یہ اسمائے مبارکہ لکھ کر اپنے پاس رکھے انشاء اللہ اسے اور سواری کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا۔
5. اگر کسی کا کوئی عزیز یا رشتہ دار یا جاننے والا گھر سے بھاگ جائے ان اسمائے مبارکہ کا اس گھر میں ورد کیا جائے تو بھاگی ہوئی شخصیت واپس آ جائے گی۔
6. اگر کسی جگہ آگ لگی ہو اور بجھ نہ رہی ہو تو کپڑے کے ایک صاف ٹکڑے پر یہ اسمائے مبارکہ لکھ کر

آگ میں پھینک دئے جائیں تو اللہ کے حکم سے آگ بجھ جائے گی۔

7. تیسرے دن کا بخار جسے باری کا بخار بھی کہتے ہیں کسی شخص کو آرہا ہو یعنی اگر بخار میں مبتلا ہو تو ان اسمائے گرامی کو لکھ کر تعویذ کی شکل میں اس کے گلے میں ڈال دیا جائے تو انشاء اللہ بخار جاتا رہے گا۔

8. اگر کوئی سر درد کی اذیت میں مبتلا ہو تو یہ اسمائے مبارکہ کسی کاغذ پر لکھ کر مریض کے دائیں بازوں پر باندھ دیں تو فوراً درد جاتا رہے گا۔

9. جس بچے یا بڑے کو ام الصیان کا دورہ پڑتا ہو یعنی اسکی مٹھیاں بند ہو جاتی ہوں اور آنکھیں الٹ جاتی ہوں منہ سے جھاگ بہتی ہو ان اسمائے مبارکہ کو تعویذ کی شکل میں گلے میں ڈال دیا جائے تو اللہ کے حکم سے دورہ نہیں پڑے گا۔

10. خشکی اور دریائی سفر میں یہ اسمائے گرامی لکھ کر پاس رکھنے والا اللہ کی فضل وکرم اور اسکے حفظ وامان میں رہے گا۔

11. جو مرد و عورت یا بچہ بچی کند ذہن ہو ان اسمائے مبارکہ کو کاغذ پر لکھ کر اس کے گلے میں تعویذ بنا کر ڈالدیں تو اس کا ذہن تیز ہو جائے گا۔

12. جس گناہگار کی قبر میں یہ اسمائے گرامی کاغذ یا کپڑے پر لکھ کر رکھ دیئے جائیں تو اللہ تعالیٰ کے خاص لطف وکرم سے اسکی نجات ہو جائے گی۔

13. قید میں پڑے ہوئے شخص کی آزادی کے لئے اگر یہ اسمائے مبارکہ لکھ کر تعویذ کی شکل میں اس کے بازو پر باندھ دیئے جائیں تو انشاء اللہ بہت جلد اسے آزادی نصیب ہوگی۔

از تفسیر جمل جلد۔1
تفسیر خازن وغیرہ

قرآن کریم میں ذکر رسول اللہ ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قرآن مجید میں اللہ جل شانہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک اسمائے اقدس اور اوصاف عالی کے ساتھ فرمایا جن سے آپ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونا اور عظمت شان کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کی تفصیل تحریر کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول مقبول فرمائے۔

(1) محمد	(2) احمد	(3) عبداللہ	(4) مبشر
(5) نذیر	(6) عزیز	(7) مزمل	(8) مدثر
(9) بشیر	(10) شاہد	(11) منذر	(12) رؤف
(13) رحیم	(14) نبی	(15) رسول اللہ	(16) خاتم النبیین
(17) عبدہٗ	(18) نور	(19) سراج منیر	(20) شہید
(21) حق	(22) داعی الی اللہ	(23) مذکر	(24) طٰہٰ
(25) نعمۃ	(26) رحمۃ اللعالمین	(27) ہادی	(28) امین
(29) یٰسین	(30) رحمۃ	(31) رؤف رحیم	(32) شافع (واستغفر)

سورۃ اور آیات کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

1. محمد (1) آل عمران آیت 144 (2) احزاب آیت 40 (3) محمد آیت 2 (4) الفتح آیت 29
2. احمد الصّف آیت 6
3. عبداللہ (1) الحدید آیت 9 (2) الجن آیت 19 (3) الکہف آیت 1
4. مبشر (1) الفتح آیت 8 (2) الاحزاب آیت 45 (3) الفرقان آیت 56 (4) یٰسین آیت 11 (5) الصّف آیت 6 (6) اسراء بنی اسرائیل 105
5. نذیر (1) الفتح آیت 2 (2) الاحزاب آیت 45 (3) الفرقان آیت 56 (4) الاعراف آیت 188 (5) ھود آیت 2 (6) سبا آیت 28 (7) فاطر آیت 23 (8) فاطر آیت 24 (9) البقرہ 119

(10)عنکبوت آیت50(11)الحجر آیت89(12)فاطر آیت37
(13)فاطر آیت42(14)یٰسین آیت11(15)الذّریٰت آیت50
(16)الملک آیت8(17)الملک آیت9(18)الملک آیت17
(19)الملک آیت26(20)سبا آیت46(21)حم سجدہ آیت4
(22)المائدہ آیت19(23)ص آیت70(24)احقاف آیت9
(25)الاعراف آیت184(26)ھود آیت12(27)ھود آیت25
(28)الحج آیت49(29)الشعرا آیت115(30)القصص آیت46
(31)السجدہ آیت2(32)الذّاریٰت آیت51(33)النجم آیت56
(34)اسراء بنی اسرائیل آیت105(35)الفرقان آیت1
(36)الفرقان آیت7

6. عزیز — التوبہ آیت128
7. مزمل — مزمل آیت1
8. مدثر — مدثر آیت1
9. بشیر — (1)الاعراف آیت188(2)ھود آیت2(3)سبا آیت28
(4)فاطر آیت24(5)البقرہ آیت119(6)حم سجدہ آیت4
(7)المائدہ19(8)ھود آیت12(9)فاطر24
10. شاہد — (1)الفتح آیت8(2)الاحزاب آیت45(3)المزمل آیت15
11. منذر — النمل آیت92
12. رؤف — توبہ آیت128
13. رحیم — توبہ آیت128
14. نبی — (1)الاحزاب آیت45(2)الاعراف آیت158
(3)الاعراف آیت157(4)الاحزاب آیت53
(5)الاحزاب آیت56(6)التوبہ آیت117(7)حجرات آیت2

(8) آل عمران آیت 161 (9) المائدہ آیت 81

(10) الانفال آیت 64 (11) الانفال آیت 65

(12) الانفال آیت 67 (13) الانفال آیت 70 (14) التوبہ آیت 61

(15) التوبہ آیت 70 (16) التوبہ آیت 113 (17) الاحزاب آیت 1

(18) احزاب آیت 28 (19) الاحزاب آیت 32

(20) الاحزاب آیت 30 (21) الاحزاب آیت 38 (22) تحریم آیت 1

(23) تحریم آیت 3 (24) تحریم آیت 8 (25) تحریم آیت 9

(26) الاعراف آیت 157 (27) الاحزاب آیت 6

15. رسول اللہ — (1) الاحزاب آیت 40 (2) الاعراف آیت 158 (3) التوبہ آیت 81

(4) التوبہ آیت 120 (5) الاحزاب آیت 21 (6) الاحزاب آیت 53

(7) الفتح آیت 29 (8) حجرات آیت 7 (9) الصف آیت 6

(10) المنافقون آیت 1 (11) حجرات آیت 3 (12) المنافقون آیت 7

16. خاتم النبیین — احزاب آیت 40

17. عبدہٗ — (1) الفرقان آیت 1 (2) بنی اسرائیل یعنی اسراء آیت 1

18. نور — المائدہ آیت 15

19. سراج منیر — الاحزاب آیت 46

20. شہید — (1) النحل آیت 89 (2) البقرہ آیت 143 (3) الحج آیت 78

(4) النساء آیت 41

21. حق — (1) یونس آیت 108 (2) المائدہ آیت 84

22. داعی الی اللہ — الاحزاب آیت 46

23. مذکر — الغاشیہ آیت 21

24. طٰہٰ — طٰہٰ آیت 1

25. نعمۃ — البقرہ آیت 231

.26	رحمۃ اللعالمین	الانبیاء آیت 107
.27	ہادی	(1) النمل آیت 81 (2) الروم آیت 53 (3) بنی اسرائیل آیت 94
.28	امین	(1) الدخان آیت 18 (2) التکویر آیت 21
.29	یٰسین	یٰسین آیت 1
.30	رحمۃ	الانبیاء آیت 107
.31	بَشَر	(1) الاحزاب آیت 47 (2) بنی اسرائیل یعنی اسراء آیت 93
.32	رسول	(1) المزمل آیت 15 (2) الفتح آیت 9 (3) الذّٰریٰت آیت 52

(4) الفرقان آیت 7 (5) الصّف آیت 9 (6) توبہ آیت 128
(7) الدخان آیت 18 (8) البقرہ آیت 143 (9) البقرہ آیت 214
(10) البقرہ آیت 285 (11) النساء آیت 61 (12) النساء آیت 64
(13) النساء آیت 83 (14) النساء آیت 115 (15) النساء آیت 170
(16) المائدہ آیت 104 (17) الاعراف آیت 157
(18) الاعراف آیت 158 (19) الحج آیت 78 (20) النور آیت 54
(21) النور آیت 63 (22) الفرقان آیت 30 (23) یٰسین آیت 30
(24) المومن آیت 78 (25) الدخان آیت 13
(26) الدخان آیت 17 (27) محمد آیت 32 (28) المجادلہ آیت 8
(29) المجادلہ آیت 9 (30) الحشر آیت 6 (31) الممتحنہ آیت 1
(32) جمعہ آیت 2 (33) الجن آیت 27 (34) البقرہ آیت 129
(35) البقرہ آیت 151 (36) آل عمران آیت 164
(37) بنی اسرائیل آیت 93 (38) الفرقان آیت 41
(39) الطلاق آیت 11 (40) المزمل آیت 15 (41) البقرہ آیت 279
(42) آل عمران آیت 101 (43) التوبہ آیت 3 (44) التوبہ آیت 26
(45) التوبہ آیت 33 (46) التوبہ آیت 97 (47) الفتح آیت 26

(48) الفتح آیت 28 (49) ممتحنہ آیت 12 (50) آل عمران آیت 81

(51) آل عمران آیت 86 (52) آل عمران آیت 101

(53) آل عمران آیت 153 (54) آل عمران آیت 183

(55) النساء آیت 79 (56) المائدہ آیت 15 (57) المائدہ آیت 83

(58) المائدہ آیت 99 (59) المائدہ آیت 102

(60) التوبہ آیت 128 (61) النحل آیت 113 (62) الحج آیت 78

(63) زخرف آیت 29 (64) عنکبوت آیت 18 (65) الفرقان آیت 7

(66) الفرقان آیت 27 (67) البقرہ آیت 143

33. یا ایُّھا النبیُّ (1) الاحزاب آیت 28 (2) الاحزاب آیت 45، 59

(3) الانفال آیت 64 (4) الانفال آیت 65 (5) الانفال آیت 70

(6) التوبہ آیت 73 (7) الاحزاب آیت 1 (8) التحریم آیت 1

(9) تحریم آیت 9 (10) الطلاق آیت 1

34. یا ایُّھا الرسل (1) المائدہ آیت 41 (2) المائدہ آیت 67

35. شافع (واستغفر) النساء آیت 64

36. رسول امین الدخان آیت 18

37. رسول کریم (1) الحاقہ آیت 40 (2) التکویر آیت 19 (3) الدخان آیت 17

38. رؤف رحیم التوبہ آیت 128

39. اِذَا ناجیتمُ الرسول بین یدی صدقة المجادلہ آیت 12

40. اطیع اللہ والرسول (اطعن اللہ و رسولہٗ) یطع الہ و رسولہٗ

(1) آل عمران آیت 32 (2) آل عمران آیت 132 (3) النساء آیت 59

(4) النساء آیت 69 (5) النساء آیت 80 (6) المائدہ آیت 92

(7) الانفال آیت 1 (8) النور آیت 56 (9) النور آیت 47

(10) النور آیت 52 (11) النور آیت 54

(12) الاحزاب آیت 62 (13) محمد آیت 33 (14) الحجرات آیت 14
(15) آل عمران آیت 13 (16) الانفال آیت 20
(17) الانفال آیت 46 (18) التوبہ آیت 71 (19) الاحزاب آیت 33
(20) الاحزاب آیت 71 (21) الفتح آیت 17 (22) المجادلہ آیت 13
(23) ممتحنہ آیت 13 (24) التغابن آیت 12

41. لا تخونوا اللہ و الرسول — الانفال آیت 27
42. الانفال اللہ والرسول — (1) الانفال آیت 1 (2) الانفال آیت 41
43. والستغفرلھم الرسول — النساء آیت 64
44. اِلی اللہ و رسولہٖ — (1) النور آیت 48 (2) النور آیت 51 (3) النساء آیت 100
45. یوذون اللہ و رسولہٗ — الاحزاب آیت 57
46. یومن باللہ و رسولہٖ — (1) الفتح آیت 13 (2) الفتح آیت 9
47. یَدِیَ اللہ و رسولہٖ — حجرات آیت 1
48. فَوق صَوت النّبیِ — حجرات آیت 2
49. اَصوَاتَھم عِندَ رسول اللہِ — حجرات آیت 3
50. فَللّٰہِ و للرسول — الحشر آیت 7
51. رسول" مِن اللہ — بیّنہ آیت 2
52. وَمَن یَعصِ اللہ وَ رَسُولَہٗ — (1) النساء آیت 14 (2) الاحزاب آیت 36 (3) الجن آیت 23
53. یُحاربون اللہ و رسولہٗ — (1) المائدہ آیت 33 (2) التوبہ آیت 107
54. وَلِیُّکُمُ اللہ وَ رَسُولُہٗ — المائدہ آیت 55
55. وَمَن یَّتَوَلَّ اللہ وَ رَسُولُہٗ — المائدہ آیت 56
56. رَسُولُ اللہِ اِلیکُم جمیعا — الاعراف آیت 158
57. شَاقّو اللہ و رسولَہٗ — (1) الانفال آیت 13 (2) الحشر آیت 4

58.	برآۃ" مِن اللہ و رَسُولِہٖ	توبہ آیت 1
59.	و اَذَان" مِّنَ اللہِ وَ رَسُولہٖ	التوبہ آیت 3
60.	عِنداللہ و عند رسولہٖ	التوبہ آیت 7
61.	من دون اللہو رسولہٖ	التوبہ آیت 16
62.	احب الیکم من اللہ و رسولہٖ	التوبہ آیت 24
63.	حَرَّمَ اللہ وَ رسُولُہٗ	التوبہ آیت 29
64.	اَنَّھُم کَفَرُو بِاللہ و رسولہٖ	التوبہ آیت 54
65.	رضو مَا اٰتھُم اللہ وَرسُولہٗ	التوبہ آیت 59
66.	واللہ و رسولُہٗ اَحَقُّ	التوبہ آیت 62
67.	یُحَادِ دِ اللہ وَ رَسُولُہٗ	التوبہ آیت 63
68.	قُل اَبِاللہِ وَ اٰیٰتِہٖ وَ رسولِہٖ	التوبہ آیت 65
69.	اغنھُمُ اللہ وَ رَسُولُہٗ	التوبہ آیت 74
70.	کفروبِاللہ و رسولہٖ	(1) التوبہ آیت 80 (2) التوبہ آیت 84 (3) التوبہ آیت 54
71.	اٰمنو باللہ و جَاھدُو مَعَ رسولہ	(1) التوبہ آیت 86 (2) النور آیت 62
72.	کَذَبُو اللہ وَ رَسُولَہٗ	التوبہ آیت 90
73.	نَصَحُو اللہ وَ رَسُولَہٗ	التوبہ آیت 91
74.	وسَیری اللہ عملکم و رسولہٗ	(1) التوبہ آیت 94 (2) التوبہ آیت 105
75.	اٰمنو بِاللہ و رسولہٖ	(1) الحجرات آیت 15 (2) الحدید آیت 7 (3) النساء آیت 136 (4) التغابن آیت 8 (5) آل عمران آیت 179 (6) النور آیت 62
76.	وَعَدنَا اللہ و رسولہٗ	الاحزاب آیت 12
77.	وَ صَدق اللہ و رسولہٗ	(1) الاحزاب آیت 12 (2) الفتح آیت 27

78.	تردن اللہ و رسولہٗ	الاحزاب آیت29
79.	مِنکنَ لِلّٰہِ وَ رسولہٖ	الاحزاب آیت31
80.	قضی اللہ و رسولہٗ	الاحزاب آیت36
81.	اٰمنو تّقُو اللہ و آمنو ا برسولہٖ	الحدید آیت28
82.	لِتُؤمِنو باللہ و رسولہٖ	(1) المجادلہ آیت4 (2) الفتح آیت9
83.	یُحادّونَ اللہ و رسولہٗ	(1) المجادلہ آیت5 (2) المجادلہ آیت20 (3) المجادلہ آیت22
84.	اَفاءَ اللہُ علیٰ رسولہٖ	(1) الحشر آیت6 (2) الحشر آیت7
85.	یَنصُرونَ اللہ و رسولہٗ	الحشر آیت8
86.	تؤمنون باللہ و رسولہٖ	(1) الصّف آیت11 (2) الحدید آیت8
87.	ولِلّٰہِ العِزَّۃ وَلرسُولہٖ	المنافقون آیت8
88.	اَلّذین استجابُو اللہ والرَّسول	آل عمران آیت172
89.	من یُّطعِ الرسولَ فَقَد اطاع اللہ	النساء آیت80
90.	فَاٰمنُو باللہ و رسلہٖ	(1) النساء آیت170 (2) الاعراف آیت158 (3) التغابن آیت9
91.	اٰمنو الستَجِیبُو الِلّٰہ و لِلرَّسول	الانفال آیت24
92.	ولیکم اللہ و رسولہٗ	المائدہ آیت55
93.	قربٰت عِنداللہِ وصَلٰوۃ الرسول	التوبہ آیت99
94.	حارب اللہ ورسولہٗ	التوبہ آیت107
95.	ویقولون اٰمنا باللہ وبالرسول	النور آیت47
96.	یومنون باللہ و رسولہٖ	النور آیت62

کتابیات

نمبر شمار	نام کتاب	مؤلف و مصنف
1.	بخاری شریف	ابو محمد بن عبداللہ ابن اسماعیل بخاری (ولادت بخارا 194ھ وفات مقام خرتنگ 296ھ)
2.	بائیبل کتاب پیدائش	
3.	طبقات ابن سعد	علامہ ابو عبداللہ بن محمد سعد البصری (168ھ تا 230ھ)
4.	معجم البلدان	امام شہاب الدین بن یاقوت الحموی (المتوفی 626ھ)
5.	تاریخ طبری	علامہ ابی محمد بن جعفر طبری (المتوفی 310ھ یعنی 923ء)
6.	تاریخ ابن خلدون	علامہ عبدالرحمن ابن خلدون (732ھ تا 808ھ)
7.	تاریخ ارض القرآن	سید سلیمان ندوی 1339ھ
8.	تاریخ المسعودی	ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی (المتوفی 346ھ)
9.	مسلم شریف	ابوالحسین مسلم ابن حجاج قشیری نیشاپوری (ولادت 204ھ وفات نیشاپور 261ھ)
10.	البدایہ والنہایہ	حضرت علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ دمشقی (701 تا 774ھ)
11.	موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ	امام ابو عبداللہ مالک ابن انس اصبحی (ولادت 103ھ وفات مدینہ منورہ 179ھ)
12.	مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ	امام احمد ابن حنبل ابن ادریس (ولادت بغداد 164ھ وفات بغداد 241ھ)
13.	سیرۃ ابن ہشام	علامہ ابو محمد عبدالملک بن ہشام ابن ایوب الحمیری (المتوفی 213ھ = 833ء مقام فسطاط جو عمرو بن العاص فاتح مصر نے آباد کیا آجکل قاہرہ کا ایک حصہ ہے)
14.	تورات باب پیدائش آیت 35	
15.	تفسیر ابن کثیر	علامہ عماد الدین اسماعیل بن کثیر دمشقی (701ھ تا 774ھ)
16.	فتح الباری	علامہ ابن حجر عسقلانی (المتوفی 852ھ)

17. ترمذی شریف — امام ابوعیسیٰ ترمذی (ولادت نہر بلخ دریائے جیحوں کے کنارے مقام ترمذ 229ھ وفات ترمذ 279ھ)

18. البحر المحیط — علامہ ابوحیان اندلسی

19. تورات کتاب پیدائش باب نمبر 5 آیات 22 تا 26

20. تورات کتاب پیدائش۔ باب 48 آیات 5۔6۔11۔12۔27۔28

21. تفسیر کبیر — امام فخر الدین رازی (المتوفی 606ھ)

22. مستدرک امام حاکم — امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ

23. تفسیر ابن کثیر — علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر (701ھ تا 774ھ)

24. نسیم الریاض — حضرت علامہ شہاب الدین احمد خفاجی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1069ھ)

25. تفسیر ابن حزم — حضرت علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ

26. روح المعانی — حضرت علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 1270ھ)

27. کتاب الفصل — علامہ حافظ ابو محمد بن حزم رحمۃ اللہ علیہ

28. لسان العرب — علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور (المتوفی 771ھ = 1369ء)

29. شفاء شریف — حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 544ھ)

30. تفسیر عینی — علامہ بدر الدین عینی (المتوفی 855ھ = 1451ء)

31. توراۃ، سلاطین، باب دوم۔ صفحہ۔ 11

32. تاریخ ابن کثیر — علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر (701ھ تا 774ھ)

33. تفسیر کبیر — امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 606ھ)

34. انجیل لوقا باب نمبر 1 آیات 18۔20

35. انجیل یوحنا باب۔ 1۔ آیات۔ 19 تا 28

36. انجیل یوحنا باب نمبر 13 آیات 21 تا 27

37. انجیل متی باب۔ 27۔ آیت۔ 46

38. انجیل یوحنا۔ باب۔ 11۔ آیات۔ 47 تا 51

39. انجیل مرقس باب۔13۔آیات۔1۔2

40. انجیل متی باب۔26۔آیات۔57 تا 75

41. انجیل یوحنا باب۔19۔آیات۔33،34،38،42

42. انجیل یوحنا باب۔20۔آیات۔1 تا 22

43. سنن ابوداؤد شریف — ابوداؤد سلیمان ابن اشعث سجستانی (ولادت ہرات کے قریب سجستان 202ھ وفات بصرہ 275ھ)

44. نسائی شریف — امام عبدالرحمٰن ابن احمد ابن شعیب ابن بحر ولادت خراسان میں ایک بستی نسا 215ھ وفات بعض کے مطابق مکہ مکرمہ 303ھ)

45. سنن ابنِ ماجہ شریف — امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ (ولادت قزوین 209ھ وفات 273ھ)

46. روض الانف — علامہ عبدالرحمٰن سہیلی (المتوفی 581ھ)

47. جذب القلوب — علامہ بدرالدین عینی (المتوفی 855ھ=1451ء)

48. کتاب شفاء — قاضی عیاض مالکی (المتوفی 544ھ)

49. فتوحات مکیہ — شیخ اکبر محی الدین بن عربی (المتوفی 638ھ)

50. تفسیر کبیر — امام فخرالدین رازی (المتوفی 606ھ)

51. خصائص الکبریٰ — امام جلال الدین سیوطی (911ھ)

52. تاریخ مدینہ دمشق — امام ابن عساکر

53. فتوح البلدان — علامہ شرف احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی 279ھ=892ء)

54. شواہد النبوت — مولانا عبدالرحمٰن جامی (متوفی 898ھ)

55. تفسیر روح المعانی — علامہ سید محمود آلوسی (المتوفی 1270ھ)

56. تفسیر ابن جریر — امام جعفر محمد بن جریر الطبر ی (المتوفی 310ھ)

57. تفسیر دیلمی — علامہ دیلمی (المتوفی 305ھ)

58. تفسیر ابراہیم بن معقل النسفی — علامہ ابراہیم بن معقل النسفی (المتوفی 295ھ)

59. تفسیر ابن ابی حاتم — علامہ ابن ابی حاتم (المتوفی 327ھ)

60. تفسیر ابن حبان — علامہ ابن حبان (المتوفی 369ھ)

61. تفسیر ابن مردویہ — علامہ ابن مردویہ (المتوفی 410ھ)

نمبر	کتاب	مصنف
.62	تفسیر بغوی	علامہ بغوی (المتوفی 516ھ)
.63	کتاب اخبار الملوک	ابوعبیدہ (ولادت 110ھ وفات 209ھ)
.64	کتاب ملوک کندہ	ہشام بن محمد الکلبی (المتوفی 204ھ= 819ء)
.65	تفسیر در منثور	امام جلال الدین سیوطی (المتوفی 911ھ)
.66	روض الانف	علامہ عبدالرحمن بن عبداللہ بن احمد بن ابی الحسن السہیلی رحمۃ اللہ علیہ (متولد 508ھ المتوفی 581ھ)
.67	سیرۃ حلبیہ	علامہ علی ابن برہان الدین حلبی (پیدائش 975ھ وفات 1044ھ)
.68	دارمی شریف	علامہ عبداللہ ابن عبدالرحمن ابن افضل ابن بہرام دارمی (ولادت سمرقند 181ھ وفات 250ھ۔ امام مسلم، ابوداؤد و ترمذی وغیرہ آپ کے شاگردوں میں سے ہیں)
.69	تاریخ الخمیس	علامہ دیار البکری (المتوفی 966ھ)
.70	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی (المتوفی 1225ھ)
.71	تاریخ ابن خلکان	علامہ احمد بن محمد بن ابراہیم بن خلکان (مولد 608ھ وفات 681ھ)
.72	مرۃ الجنان	حضرت ابوعبداللہ زبیر بن بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر بن العوام القرشی الاسدی الزبیری قاضی مکہ مکرمہ (المتوفی 256ھ)
.73	مرۃ الحرمین	ابراہیم رفعت پاشا (اشاعت 1908ء) قاہرہ۔ مصر
.74	صورۃ من المدینۃ المنورہ	خالد مصطفیٰ۔ قاہرہ۔ مصر
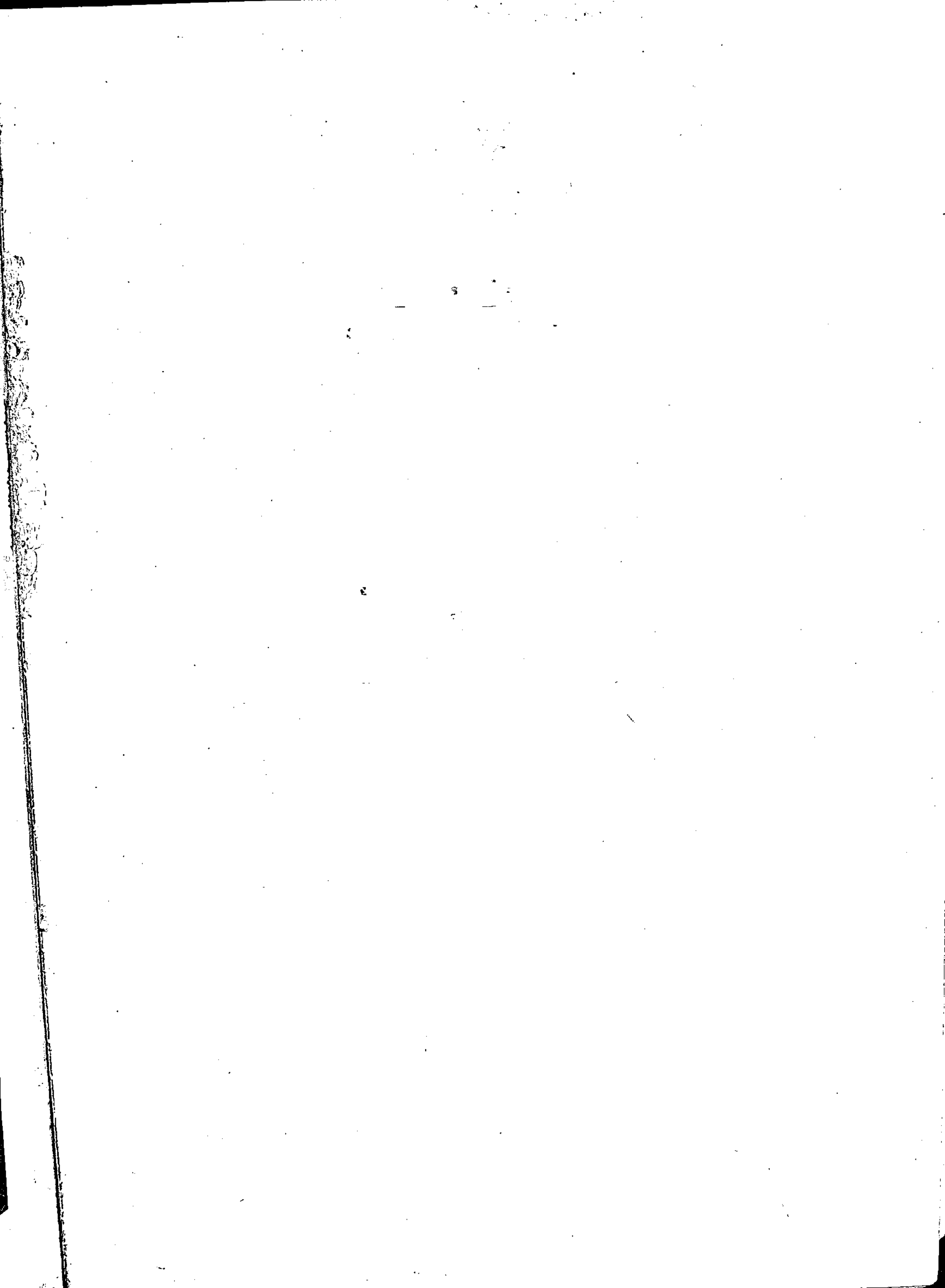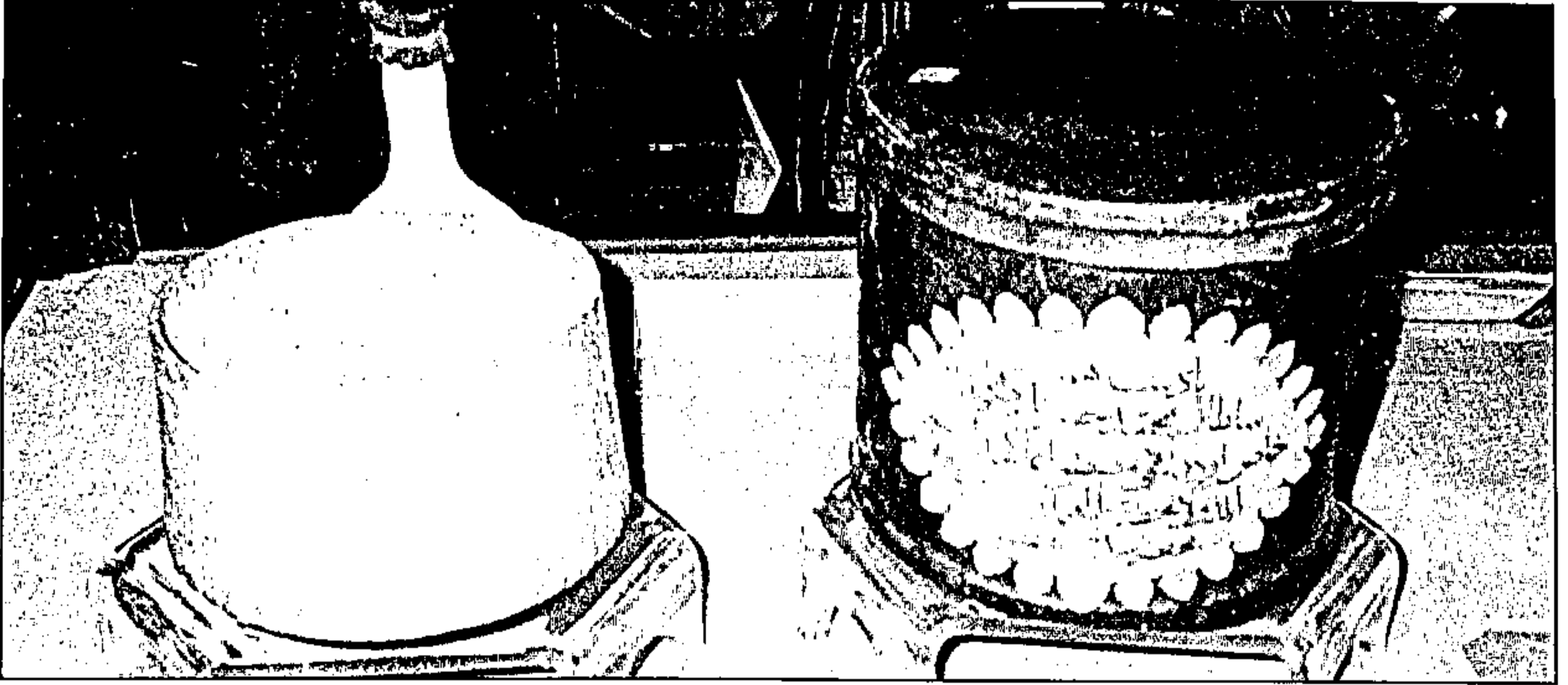
حضرت ابراھیم علیہ السلام کا پیالہ (توپ کاپی میوزیم۔استنبول)
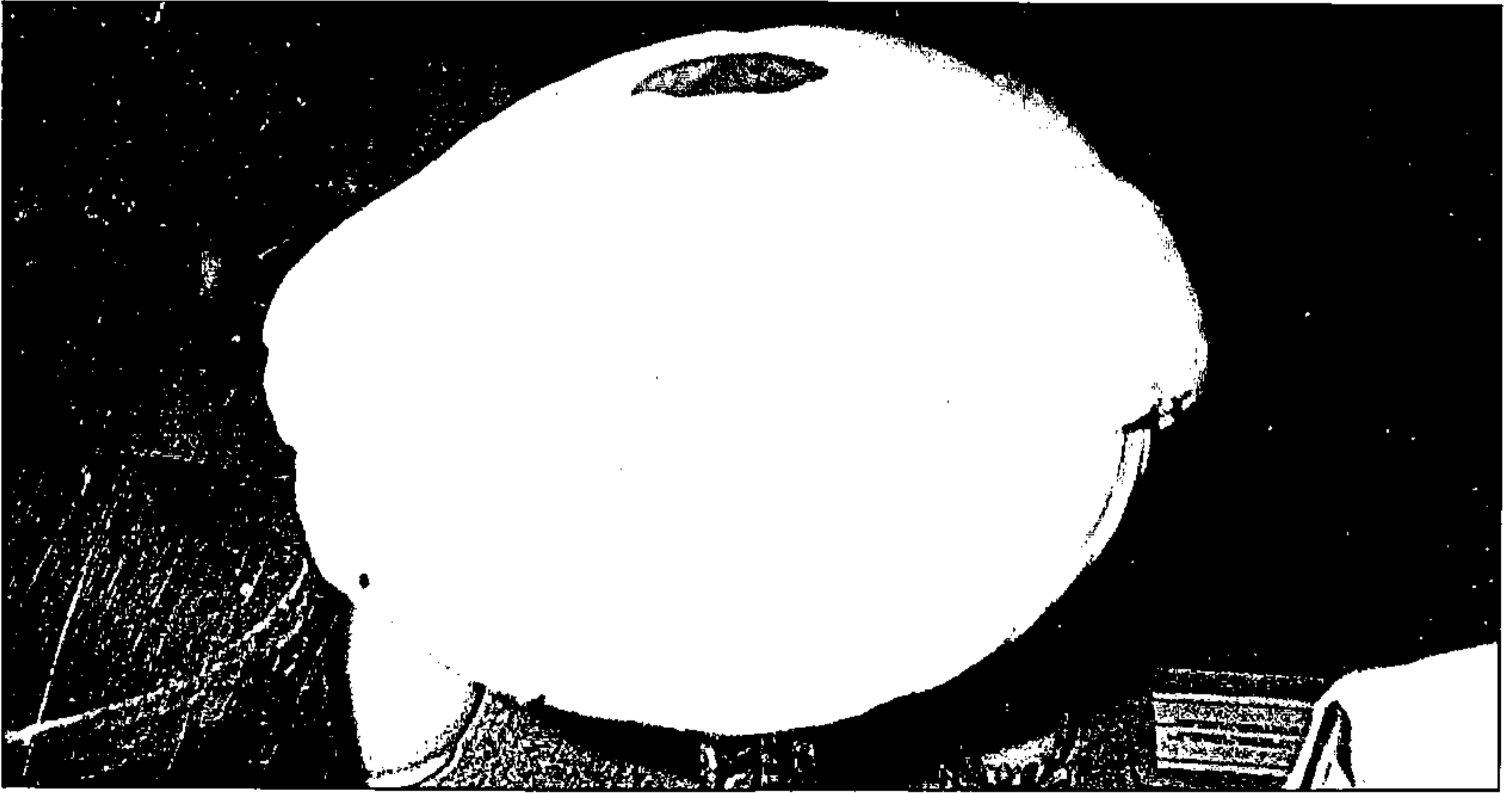
دستار مبارکہ حضرت یوسف علیہ السلام (توپ کاپی میوزیم۔استنبول)
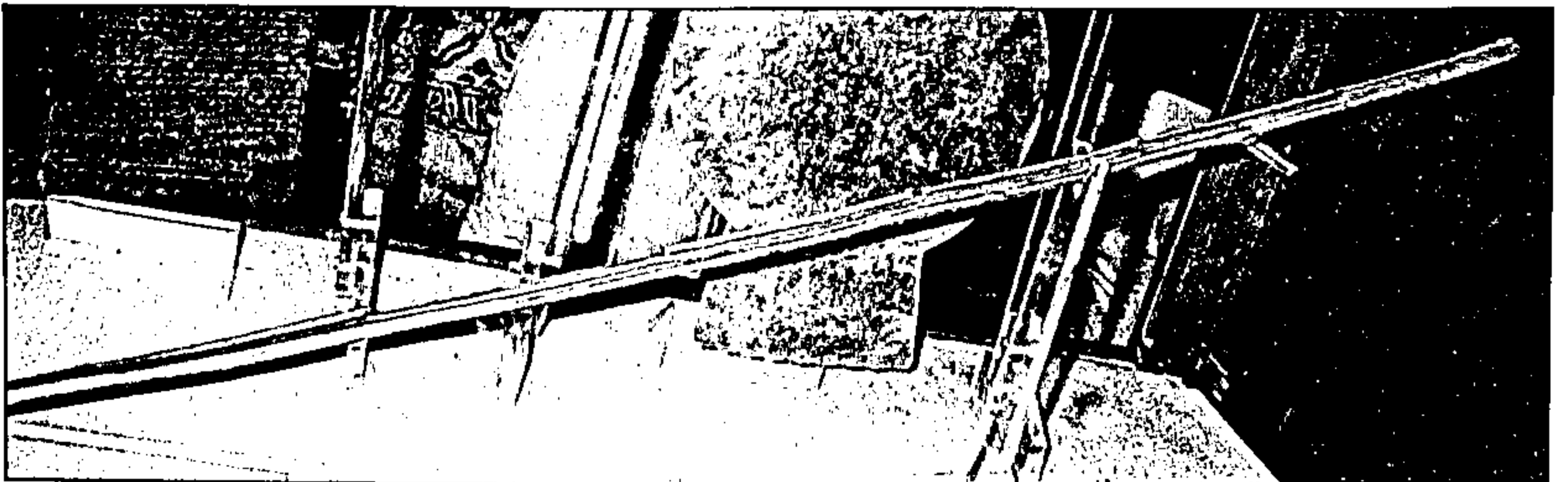
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء (توپ کاپی میوزیم استنبول)
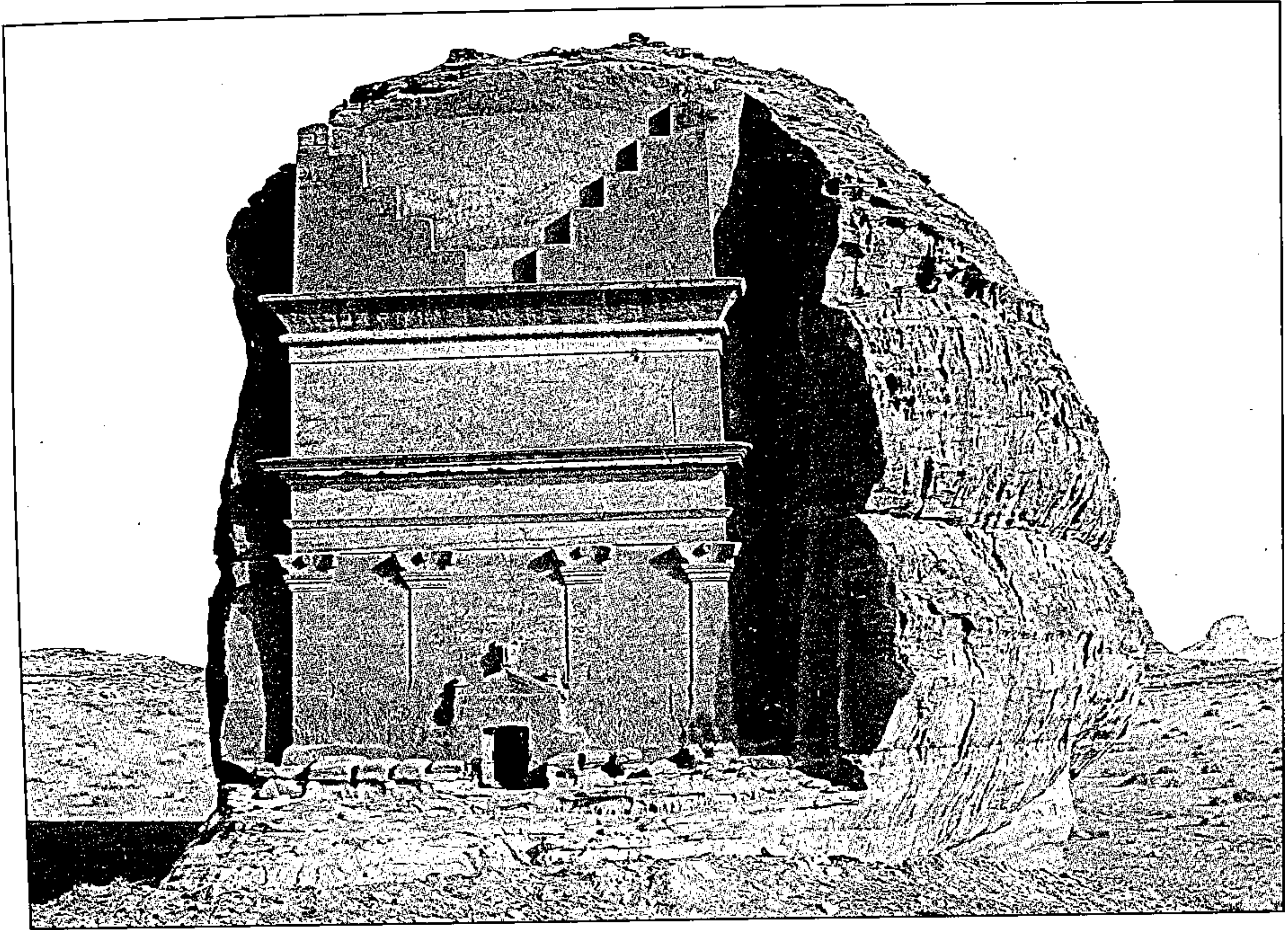
قوم ثمود کے نشان عبرت پہاڑوں کے تراشیدہ محل و مسکن (مدائن صالح)
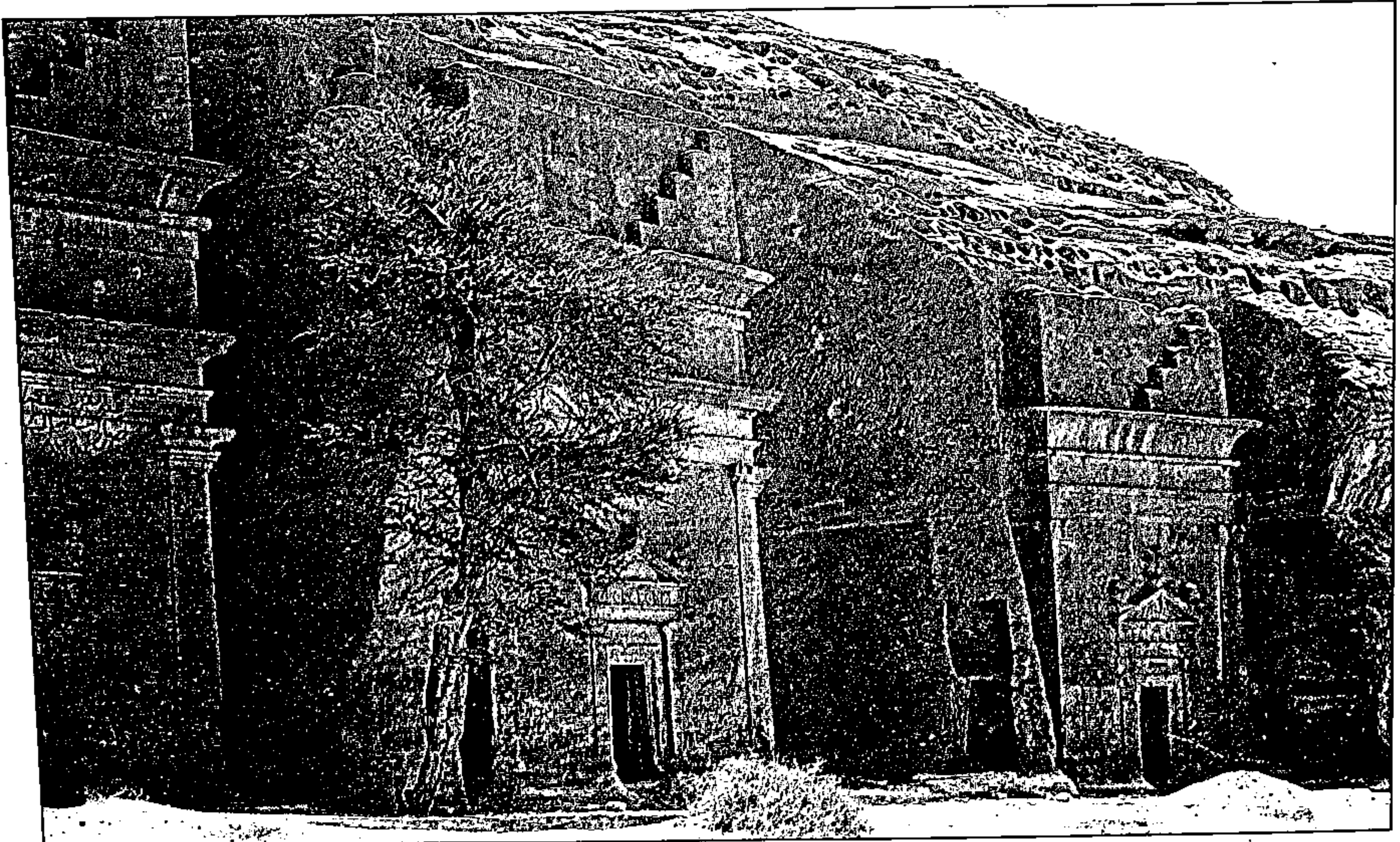
مدائن صالح۔ قوم ثمود کے پہاڑوں کے تراشیدہ محل و مسکن بطور نشان عبرت۔

CASPIAN SEA
Nisibis
Haran
MESOPOTAMIA
Ebla
Nineveh
Arbela
Assur
ASSYRIA
Holwan
Ecbatana
Upi
AKKAD
Sippar
PERSIA
Kutha
Babylon
BABYLONIA
Susa
Nippur
SUMER
Lagash
ELAM
Erech
Shirpurla
Eridu
Ur
CHALDEA
Teredon
ARABIA
ARABIAN GULF

Old Babylonian Empire, 1700 B.C.

Khatti
Amida
CILICIA
Nineveh
ASSYRIA
Arbela
Assur
KASSITES
Hamath
Upi
AKKAD
Arvad
Gebal
Kadesh
Sippar
Babylon
BABYLONIA
Sidon
PHOENICIA
Nippur
Susa
Damascus
Zor
SYRIA
SUMER
ELAM
Megiddo
ARAMEANS
Ur
Eridu
Gaza
EDOM
CHALDEA
Memphis
Heliopolis
EGYPT
MIDIAN
ARABIA
Abydos
Thebes
RED SEA

Babylonia-Assyria, 1450 B.C.

BLACK SEA
Sinope
Trapezus
CASPIAN SEA
Milid
Sardis
Carchemish
Tarsus
Haran
Nineveh
Arbela
Arpad
MITANNI
Calchu
Assur
Hamath
Holwan
Ecbatana
Arvad
Tadmor
Upi
AKKAD
Gebal
MEDITERRANEAN SEA
Sidon
Damascus
Babylon
Susa
Zor
PHOENICIA
Borsippa
Nippur
Dur-Ilu
Megiddo
Lagash
SUMER
Joppa
Samaria
Gaza
Jerusalem
Erech
Ur
Eridu
Sais
Tanis
EDOM
CHALDEA
Heliopolis
Memphis
Ezion-Geber
Elath
ARABIA
ARABIAN GULF
EGYPT
Thebes
RED SEA

Assyrian Empire, 7th Century B.C,

A view of the route from Mountain Abikobeis to Gar Sour

مکہ مکرمہ۔ جبل ابوقبیس سے غار ثور کا راستہ اور منظر۔1325 ہجری میں قلعہ جیاد و دیگر

(کتاب مرۃ الحرمین۔1925ء قاہرہ مصر)
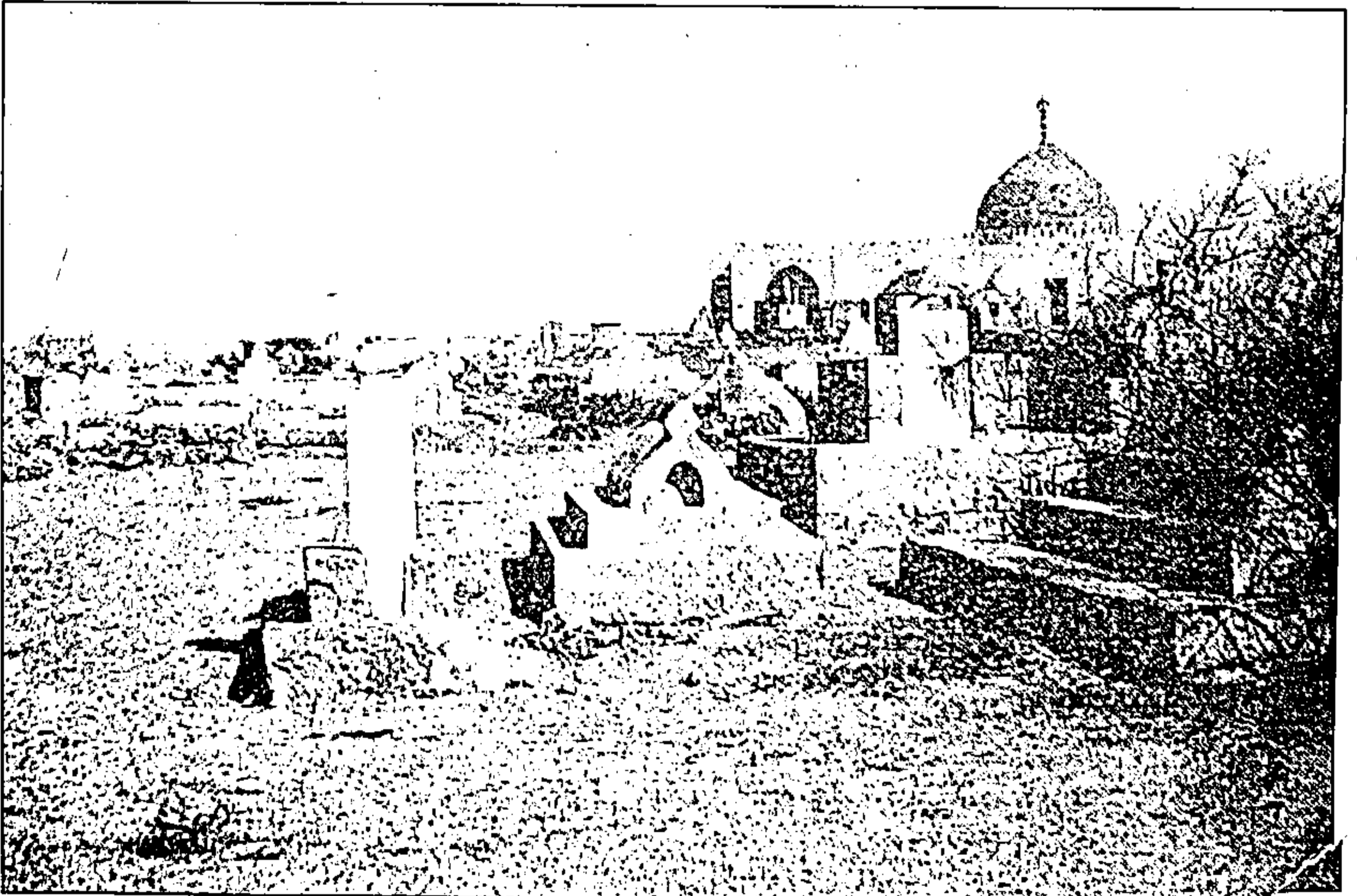
The view of Hawa (our mother) in Gedda (Jiddah) in 1321H-1904A.D.

جدّہ میں صورت قبر حضرت حوّا سلام اللہ علیہا۔1321ھ = 1904ء

(کتاب مرۃ الحرمین۔اشاعت 1344ء = 1925ء قاہرہ مصر)